بیاد ـــــ زینب النساء

فرحت آراء

مدیر اعلیٰ ـــــ مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ـــــ قیصر آرا

نائب مدیرہ ـــــ سعیدہ نثار

مدیرہ سائنس ـــــ ندا رضوان

مدیر خصوصی ـــــ طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	02
شمارہ	07
مئی	2017

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

نکراس پری وش کا

رخ سخن

آغوش مادر

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

آرٹیکل

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی۔ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: نازیہ علی ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر ...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مئی ۲۰۱۷ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

کراچی کا موسم یوں تو پورے پاکستان کے مقابلے میں قدرِ معتدل رہتا ہے لیکن پھر بھی گرمی تو گرمی ہے چند دن سے گرمی کی شدید لہر نے کراچی کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے کام کرنا مشکل کردیا ہے پسینہ ہے کہ پانی کی طرح بہہ رہا ہے، بجلی حسبِ معمول اکثر اوقات میں غائب رہتی ہے کئی جماعتوں نے بجلی کے مسائل کے بارے میں احتجاج بھی کیا لیکن کسی کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی، بس اللہ سے ہی دعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ ہمارے حکام، منتظمین کو عوام کے دکھ درد سمجھنے اور اسے دور کرنے کی توفیق دے آمین۔

میں اور میری ساتھی ارکان تمام قاری بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہیں سالگرہ گزرنے کے باوجود اپنے جذبوں کا اظہار فراخدلی سے کررہی ہیں میری اور میری ساتھیوں کی تو ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ حجاب کسی بھی طرح آنچل سے کم نہ ہو لیکن کچھ بہنوں کو شکوہ ہے کہ حجاب اور آنچل کے معیار میں جو فرق ہے اسے دور کیا جائے ان شاء اللہ میں پوری کوشش کررہی ہوں کہ میری بہنوں کو کسی قسم کی شکایت نہ ہو یہ آپ کے مشورے اور آراء ہی تو ہیں جو میری رہنمائی کرتی ہیں آپ کی آراء کی روشنی میں مجھے آگے بڑھنے کا رستہ ملتا ہے اور آپ کے حجاب اور آنچل کو سجانے سنوارنے کا سلیقہ بھی، آپ کی آراء بہت اہم اور روشنی کا باعث ہیں۔ میں آپ کی آراء کی منتظر رہتی ہوں امید ہے کہ آپ اپنی محبتوں سے یونہی نوازتی رہیں گی۔

اس ماہ کے ستارے

☆من شرما خلق	حرا قریشی کا ناولٹ جہاں الفاظ کا خوب صورت چناؤ اور جذبات کا حسین برتاؤ آپ کا دل موہ لےگا۔
☆ملو گے تم ہم کو گر نصیبوں سے	قسمت و تقدیر کی ستم ظریفی ایک انداز و نئے روپ میں۔
☆لرزش	ایک معمولی سی لرزش کا کفارہ کیسے ہوا، جانیے مریم شیراز کے ناول میں۔
☆من کی خوشبو	احساس و اپنائیت کی خوشبو لیے صبا عیشل کی لیبر ڈے کے حوالے سے خصوصی تحریر۔
☆عشق ناکام	عشق کے رموز بیان کرتی سباس ایک منفرد و دلکش افسانے کے سنگ جلوہ گر ہیں۔
☆ایک حرف مکرر ہے محبت	محبت و چاہت کی انوکھی داستان جانیے فضہ ہاشمی کے انداز میں۔
☆شکستِ خواب	خوابوں کے بکھرنے کی اذیت رقم کرتی سحرش فاطمہ اپنے افسانے کے سنگ حاضر ہیں۔
☆غربت کی لکیر	غربت کی لکیر کو مٹانے والوں کی ایک ناکام کوشش، ماریہ طفیل پارس کی اصلاحی کاوش۔
☆چناؤ	عزت اور محبت کے چناؤ کا فیصلہ کیونکر ہوا آسان نیلم شہزادی کا بہترین افسانہ۔
☆جیت	"ہارے بھی تو بازی مات نہیں" ام اقصیٰ کے منفرد و بہترین انداز میں۔
☆میرے خواب میرے جگنو	اپنے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈتی لڑکی کی کہانی، شبانہ شوکت کی زبانی۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آراء

حمد

لا الٰہ کی بولی بول الا اللہ سے گرہ کھول

اللہ ہو سے قلب جگائے جا

سدا رہتی نہیں جوانی یہ تو دنیا ہے فانی

فانی دنیا کو کلمہ پڑھائے جا

لا الٰہ کی بولی بول الا اللہ سے گرہ کھول

اللہ ہو سے قلب جگائے جا

یاد کر غافل تُو کس کام آیا تھا

سوچ تو ذرا تجھے رب نے کیوں بنایا تھا

تُو ہے رب کا خلیفہ تیرا اچھا ہے نصیبا

کر ذکر یہ قول نبھائے جا

لا الٰہ کی بولی بول الا اللہ سے گرہ کھول

اللہ ہو سے قلب جگائے جا

جناب نجم

چھیڑتا ہوں میں بھی اب تذکرہ مدینے کا

کھل رہے ہیں لب ایسے در کھلا مدینے کا

آسماں کی خواہش ہے میں زمین بن جاؤں

جب سے اس نے دیکھا ہے مرتبہ مدینے کا

پوچھتا ہے جب کوئی آپ کا وطن کیا ہے

دل جواب دیتا ہے لکھ پتا مدینے کا

روشنی اجالا نور سب انہی کا صدقہ ہیں

آفتاب چھوٹا سا اک دیا مدینے کا

کیا خبر مورخ کو کیا بتائے بے چارہ

یہ ازل سے قائم ہے میکدہ مدینے کا

جانے ہم کدھر جاتے جانے ہم کہاں ہوتے

گر ہمیں نہیں ملتا آسرا مدینے کا

پھر ادیب کو آقا اپنے در پہ بلوالیں

روز ایک جاتا ہے قافلہ مدینے کا

ادیب رائے پوری

اقرأ راجپوت

السلام علیکم! آنچل اسٹاف قارئین اور رائٹرز کو میرا پیار بھرا الفت بھرا پھولوں بھرا خوشیوں بھرا اور دعاؤں بھرا تحفہ' سلام قبول کیجیے۔ میرا نام اقرأ ہے' ایف اے کیا ہے اور میں ضلع سیالکوٹ کے گاؤں بھونا نوالی میں 21 جولائی کو پیدا ہوئی۔ ہم سات بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں' چھ بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں۔ ہمارا تعلق زمیندار گھرانے سے ہے' اپنی امی کے ساتھ گھریلو کام میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔ امی ابو سے بہت پیار کرتی ہوں' اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے' آمین۔ سادگی پسند ہوں اور خود بھی بہت سادہ رہتی ہوں اور مجھے بلیک' وائٹ' پنک اینڈ پرپل رنگ بہت پسند ہے اور کپڑوں میں مجھے شلوار قمیص کے ساتھ بڑا سا دوپٹہ بہت پسند ہے۔ پھولوں میں گلاب اور موتیا بہت پسند ہے اور موسم بہار مجھے بہت پسند ہے' بقول سب لوگوں کے کہ دل کا موسم اگر اچھا ہو تو سارے ہی موسم اچھے لگتے ہیں۔ قارئین میں پہلی دفعہ شرکت کر رہی ہوں' مجھے آنچل پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ اب میں اپنی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں بتاتی ہوں تو جناب غصہ زیادہ تو نہیں کرتی اگر زیادہ کرتی ہوں تو جلد ہی اتر جاتا ہے ویسے مجھے ہر ایک کا خیال رکھنا اچھا لگتا ہے اگر کوئی بُرا لگے تو میں اسے بالکل بھی محسوس نہیں ہونے دیتی کیونکہ دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات بستی ہے اور جھوٹے لوگ مجھے بالکل بھی پسند نہیں میں ان سے سخت نفرت کرتی ہوں اور میری بُری عادت یہ ہے کہ ٹی وی بہت زیادہ دیکھتی ہوں۔ ناولز اور اسلامی کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے لیکن فیورٹ کتاب قرآن پاک ہے اور فیورٹ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ اگر دن کا آغاز نماز اور قرآن پاک کی تلاوت سے کیا جائے تو دن اچھا گزرتا ہے لیکن انسان کو اگر کوئی پریشانی ہو تو پانچ وقت کی نماز ادا کرلے تو یقین کریں کوئی پریشانی نہیں رہے گی جیسے فرمایا گیا ہے کہ تم اللہ کے گھر کو اپنی عبادت سے آباد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے گھروں کو اپنی رحمت سے آباد رکھے گا۔ ویسے ہر کوئی مجھ پر اعتبار کرتا ہے' میں نے کبھی کسی کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی' کسی سے اتنی جلدی بے تکلف نہیں ہوتی۔ اب آتی ہوں رائٹرز کی طرف تو مجھے سمیرا شریف طور اور نازیہ کنول نازی' سعدیہ امل کاشف بہت پسند ہیں ویسے آنچل وحجاب سے میرا تعلق اتنا پرانا تو نہیں لیکن ایسے لگتا ہے کہ جیسے بہت عرصے سے پڑھ رہی ہوں۔ آنچل کی وجہ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ ہر کسی سے جلد فرینک نہیں ہوتی اس لیے فرینڈز ذرا کم ہی ہیں۔ اب اجازت چاہوں گی کہ آپ سب جہاں رہیں خوش رہیں' زندگی کو زندہ دلی سے جیو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرو اور زندگی کو نفرتوں کی ندامت کرو اور جیو تو مزے سے آخر میں ایک اور اچھی بات کہنا چاہوں گی کہ قارئین تعلیم ضرور حاصل کرو یہ آپ کے ذہن کو فریش رکھتی ہے اور مشکل وقت میں حوصلہ دیتی ہے اور کوئی ہنر ضرور سیکھیں' اللہ حافظ' فی امان اللہ۔

شائستہ

ارے رکیے' ایک نظر ہم پر بھی ڈالیں' شکریہ میری بات ماننے کا۔ سب سے پہلے تو آپ کو سلام اس کے بعد ڈھیروں دعائیں۔ اب ذرا تفصیل بتاتی ہوں مابدولت 25 دسمبر کو کراچی میں پیدا ہوئی ہم نو بہنیں' دو

بھائی ہیں‘ میں سب سے چھوٹی ہوں۔ جب میں دو سال کی تھی تب پاپا کا انتقال ہوا تھا (اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے) بولیں آمین میرے علاوہ سب بہنوں کی شادی ہوچکی ہے میں باقی ہوں۔ خیر دو بھائیوں میں ایک کی شادی ہوئی ہے اور ایک پیارا سا بھتیجا حبیب بھی ہے۔ میری ماشاء اللہ سے چھیالیس بھانجے اور بھانجیاں ہیں‘ حیران مت ہو۔ بہنیں زیادہ ہیں تو بھانجیاں ار بھانجے بھی زیادہ ہوں گے‘ خیر تنہائی پسند ہوں میرا تعلق دینی گھرانے سے ہیں‘ میرے پاپا ٹیلر تھے میں بھی سیتی ہوں کپڑے۔ میرے فیورٹ کلر بلیک اور سی گرین ہے اس کے علاوہ مجھے فروٹ سے عشق ہے۔ فروٹ میں پھلوں کا بادشاہ آم‘ انار‘ تربوز‘ چیکو‘ خوبانی اور چیری بہت پسند ہے۔ کھانے میں چکن جلفریزی‘ چکن تندوری اور پسندے بہت پسند ہیں۔ میٹھے میں رس ملائی بہت زیادہ پسند ہے۔ ابھی میٹرک کے پیپر دے کر فارغ ہوئی ہوں‘ ان شا اللہ فرسٹ ائیر میں ایڈمیشن لوں گی‘ آنچل میں نے آٹھویں کلاس سے پڑھنا شروع کیا ہے۔ آنچل بہت شوق سے پڑھتی ہوں اس میں بہت سی سبق آموز کہانیاں ہوتی ہیں‘ آنچل وحجاب کے تمام رائٹرز بہت اچھے ہیں‘ میرا اسٹار برج قوس ہے‘ میں نے اپنے پاپا کو صرف تصویر میں دیکھا ہے پھر بھی میں امی اور ان سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میری ماں اور بھائیوں نے مجھے کبھی پاپا کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ آئی لو یو امی اینڈ پاپا۔ امی آج کل عمرہ کرنے گئی ہیں اور حج کے بعد واپس آئیں گی‘ امی آپ کی بہت یاد آرہی ہے۔ دنیا کی سب سے اچھی میری ماں ہے (اللہ پاک امی کو اپنے حفظ وامان میں رکھنا) آمین۔ بھانجیوں میں میری دو بیسٹ فرینڈ ہیں ایک حنا دوسری عطیہ۔ مشروب مرنڈا‘ ڈیو اور ٹینگ پسند ہے‘ گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے۔ اب تک جتنی بھی جگہ گھومنے گئی ہوں‘ ان میں واٹر پارک بہت پسند ہے۔ فیورٹ کتاب قرآن پاک‘ فیورٹ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پہلے فلمیں وغیرہ دیکھتی تھی وہ بھی بہن کے گھر‘ ہمارے گھر ٹی وی نہیں ہے لیکن اب سب چھوڑ دیا ہے اپنے رب کے لیے۔ اب میں راہِ حق کی مسافر ہوں‘ جہاد میں جانا چاہتی ہوں اپنے دین کے لیے لڑنا چاہتی ہوں۔ آپ سب سے ریکوئسٹ ہے میرے لیے دعا کریں کہ شہادت میرا نصیب ہو اور مجھے یقین ہے آپ دعا ضرور کریں گی کیونکہ زندگی امتحان ہے آپ اپنے رب کے راستے میں جانے والی لڑکی کے لیے دعا کریں یہ دنیا تو چند دن کی ہے۔ میں اپنی ہر بات اپنی بھانجی حنا اور عطیہ سے شیئر کرتی ہوں‘ میری بیسٹ فرینڈ زاہد اور یاسمین ہے‘ اس کے علاوہ عام دوستوں میں مریم‘ شہیدہ‘ صائمہ‘ شمیمہ ہے۔ میری بھابی بہت اچھی ہیں‘ میری امی چھ بھائیوں کی اکلوتی بہن ہیں‘ میری اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک آنچل وحجاب کے تمام رائٹرز کو صحت عطا فرمائے‘ انہیں اور اچھا لکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور آنچل وحجاب کے تمام رائٹرز کو ہمیشہ خوش رکھے‘ آمین۔

ربیعہ اساور بٹ

تمام اسٹاف ممبران‘ کزنز‘ بہنوں اور سویٹ فرینڈز کو پیار بھرا سلام۔ مجھے ربیعہ اساور بٹ کہتے ہیں کشمیری بٹ فیملی سے تعلق ہے۔ جی ہاں میں چاہتی تھی اپنے پیاروں کو اپنے بارے میں معلومات دوں تو اب ہم نے تعارف میں انٹری کرلی۔ اپنی فیملی کے بارے میں بتاتی چلوں ہم چار بہنیں اور تین بھائی ہیں‘ میں سیکنڈ لاسٹ پر ہوں۔ ڈاکٹر بھائی دبئی میں ہوتے ہیں‘ جن کو میں بہت مس کرتی ہوں اور ان کی کامیابی اور صحت تندرستی کے لیے دعا گو ہوں کیونکہ جان ہے تو

جہان ہے۔ میری بی جان میری زندگی کا محور ہیں جو کہ ڈی ایم کے عہدے پر فائز ہیں' چھوٹا لاڈلا حافظ قرآن ہے۔ سسٹر مدیحہ غزل کے ہمراہ باہر جانے میں مزا آتا ہے' پرنس طلحہ' زکی (شیر جان) فیری عفا اور ننھی علیز ے اور بے حد پیارا ہر دل عزیز بھتیجا طلال ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور نور ہے اپنی فیملی سے کافی فرینک ہوں' امی جان جنہیں ہم ماں جی کہتے ہیں اور بابا جانی جن کو خوشگوار ماحول میں بٹ صاحب یا حاجی صاحب کہتے ہیں۔ اگر کہیں چلے جائیں تو بہت کمی محسوس ہوتی ہے زندگی میں دوستیں تو بہت بنی سب بچھڑ گئیں۔ سائرہ بیسٹ فرینڈ ہے جو میری کسی نیکی کا نعم البدل ہے' اللہ نے اس جیسی دوست عطا کی' ایک دوست جس نے بے وفائی اور دھوکا دے کر اس پرخلوص اور بے لوث رشتے کو ختم کرنا چاہا لیکن سائرہ جیسی دوست نے ثابت کردیا کہ اس خوب صورت رشتے (دوستی) سے بڑھ کر زندگی میں کچھ نہیں۔ پرخلوص اور محبتوں سے گندھے رشتے اللہ کی طرف سے نایاب تحفہ ہے۔ میری خامی اور خوبی کے بارے میں کوئی دوسرا ہی بتا سکتا ہے' میری ذات کے بارے میں ہما (کراچی) نے بالکل درست تجزیہ کیا ہے۔ خامی یہ ہے کہ مجھے رونا بہت جلد آتا ہے میں اپنے ہر پیار کرنے والے کے بارے میں بہت حساس ہوں اور خوبی میں اگر میں کسی سے دوستی کرلوں تو ہر حال میں نبھانا جانتی ہوں۔ طیبہ اور ہما کے ساتھ گزرا ہر لمحہ بہت یادگار ہے مجھے ان سے باتیں کرنے اور ناولز شیئر کرنے میں بہت مزا آتا ہے' ساحل سمندر پر سورج سے ڈوبنے کا منظر بہت دلکش لگتا ہے۔ طیبہ کے ساتھ بارش میں بیٹھ کر پکوڑے بسکٹ اور چائے کو انجوائے کرنا بہت پسند ہے' دلچسپ مشغلہ علاوہ ڈائجسٹ پڑھنے کے کوئی بھی نہیں' سیر و سیاحت کی بہت شوقین ہوں۔ بابا جانی کی بدولت کافی جگہوں کی سیر کی ہے' پیار و محبت سے دیئے گئے گفٹ کو سنبھال کر رکھنا جانتی ہوں' لباس میں لمبی فراک اور لمبا دوپٹہ پسند ہے۔ جیولری میں ائیر رنگز اور رنگز پسند ہیں' فیورٹ کلر وائٹ اینڈ بے بی پنک سائرہ کے بقول میرون کلر مجھ پر اچھا لگتا ہے۔ کھانے میں بریانی اور سویٹ میں کسٹرڈ اور پستہ آئس کریم بہت پسند ہے۔ اپنی سالگرہ پر سائرہ اور بی جان کی کال کا انتظار ہوتا ہے' ان کے وش کرنے کے بعد اپنے آپ کو لکی محسوس کرتی ہوں' خواہشات کو اپنے اوپر حاوی ہونے نہیں دیتی علاوہ ایک خواہش کے میری دلی خواہش ہے کہ اللہ مجھے اپنے گھر کی زیارت کروادے اور حج وعمرہ کی سعادت نصیب کرے۔ آخر میں اس بات اور دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی اللہ تمام امت مسلمہ اور بہن بھائیوں اور والدین کو حج وعمرہ کرنے کی توفیق دے اور اپنے گھر کی زیارت کروائے اور سب کی خوشیوں کو پورا کرے' آمین۔

کرن فاطمہ

السلام علیکم! ڈیئر اینڈ کیوٹ ممبران اینڈ پیارے قارئین کیا حال ہے آپ کا؟ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے تو جناب آتے ہیں ہم اپنے تعارف کی جانب تو...... میرا نام کرن فاطمہ ہے' والد کا نام تصور ہے۔ ہم چھ بہنیں اور چار بھائی ہیں' میں دو بھائیوں سے چھوٹی ہوں اور بہنوں میں سب سے بڑی ہوں۔ ایک بھائی سعودیہ عرب گیا ہوا ہے اور دوسرا شادی شدہ ہے اور میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔ میٹرک کے بعد مدرسہ جوائن کیا ہے' شعبان میں فارغ ہوجاؤں گی پھر دوبارہ فرسٹ ائر میں ایڈمیشن لینا ہے۔ عربی اور اسلامیات کی لیکچرار بننے کا بہت شوق ہے اگر اللہ نے چاہا تو ضرور بنوں گی۔ خواہشات تو بہت زیادہ ہیں لیکن ہر خواہش تو پوری نہیں ہوتی۔ ہماری کاسٹ

راجپوت ہے ملتان میں رہتی ہوں جامعہ خلفائے راشدین میں پڑھتی ہوں۔ ناول اور ڈائجسٹ پڑھنے کا شوق ہے بات اگر کلر کی ہو تو پنک اینڈ بلیک کلر پسند ہے۔ کپڑوں میں فراک چوڑی دار پاجامہ چھوٹا سا دوپٹہ جینز کی پینٹ پہلے پہنی ہے لیکن اب نہیں پہنوں گی کیونکہ اب کورس کررہی ہوں ۔ بات ہوجائے خوبیاں اور خامیاں کیا ہے تو خوبیاں یہ ہیں بقول فرینڈز درگزر زیادہ کرتی ہوں دل میں بغض نہیں رکھتی خوش اخلاق ہوں۔ خامیاں یہ ہیں کہ سب پر اعتماد کرلیتی ہوں اور دل کی ہر بات شیئر کرتی ہوں بعد میں بہت نقصان ہوتا ہے اور بہت زیادہ فنی ہوں۔ میری وجہ سے کلاس میں ہلا گلا رہتا ہے۔ کھاتی بہت ہوں سب کچھ دوسروں سے بھی گھر سے بھی شرم نہیں آتی صرف کھانے پینے میں اور کسی چیز میں بے شرم نہیں ہوں۔ پردے کی پابند ہوں یہ سب پھوپو کی کرم نوازیاں ہیں کہ انہوں نے پڑھایا لکھایا بولنے کا شعور سکھایا اللہ میری پھوپو کو دونوں جہانوں میں کامیابی عطا فرمائے آمین اور ان کی اولاد کو بھی۔ میرے فیورٹ کزن عائشہ خنساء سجاد زوبی عبداللہ سے اور دوستیں بھی ہیں اور سب مخلص ہیں مثلاً مہناز شبانہ شہناز آنٹی رانی آسیہ انعم سونیا عائشہ اسماء رخسانہ سمیرا بہت زیادہ ہیں۔ اسکول کی فرینڈز کے نام پھر کبھی لکھوں گی۔ پسندیدہ شہر قائم پور ملتان ہے۔ فیورٹ ناول ''جو چلے تو جاں سے گزر گئے'' خدا اور محبت۔ فیورٹ مصنفین ماہا ملک نسیم حجازی نازیہ کنول نازی سمیرا شریف طور نادیہ فاطمہ نزہت جبین ضیا اور عفت سحر طاہر ہیں کھٹی چیزیں بہت پسند ہیں مثلاً گول گپے کیری لیکن گھر والے کھانے نہیں دیتے۔ میں نے آپ لوگوں کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی بات کی پھر بھی تم سب لوگوں سے بہت دلچسپی ہے اور آپ لوگوں سے تعلق رکھنا چاہتی ہوں پلیز ریجیکٹ نہیں کرنا ہماری خواہشات کی قدر کرنا۔ مجھے آپ لوگوں سے بہتری کی امید ہے۔ جیولری میں کچھ خاص پسند نہیں بریسلیٹ بہت پسند ہے اور انگوٹھی۔ سب کام کرلیتی ہوں اگر دل کرے تو فیورٹ سر اصغر اور خدا بخش عباسی ہیں اپنی کلاس میٹ کو بہت مس کرتی ہوں شاید کہ وہ اتنا یاد نہیں کرتی ہوں گی۔ شعروشاعری بہت پسند ہے غزل بھی اور شعروشاعری کرتی بھی ہوں۔ رات کا وقت بہت اچھا لگتا ہے سردیوں کا موسم بھی بہت پسند ہے جتنا موسم اچھا ہوتا ہے اس سے زیادہ مجھے یادیں بھی ستاتی ہیں اپنی اسکول لائف کی اور فرینڈز کی۔ شاعر حضرات میں فراز وصی علامہ اقبال بہت پسند ہیں۔ مہندی جنون کی حد تک پسند ہے اور لگانی بھی آتی ہے بیوٹی پارلر کا کام بھی تھوڑا بہت آتا ہے۔ گفٹ لینے اور دینے کا بہت شوق ہے دیکھتے ہیں آپ لوگوں میں سے کون دینا پسند کرے گا۔ تاریخ پیدائش 11 مئی 1999ء ہے۔ آپ لوگوں سے ریکوئسٹ ہے کہ میری ایک بہت بڑی پریشانی ہے دعا کرنا پلیز دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے اگر کوئی غلطی کوتاہی ہوئی ہو تو معاف کرنا اللہ حافظ۔

حجاب: السلام علیکم

وعلیکم السلام

حجاب: آپ کا پورا نام اور کوئی تخلص ہے تو وہ کیا ہے؟

سعدیہ عابد تخلص دیا۔

حجاب: آپ کی تاریخ پیدائش، جائے پیدائش، ستارہ، تعلیم؟
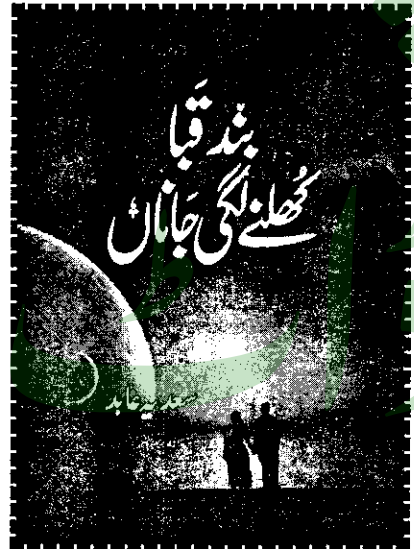
3 اگست، کراچی، اسد (Leo) ماسٹرز (جنرل ہسٹری)

حجاب: آپ کا بچپن کیسا گزرا؟

عام مگر اچھا! شرارتیں کرتے ڈانٹ کھاتے لاڈ اٹھواتے۔

حجاب: اپنی فیملی کے بارے میں بتایئے کون کون ہے؟

والد صاحب کی وفات ہوگئی ہے۔ امی، چار بھائی، دو بہنیں اور ایک مابدولت۔ بڑے بھائی سید فرہاد علی اور دونوں بڑی بہنیں شادی شدہ ہیں۔

حجاب: پہلی تحریر کب کس ادارے میں شائع ہوئی؟ قلمی سفر کے حوالے سے کچھ بتائیں؟

دسمبر 2007 ردا ڈائجسٹ سے باقاعدہ قلمی سفر کا آغاز ہوا۔ پہلا ناولٹ تھا ''تو ہی میرا سائبان'' کے عنوان سے۔ دوسری تحریر آنچل میں شائع ہوئی تھی جنوری 2008 میں مکمل ناول بعنوان ''خواب آنکھیں اور تعبیر'' اس کے بعد متعدد جریدوں میں لکھ چکے ہیں آج کل آن لائن لکھ رہے ہیں اور کتاب گھر پہ ناول ''جیتوں تو تجھے پاؤں'' اور پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پہ ناول ''بجھ نا جائے دل دیا'' کے عنوان سے ہر ماہ شائع ہوتا ہے۔

حجاب: لکھنے کا وقت مل جاتا ہے؟

لکھنے کا وقت مل جاتا ہے الحمدللہ بس موڈ نہیں بنتا کہ جب بھی لکھا موڈ سے لکھا اس لیے وقت نہ ملے اور لکھنے کا موڈ بن جائے تو وقت نکال لیا جاتا ہے۔

حجاب: کس موضوع پہ لکھتے ہوئے لگتا ہے کہ آپ نے قلم کا حق ادا کردیا؟

ابھی ایسا کچھ نہیں لکھا کیونکہ طفل مکتب ہوں سیکھ رہی ہوں اور کوشش کرتی ہوں کہ قلم کا حق ادا کرسکوں مگر اس کوشش میں کتنی کامیاب ہوتی ہوں اس کا جواب قارئین کی آراء میں پوشیدہ ہے بہت زیادہ نہیں مگر اپنے لکھے سے کچھ حد تک مطمئن ضرور ہوں الحمدللہ۔

حجاب: کیا لکھنا آسان ہے؟

لکھنا کبھی آسان اور کبھی بہت مشکل کہ جب احساس پہ ضرب لگتی ہے تو بعض اوقات قلم میں روانی آجاتی ہے اور بعض اوقات قلم خاموش ہوجاتا ہے ہزار داستانیں ذہن و دل میں شور مچاتی ہیں مگر ایک لفظ قلم کی نوک سے آزاد نہیں ہوپاتا۔

حجاب: آپ کی کتنی کتابیں مارکیٹ میں آچکی ہیں اور آپ کو اپنی کون سی تحریر پسند ہے؟

الحمدللہ چار کتابیں مارکیٹ میں آگئی ہیں

۱۔ بند قبا کھلنے لگی جاناں

۲۔ پلکوں پہ چمکتے آنسو

۳۔ جنون عشق کی روٹھی رت

۴۔ میری چاہت میری ریاضت

اور ان شاللہ پانچویں کتاب اسی سال مئی میں علم و عرفان پبلشرز سے شائع ہوگی۔ اپنی ہر تحریر پسند ہے کہ اپنی اچھائی نہیں برائی سے بھی پیار ہوتا ہے۔

حجاب: شہرت کیسی لگتی ہے؟

شہرت کا اپنا ہی مزہ ہے اور کامیابی تو سب کو اچھی

لگتی ہے اس لحاظ سے شہرت اچھی لگتی ہے۔

حجاب: آپ کی فیملی میں کسی کو لکھنے کا شوق ہے؟

فیملی میں کسی کو بھی لکھنے کا شوق نہیں ہے۔

حجاب: ہمارے ہاں خواتین رائٹرز کو فیملی سپورٹ کم ملتی ہے آپ کے خیال میں ان حالات میں ایک مصنفہ کو کیا کرنا چاہیے کیا اسے لکھنا چھوڑ دینا چاہیے۔؟

فیملی کی سپورٹ نہ ہوتو میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ لکھنا چھوڑ دینا چاہیے کہ جب اپنوں کا ساتھ نہ ہوتو باہر سے ملنے والی کامیابی و شہرت محض چاند کی مانند ہوتی ہے جو ایک دن ڈھل جاتا ہے اور جب شکست خوردہ انسان آگے بڑھتا ہے تو اسے پھر اپنوں کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے کچھ بھی کریں فیملی کی مکمل

سپورٹ کے ساتھ کریں فیملی جس کام کی مخالفت کرے وہ ترک کردینا چاہیے۔

حجاب: نثر کے علاوہ شاعری بھی کرتی ہیں؟

نثر نگاری کے ساتھ موڈ کی مناسبت سے شاعری بھی کرلیتے ہیں۔

حجاب: اپنا کوئی شاعرانہ کلام جو قارئین کیساتھ شیئر کرنا چاہیں؟

پہلی غزل جو شائع ہوئی تھی قارئین حجاب کی نذر

تم جب بھی آتے ہو آہٹ کیئے بنا ہی آتے ہو

کوئی تسلی نہیں بنا دلاسے کے ہی چلے جاتے ہو

یہ سوچو کبھی بے رخی کے درد کو سینے سے لگانا ہے مشکل

آہ لب پر دھڑکنوں میں تلاطم پیدا کیئے جاتے ہو

کبھی تو بنو محبت وآس کا دیا روشن ہو جاؤ پھر

منڈلاؤ گرد میرے پروانے کی مانند دور کیوں چلے جاتے ہو

روگ کیوں نہ لگے من کو تم میں ادائے محبت ہی نہیں

سنوار دو میری زلفیں بکھری چھوڑے جاتے ہو

منتظر ہی رہتی ہیں اک آہٹ پہ تیری دیا کی پلکیں

آنے میں بہت دیر جانے میں پل نہیں لگاتے ہو

حجاب: شاعری کی کونسی صنف میں طبع آزمائی کرنا زیادہ پسند ہے غزل، نظم، ہائیکو وغیرہ؟

نظم کہنا غزل کی نسبت آسان ہوتا ہے طبع آزمائی تو ہر صنف میں کی ہے مگر شاعری کی نسبت نثر سے زیادہ لگاؤ ہے۔

ہائیکو آپ سب کی نذر

وفا کے جزیرے پہ کھڑی ہوں

تنہا واکیلی میں

کسی سائبان کی تلاش میں

تا حد نگاہ نیلا سمندر

ابھرتی تصویر تیری

اوجھل ہوتی ذات میری

حجاب: شاعری کیسی لگتی ہے پسندیدہ شاعر؟

شاعری سے بے حد لگاؤ ہے تمام شعراء کا کلام پسند ہے خاص کر علامہ اقبال، واصف علی واصف،

فرحت عباس شاہ ، پروین شاکر ، جون ایلیا، گلزار وغیرہ۔

حجاب: پسندیدہ کتب اور ادیب؟

عشق کا عین از علیم الحق حقی

امر بیل، من وسلویٰ از عمیرہ احمد

جنوں تھا کہ جستجو از فرحت اشتیاق

زاویہ از اشفاق احمد۔

خلیل جبران ، واصف علی واصف، اشفاق احمد، فرحت اشتیاق، سعدیہ عزیز آفریدی اور تمام مصنف جنھیں پڑھا ہے۔

حجاب: اگر آپ سے کوئی کہے کہ لکھنا چھوڑیں تو کیا چھوڑ دیں گی؟

ہر کسی کے کہنے پہ تو نہیں لیکن اگر فیملی نے کہا لکھنا چھوڑ دو تو چھوڑ دیں گے۔

حجاب: زندگی کو کیسا پایا؟

بہت مشکل الجبرا کی مانند کوئی الجھی ڈور جسے جتنا سلجھاؤ مزید الجھتی جاتی ہے۔

حجاب: زندگی سے کوئی گلہ؟

زندگی سے ہزار گلے ہیں بس اللہ صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حجاب: نیچر کے علاوہ کیا متاثر کرتا ہے مہنگائی، بجلی کا بل یا......؟

مہنگائی کیونکہ غریب آدمی دن بہ دن غریب اور امیر آدمی دن بہ دن امیر ہوتا جارہا ہے۔

حجاب: آپ کو گہری نیند سے جگایا جائے تو غصہ آتا ہے؟

بہت زیادہ شدید قسم کا غصہ آتا ہے۔

حجاب: کون سی ایسی ڈش ہے جو آپ ہر وقت کھانے کے لیئے تیار رہتی ہیں؟

ایسی تو کوئی خاص ڈش نہیں ہے کیونکہ کھانے کا اتنا شوق ہی نہیں ہے البتہ کھانے کے معاملے میں چوزی بہت ہوں اس لیئے امی تنگ ہی رہتی ہیں۔

حجاب: موسم ، رنگ ، خوشبو، تہوار کون سے پسند ہیں؟

سردی ،خزاں کالا، سرخ، نیلا، سفید کاسنی رنگ بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔ موتیا، مہندی اور مٹی کی خوشبو۔

تمام مذہبی تہوار پسند ہیں۔

حجاب : اگر آپ کو پاکستان کا وزیراعظم بنادیا جائے تو آپ پہلا کام کیا کریں گی؟

معیار تعلیم میں ضروری تبدیلی پرائیوٹ اسکولز پہ پابندی اور گورنمنٹ کے ہر اسکول میں مساوی تعلیم کا نظام متعارف کروانا۔ وزیراعظم بننے کے بعد یہی پہلی ترجیح ہوگی۔

حجاب: پاکستان کے لیے آپ کے کیا جذبات ہیں اور پاکستان کے حالات کو دیکھ کر کیا سوچتی ہیں؟

پاکستان کے لیے نیک جذبات ہیں دلی آرزو تو یہی ہے کہ پیارا وطن امن کا گہوارا بن جائے کہ ملکی حالات پہ دل بہت دکھتا ہے کہ اس دن کے لیے تو بزرگوں نے جان کے نذرانے نہیں دیئے تھے کہ اپنے ہی ملک میں امن سے رہنا دشوار ہوجائے بس دعا کرتے ہیں کہ امن کی صبح یوں طلوع ہو کہ زوال کو آنکھیں ترس جائیں صرف سکون امن اور تحفظ ہو آمین۔

حجاب: زندگی سے کیا سیکھا؟ بلکہ یہ بتائیں کہ آپ کی زندگی کا نچوڑ کیا ہے؟

زندگی سے بس یہی سیکھا کہ نا اتنے میٹھے بنیں کہ لوگ نگل لیں نا اتنے کڑدے بنیں کہ لوگ تھوک دیں، میانہ روی میں ہی اصل زندگی کی خوشیاں پوشیدہ ہیں اور جہاں تک زندگی کے نچوڑ کی بات ہے ابھی تک جتنی گزری اچھی گزری بس بھروسہ نے بہت ڈبویا اور اعتبار کر کے بڑے دھوکے کھائے جن کے ساتھ مخلص تھے وہ وقت پہ کام نا آسکے اور ثابت ہوا کہ دوست نہیں آستین کا سانپ تھے ٹھیک کہا تھا اشفاق صاحب نے کہ امید کا پیالہ ٹھوکروں کی زد پہ رہتا ہے۔

حجاب: دعائیں قبول ہوتی ہیں؟

انسان ازل سے ناشکرا ہے اس لیے لگتا ہے کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

حجاب: سیاست سے دلچسپی ہے؟

سیاست سے کافی دلچسپی تھی۔ موجودہ سیاست نے جو بیان بازی کی سیاست کی بنیاد ڈالی ہے اس نے دلچسپی کا تناسب صفر پہ لے جا کر کھڑا کردیا ہے۔

حجاب: پسندیدہ مضمون کون سا تھا؟

مطالعہ پاکستان تاریخ۔

حجاب: کوئی ایسی ہستی جس سے دل کی باتیں کرتی ہوں؟

کوئی بھی نہیں بچپن کی دوست زینت کو ہمیشہ یہ گلہ رہا ہے کہ ہم کچھ شیئر نہیں کرتے۔ بس عادت ہی نہیں کسی سے شیئر کرنے کی ڈائری لکھتے ہیں۔ اللہ وہ واحد ہستی ہیں جو خود سے تو بیشک جانتے ہیں مگر خود بھی دل کی باتیں سکھ دکھ شیئر کرلیتے ہوں۔

حجاب: کس جگہ سیر کرنے کو دل چاہتا ہے؟

ساحل سمندر کی۔

حجاب: کوکنگ کا شوق ہے؟

کوکنگ کا شوق ایک فیصد بھی نہیں ہے۔

حجاب: باہر جا کر کھانے کا موڈ ہو تو کیا کھانا پسند کرتی ہیں؟

باہر جا کر تو نہیں کھاتے کہ اگر موڈ ہو تو گھر پر ہی منگوالیا جاتا ہے اس لیے جو بھائی لے آتے ہیں وہی کھالیتے ہیں۔

حجاب: زندگی کا سب سے خوب صورت لمحہ؟

زندگی کا ہر وہ لمحہ خوب صورت ہے جس میں امی کا ساتھ میسر ہے۔۔۔ وہ لمحہ بہت خوب صورت تھا جب اپنی پہلی کتاب ہاتھ میں لی تھی اور امی کی طرف بڑھائی تھی امی کے چہرے پہ جو مسکراہٹ آئی تھی وہی زندگی کا خوب صورت لمحہ تھا۔

رہتے ہیں میرے ساتھ فرشتے دعاؤں کے
میں خوش نصیب ہوں میری ماں حیات ہے

حجاب: آپ کا کل اثاثہ؟

میری فیملی۔

حجاب: کوئی ایسی بات جس پہ پچھتاوا ہوا ہو؟

ہم دماغ سے کم اور دل سے زیادہ فیصلے لیتے ہیں اور دل کے فیصلہ پہ جو عمل کرتے ہیں وہ تو مطمئن ہوتے ہیں مگر جب زندگی داؤ پیچ کھیلتی ہے تو ایسے میں زندگی میں انسان کو اکثر پچھتاوے بھی گھیر لیتے ہیں بعض اوقات کرنا کچھ ہو، کر کچھ جائیں تو بعد میں پچھتاوا ہوتا ہے کہ کاش فیصلہ دماغ سے کرلیا ہوتا۔

حجاب: کوئی ایسی بات جس سے چڑ ہو؟

جھوٹے بہانوں سے سخت چڑ ہے اور اس مذاق سے تو سخت کوفت ہوتی ہے جس کی آڑ میں انسان دل کی بات کہتا ہے اور ذہن کا زہر اگلتا ہے اور مذاق کر رہے تھے کہہ کر معصوم بن جاتا ہے یہ صورتحال ہمیشہ چڑ چڑا کر دیتی ہے۔

حجاب: نوجوانوں کو کوئی پیغام یا نصیحت کرنا چاہیں گی؟

خود نوجوان ہیں اس لیے نصیحت کرتے تو اچھے نہیں لگیں گے۔ پیغام بس یہی ہے کہ اپنوں کو کبھی ناراض نہ کریں کہ جو ہمارے رشتے ہوتے ہیں وہی دراصل زندگی کی اساس ہوتے ہیں اور زندگی اپنوں کے ساتھ میں ہی مسکراتی ہے اس لئے خود سے وابستہ لوگوں کی قدر کیجیے اور محبت کا احساس تقسیم کرتے رہیے۔

زندگی کی راہوں میں
قربانی کی باہوں میں
کچھ پل چھپے ہیں خوشیوں کے
ہماری دعاؤں میں
وقت آتا ہے اچھا یہ عین ممکن ہے
گزار دیکھو وقت کبھی
بندگی کی چھاؤں میں

ہمیشہ دعاؤں میں سعدیہ عابد کو بھی یاد رکھیں۔ فی امان اللہ!

عائش کشمالہ

السلام علیکم ڈیئر حجاب قارئین! جب سے آغوش مادر پڑھا ہے اس معصوم دل نے کہا۔ ''عائش کیا تُو نے اپنی ماں کے بارے میں حجاب کو نہیں بتانا کہ تیری ماں مجھ سے کتنا پیار کرتی ہے۔ کبھی کبھی پیار کا اظہار لفظوں میں بھی کرنا چاہیے جو میری پیاری ماں نہیں کرسکی' انہوں نے ہمیشہ عملی ثبوت پیش کیا۔

''ماں'' لفظ ہی مٹھاس بھرا ہے' ہر تکلیف ہر درد مٹانے کا نام ماں۔ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ اچھے اور پیارے امی اور ابو لگتے ہیں۔ میری پیاری امی محبتوں کا مجموعہ اور میرے پیارے ابو احترام اور عزت کے سب سے اعلیٰ مقام پر۔

ماں ہمراز بھی' دوست بھی' غم ساز بھی...... میری ماں ہمتوں اور محبتوں سے بنی ہے۔ ہر ماں کی طرح میری ماں میری پیاری امی بھی دنیا کی سب سے پیاری امی ہیں' وہ ہمارا ہر دکھ بنا جانے ہی اپنے سر لے لیتی ہیں۔

بچپن میں جب کبھی بخار ہوتا' بیمار ہوتی وہ سرہانے بیٹھ کر ساری رات کبھی سر دباتیں' کبھی پٹیاں بھگو کے رکھتیں۔ میری امی صبر سے گندھی ہوئی مٹی سے بنی ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر جب راستہ دشوار آجائے تو وہ بیٹیوں کی ڈھال اور دوست بن کر ہماری رہنمائی کرتیں' ہر موڑ پر بیٹیوں کو اچھی زندگی کے گر بتاتیں۔

ایک منٹ رکیے ابھی ابھی میری پیاری اور سویٹ سی امی جان کمرے میں آئیں کہنے لگیں۔

''کیا لکھ رہی ہو۔'' ایک پیارے رہبر کی طرح ڈانٹا' میں نے کہا۔

''امی! اچھی باتیں نوٹ کررہی ہوں۔'' (پیور سرائیکی میں)۔ امی نے کہا۔

''اپنی حالت دیکھی ہے' زکام سے بُرا حال ہے' اب تو ہلکا سا فلو بھی ہو رہا ہے اور اسے اپنی کوئی پروا بھی نہیں۔''

''کیا کروں امی! آپ کے ہوتے ہوئے میں ہر فکر سے آزاد اور اپنی پروا ہی کب رہتی ہے آپ ہیں ناں میرا خیال رکھنے والی' آئی رئیلی لو یو امی جان اینڈ ابو جان۔''

میرے پیارے اللہ آپ سدا میرے امی ابو اور بہن بھائیوں کو اپنی امان اور حفاظت میں رکھنا' آمین۔

''امی آپ کے بارے میں کیا لکھوں؟ میری محبت آپ سے لفظوں کی محتاج نہیں۔ امی میں آپ کو کبھی نہیں بتا پاتی کہ میں آپ سے کتنا پیار کرتی ہوں۔ اس لیے تنگ بھی تو بہت کرتی ہوں آپ کو' امی اب میں آپ کو تنگ نہیں کروں گی' پکا پرامس۔ یہ حجاب ریڈرز سب گواہ ہیں۔ ماں کا نعم البدل کوئی نہیں ہوسکتا' ماں مٹھاس ہے' ماں خوشبو ہے' ماں دنیا ہی میں جنت ہے۔ مجھے لفظوں میں ڈھالنا نہیں آتا اور نہ ہی اظہار کرنا آتا ہے۔ میں کیا کروں' امی کو کیسے بتاؤں کہ مجھے ان سے بہت شدید محبت ہے۔ لکھ تو لیا مگر لکھنے کا ڈھنگ نہیں آیا' ہر درد' ہر خوشی کیسے جان جاتی ہیں' میں نے اپنی امی کو اندھیری راتوں میں روتے دیکھا ہے' دعائیں مانگتے دیکھا ہے (میری بڑی آپی شادی کے پہلے سال کے بعد شدید بیمار ہوگئیں' چل نہیں سکتیں اور اب پانچ سال ہوگئے ہیں)۔ خود سوچیے اس ماں پر کیا گزرتی ہوگی جس کی جان ہی اس کی اولاد میں ہو' وہ بھی بڑی اور پہلی اولاد۔

یہ وہ ماں ہیں جو ہسپتال کی ٹھنڈے کوریڈور میں فرش پر بیٹھ کر ساری رات دعائیں مانگتی ہے' راتوں کو اٹھ کر تہجد پڑھتے دیکھا ہے' اللہ سے راز و نیاز کرتے دیکھا ہے جو ستر ماؤں سے بڑھ کر کئی گناہ محبت کرتا ہے' مجھے اللہ سے اور اس کے بعد اپنے گھر والوں

پیارے امی ابو سے بہت شدید محبت ہے۔ اسی محبت کے صدقے میرے اللہ میرے امی ابو کے آنسو اپنی بارگاہ الٰہی میں قبول کر۔ میری آپی کو صحت و تندرستی‘ خوشیوں سے ہمکنار فرما‘ آمین۔ میرے گھر کی خوشیاں پھر سے لوٹا دے یا الٰہی میرے امی ابو‘ بہن بھائی‘ بھابیوں اور اہل و عیال کو سدا اپنی امان اور حفاظت میں رکھنا‘ آمین۔

عائشہ رحمن ھنی

آغوش مادر سلسلہ دیکھ کر میرا بھی دل تڑپ اٹھا کہ میں بھی اپنی ماں کے لیے اپنے جذبات عیاں کردوں۔ ’’ماں‘‘ اس سہ حرفی لفظ ادا کرتے عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تڑپتے دل کو قرار مل گیا ہو گو کہ ’’ماں‘‘ ایسی ہستی ہے کہ اس کا رتبہ بیان کرنے کے لیے میرے پاس وہ الفاظ نہیں جو بے قلم سے صفحۂ قرطاس پر اتار سکوں لیکن اپنی ادنیٰ سی کوشش کررہی ہوں پھر بھی میں جانتی ہوں کہ ایک پیاس ضرور رہ جائے گی کیونکہ ماں پر ازل سے لکھا جارہا ہے مگر اب تک تشنگی باقی ہے بلکہ جب دنیا کی‘ لوگوں کی‘ لہجوں کی تلخیاں دل سینہ جلا کر راکھ کردیتی ہیں تو ماں کی مہربان آغوش ماں کے سینے میں اتنا سکون ملتا ہے کہ یوں لگتا ہے کہ کسی نے چلچلاتی دھوپ سے اچانک ٹھنڈی چھاؤں میں لا کھڑا کیا ہو۔

ماں کا ذکر آتا ہے تو کبھی ایسا نہیں سوچا کہ فلاں کی ماں ہے‘ ماں تو بس ماں ہے۔ لفظ ماں ہی دل کو راحت پہنچاتا ہے‘ اللہ رب کعبہ کا ہم پر احسان ہے اور بہت بڑا احسان ہے کہ رب تعالیٰ نے ہمیں اتنا عظیم رشتہ تحفہ میں دیا ہم جتنا اس ذات کا شکر ادا کریں کم ہے۔

ماں تو ایسی ہستی ہے کہ جب اولاد کو کانٹا بھی چبھ جائے تو ماں کا دل پنجرے میں مقید چڑیا کے پروں کی طرح پھڑ پھڑانے لگتا ہے اور تب تک چین نہیں آتا جب تک اولاد پُرسکون نہ ہوجائے۔ مجھے اپنی ماں دنیا کی عظیم ماں لگتی ہے‘ میں اپنی ماں کو بہت تنگ کرتی ہوں مگر ماں کو ذرا سی تکلیف میں دیکھوں تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔ ماں گھر سے بتائے بنا ادھر اُدھر ہوجائے تو پاگلوں کی طرح ڈھونڈنے لگ جاتی ہوں۔ تکلیف کے وقت جب ماں ایک دفعہ سینے سے لگاتی ہے تو درد کا اثر زائل ہونے لگتا ہے۔ میری ماں‘ میری جنت‘ میری ماں میری مسیحا ہے۔

اکثر میں یہی کہتی ہوں کہ مجھے دنیا عزیز ہے مگر امی کے بعد میرے بابا میری آنکھوں کی روشنی ہیں اور میری ماں کڑکتی دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں ہے میرے لیے۔ دعا کے لیے ہاتھ بلند ہوتے ہیں تو بے اختیار لب مچل اٹھتے ہیں ’’ماں...... اے اللہ میری امی‘ میرے بابا کو سلامت رکھنا اور ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر رکھنا‘ ان کو صحت دینا۔ میری دنیا‘ میری آخرت میری ماں ہے۔ جس گھر میں ماں نہیں وہ گھر قبرستان کی طرح ہوتا ہے اس گھر میں اداسیاں ڈیرے ڈال لیتی ہے‘ امی جی آپ کے لیے۔

ہر ایک نے خون کے آنسو رلایا ہے ہنی
بس ایک بار پھر سے گلے لگالے ماں

اللہ سے دعا ہے کہ وہ میری ماں کو بلکہ ہر ماں کو صحت و تندرستی دے اور تمام اولاد پر ماں باپ کا سایہ ہمیشہ فگن رہے‘ آمین۔

من شرِ ما خلق

حرا قریشی

''کھڑکھڑانے والی' کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ اور تم کیا جانو کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ (وہ قیامت ہے جس دن لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اون' تو جس کے اعمال کے وزن بھاری ہوں گے وہ دلپسند عیش میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے ہوں گے' اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے اور تم کیا سمجھے ''ہاویہ'' کیا چیز ہے؟ اور وہ دہکتی ہوئی ''آگ'' ہے۔

دیمک زدہ الماری کے پٹ وا تھے چار میں سے دو کی چوکھٹ ہلی ہوئی تھی اور آزادانہ مثل شاقول جھول رہا تھا۔ قینچی اپنے دونوں بازو کھولے ڈھیلی بان کے نیچے محو استراحت تھی۔ سیلن زدہ چھت پر سیل اور سوراخوں کو نظروں سے مخفی رکھنے کے لیے جابجا اخبارات لگے تھے جن میں سے چند ایک ہی برائے نام پورے تھے اگر کسی تصویر میں نواز شریف خطاب کرتا ہوا موجود تھا تو اس کا آدھا حصہ غائب تھا' خبریں بھی ٹکڑوں کی صورت تحلیل تھیں۔ سلائی مشین کے وسط میں رکھی بوسیدہ کتاب اپنے اوراق کی آبروریزی پر نوحہ کناں تھی۔ کمرے میں موجود دروازے جن کے سائز میں تقریباً الف' ب کا فرق تھا' پر بیل بوٹے بنے تھے ان میں سے کئی گل اپنی دلکشی اور آب وتاب کی تکمیل کھو چکے تھے۔ اس چھوٹے کمرے کے عین سامنے جو کمرہ تھا وہ بلحاظ تقطیع اور طول وعرض سے نسبتاً قدرے بڑا تھا' اس کی ناگفتہ بہ حالت چھوٹے کمرے سے بھی بدتر صورت حال کا منظر پیش کررہی تھی' اندر موجود چار کھڑکی نما دروازوں میں سے ایک کھلا تھا کہ جاتی گرمیوں کے حبس زدہ دن تھے' چھوٹے کمرے کا پٹ اس کے اندر کی سمت ہی کھلتا تھا اور اس کے دروازے کے بالکل ساتھ زینہ جو زگ زیگ کی صورت میں بنا تھا' اس زینے میں اترتے ہوئے بھی ایک کھڑکی کھلتی تھی جس کی مدد سے باہر گلی کا منظر بخوبی واضح دکھائی دیتا تھا' کھڑکی کا قبضہ ڈھیلا اور سکڑا ہوا ہونے کے باعث وہ بیچاری بند ہونے سے معذور تھی سو اس کا در کھلا ہی رہتا تھا۔ اس بڑے کمرے کے ایک کونے میں کشادہ سی جگہ پر ایک کھرا برتن دھونے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا جو ہاتھ پاؤں دھونے کے لیے بھی وقتاً فوقتاً استعمال ہوتا تھا' موٹر کی سہولت نہ ہونے کی بناء پر ایک نو سالہ کمسن لڑکی تیل سے چپڑے لمبے بالوں کی چٹیا بائیں کندھے پر ڈالے مارے بندھے برتنوں کو گھٹنوں کے قریب رکھے ٹب سے پانی لے لے کر عجلت میں دھو رہی تھی' چھوٹے بچے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق بالٹیوں میں پانی بھر بھر کر اوپر لانے کا فریضہ سر انجام دے رہے تھے۔ کمرے کے مرکز میں رکھی کھڑی چارپائی پر مہمان خواتین موجود تھیں جس کی پائنتی میں ہلکے نیلے رنگ کا کھیس بچھا تھا' جس کا رنگ کافی حد تک اڑ چکا تھا۔ چارپائی کے سامنے دری پر بیٹھی میزبان خواتین میں سے ایک نے خوب میک اپ کیا ہوا تھا کہ جیسے آٹا ملا ہوا ہو اس کا فیس کمپلیکشن صاف ستھرا تھا جس کی وجہ سے بیس حد درجے نمایاں ہو رہا تھا۔ اب مہمان خواتین کی والدہ نماز عصر ادا کر کے چارپائی کی سمت بڑھی تھیں جنہوں نے نماز کے اسٹائل میں دوپٹہ لپیٹا ہوا تھا اور ان کا سرخ وسپید پُرنور چہرہ دوپٹے کے ہالے میں مقید ہو کر بھی نور اور روشنیوں کا ایک جہاں آباد کیے ہوئے تھا۔ کچھ دیر بعد ہی ایک مٹھائی کا ٹوکرا اوپر آیا جو غالباً لڑکے کی بھابی اوپر لے کر آئی تھیں۔ اس نے مبارک باد کا نعرہ لگایا گویا مہمان خواتین کے مرد حضرات نے قبولیت کا عندیہ دے دیا تھا۔ انکار یا اقرار؟

خواتین کا مدعا کیا تھا‘ پوچھنے کی زحمت نہیں کی گئی تھی یہاں بھی ان کی رائے غیر مستند ٹھہری تھی کہ جو دلائل پیش کیے گئے تھے ان کی رُوشنی میں میں رشتہ کرنے میں قباحت تو دکھائی نہ دیتی تھی۔ پھر بھی ایک انہونا ڈر سانپ کی طرح پھن پھیلائے دل ناتواں کے کونوں میں دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔

”دیکھو...... صباحت لڑکا حافظ قرآن اور میٹرک پاس ہے باپ بھائیوں کا وسیع کاروبار ہے‘ اپنی زمینوں پر لہلہاتے کھیت ہیں‘ اچھا خاصا پھیلا ہوا کاروبار ہے۔ روپے پیسے کی ریل پیل ہے‘ ذرا تعلیم کم ہے تو کیا ہوا؟ دل سے تمام وسوسے اور خدشات نکال کر تم بس ہاں کردو‘ مزید یہ کہ لڑکا شکل کا بھی پیارا ہے۔ اللہ کی قسم گورا چٹا بھی ہے‘ اپنی روحا سے صرف ایک سال بڑا ہے‘ خوب جوڑ رہے گا دونوں کا۔ پھر رشتہ بھی رئیسہ بی بی کے شوہر نے دکھایا ہے‘ بہن ہے تیرے خاوند کی‘ برا تو نہ چاہے گی تیرا۔“ اماں بی نے کافی لمبی چوڑی تمہید کے بعد تمام دلائل رشتے کے حوالے سے سامنے رکھ دیئے تھے اور ارادہ یہی تھا کہ قائل کرکے ہی دم لیں گی صباحت نے وقت مانگ لیا اور روحا نے والدہ سے استخارہ کرنے کی اجازت طلب کی تھی اس پر بھی کافی لوگوں نے اعتراضات اٹھائے تھے کہ وہ دور گئے جب لوگ استخاروں کی بنیاد پر رشتے کیا کرتے تھے۔ اب تو لڑکے کا کاروبار دیکھا جاتا ہے اور بس ہاں کردی جاتی ہے جانے صباحت بی بی کس دور کی پروردہ ہے؟ ضمیر زیدی جو روحا کے والد کے منصب پر فائز تھے‘ لبوں پر چپ کی مہر ثبت کیے اپنے بیٹوں کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ آتا ہے ناں ایک وقت جب بیٹے باپ بن جاتے ہیں یہاں بھی ایسی ہی صورت حال تھی جبکہ باپ کے تجربے کو کسی لائسنس کی ضرورت نہیں ہوتی‘ اس پر نئی نسل کی یہ جگت...... ابا کیا پتہ آپ کو؟ ضمیر زیدی کے سپوتوں کو فکر تھی تو بس یہ کہ جلد از جلد یہ بیل منڈھے چڑھے اور ان کی بھی باری آئے۔ لوگ

یہ نہ کہہ سکیں کہ اپنی شادیاں تو کرلیں پر بہن کی کوئی فکر ہی نہیں۔ ہائے ری دنیا...... جہاں تک روحا کی بات تھی تو وہ اسلامیات کی ماسٹر ڈگری ہولڈر تھی' بلا کی ذہین اور خوب صورت' سلیقہ بھی اتنا کہ دو کمروں کے مکان میں بھی بغیر قیمتی سازوسامان کے بھی ایسی آرائش کررکھی تھی کہ دیکھنے والوں کومزید تزئین وآرائش کی کمی نہ محسوس ہوتی تھی۔

یہ وہ آگ ہے جسے میرے اپنوں نے میرے گرد پھیلا کر میرے باہر نکلنے کی ہر راہ پر میرا ناطقہ بند کردیا ہے۔ میں گھٹ گھٹ کر سانس لیتی ہوں لیکن اس بات کی تسلی بھی ہے کہ سانس تو لیتی ہوں ناں...... اجنبی جو شاید اب میرے اپنوں کے خول میں ڈھل چکے ہیں' مکڑی کے جالے کی رگوں میں میرے جسم کا ہر عضو پیوست کررہے ہیں۔ یہ تار عنکبوت کا فرش کمزور ہے' بہت لیکن میں' میں تو اب اس سے بھی زیادہ کمزور ہوچکی ہوں۔ مجھے جن حرفوں کی صداقت پر یہاں لایا گیا ہے' مجھے اس کا مان رکھنا ہے' اپنے بابا' ماں جی کی عفت کو رسوا نہیں ہونے دینا۔ اس جالے کے ریشے ایسے ہیں کہ ان کی باطنی درزوں سے نکلنے والی ہر جھلی میرے قلب نازک کے اندر سوراخ کررہی ہے۔ دھیرے دھیرے...... آہستہ آہستہ' جب میں ان کے اندر سے نکلنے کا سوچتی ہوں تو ہوا بند ہوجاتی ہے۔ ارے ہوا...... تو کب سے عدو بن گئی میری؟ تیری بانہوں میں تو میں نے خوابوں کی سیج سجائی تھی۔ آہ......! یہ بے مروتی پہلے تو تیرا خاصا نہ تھی۔ یکے بعد دیگرے ہر سوراخ پر حجاب گرجاتا ہے۔ حبس زدہ ماحول میں مثل محبوس (قیدی) میں قید بامشقت جھیلنے پر مجبور ہوں۔ میرے مولا...... میرے رب سوہنے...... میرے دل کے محرم...... میرے رازوں کو پوشیدہ رکھنے والے...... مجھے اس آگ سے بچالے کہ میری تمام راہیں مسدود کردی گئی ہیں...... اللھمہ اجرنی من النار...... اللھمہ اجرنی من النار...... اللھمہ اجرنی من النار......

☆☆☆......☆☆☆

''ایک نہایت ہی تاریک اور گھنا جنگل ہے جس میں چند ایک اشجار کے تنے خاک پر دراز ہیں اور ان کو سرتاپا برف نے ڈھانپ رکھا ہے اور میں ان کے درمیان تنہا کھڑی ہوں بے یارو مددگار' شدید بے بسی کی حالت ہے...... شدید جاڑے کے عالم میں بھی میرے جسم میں رتی بھر خنکی کی رمق نہیں...... پھر بالکل میرے سامنے ایک راہداری نمودار ہوتی ہے جس کے دونوں طرف سات کمرے ہیں اور ان ساتوں کمروں کے دروازے مقفل ہیں۔ میں ہر دروازے پر تالا جاکر کھولتی ہوں' تالے کھلتے جارہے ہیں لیکن آخری دروازے پر میرا ہاتھ سن ہوجاتا ہے بصورت مٹھی بند ہونے لگتا ہے' میں پورا زور لگاتی ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ بس تالا کھلنے ہی لگا ہے پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے۔'' روحا نے استخارے کے بعد نظر آنے والا خواب من وعن ایسے ہی اتارلیا تھا' نیم وا عین لاشعوری طور پر بند مٹھی پر جمی تھیں۔

بات کوئی سمجھ نہیں آتی...... بات اتنی سمجھ میں آتی ہے پسینے میں شرابور جسد خاکی عجب وسوسوں کا شکار تھا۔ خیالات بھی دھند میں لپٹی شام کی طرح دھندلے سے تھے۔ گرین ہیزل آئز میں اندیشے رقص کررہے تھے۔ روشنی قہقہے لگاتی ہر منظر پر اپنا تصرف قائم کرلینے کوتھی پر وہ بستر پر ساکت تھی کہ اٹھا ہی نہ جارہا تھا۔ ہاتھوں کی مٹھی کھل چکی تھی' جیسے بند تالا یک دم کھولا جاتا ہے۔ یہ اس کی بیس سالہ زیست میں پہلا دن تھا کہ سات سال کے بعد سے جب نماز سیکھی' آج پہلی دفعہ قضا ہوگئی تھی۔ شک کی باڑ اُگی تو تھی لیکن مثبت انداز میں...... جانے کیوں؟

اگلے دن طلوع ہونے والا سورج مدھم سا تھا۔ دھوپ چھاؤں کا سا موسم تھا فضا میں نہ سمجھ آنے والی سرگوشیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ دھوپ میں کچھ دیر ہلکی سی بارش ہونے کے بعد سورج اپنی اصلیت پر آ گیا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ نیند لینے کے بعد اس کی آنکھ باہر سے آنے والے قہقہوں کی آواز سے کھلی تھی۔ باہر عبداللطیف اکبر کے گھر والے (رشتے والے) آئے ہوئے تھے۔ اس نے دل میں سوچا کہ کون آیا ہے باہر؟ اور کمرے میں موجود واحد کھڑکی سے

باہر جھانکا۔ باہر سامنے والے کشادہ صحن میں اسے دو خواتین نظر آئی تھیں جن کے ساتھ ایک ہٹا کٹا ضعیف مرد بھی موجود تھا غالباً لڑکے کے والد صاحب تھے۔ صباحت نے دسترخوان سمیٹا تھا۔ سب اب منگنی کی رسم ادا کرنے پر اصرار کررہے تھے۔ صباحت بیگم 'ہاں' یا 'ناں' کی کشمکش میں گھری فلک کی وسعتوں کو گھور رہی تھی۔ آخر کو بہت اصرار کے بعد سب کی رائے سننے کے مرحلے کے بعد تاریخ رکھ دی گئی تھی۔ چھٹی والے دن (اتوار) کو منگنی ہونا قرار پائی تھی۔ روحا زیدی کی آج ظہر کی نماز بھی قضا ہوگئی تھی۔ وہ اپنی حالت میں آتے اتار چڑھاؤ کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ پے در پے آنے والے کاموں کی مصروفیت میں صباحت بھی اس کی نماز کا نوٹس نہ لے سکی تھیں۔

عبداللطیف کے گھر والوں نے تو اسے پہلے ہی دن اوکے کردیا تھا۔ ''جوان بیٹیاں اور مردہ مچھلیاں' یہ دونوں اسٹور روم میں غیر معینہ مدت تک رکھنے کی چیزیں نہیں ہوتیں۔'' یہ اماں بی کا خیال تھا اور اپنے اس خیال سے انہوں نے نہ صرف صباحت کی مکمل تشفی کروائی تھی بلکہ اسے عملی جامہ بھی پہنانے کا قصد کرلیا تھا۔ اماں بی کی طرح رئیس میاں کو بھی شادی کروانے کی جلدی تھی کہ لاکھوں کی نقدی جو وصول کرنی تھی' کوئی مرے یا جئے ہمیں تو اپنا فائدہ و نفع دیکھ کر چلنا ہے' وہ اسی اصول کی پیروی کررہے تھے۔

ہم دوہری اذیت کے گرفتار مسافر
پاؤں بھی شل ہیں اور شوق سفر بھی نہیں جاتا

ساری رات نہ سونے کی وجہ سے روحا کی آنکھیں سوجی ہوئی سی تھیں۔ صباحت سے خواب کا ذکر کیا تھا لیکن گتھی کوئی سلجھتی دکھائی نہ دے رہی تھی۔ کچھ صباحت کے بھی ذہن میں تھا کہ اپنے لوگوں نے دیکھا ہے تو ضرور چھان بین کی ہوگی۔ بھائیوں یا والد صاحب نے جانچ پڑتال کے عمل پر اتنا فوکس نہ کیا تھا کہ جہاں والد صاحب کو رئیس میاں پر یقین تھا وہاں بیٹوں کو اپنا مفاد عزیز تھا۔ باطنی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کی نہیں گئی تھی اور ظاہری طور پر سب ٹھیک دکھائی دے رہا تھا۔

عبداللطیف چونکہ سات بہنوں کا چھوٹا اور منجھلا بھائی تھا سو اس کے لیے وہ ہیرا ڈھونڈنے میں کامیاب ہوچکی تھیں۔ خود کسی حد تک بدسلیقہ تھیں تو کیا ہوا' پیارے بھائی کے لیے تو لاکھوں میں ایک سلیقہ مند جوہر منتخب کیا تھا۔ لڑکے اور لڑکی والوں دونوں کی طرف سے تصویر کا تبادلہ ہوا' روحا نے دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ 'ہاں' تو کردی گئی تھی۔ انکار 'اور نہیں' کی تو ان کے خاندان میں گنجائش نہ نکلتی تھی' جب بڑوں نے فیصلہ کردیا تھا تو 'باادب' بن کر سر جھکانا ہی تھا۔ عبداللطیف نے بھی ایک نظر تصویر کو دیکھا' اپنے حسن پر وہ دوسروں سے زیادہ عاشق تھا۔ کچھ سب گھر والوں کا خیال یہ بھی تھا کہ اگر چند خرابیاں دکھائی بھی دی ہیں تو وہ دولت کی چکاچوند میں چھپ جائیں گی پھر روحا کی منیجمنٹ بھی تو کسی سے کم نہیں سب وہاں پہنچ کر سیٹ کرلے گی گویا اس نے اسلامیات میں نہیں میرج کے کورس میں ماسٹر کرکے ڈگری لی ہو۔

''اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ اور وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔'' حوا کی بیٹی آگ کے قریب تھی آگ بھی وہ جو لفظوں کے نشتر وقفے وقفے سے اس کے سینے میں اتار رہی تھی' سسکیوں کی چنگاریاں دیواروں میں لگی اینٹوں کی طرح دب گئی تھیں' چشم زدن انگارہ بنی تھیں تو لب آتش کو اوڑھے ہوئے تھے۔ غزال کی سی قلانچیں بھرتی مسکراہٹ نے کب کی خودکشی کرلی تھی۔ سسکیاں بھرتی آہیں دم توڑتے' آخری ہچکی لینے کا قصد کیے ہوئے تھیں' حوا کی بیٹی دم مرگ تھی اور اجل کا گھوڑا ترس کھانے کے حق میں نہ تھا۔ کوڑے برساتیں صدائیں اس کے تعاقب میں لگی تھیں۔ طعنوں کی برچھیاں اس کے جسم کے ایک ایک عضو سے لہو نچوڑنے پر بضد تھیں۔ لب ہلتے نہ تھے' سیپ میں بند موتی کی طرح ساکت' شکست کھاتے' نڈھال ہوتے' بھی گردان کیے جاتے تھے اللھمہ اجرنی من النار...... اللھمہ اجرنی من النار...... اللھمہ اجرنی من النار......

کچھ روز سے چہار طرف ہیں شادی و غم کے ہنگامے

سنتے ہیں چمن کو مالی نے پودوں کا کفن پہنایا ہے
ایک نقطہ جو عقدۂ لاینحل کی صورت کئی دنوں سے صباحت کے ذہن میں موجود تھا گھر کے مرد حضرات نے آن ہی آن میں تشکیلی مراحل تک پہنچا دیا تھا۔ طے یہ پایا کہ جس گھر میں رشتے کی بات طے ہوئی تھی وہاں روحا نہیں رہے گی بلکہ ان کا جو جہلم میں حویلی نما مکان ہے وہاں وہ اس کو رکھیں گے۔ عبداللطیف کے بھائی اور والد صاحب بھی وہاں پر ہی رہیں گے اور مل کر کاروبار دیکھیں گے۔ سب متفق تھے تو اس کی رائے کیا اہمیت رکھتی تھی۔ ضمیر زیدی صاحب جن کا یہ فرمان تھا کہ ہم اپنی بیٹی کو اپنی گزر اوقات کے مطابق رخصت کریں گے کہ خالی ہاتھ تو کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت نہیں کیا کرتا لیکن انہوں نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر جہیز دینے کا عزم کیا تھا۔ جیسے جیسے رخصتی کا وقت قریب آرہا تھا ویسے ویسے ایک دوسرے کو فرط جذبات سے دیکھتے چشم نم ہو جاتیں۔

کوئی شکوہ کرے تو کیسے.....!
ہمارے منہ میں زباں تھوڑی ہے

روحا کے تو آنسو رک ہی نہیں رہے تھے اور یہ آنسو جو اس پر رقت طاری کر رہے تھے بچھڑنے کے کم بلکہ اس خوف کے زیادہ تھے جو اسے شادی کے بعد کی زیست کے حوالے سے لاحق تھے۔ بظاہر تو اماں بی نے کہہ دیا تھا عوض معاوضہ گلہ بندارد مگر وقت کب بدل جائے کس کو پتہ ہے؟

تمام فنکشنز بخیر و عافیت احسن طریقے سے سرانجام دیئے گئے تھے سوائے دودھ پلائی کی رسم کے..... جس پر دلہا صاحب کے دوستوں اور عزیزوں نے خوب شور مچایا تھا۔ زاہرہ ضمیر جو روحا کی بڑی بہن تھی اس نے دس ہزار کا مطالبہ کیا تھا۔ اس مطالبے پر انہوں نے خوب نخرے دکھائے تھے۔ کافی طویل بحث کے بعد نصف رقم پر بات ٹلی تھی۔ زاہرہ دل ہی دل میں حیرت سے سوچ رہی تھی جانے یہ کیسے امیر لوگ ہیں؟ وہ بھی کوئی بہت امیر گھرانے میں بیاہی نہ گئی تھی لیکن بہر حال جو بھی تھا وہ ایسے کنجوس لوگ نہ تھے۔ اس کے بحث کرنے پر صباحت نے خفگی بھری نظر ڈالی تھی اور اشارتاً رقم لینے سے منع بھی کیا تھا پر وہ زاہرہ ہی کیا جو اپنے موقف سے ہٹ جائے۔ شادی پسند سے لیکن والدین کی مرضی سے کی تھی۔ دبنے والوں میں سے تو وہ تھی نہیں لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ بحث قطعاً روحا کے لیے مسرت کا باعث نہ ہوگی جو سجی بنی سنوری بیٹھی تھی۔ ایک دفعہ نظر اٹھانے کے بعد بصد اصرار بھی دوسری نظر ڈالنے کا قصد نہ کیا تھا..... جانے کیوں.....؟ وجہ جہالت یا ماحول..... جو بھی تھا اسے ان لوگوں سے گھن محسوس ہو رہی تھی کہ وہ بیاہ کر کسی حویلی میں نہیں بلکہ کسی جھونپڑے کی مالکہ بننے جا رہی ہو۔

کبھی دن نہیں کبھی شب نہیں
کبھی لفظ گم کبھی لب نہیں
کبھی بات کرنے کا ڈھب نہیں
کبھی تب نہیں کبھی اب نہیں
یونہی چل رہے ہیں قطار میں
کسی بے زبانی کی مار میں!
کبھی بدنصیبی کی جیت میں
کبھی خوش نصیبی کی ہار میں.....!

شب کا نصف پہر گزر چکا تھا مگر گھر میں موجود کوئی بھی فرد آنکھیں بند کرنے کو تیار نہ تھا کیا بڑا کیا چھوٹا سب کی نگاہیں اس پری پر ٹکی تھیں جسے یہ جاننے میں وقت ہو رہی تھی کہ آیا وہ شہزادے کی حراست میں ہے یا کسی ظالم دیو کی قید میں آگئی ہے۔

رات کا آخری ستارہ ہے!
واہ کیا خوب یہ نظارا ہے!

جگمگاتے چراغوں سے مزین آسماں پر سب پر سبقت لے جاتے نجم کی طرح ہی تو اس وقت وہ لگ رہی تھی مگر استقبال شایان شان نہ تھا۔ ابھی اسے اسی گھر میں لایا گیا تھا۔ سیڑھیوں کے نیچے جو ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اس کے لیے آراستہ تھا۔ نت نئی رسموں کے بعد اسے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ٹینشن میں روحا سے کچھ صحیح طرح کھایا بھی نہ گیا تھا۔ ایک ہی زاویے پر اس کی کمر اکڑ چکی تھی۔ کمرے

میں گلابوں اور موتیے کی عطر بیزی کی گئی تھی (شکر...... یہاں کچھ بہتر محسوس ہوا تھا) لگ رہی تھی' گل عذار مثل گلاب دہک رہے تھے۔ اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی لیکن وہ اب کسی سے کیا کہہ سکتی تھی تو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھ گئی تھی۔ نظریں اطراف میں دوڑائیں تو حیرت کے سائے سوا ہوئے تھے۔ اس کا سامان آڑھا ترچھا' نہایت ہی بے تکے انداز میں رکھا تھا۔ دو آنسو بے اختیاری میں گالوں سے ڈھلک گئے تھے۔ اسے افسوس ہوا تھا۔ کمرہ چھوٹا تھا اور سامان قدرے زیادہ...... اس دکھ کو سوچتے سوچتے قبل کہ اس کی آنکھیں نیند کی وادی کو خوش آمدید کہتی' دروازے پر کھٹکا ہوا تھا وہ یک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی' وہی نوجوان اندر داخل ہوا تھا جسے وقت رسم لحہ بھر کو اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔ باہر سے قہقہے کے ساتھ آواز ابھری تھی۔

"عبدل دھیان سے' تیری دلہن ہوش اڑا دے گی تیرے' کدی بے ہوش نہ ہو جاویں" عبدالطیف اکبر مسکرایا تھا۔

حسن اور اتنی فراوانی کے ساتھ...... دیکھتا رہتا ہوں حیرانی کے ساتھ!

پہلی نظر نے اسے مبہوت کیا۔ دوسری نظر پڑنے پر چشم تر نے ٹھٹکانے پر مجبور کیا تو تیسری نظر پہ اس نے سنبھل کر لکنت کے ساتھ سلام جھاڑا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" جواب نرم اور عبدالطیف انداز میں دیا گیا لیکن آواز قدرے دھیمی تھی۔

"میں پہلے سے کچھ آپ کی ذات پر باور کر دینا چاہتا ہوں......" گویا تمہید باندھی گئی۔ "میرے لیے میرے ماں باپ بہت اہم ہیں۔ اس لیے ان کی ہر بات چاہے اچھی ہو یا بری' برداشت کرنا ہوگی اور ہر صورت ان کی عزت کرنا ہوگی۔"

"میں بھی آپ سے اپنے والدین کے حوالے سے یہی توقع اور امید رکھنا چاہوں گی۔" روحا کے برجستہ جواب پر عبدالطیف قدرے حیرت واستعجاب میں ڈوبا۔ اس نے عادتاً سر کو خم دیا' عین اسی لمحے دونوں کی نگاہیں ملی تھیں۔ عبدالطیف بے خودی کی سی کیفیت میں اس کے قریب ہوا اور وہ اندر ہی اندر سمٹنے لگی تھی۔

"آپ کے نقش کتنے پیارے ہیں...... جگمگاتے ہوئے ستارے ہیں......!"

"مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔"

"مگر پہلے یہ دعا پڑھ لیں' اگر آپ کو اعتراض نہ ہو......" روحا نے معصومیت اور خوف کے ملے جلے تاثرات طاری کرتے کہا۔

"دعا تو پڑھا دے مجھے نہیں آتی......" کچھ دیر پہلے کا ادب واحترام پلک جھپکتے غائب ہو گیا تھا۔ اب اس کے اس طرز تخاطب پر حیران ہونے کی باری روحا کی تھی۔ دعا پڑھنے کے بعد آیۃ الکرسی کی فرمائش کی گئی۔

"تو معلمہ ہے یا میری دلہن؟" بات ہنسنے کی تھی لیکن وہ ہنسی نہیں تھی کہیں دور دل کے اندر کھٹکا ہوا تھا۔ "کہیں یہ علم سے نابلد تو نہیں......" "مجھے نہیں آتی" غصے میں لائٹ گل کر دی گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

عبدالطیف ٹانگیں پسارے پورے بستر پر تسلط جمائے لیٹا تھا اور روحا کب سے غسل کرنے کے بعد سرہانے بیٹھی اس کے اٹھنے کی منتظر تھی۔ آبشار سے لمبے گھنے سنہری بال شان بے نیازی سے شانوں پر بکھرے تھے۔ حسن اپنے تمام ہتھیاروں سمیت عیاں تھا۔ روحا نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سنوارے تو اسے زاہرہ کا بے خودی میں کہا شعر یاد آیا تھا۔

"آپ کو میں نے نگاہوں میں بسا رکھا ہے
آئینہ چھوڑیے آئینے میں کیا رکھا ہے!

میاں جی سے تو ایسی کوئی امید نہ تھی کہ پڑھنے کے معاملے میں وہ نہایت ہی کورا نکلا تھا اور یہ اس کی حلاوت بھری طبیعت پر بڑا بھاری' دھاکہ خیز انکشاف تھا۔ سوچنے پچھتانے کا وقت گزر گیا تھا کہ چڑیاں تو کب کی کھیت

چک گئی تھیں۔ باہر کوئی دروازہ توڑ دینے کے موڈ میں تھا۔ بڑی زوردار دستک ہو رہی تھی۔ دستک نے اسے تخیلاتی دنیا سے حقیقت کی روشنی میں دھکیلا تھا۔ اب روحا عجیب مخمصہ میں پھنسی تھی کہ اسے کیسے اٹھائے' دروازہ کھولے یا نہ کھولے؟ دروازہ آخر کھل گیا تھا اور کنڈی کا قبضہ ٹوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ اچھی خاصی فربہ خاتون اندر داخل ہوئی تھی جو غالباً اس کی ساس تھی۔

''عبدل.....او عبدل.....'' بلند آواز میں وہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح دھاڑی تھی۔ روحا ڈر کر یک دم پیچھے ہوئی تھی پچھلے دن کچھ نہ کھانے کے باعث جسم پر نقاہت الگ طاری تھی اور یہاں ایک نیا کھیل' نیا بہروپ سامنے آ رہا تھا۔ عبدل ماں کے جارحانہ تیور دیکھتے فوراً اٹھ کر واش روم کی جانب لپکا تھا۔ جہاں دروازے کی جگہ ایک بھدے بھورے رنگ کا پردہ لٹک رہا تھا۔ جس کا ایک کونہ بھی پھٹا ہوا تھا۔ ساس صاحبہ اب جا چکی تھیں۔ عبدل کی بہنیں باری باری اندر داخل ہوئیں تو جس کو جہاں جگہ ملی بیٹھ گئی۔ ایک نے دودھ کا گلاس روحا کی جانب بڑھایا' جو اس نے بغیر کسی پس وپیش کے غٹاغٹ پی لیا کہ پیاس بھی تو شدید محسوس ہو رہی تھی۔

''دلہن تیرے گھر والے آتے ہوں گے' تو جلدی سے تیار ہو جاؤ' پھر ناشتہ سب ساتھ کریں گے۔'' ساس نے پھر سے اندر آ کر حکمیہ انداز میں کہا اور ساتھ ہی نندوں کو بھی لتاڑا کہ پھیلاوا سمیٹ لیں۔

''جی بالکل.....'' روحا جواب میں اتنا ہی کہہ سکی تھی۔ عبداللطیف جو ان کے جانے کا ہی منتظر تھا' جھٹ سے باہر آیا۔ کسی بھی احساس سے عاری روحا یک دم کھڑی ہوئی تو پشت پر عبداللطیف نے برجستگی سے اس کے بالوں کو چھوا' اس اچانک افتاد پر جیسے ہی وہ گھومی تو اتنے قریب ہوگئی کہ دونوں باآسانی ایک دوسرے کے لمس سے آتی سانسوں کی مہک محسوس کر سکتے تھے۔ مہندی سے سجے ہاتھوں کو عبداللطیف نے اپنے بھاری دست کی آہنی گرفت میں لیا تھا۔ مرتعش انگلیوں میں ارتعاش نمایاں تھا۔

مرمریں ہاتھ میں حنا دیکھی
ہم نے بھی قدرت خدا دیکھی
اس کے گیسو کھلے ہیں جب بھی
رقص کرتی ہوئی ہوا دیکھی......!

ہنگاموں سے پر سحر کے گیارہ بجے تھے۔ ناشتے میں حلوہ پوریاں' چنے نان' بلیک فوریسٹ کیک اور لذیذ مٹھائی جیسے لوازمات موجود تھے۔

ناشتہ آنے کے بعد سب بھوکوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔ زاہرہ تحیر سی کھڑی روحا کی حالت زار کا جائزہ لے رہی تھی جس کے بتائے بغیر بھی اس کے منہ کے زاویے طبیعت کی خرابی کا عندیہ دے رہے تھے۔ بہرکیف اسے تسلی تھی کہ مکلاوے کی رسم کے مطابق روحا نے ان کے ساتھ ہی جانا تھا۔ روحا نے کھانا تو کیا کھانا تھا بس جلدی جلدی جانے کی تیاری پکڑ لی۔

''تو کہاں جا رہی ہے؟'' عبداللطیف نے اسے گھما کر پوچھا جو بیگ میں کپڑے رکھ رہی تھی۔

''آپ بھی تو چلیں گے ناں؟'' قدرے معصومیت سے پوچھا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا۔

''عبدل.....'' کی پکار پر باہر ماں کی سننے بھاگا۔

''کہہ دینا' دلہن بیگم سے ایک دن سے زیادہ رکنے کی ضرورت نہیں اور ہاں تو بھی چھوڑ کر بس آنے کی کرنا' آ گئی سمجھ؟'' عبداللطیف نے سمجھدار بچے کی طرح گردن ہلا دی تھی۔ وہاں پہنچ کر عبداللطیف مؤدب طریقے سے روحا کے والدین سے ملا تھا' جسے دیکھ کر روحا جی جان سے خوش ہوئی تھی۔ بظاہر سب ٹھیک ہے' کا ٹیگ اس کی پیشانی پر دکھائی دے رہا تھا۔ روحا نے ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ دوا لی اور پھر سوگئی۔ زاہرہ کے کریدنے پر بھی اس نے ٹال دیا کہ اب رہنا تو عبداللطیف کے ساتھ ہی تھا' بھرم رکھنا ضروری تھا پھر شام کو واپسی بھی ہو جانی تھی۔

''سنگریزوں میں ڈھل گیا آنسو.....لوگ ہنستے رہے دکھانے کو! زیست کے سخت دن تو اب شروع ہوئے تھے۔ روحا پر یہ عقدہ کھل کر سامنے آ گیا تھا اور یہ شدید دھچکا لگنے

والی بات تھی کہ اسے آیۃ الکرسی تو کیا ایک آیت بھی صحیح سے نہ آتی تھی حافظ قرآن پھر وہ کیسا تھا؟ مزید دس جماعتیں تو کیا اس نے تو اسکول کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ وراثت میں کسی زمین کے مالک نہ تھے' سچ تھا تو آدھا' شاید آدھے سے بھی کم' سبزیوں کا اچھا چلتا کاروبار تھا اور گاؤں بھی ایک عدد تھا جہاں سے پھل آیا کرتے تھے' بشمول عبداللطیف وہ تین بھائی اور کل سات بہنوں پر مشتمل خاندان تھا۔ تمام بہنیں شادی شدہ' جبکہ بھائیوں میں سے بڑے کی شادی ہوگئی تھی۔ منجھلے کی بات ٹھہری ہوئی تھی۔ تیسرا عبداللطیف بذات خود تھا' سب سے بڑی وحیدہ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی' دوسری کے پانچ بیٹے (نسیمہ کی اسی وجہ سے اپنے سسرال میں ویلیو بھی بہت تھی) تیسری اور چوتھی کے دو دو جو کہ لڑکا اور لڑکی تھے۔ باقی تین شہر سے باہر بیاہی گئی تھیں۔ شادی ہوئے زیادہ وقت بھی نہ گزرا تھا فی الحال اولاد کے جھنجٹ سے آزاد تھیں۔ عبداللطیف کی شادی سے فراغت پاتے ہی تینوں گھر بھی چلی گئی تھیں جبکہ چار بڑی صاحبزادیوں کے جانے کا کوئی ارادہ نہ لگتا تھا' روحا نے جیسے تیسے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا اور سمجھوتہ تو اچھی بیٹیوں کی سرشت میں شامل ہی ہوتا ہے۔ ''سب ٹھیک ہے اور میں خوش ہوں۔'' کہ اچھی اور فرماں بردار بیٹیاں تو ایسی ہی ہوتی ہیں ناں' روحا کے گھر پہنچنے سے اگلے دن ہی اس کا ہاتھ لگوادیا گیا تھا۔ دیگچہ بھر کر کھیر بنوائی گئی تھی' جس میں سارا دن ہی تقریباً لگ گیا۔ بوقت شام لب آفتاب جب فلک شفق کی سرخی سے خود کو سجاتا ہے' اس کے گھر بھی کھیر پہنچائی گئی۔ کھیر دیکھ کر زاہرہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے تو مہینے بعد کچن کا رخ کیا تھا اسے ابھی سے کام پر لگا دیا گیا۔ اس کی حیرت کا جواب صباحت نے یہی دیا تھا۔

''کچھ فرق نہیں پڑتا...... روحا نے بعد میں بھی تو کام کرنا تھا نا' تو کیا ہوا اگر ابھی سے شروع کردیا۔'' زاہرہ کو پھر بھی بات ہضم نہ ہوئی تھی لیکن وہ بولی کچھ نہیں۔ بوقت شام اگلے دن اس کی بھی اپنے شوہر اور دو عدد بچوں کے ساتھ پتو کی واپسی تھی۔

''ماں جی اپنا بہت خیال رکھنا' میں آپ کی خیریت لیتی رہوں گی۔ روحا کو سیل رکھنے کی اجازت نہیں تو عبداللطیف بھائی کے فون یا پی ٹی سی ایل پر اس کی خیریت دریافت کرنا پڑے گی۔ اللہ کرے! وہ شاد و آباد رہے اپنے گھر پر...... آمین۔'' جاتے جاتے وہ کہنا نہ بھولی تھی۔ اس کا لہجہ تشویش کا عنصر لیے اور دل اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔

ستارے سسکیاں بھرتے تھے اوس روتی تھی
فسانہ جگر لخت لخت ایسا تھا!

عبداللطیف نے روحا کو اپنی ماں کا حکم ان الفاظ میں سنایا تھا۔ ''دیکھو...... اب تم اپنے گھر چلی گئی ہو' آئندہ جانے کی ضدمت کرنا' اب یہی تمہارا اپنا گھر ہے۔ اگر اپنے گھر کے کسی فرد سے بات کرنی ہے تو میرے سیل فون سے کرنا میرے سامنے' جس چیز کی ضرورت ہو' بلا جھجک مجھ سے کہہ سکتی ہو مگر کمرے میں...... تنہا تم نہیں بیٹھوگی اور ہمیشہ سب کے ساتھ مل کر بیٹھنا۔'' بات ختم ہونے پر روحا کا کب سے رکا سانس بحال ہوا تھا۔ عبداللطیف کی بہنیں باپ کے گھر دھرنا مارے موجود تھیں۔ محلے کی عورتیں رشک و حسد سے روحا کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

''عبدل کی تو لاٹری نکل آئی......!'' ایک عورت نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہیرا کہاں سے ڈھونڈا عبدل کی ماں؟'' ایک نے خالص دیہاتی انداز میں کمر پر ہاتھ جما کر پوچھا۔ روحا کی سماعتوں پر ان فقروں نے کوئی تاثر نہ چھوڑا تھا۔ خوشیاں تو وہ بابل کی دہلیز پر ہی گروی رکھ آئی تھی۔ کوئی کچھ بھی کہے کیا فرق پڑتا تھا۔ اب تو بس زیست کے ایام پورے کرنا تھے۔ صبح' دوپہر' شام کچن میں اس کی ڈیوٹی تھی کہ بہنوں کو آخر کو اپنے گھر چلے ہی جانا تھا۔ ماں کی شہ لگی تھی پھر ان کے تو عیش کے دن گزارنے کے موڈ تھے۔ روحا کے گھر سے کوئی فون آتا تو اس کی بات برائے نام کروائی جاتی بلکہ مختلف حیلے بہانوں سے ٹال دیا جاتا۔ شاذ شاذ ہی میاں کی موجودگی میں بات ہو پاتی۔ اس وقت بھی اسپیکر آن ہوتا اور سب اس کی گفتگو کا

مزہ لیتے۔ والدین کے گھر جانا اس کے لیے گناہ قرار دے دیا گیا تھا خود وہ بھی سماعت اور بصارت کو چپ کی ڈوز وقتاً فوقتاً دیتی رہتی تھی۔

اب اس کی جلد وقفے وقفے سے جھلسنے کے مدارج سے گزر رہی تھی۔ عضلات سکڑنے کا کام کرتے پر ریلیکس نہ ہو پاتے کہ بدن سے اٹھنے والی ٹیسیں سینہ کوبی شروع کردیتیں مگر آگ کی تپش کم نہ ہوتی۔ روتی، بلکتی، چیخیں، آہ و فغاں کرتی آہیں، سینہ چاک کردیتیں، جیسے جیسے کوئلے پھینکے جاتے وہ مزید بھڑک اٹھتیں، سانسیں عزلت نشین ہوجاتیں۔ بانہیں ممتا کی آغوش مانگتیں، لیکن اسے اس آتش میں اکیلے ہی جلنا تھا۔ اکیلے ہی مرنا تھا کسی کو کیسے پکارتیں۔ بس سیخ پا لبوں پر اک ہی پکار جاری تھی۔

اللھمہ اجرنی من النار...... اللھمہ اجرنی من النار...... اللھمہ اجرنی من النار......

"یار عبدل تیرا تو فری میں بمپر پرائز نکل آیا ہے' اتنی پڑھی لکھی، سگھڑ خوب صورت بیوی مل گئی ہے تجھے' یار کوئی ہمارے لیے بھی ڈھونڈ دے ایسی پری۔" عبدالطیف کے جگری یار امجد نے ڈرنک کرتے مدہوشی کے عالم میں کہا۔

وہ اپنی ماں کا ایک ہی ماڈھولال تھا کہ جو دوستوں سے بھی کچھ چھپانے کی سعی نہ کرتا پھر ایسی بیوی کے بارے میں بتانا تو اس کے لیے تفاخر کی علامت تھی۔ ایسی باتوں پر عبدالطیف کا سر فخر اور تفاخر سے مزید تن جاتا۔ ماں، بہنوں کی باتوں پر تو وہ صدق دل سے ایمان لے ہی آیا تھا' اس کو دبا کر رکھنا ہے روحا تیرے سے زیادہ خوب صورت' قابل نہیں' پھر ہر دور میں مردوں کا پلڑا بھاری رہا ہے اور رہے گا۔" یہ سوچتے وہ یکسر فراموش کر گیا تھا کہ جب اونٹ پہاڑ کے نیچے سے گزرتا ہے تو اپنی بڑائی بھول جاتا ہے اور اللہ کو بھی تو عاجزی پسند ہے جو اپنے بڑے پن پر فخر کرنے لگتا ہے۔ خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگتا ہے' اللہ بننے لگتا ہے تو اللہ پھر اس شخص سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ فرعون کے عبرت ناک انجام سے کون واقف نہیں؟ پر وہ تو جاہل تھا نا......

عطسہ شب (پو پھٹنے) کا وقت تھا۔ گردونواح میں طائروں کی شوخ شرارتیں بادِ صبا کو مزید جھومنے پر مجبور کررہی تھیں۔ رسیلے گیت دن چڑھے سنائی دے رہے تھے۔ چرنے والے جانور زندگی کی خوبیوں اور لذتوں میں مسرور چراگاہوں میں پھر رہے تھے۔ یہ وہ وقت تھا' جب وہ نطشے یا ردسو کی کتاب پڑھتے خوابوں کے جزیرے پر چہل قدمی کرتے گزارا کرتی تھی لیکن وہ یہ بھی بخوبی جانتی تھی کہ اپنی زبان بند رکھنی چاہیے جب تک مچھلی کا منہ بند رہتا ہے وہ کانٹے کی گرفت میں نہیں آتی۔

ابھی خواب ہے
یہ طویل خواب محیط سیکڑوں کائناتوں کے عہد پر
یہ طویل سرد عذاب
جس میں سیاہ رنگ کی برف گرتی ہے آرزوؤں کی سیج پر'
یہ خوف' یہ مدار اپنا آپ نحیف سا
وہ پہاڑ جس کا نہ سر' نہ پیر' نہ جاں' نہ دل
مگر ایسے بازو کہ ایک بار دبوچ لیں تو کسی کا کچھ بھی نہ بن پڑے......

کیا اس کے بھی کبھی خواب تھے اور اگر خواب تھے تو ان کی تعبیریں شاید مردہ تھیں یا نیم جاں حالت میں پڑی تھیں' کیا یہ شخص جو کاتب تقدیر نے اس کے نصیب میں لکھ دیا تھا اس کا اپنا تھا' کیا اسے اس شخص سے محبت تھی؟ ہاں اگر محبت نہیں تھی تو اب ہوگئی تھی۔ اس کے لیے شواہد کافی تھے کہ وہ سارا دن اس کی ماں کے طعنے سنتی تھی' اس کی گالیاں برداشت کرتی تھی' سارا کا سارا وقت اس کی بہنوں' بچوں کی خدمت گزاری میں گزر جاتا تھا' وہ روحا جو دن میں کئی دفعہ بال سنوارا کرتی تھی' اب یہ کام بمشکل دن میں ایک ہی دفعہ کرپاتی تھی اور اس پر سختی سے کاربند بھی تھی۔ منہ دھونا وضو کی حد تک تھا اور یہ وہ کام تھا جو وہ دن میں پانچ سے زیادہ دفعہ کرتی تھی۔ وہ خوب صورت تھی لیکن اس بات سے لاعلم کہ اس کا حسن فتنہ خیز تھا۔ سروقد سراپا فتنہ خیز حسن...... ہر برگ و بر نے دہائی دی ہے...... جوانی قیامت تھی' آنکھیں پُرسکوت تاروں کی تابناک روشنیاں

تھیں' ہونٹ قندھاری انار تو ناک لچکیلی شاخ کی مانند بالکل سیدھی تھی۔ کان کی لوؤں میں موجود بالیاں اور ائیر رنگز سیپ میں پروئے موتی دکھتے تھے سنہرے لمبے گھنے بال کھلتے تو آبشاریں منتشر لگتیں۔ قد و قامت سرو کی مانند تھا پھر کون کافر تھا جو اس پر نہ مرتا' پر شاید نہیں یقیناً عبداللطیف اکبر کو اپنے حسن پر زیادہ زعم تھا جو کسر باقی رہ گئی تھی وہ ماں بہنوں نے پوری کردی تھی' اس طرح کہ عبداللطیف اکبر کو روحا کے قریب پھٹکنے نہ دیتی تھیں۔

صرف شب کے سناٹے میں جب صرف دیواریں سرگوشیاں کرتی ہیں اور ہوائیں سنتی ہیں۔ سائے متحرک ہوجاتے ہیں' اس وقت وہ روحا کے پاس آیا کرتا تھا اور روحا کو تو جیسے اسے دیکھ کر قرار آجاتا تھا۔ اس کا دن اگر اسے سوچتے سوچتے کٹتا تھا تو شب کا نصف حصہ بھی ایسے ہی پر لگا کر کسی غریب الوطن طائر کی طرح جو مسکن کی تلاش میں سرگرداں ہو' گزر جاتا تھا' وہ اسے دیکھ کر اس کا نقش نقش ازبر کیا کرتی اور وہ اکثر اس کے گل گوں عارض کو چھو کر کہتا۔

"میں تم سے زیادہ خوب صورت ہوں۔ تم سے کم نہیں۔" بلاشبہ وہ یقین دہانی کا یہ پہلو اپنے آپ کو زیادہ کرواتا تھا' اپنے اس ضمیر سے بھی جو صداقت کا پیروکار تھا۔

انہی سوچوں میں گم ڈھیر کا ڈھیر اس نے کپڑوں کا دھو ڈالا۔ تمام کپڑے بھی پھیلا دیئے وقت کے گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ اب اس نے گھر بھر کے لیے کڑی پکانی تھی کہ بیسن کا آمیزہ تو وہ کپڑے دھونے سے پہلے ہی تیار کرچکی تھی۔ وہ خالی بالٹی اور ٹب اٹھا کر نیچے کچن کی طرف گئی جو اتنا بڑا تھا کہ اس میں ماسوائے ضرورت کی اشیاء کے صرف ایک فرد ہی سما سکتا تھا۔ کچھ قدم سیڑھیوں سے اترتے اس کی نظر وسط میں لگی کھڑکی پر پڑی تھی' وہاں اس نے گلی میں مزے میں بے فکری سے کھیلتے ننگ دھڑنگ بچوں کو دیکھا گولے کھاتیں' خوش گپیاں کرتیں اپنے پراندے کو جھلاتیں بچیوں کو دیکھا تو وہ گھوسی گئی اور اسے عہد رفتہ کی تلاش میں از خود رفتہ یاد آگئی تھی۔

یوں ہی شب تنہائی میں
کچھ دیر پہلے نیند سے
گزری ہوئی دلچسپیاں
بیتے ہوئے دن چین سے
بنتے ہیں شمع زندگی!
اور ڈالتے ہیں روشنی!
میرے دل صد چاک پر!

وہ انہی خیالوں میں منہمک رہتی کہ جہاں آرا (ساسو ماں) چیختی ہوئی اس کے سر پر آن پہنچیں۔

"شریف گھرانے کی بہوئیں اس طرح کھڑکیوں سے باہر نہیں جھانکا کرتیں۔ کون سا تیر ایار بیٹھا ہے' جسے تو ڈھونڈ رہی ہے آنے دے عبدل کو وہی تیرے پیچ جوڑ ڈھیلے ہو رہے ہیں اچھی طرح کسے گا۔ توبہ..... توبہ ایسے شریف زادیوں کے یہ لچھن نہیں ہوتے۔" دن بھر جن کی کمر اور ٹانگیں درد سے ادھ موئی رہتی تھیں اب وہ آدھی سے زیادہ سیڑھیاں ایک ہی سانس میں چڑھ کر اوپر آگئی تھیں۔ کانوں کو ہاتھ لگاتے کڑی نظروں سے گھورنے کا عمل جاری تھا۔ گمان فاسد یہی تھا کہ بہو رانی اپنے حسن سے ان کے جانشین بیٹے کو اپنے تصرف میں لے لے گی۔ جہاں آرا نے اس کی لمبی چٹیا دوپٹے سمیت کھینچی' اس سے قبل کہ وہ اپنا توازن برقرار رکھتی اس کے ہاتھ سے ٹب اور بالٹی دور لڑھکتے جاگرے بالٹی ان کی بڑی بیٹی کے پانچ سالہ محسن کے پاؤں پر لگی جو زینے کے ساتھ ٹیک لگائے مگن انداز میں کھڑا تھا۔ اب اس کا زوردار باجا بغیر بریک کے شروع ہوچکا تھا' ٹب میں ٹوٹنے کی وجہ سے وسط میں ایک گہری لکیر نمودار ہوگئی تھی۔ ساسو ماں صلواتوں کی یلغار کرتیں' پیخ پٹخ کر نیچے قدم رکھتی جارہی تھیں' چور کی ڈاڑھی میں تنکا..... انہیں اپنے کیے پر کوئی ندامت نہ تھی۔ کئی موٹے موٹے آنسو اس کے رخسار پر رستہ بناتے ننھی ننھی شاخ سے بچھڑی کلیوں اور زرد پتوں کی طرح بکھر گئے تھے۔

کبھی آنسو بن کے برستی رہتی ہیں بارشیں.....!

وہ ضبط کے کون سے مرحلے پر تھی اسے خود نہیں معلوم تھا' ہر وقت باتیں کرنے والی تتلی چپ کی داسی کیسے بنی'

کسی کو علم نہ تھا اور وہ بھی کہاں چاہتی تھی کہ یہ سب کسی کو پتہ چلے وہ بخوبی عمرؓ کے اس قول پر عمل پیرا تھی۔ ”جو اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔“ لہٰذا وہ اپنا اختیار اپنے رب کو دے چکی تھی۔ روحا نا سمجھی کے سے عالم میں زہر کی سی تلخیوں کو اپنے سینے کے اندر اتارتے واش روم کی جانب چلی گئی تھی کہ کمرے میں جانا تو عبث تھا‘ جہاں عبداللطیف کی دوسری بہن نسیمہ کے چھٹانک چھٹانک کے بچے جن میں صرف ایک یا دو سال کا فرق تھا دھما چوکڑی مچا رکھتے تھے۔ بیڈ شیٹس اور تکیوں کا حشر نشر کرنا ان کے محبوب مشغلوں میں سے ایک تھا۔ کچھ دن پہلے ہی اس نے عبداللطیف کی منت سماجت کر کے واش روم کے سامنے لکڑی کا ایک خستہ حال دروازہ لگوا ہی لیا تھا۔ اب دل و دماغ میں شوریدہ جھونکوں کی صورت اداسی نے بمباری شروع کردی تھی۔ آنسو سیلاب ہوگئے تھے۔

کہا نہ تھا اسے مت ضبط کرنا
وہ آنسو اب سمندر ہوگیا ناں!

پھر سے اپنی ذات کو مستحکم کرتی وہ باہر نکلی تھی‘ کڑی چڑھائی تھی‘ پھر درجن کے حساب سے روٹیاں پکائیں سب وحشیوں کی طرح طعام پر پل پڑے تھے جیسے پہلی دفعہ کھا رہے ہوں۔ روحا کا منجھلا دیور اپنی بیوی کے ساتھ کچھ دیر پہلے آیا تھا۔ سب مووی دیکھنے بڑے کمرے میں جمع ہوگئے تھے جہاں اس کے ہی فل سائز ٹی وی پر کبھی خوشی کبھی غم لگائی جارہی تھی کلیم (دیور) کچن کے سامنے سے ہی موڑھا رکھ کر بیٹھ گیا تھا‘ کھانے کے بعد چائے کی فرمائش کو پورا کرنا لازم و ملزوم تھا۔ فی البدیہہ برتن چمکانے کے بعد روحا اب چائے تیار کرنے میں لگی تھی۔ کلیم کا دھیان اسی کی جانب لگا تھا۔ اب وہ سرتاپا اس کے طول و عرض کا ٹکٹکی باندھے معائنہ کررہا تھا‘ جس نے خود کو چادر میں اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ پسینے کی بوندیں پیشانی پر بصورت اوس جمی تھیں۔ روحا کے لیے اس کی یہ حرکت سخت گرانی کا باعث بن رہی تھی لیکن برداشت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ یہاں سب نابینا تھے لیکن اسے آنکھیں کھول کر پھونکتے قدم رکھنا تھا‘ کلیم یک دم اٹھا (ابلیس سنہرے موقعے ہاتھ سے کب جانے دیتا ہے) کچن کے دروازے کے قریب آ کر اس نے موبائل سے ایک ٹیون لگائی تھی۔

چاند سے چہرے کا صدقہ تو اتارا کیجیے...... مشورہ ہے یہ میری جان گوارا کیجیے......! گانے کے بولوں کے ساتھ اس کے لب بھی حرکت میں آگئے‘ عین اسی لمحے ایک آواز سختی سے بند ہوتے کواڑ کی مانند اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

”کچھ چاہیے آپ کو؟“ روحا دہکتے رخساروں کے ساتھ اس کی جانب گھومی اور کرختگی سے دریافت کیا۔

”جی میں...... میں...... وہ...... مجھے......!“ کلیم بوکھلایا تھا اور ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں چائے کی فرمائش کی۔ ”آپ نیچے جا کر اپنی بیگم کے پاس بیٹھیے میں لے کر آتی ہوں چائے۔“ لہجے میں سختی بدرجہ اتم موجود تھی۔ کچھ تھا جو مردوں کو اس سے فاصلے پر رہنے پر مجبور کرتا تھا۔

”ہونہہ...... جانے کیا سمجھتی ہے خود کو حسن کی دیوی!“ کلیم نے نخوت سے سر جھٹکا۔ روحا چائے نیچے لے کر جانے لگی تو اسے راہداری میں موجود بیل کی آواز نے رکنے پر مجبور کردیا۔ اچانک کسی خیال کے آتے ہی وہ فون سننے پہنچ گئی۔

”کیسی ہو میری جان روحا‘ ٹھیک تو ہونا‘ ایک دن بھی تیری ماں چین سے نہیں سوئی۔“ صباحت روحا کی آواز سنتے ہی شروع ہوچکی تھیں۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں امی‘ آپ اپنا خیال رکھا کریں‘ میری فکر میں دبلی مت ہوجایئے گا۔“ لہجے کو قدرے نرم کرتے ہشاش بشاش انداز میں اس نے جواب دیا۔

”میرے بچے کچھ دن کے لیے آجا‘ تیری ماں کی طبیعت بہت خراب ہے۔“ زخم خوردہ سی آواز تھی۔

”جی امی...... میں کوشش کروں گی۔“ نہایت پژمردگی سے فون واپس جگہ پر رکھ دیا تھا۔ وہ انہیں کیا بتاتی کہ اللہ کے بعد ایک ماں ہی تو یاد آتی ہے‘ بہت سی باتیں ہم صرف سوچ سکتے ہیں کہہ نہیں پاتے‘ پھر ہر چیز کا ایک وقت مقررہ بھی تو ہے۔ نیچے سب اپنی خوش گپیوں میں مست قلم

دیکھنے میں مگن تھے۔ اس نے دوبارہ چائے گرم کرکے کلیم کے بیٹے آصف کے ہاتھ بھجوادی تھی۔ بڑے تو اسے خاطر میں نہ لاتے تھے پر بچے سب اس پر دل وجان سے فدا تھے پھر سب آنکھیں رکھنے والے اندھے تو نہیں ہوتے۔

ایک اور دن واپسی کے لیے رخت سفر باندھ رہا تھا' جمود کی یہ کیسی کیفیت تھی جس سے وہ خود بھی نابلد تھی۔

شب کا سایہ پھیلنے لگا تھا' روشنی کا گلہ گھونٹ دیا گیا تھا' حسب معمول تارے فلک کے آنگن میں روشنی بکھرائے جگمگا رہے تھے۔ چاند سحاب کے آسرے پر تھا' جو کب سے اسے اپنی گرفت میں لینے کو بے چین تھا' سورج ڈوب گیا تھا۔ اداسیاں مسرتوں کو ہضم کرچکی تھیں۔ جیسے اندھیرا اجالے کو نگل لیتا ہے۔ وہی ماحول' وہی پُرسکوت خامشی اور اس خامشی کو چیرتی بھانت بھانت کی مختلف کتوں کے بھونکنے کی آواز خواب ناک ماحول کو خوف ناک بنا رہی تھی۔

کبھی سن سکوت کی سسکیاں\
تجھے بات کرنا محال تھا......!\
مرے اردگرد جو ہو رہا ہے سکوت' تیرا ہی روپ ہے\
مرے سر پہ چیخ رہی ہیں جو یہ خموشیاں تیری دھوپ ہیں\
تجھے بات کرنا محال تھا\
تو یہ ہر طرف مرے چار سو تیرے لفظ بکھرے ہوئے ہیں کیوں\
کوئی شک تو کوئی یقین ہے\
کوئی پیار ہے تو کوئی فریب کا لفظ ہے\
مرے راستوں میں جگہ جگہ\
تیری ان کہی کے\
گڑے ہیں بت\
کوئی ہنس رہا ہے کھڑا کھڑا\
کوئی رو رہا ہے پڑے پڑے\
یہ ہوا جو نیچا چھال کے\
مرے بال کھینچتی ہے کبھی\
کبھی دھپ سے پیچھے دھکیل دیتی ہے راہ سے\
تو یہ بت لرزتے ہیں رحم سے' ذرا دیکھ تو......

عبداللطیف شدید غصے میں اندر داخل ہوا تھا۔ روحا جو کمرے کا پھیلاوا سمیٹنے کا سوچ رہی تھی کہ کہاں سے شروع کروں' درد کی وجہ سے جوڑ جوڑ ویسے دہائی دے رہا تھا۔

"آج کیا کرتی رہی ہے سارا دن' یہ تیرے باپ کی کمائی نہیں ہے' جسے تو مزے سے غارت کررہی ہے۔"

شدید طیش کے عالم میں اس کے نتھنے پھول گئے تھے۔

"دیکھیں عبداللطیف بات وہ نہیں...... جو......!"

اس سے پہلے کہ حواس باختہ سی روحا اپنا جملہ مکمل کرتی' ایک زوردار طمانچہ اس کے رخسار پر اپنا نشان ثبت کرگیا تھا۔ یہ وہ پہلا تھپڑ تھا جو اسے صبر کے نتیجے میں بصورت ثمر ملا تھا۔ اس کی ماں کے منہ سے نکلے لفظ راستے میں ہی پرورش پاگئے تھے۔ کاش یہ شخص بے ادب اور بے غیرت کی بجائے باادب اور باغیرت بھی ہوتا۔ وہ روئی نہیں تھی اس نے اپنے سب آنسو قلبی توشہ دان کے حوالے کردیئے تھے۔ اس نے کسی سے شکایت نہیں کی۔ ہاں شب کے نصف پہر کے بعد وقت تہجد اس نے اپنے رب سے دعا مانگی تھی اور وہ مستجاب ہوگئی تھی۔ نماز فجر اور بعد از تلاوت کے وہ لیٹ گئی۔

نظر آتے ہیں وہ کچھ مہرباں سے\
گرے گی کوئی بجلی آسماں سے!

عبداللطیف گھر پر ہی موجود تھا۔ جانے یہ کیسے معجزہ ہوا تھا؟ وہ محتاط اور جہاندیدہ انداز میں نیم وا آنکھوں سے اسے شیشے کے سامنے بال سنوارتے دیکھ رہی تھی۔ روحا کے گھر والے اسے بلاتے' اصرار کرتے تو وہ ٹال دیتی' سختی سے منع کردیتی' وہ کسی کو بھی اپنے حالات کی بھنک نہ پڑنے دینا چاہتی تھی' پھر ماں باپ تو بیٹی کی خوشی میں ہی خوش تھے۔

"اٹھ جاؤ میں تمہارے لیے یہ اسکارف لے کر آیا ہوں' تمہاری والدہ کی طرف ایک چکر لگا آتے ہیں۔" روحا سے خوشی میں بولا ہی نہیں جارہا تھا۔ اس نے کسی معصوم بچے کی طرح اسکارف پر ہاتھ پھیر کر اوڑھ لیا تھا۔

''مجھے محسن نے بتادیا کہ کل کیا ہوا تھا؟ اب تم بے فکر ہو کر جلدی سے تیار ہو جاؤ بس۔'' عبداللطیف اس کے چہرے پر کھلتے رنگوں کو دیکھ کر مدہوش سا ہوا تھا۔ اس نے جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ اس کے سینے سے بنا کسی مزاحمت کے جا لگی تھی۔

چاندنی اس کا بدن' چاند ہے اس کا چہرہ......!
دھان کی کھتیاں' آنکھوں کے حسین تھال اس کے!

''اسے چھوڑ کر خود واپس آجانا اور واپسی شام تک ہو جانی چاہیے۔'' گھر سے باہر نکلتے ہوئے بھی ان کو ساسو ماں نصیحت کرنا نہ بھولی تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

صباحت کی ٹانگ بری طرح زخمی تھی۔ وہ چڑیوں کے کونڈے میں پانی ڈالتے ہوئے لکڑی کی سیڑھی کے سرکنے کی وجہ سے بری طرح گری تھیں' اب درد سے کراہ رہی تھیں۔ عبداللطیف نے مختلف سبزیاں' سیب اور انار کے بھاری بھرکم شاپر روحا کے حوالے کیے اور فریج میں رکھنے کو کہا۔

''آج روحا کو یہی چھوڑ جا بیٹا کل آ کر لے جانا۔'' صباحت دریدہ سی آواز میں مخاطب تھیں۔

''جی اماں...... جیسے آپ کا حکم۔'' عبداللطیف نے تابعداری سے گردن ہلاتے تائید کی تھی۔ دل ہی دل میں غصہ عود کر آیا۔ وہ کچن میں روحا کے پاس گیا اور سختی سے اپنا حکم صادر کیا۔ گویا اپنی جون میں لوٹ آیا تھا۔ ''اب تو میں تمہیں چھوڑے جا رہا ہوں آئندہ اگر آئی تو ہمیشہ کے لیے یہاں رہنا۔ طلاق کے کاغذات بھجوا دوں گا بس یہ پہلی اور آخری دفعہ ہے۔'' اس نے شہادت کی انگلی اٹھا کر گویا اسے متنبہ کیا تھا۔ عبداللطیف اپنی کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔

''خوشی اتنی مختصر بھی ہوتی ہے؟'' دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔ اپنے محبوب شوہر کی بات سن کر اس کے نہ صرف اوسان خطا ہوئے تھے بلکہ چائے بھی چھلک گئی تھی۔ گرما گرم چائے کی تپش کا احساس کہیں نہ تھا ہاں اس کے لہجے کی تپش اندر ہی اندر سلگا رہی تھی۔

''امی جان...... آپ زاہرہ کو بلوا لیتیں۔ اصل میں میری ساسو ماں بھی تو جوڑوں کی مریض ہے ناں' کہیں وہ غصہ نہ کریں۔'' روحا نرمی سے مرہم لگاتے آہستہ آواز میں بولی۔

''جب روحا نہیں تھی تب بھی تو اس کی کوئی نہ کوئی دیکھ بھال کرتا ہوگا نا' زاہرہ پریگنینٹ ہے میرے بچے سفر منع ہے اسے' ورنہ اس کو ہی بلانا تھا۔ تیری طرف سے بھی تو یہ دل ہولا رہتا ہے پھر تیری دید کی تڑپ بھی بیقراری بڑھا دیتی ہے' سو تجھے بلالیا' کیا غلط کیا؟'' صباحت تھوڑی خفگی سے مخاطب ہوئی تھیں پھر روحا نے اپنے معاملات کی ڈوری اس لم یزل کے سپرد کی کہ جو تھام لے تو کوئی گرا نہیں سکتا۔

کبھی سوچ جان تو کن درختوں میں قید ہے
یہ لباس کس سے لیا ہے تو نے ببول کا
ترے ناخنوں پہ گلاب کیسے ہیں خواب کے
تجھے کس کے ہاتھ میں بیچ آئی ہیں سوکنیں
مری سانس ہائے میری سانس ہا......
مجھے کیا ہوا......!

عبداللطیف کچھ گھنٹے روحا کے پاس خوشگوار ماحول میں گزار کر گھر گیا تھا۔ راستے بھر اسے ایک خالی پن محسوس ہوتا رہا تھا کہ تھوڑا ہی وقت سہی اس کی دید اس کی رفاقت میں گزرتا تو تھا۔ روحا اس کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھی اور وہ خود بھی مکمل طور پر اس کا عادی بن چکا تھا۔ گھر کے اندر قدم دھرتے ہی چھوٹے بچوں کی شرارتی پارٹی نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا' اس نے ایک اجنبی سی نگاہ گھر کے در و دیوار پر ڈالی تھی اور کمرے کے عین سامنے جا کر بے دھیانی میں رک گیا تھا کہ کمرے کا اجالا تو کہیں اور روشنی بکھیرے ہوئے تھا' اس اجالے کے ہجر میں اسے کچھ دن تنہا کاٹنے تھے۔

آج بہت دن بعد میں اپنے کمرے تک آنکلا تھا
جونہی دروازہ کھولا ہے اس کی خوشبو آئی ہے......!
خاموش ساکت دیواروں پر خوشبوؤں سا مہکتا وجود

چسپاں تھا۔ عبداللطیف کو اکیلے آتے دیکھ کر جہاں آرا نے خوب واویلا کیا کیونکہ وہ اپنی سست اور کاہل بیٹیوں کی فطرت سے بخوبی واقف تھیں کام کرنا تو کیا تھا کسی نے ہاں پھیلا خوب دینا تھا۔

یکم اکتوبر کی صبح خاصی روشن اور تابناک تھی۔ عبداللطیف باہر سے ناشتا لے آیا تھا اپنے خالی کمرے کے دروازے پر حسرت بھری نظر ڈال کر ایک کونے میں جا بیٹھا تھا۔ سب نے خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا تھا اور اب برتن سمیٹنے اور دھونے پر لڑائی ہو رہی تھی۔ عبداللطیف کی تیسری اور چوتھی بہن نے اپنے بچوں کو سلا کر آہستہ آہستہ کام سمیٹنا شروع کیا تھا۔ زیر لب روحا کے لیے بددعائیں ساتھ ساتھ جاری تھیں۔ عبداللطیف کا ضعیف باپ اکبر نواز جہلم کے گھر کا حال احوال لینے گیا تھا سو کچھ دن تک کے لیے عبداللطیف گھر پر ہی تھا۔ چھٹیاں منائی جا رہی تھیں پر اکیلے...... طے یہی پایا تھا کہ عبداللطیف کی بیوی روحا ہی اس گھر کو ترتیب دے گی اور سنبھالنے کا فریضہ بھی سرانجام دے گی۔

بوقت سہ پہر جب لحلحاتی کوئلیں آب کی تلاش میں سرگرداں جھیل کے گرد دائرں کی صورت چکر کاٹ رہی تھیں منڈیروں پر پیاسے کوے قطار بنائے بیٹھے تھے سورج سب سے اچھا منصف بنا چہار جانب تپتی دھوپ پھیلائے اپنی کرنوں سے انصاف کر رہا تھا پسینے میں بھیگتے بچے گرمی کی حدت سے لاپروا اپنے گلی ڈنڈے میں مگن تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ عبداللطیف ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ سامنے دو لڑکیوں نے اسے دیکھتے اٹھلاتے ہوئے ایک ادا سے اپنے ہیئر کٹ بالوں کو جھٹکا دیا تھا۔ عبداللطیف دروازہ کھول کر ایک طرف ہوا تھا۔

''جی ہم روحا کی پھوپھو زاد کزنیں ہیں آ جائیں مما۔'' یہ کہتے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتیں وہ اندر داخل ہو گئی تھیں۔ عبداللطیف انہیں اپنے کمرے میں ہی لے گیا تھا جو فی الوقت کچھ سمٹی حالت میں تھا۔

''کیسے ہیں آپ عبداللطیف بھائی اور روحا آپی کی سنائیں۔'' وہ بیک وقت شوخی سے مخاطب ہوئی۔

''میں کچھ کھانے پینے کا انتظام کرتا ہوں۔'' اس سے پہلے کہ وہ جانے کے لیے اٹھتا دونوں نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے قدموں کو روک دیا تھا۔

''ارے کسی تکلف کی ضرورت نہیں آپ سنائیں روحا آپی کی وہ شادی کے بعد تو اور زیادہ خوب صورت ہوگئی ہیں ناں۔''

''جی وہ تو ہیں ہی پیاری۔'' عبداللطیف شرما سا گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

''جی مجھے در نایاب اور در شہوار انہیں کہتے ہیں ہم روحا آپی کی بہت کلوز اسٹ کزنز ہیں۔'' تعارف کی رسم نبھائی گئی۔

''تمہیں وہ یاد ہیں ناں شہوار احسن بھائی کتنا مرتے تھے اپنی روحا آپی پہ کہتے تھے بس ایک دفعہ کال پہ بات کرلیا کریں روز مجھے تو اب بھی ان کی لجاجت سے پر التجائیں یاد آتی ہیں تو خوب ہنسی آتی ہے یقین کرو۔''

''ہاں...... ہاں۔'' نایاب نے ہاں میں ہاں ملائی۔ گویا بہن ہونے کا حق ادا کیا گیا تھا۔

''اور وہ حسیب جو ایک سال چھوٹا تھا کیسا دیوانہ تھا روحا آپی کا کہتا تھا میں تو بس ان سے ہی شادی کروں گا۔'' بات مکمل ہونے پر ہاتھ پر ہاتھ مارا گیا اور بلاوجہ قہقہہ لگایا گیا تھا۔

''اور وہ صابر جو روحا آپی کے ہمسائے میں تھا کیسے صبح صبح کھڑکی کھولے روحا آپی کو دیکھنے کی خاطر دیر تک کھڑا رہتا تھا۔'' عبدل کے صبر کا پیمانہ بس یہیں تک تھا۔ اس کے گھر والوں میں سے کسی نے کمرے میں جھانکنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی کہ روحا کے عزیزوں سے کسی کو کوئی سروکار نہ تھا۔ عبداللطیف طیش کے عالم میں اٹھا تو دونوں نے زبردستی چہرے پر مسکینیت کے آثار نمایاں کیے گویا پوچھ رہی ہوں ان صاحب کو کیا ہوا بیٹھے بٹھائے؟ طیش اور شدید غصے میں بھرتا عبداللطیف باہر نکل گیا تھا۔ اس کے نکلتے ہی دونوں بہنوں نے وکٹری کا نشان بنایا اور پھر ہاتھ پر ہاتھ مارنے

کی رسم ادا کی گئی۔ ان کا یہاں آنے کا مقصد سو فیصد پورا ہوگیا تھا۔ ان کی والدہ بھی اپنے نادر کلمات سیسے کی طرح عبدالطیف کے دل ودماغ پر انڈیل رہی تھیں جو اس نے باہر نکلتے نکلتے سن ہوتے دماغ کے ساتھ ادھورا سنا تھا۔ وہ سارا دن عبدالطیف عرف عبدل نے سڑکیں ناپتے' آوارہ گردی کرتے گزارا تھا شام میں روحا کو واپس لے آنے کا ارادہ بھی اس نے یک دم بدل دیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ کٹا پھٹا ہوا فرش......
جیسے بدن ہو خواب وخیال وخواہش وعشق کا
کوئی اک خراش کہاں ہے دامن روح میں
کہ جہاں خراشوں کی فصل اگتی ہے ہر برس
میں وہ سرزمین نصیب ہوں
میں لکھا گیا ہوں جہاں بھی تیری کتاب میں
وہ ورق اکھاڑ' جلا' جلا کے ہوا میں راکھ بکھیر دے
مگر اک خیال رہے......!
ہواؤں کے رخ پہ کوئی کھڑا نہ ہو!
یہ ہوائیں تیرہ نصیبیوں سے ملیں تو
چلتی ہیں سیاہ موت کی آندھیاں
کوئی سیاہ موت کبھی کسی کی نہیں ہوئی
نہ ثواب کی نہ گناہ کی
ترے مرے پیار کے درمیان بھی سیاہ موت
کے سائے لپٹے ہیں دور تک......!

روحا ڈراؤنے خواب کے زیر اثر اٹھ کر چیخی تھی۔

''امی......! مجھے اس سناٹے سے باہر نکالیں' میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' صباحت کا زخم اب کافی مندمل ہوچکا تھا۔ انہوں نے دو چار آیات پڑھ کر پھونکیں' زبردستی کھانا کھلایا' گھر جانے کی تیاری کروائی کہ عبدالطیف تو آیا نہ تھا' فون پر بھی رابطہ یکسر منقطع تھا تو اسے چھوٹے بھائی کے ساتھ بھیج دیا گیا تھا۔

چونکہ ڈھلتی شام کے سائے آنے والی تیرگی کا پھر سے خوشدلی کے احساس سے پرخوش آمدید کہنے کو تیار تھے۔ ٹریفک کا اژدھام گردونواح میں ہنستے کھلکھلاتے لوگوں کے قہقہوں کو جذب کیے حسب معمول رواں تھا۔ جذبے ساکت تھے لیکن جانے کیوں پلکیں نم ہوئی جارہی تھیں' جانے وہ لینے کیوں نہیں آئے؟ یہ سوال کسی نہ حل ہونے والی الجھن کی طرح اس کی پیشانی پر ایستادہ تھا۔ زیست نقطۂ عروج پر تھی جہاں سے واپسی کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ دنیا گورکھ دھندا اور اس میں رہنے والے آگ' قریب جانے پر جلا کر بھسم کردیتے ہیں۔

روحا کے گھر میں قدم رکھتے ہی اس کی ڈیوٹی شروع ہوگئی تھی' عبدالطیف رات گئے گھر میں داخل ہوا تھا اور آتے ہی اسے عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کردیا تھا۔

جسم وروح میں اندھیرا گپ ہوں
وہ بولتا ہے اور میں چپ ہوں!

''درنایاب اور درشہوار کو جانتی ہو تم؟'' وہ درشتی سے دریافت کررہا تھا۔

''جی...... جی لیکن ہوا کیا ہے؟'' عبدالطیف کے شدید طیش کی کیفیت کی سبب روحا کے گلے سے گھٹی گھٹی آواز برآمد ہوئی تھی۔ دل حزیں کسی دغدغے کا عندیہ دے رہا تھا۔

''اور یہ حسن اور حسیب کون ہیں؟'' مثل تازیانہ ایک اور سوال اٹھایا گیا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' روحا نے اب کے سنبھل کر جواب دیا۔

عبدالطیف کے صبر کا پیمانہ بس یہیں تک تھا۔ اس نے اس کے بھائی کی موجودگی کو بھی یکسر فراموش کردیا تھا جو کچھ دیر پہلے ماں کے اکسانے پر اس کی خیریت لینے آیا تھا۔

''بے غیرت جھوٹ بولتی ہے' تیری بات گدھے کی لات' بتا یہ تیرے کون سے عاشق تھے؟'' غصے سے بولتے اس کے نتھنے پھولے ہوئے اور منہ سے لعاب نکلنے لگا تھا۔ روحا کی یک دم طبیعت شدید مکدر ہوگئی تھی' شایان (چھوٹے بھائی) نے اسے اٹھایا تھا جس کے آتشی لبوں پر لہو منجمد ہونے لگا تھا۔ وہ اسے ہسپتال لے گیا تھا وہاں ایک

الگ ہی خبر اس کی منتظر تھی وہ امید سے تھی۔ شایان کو اس نے قسمیں دے کر کچھ نہ بتانے کا کہا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے سختی سے کام نہ کرنے کی تاکید کی تھی کہ پہلے ہی بے حد کمزوری تھی نحیف سی جان پر ایک اور ذمہ داری بڑھ گئی تھی۔ پیچ وخم کھاتے حالات میں کیا یہ خبر خوش کن تھی۔ بنتے بگڑتے روابط کے شجر پردراڑوں کی باڑیں اگ آئی تھیں۔

مرے اپنے جسم پر قبریں بنتی دکھائی دیتی ہیں
میری اپنی خطاؤں کی
جو خطائیں مجھ سے ہوئی نہیں
میرے سر پر کس نے مزار رکھا ہے اس گناہ کبیر کا
جو ہوا نہیں......!
مری روح پر ترا بوجھ کیوں ہے لدا ہوا؟
میں تجھے اٹھا کے کہاں کہاں پھروں دربدر
تجھے ایسے لوگوں کی سرزمین پہ چھوڑنا بھی صحیح نہیں
جہاں نوچ لینا اصول ہو

جب وہ گھر پہنچی تو عبدالطیف گہری نیند کی آغوش میں تھا۔ اس کے خراٹے گردوپیش میں سنسناہٹ پیدا کررہے تھے۔ روحا اس کے سرہانے بیٹھ گئی تھی۔

"یہ شخص برا نہیں ہے اس کے حالات' اس کی جہالت نے اسے برا بنا دیا ہے' امی کہتی ہیں کہ شکی' شرابی کے ساتھ گزارہ مشکل ہے اور یہ......" ایک درد بھری آہ نے سینے میں کروٹ بدلی تھی اور یہ شخص تو بہت جلدی ہر کسی کی بات پر ایمان لے آتا ہے' کانوں کا بھی انتہائی کچا ہے' اللہ مجھ پر رحم فرمائے روحا نے فوراً دو رکعت نماز حاجت ادا کی تھی۔ تیرگی نے اجالے کو مات دی تھی اور اس کی ساری رات گریہ زاری' دعاؤں اور مناجات میں گزر گئی تھی۔

عبدالطیف پہلے کبھی کبھی ڈرنک کرتا تھا اب تو روز کا معمول ہی بنا لیا تھا۔ مارپیٹ' گالی گلوچ' تہمت' بہتان تراشی کی بوچھاڑ اور ان ہی باتوں سے روحا کا استقبال ہونے لگا تھا۔ اب جہلم جانے کی تیاری منظر عام پر تھی۔ روحا کے لیے ایک اور رخت سفر ایک اور امتحان تیار تھا۔ روحا کے حمل کی خبر دینے پر بھی وہ شدید آگ بگولا ہوا تھا۔

اس نے اسے اپنی اولاد ماننے سے انکار کردیا تھا۔ شدید اذیت کسمپرسی کے دن گزر رہے تھے۔

مرا کانپتا ہوا دل' پسینہ ہتھیلیوں سے اتر رہا ہے لباس میں!
میری پیاس ہی میرا روگ ہے
تری باس آتی ہے پیاس بجھتی ہے تھوڑی دیر کی
خود فریبی کی آڑ میں......!
کوئی شک ابھرتا ہے چاہتوں کے کواڑ میں
کوئی ٹیس اٹھتی ہے پچھلے دکھ کی دراڑ میں!

جہلم میں موجود وسیع رقبے پر گھر او گھر حقیقت میں محل نما تھا۔ اس حویلی نما مکان کی راہداری میں سات کمرے تھے۔ ہر کمرے میں ایک کھڑکی موجود تھی سوائے ایک کے۔ جابجا گرد کی موٹی موٹی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ بھاری بھرکم صحت مند چوہے آزادانہ بغیر کسی خوف کے گھوم رہے تھے۔ جابجا کھڑکیوں' دیواروں' دروازوں کے آمنے سامنے کونے کھدروں میں تار عنکبوت کی تزئین و آرائش تھی۔ قبل اس کہ روحا کا دماغ چکراتا اس نے صفائی کی مہم کے لیے کمر کس لی تھی۔ اپنی ناساز طبیعت کی پروا کیے بغیر بھی اس نے آدھے سے زیادہ گھر صاف کر ڈالا تھا' یہی نہیں تینوں بھائیوں بشمول عبدالطیف اور اس کے باپ کے لیے بھی کھانا پکایا تھا جو انہوں نے کافی سیر ہو کر کھایا تھا۔

سسر کی نگاہوں میں عجیب سا کچھ ہوتا' جو اسے اچھا نہ لگتا تھا' وہ ہر لحہ روحا کو سراہتا رہتا تھا۔ اس کے کام پر تعریف و تحسین اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ روحا کی سوچ کی سوئی کئی لفظوں' باہم کئی نقطوں کے درمیان معلق ہوجاتی لیکن کوئی حل نہ سمجھ آتا تھا۔

عجب بھنور میں پھنسے ہیں
نہ آگے چلے ہیں......نہ پیچھے چلے ہیں
بس وسط میں پھنسے ہیں!
مٹ چکی ہیں
خوش بختی کی سب لکیریں
نہ ملتی ہیں

خواب کی تعبیریں
دغدغے کا بحر ہے
بڑا طویل سفر ہے......!

جانے کیسے لوگ اپنے ناپسندیدہ افراد کے ساتھ گزارہ کرتے ہیں؟ دن کے کئی کام نپٹاتے یہ سوال اس کے ذہن میں ابھرتا' روحا دن بھر سرکاری پانی بھرتی حویلی نما مکان میں اس کا کام مزید بڑھ گیا تھا۔ شام میں اس نے محلے میں موجود ہمسایوں کے بچوں کو ٹیوشن دینی شروع کردی تھی سو وقت جیسے تیسے گزر ہی رہا تھا۔

دہکتے انگارے زندہ نقش کو مزید ہوا دے رہے تھے۔

آبلے ابل پڑے تھے' لپکتے لپکتے چنگاریاں شوریدہ سری کا ثبوت دیتیں آگے ڈھیرے ڈھیرے بڑھ رہی تھیں۔ تندو تیز چلتی طوفانی ہوا نے انہیں مزید خود سر' ضدی بنا دیا تھا۔ شریانیں اکڑ کر مثل سنگ' چٹخنے لگی تھیں۔ ملول و بے دام قلب سے لہو کا گولہ پھوٹا تھا۔ نوکیلے آرے ترچھے راستوں پر عین منتظر فردا تھیں۔ لب جنبش سے نالاں ہوئے تھے ہلتے تو بس یہی صدا ہوتی۔

واللھم اجرنی من النار...... اللھم اجرنی من النار...... اللھم اجرنی من النار......

عبداللطیف آج قدرے خوشگوار موڈ میں گھر میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں آموں کا بھاری بھرکم شاپر تھا۔ اس نے خود ہی ملک شیک بنایا اور روحا کو پینے کے لیے کہا۔ آم کی مہک روحا کے لیے نشاط انگیز نہیں تھی یہ خوشبو اس کی طبیعت پر عجب ہی تاثر ڈال رہی تھی۔ اس نے نرمی سے ہاتھ کے اشارے سے انکار کیا تھا۔ مگر عبداللطیف کو انکار سننے کی عادت ہی کہاں تھی وہ جو منہ میں پان کا ملغوبہ چبا رہا تھا اس نے غصے میں آکر پان کی پیک ہی اس پر تھوک دی تھی۔

چاہ کن را چاہ درپیش (برائی کرنے والا خود برائی کا شکار ہو جاتا ہے) یہاں روحا نے ہر اس ذلالت کا خاموشی سے سامنا کیا تھا جس کا کبھی خواب میں بھی تصور نہ کیا تھا۔ سراپا نور شہزادی کے دلکش خوابوں میں دیو داخل ہو چکا تھا پھر

غزل

دل میں اتر آتے ہیں یہ بول محبت کے
کیا رنگ دکھاتے ہیں یہ بول محبت کے
ممکن ہے جہاں تک یہ خوشیاں ہی بکھیریں گے
روتوں کو ہنساتے ہیں یہ بول محبت کے
ملنے کی تمنا ہے' جینے کا تقاضا ہے
ہر بار سناتے ہیں یہ بول محبت کے
سکھ چین کے نامہ بر ہیں اور کوئی پتھر
احساس جگاتے ہیں یہ بول محبت کے
مل جل کے ہمیشہ ہی سب کو یہاں رہنا ہے
لوگوں کو بتاتے ہیں یہ بول محبت کے
اس پاک وطن کو ہم محنت سے سنواریں گے
محنت ہی سکھاتے ہیں یہ بول محبت کے
اللہ کی رسی کو ہاں تھام لو تم خانم
سچے نظر آتے ہیں یہ بول محبت کے

فریدہ خانم...... لاہور

خوابوں میں اندھیرا کیونکر نہ ہوتا۔ ایک اور شب مناجات کی نذر ہوئی......

کچھ لوگ انڈوں کی طرح ہوتے ہیں باہر سے نہایت ہی شفاف اور جب اندر سے ان کے خول کو کھولا جاتا ہے تو منافقت کا پیرہن باہر آتا ہے' زردی میں موجود سیاہ دھبوں کی مانند...... پھر ایسے انڈوں کو پھینک دیا جاتا ہے کہ تعفن میں ملفوف چیز کو چرند پرند بھی منہ نہیں لگاتے' پھر ایک وقت ایسا آتا ہے یہ اپنے ہی تعفن کی بدولت مر جاتے ہیں۔

جانے کیسی صبح تھی فضا میں خنک ہواؤں کا راج تھا۔ گھٹائیں بادلوں کی شہہ پر شوخ ہوئی جا رہی تھیں' گھن گرج کے ساتھ بادلوں کے برسنے کا امکان لگتا تھا' موسم میں جہاں تیزی عود کر آئی تھی وہاں اس کی طبیعت میں شدید سست روی' کاموں میں بھی تساہل پسندی سے کام لیا کہ طبیعت قابو سے باہر ہوتی جا رہی تھی' کلیم (دیور) کے

آنے پر بھی اس نے دروازہ وانہ کیا تھا کہ گھر پر نہ ٹیوشن کے بچے تھے نہ ہی عبداللطیف آیا تھا۔ رات گیارہ بجے عبداللطیف اور اس کا باپ اکبر نواز شان بے نیازی سے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ کھانے کو کچھ نہ ملا تو عبداللطیف چلانے لگا تھا وہ یہ بات بھول گئے تھے کہ گھر میں راشن ختم تھا اور اکبر نواز آج ایسا مصروف رہا تھا منڈی میں کہ گھر سودا سلف بھجوا پاتا تو پکتا لیکن عبداللطیف پر تو بھوک کا بھوک سوار تھا' صبر کرنا اس نے سیکھا نہیں تھا شکر اس کی سرشت میں تھا نہیں کہ بن مانگے بہت کچھ ملتا رہا تھا۔ ڈرنک کرتے عبداللطیف نے حد کردی تھی' مغلظات کا ایک طوفان تھا جو اس کی زبان کے راستے باہر آرہا تھا۔ طیش کے عالم میں آگے بڑھ کر زوردار طمانچہ اس کے نپتے چہرے پر رسید کیا تھا' کانوں کا واحد زیور سونے کی بالیاں دور جا گری تھیں۔ عبداللطیف نے یہاں تک بس نہ کی تھی اس نے اسے زوردار دھکا دیا تھا قبل اس کے کہ اب وہ شیشے کی بوتل کرچی کرچی کر کے اس پر توڑتا' حملہ آور ہوتا اکبر نواز نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں کے شکنجے میں لے کر جھنجوڑ ڈالا تھا۔ اس کے تنفر سے پر چہرے پر زوردار دھمو کہ رسید کر کے وہ بے حال ہوتی روحا کی جانب بڑھا تھا پھر وہ ہوا تھا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ عبداللطیف نے طلاق کا فتویٰ صادر کردیا۔ سالوں کی ریاضت کو لمحہ بھر میں پامالی کی سند عطا کردی گئی۔ اس کے قدموں تلے زمین ساکت' ملنے کے قابل نہ رہی تھی۔ آسمان سارے کا سارا گویا سر پر آ گیا تھا۔ اپنے تمام تر وزن سمیت' آنسو بھربھری ریت کی مانند کانچ سی آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔ لہو کا گولہ کہیں گردن میں آ پھنسا تھا' آواز بند' پلکیں ساکت اور بدن ہوش و خرد سے بیگانہ نذ میں کے رحم و کرم پر آ گیا تھا۔

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے تب نہیں آتا!

وقت ضائع کیے بغیر اکبر نواز اسے ہسپتال لے گیا تھا۔ اسے فوری ایمرجنسی میں لیا گیا۔ روحا کے گھر اطلاع کردی گئی تھی۔ درد کہاں کہاں تھا؟ یہ تو علم نہ تھا' ہاں یہ ضرور پتہ چل گیا تھا' کہ کسی کی نرم گرم بانہوں میں ایسے وحشیانہ اثرات بھی ہوسکتے ہیں۔ وقت کی سانس بند نہیں تھی لیکن مری سانس وقفوں کی سی رفتار سے اپنے ادھورے حلقے میں گردش کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔

یہ مرے گلے میں کہاں سے آ گئیں چوڑیاں
ترے نرم بازو کہاں گئے
جو بھی تھے میرے گلے میں پھولوں کی ڈال سے
مری تھوک میں مرا خون کس طرح آملا
مری آنکھ کیوں کسی جلتی بجھتی ہوئی سی دھند سے بھر گئی!
مرے حوصلے مری کن بلاؤں سے ڈر گئے
مجھے پانی دو' مجھے پانی دو!
میرے ہونٹ چھبنے لگے ہیں گالوں میں
اور زبان کی نوک تالو میں آر پار اتر گئی ہے خدا قسم
مجھے گیلی ریت ہی بخش دو
مرے خشک ہونٹوں کو دور سے بھی نہ چومنا
کہ جوزہر ہے نا یہ پیاس کا
بڑا جان لیوا ہے' مار دیتا ہے نسل میں......!

ایک نہایت ہی خوب صورت بچے نے آنکھیں کھولی تھیں۔ بچے کے تار نفس میں مشکل در پیش تھی۔ سو آکسیجن لگادی گئی تھی۔ صباحت فوراً ضمیر زیدی کے ہمراہ ہسپتال میں موجود مقررہ وارڈ تک پہنچی تھیں جن کا دل قبل از وقت ہی کسی انہونی کی خبر دے رہا تھا۔ روحا کے جہلم منتقلی کے بعد دونوں بھائیوں نے حسب پسند شادی کے بعد بیویوں کو لے کر والدین سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ واہ ری دنیا تیرے کھیل۔

فی الحال بغیر کسی تفتیشی ردعمل کے صباحت اور ضمیر نے اجازت ملتے ہی اسے گھر لے جانا مناسب سمجھا تھا۔ تقریباً ایک ہفتے کی معیاد کے بعد اسے ڈسچارج کردیا گیا تھا۔ انکشافات سے پردہ اٹھنے کا وقت آن پہنچا تھا۔

''امی...... وہ شراب کا عادی تھا' اکثر سگریٹ بھی پیتا تھا' شک اس کی گھٹی میں شامل تھا۔ میں کون کون سی اذیت کا حوالہ دوں؟'' روتے روتے روحا کی ہچکی بندھی تھی۔ بیٹی

کی روداد سنتے صباحت کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ سرد موسم کے عالم میں کمرے میں موجود تینوں نفوس نے یہ رات آنکھوں میں کاٹی تھی۔

کھڑکھڑانے والی' کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ اور تم کیا جانو کھڑکھڑانے والی کیا ہے (وہ قیامت ہے) جس دن لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اون' تو جس کے اعمال کے وزن بھاری ہوں گے وہ دلپسند عیش میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے ہوں گے اس کا مرجع (ٹھکانہ) ہاویہ ہے اور تم کیا سمجھے ہاویہ کیا چیز ہے؟ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے......

اگلی صبح ایک تشویش ناک خبر کی نوید لے کر نمودار ہوئی تھی۔ جہلم کے تعفن زدہ نواحی علاقے میں حادثاتی موت ہوئی تھی۔ موٹر سائیکل پر سوار شخص پر ایک کار بری طرح چڑھ گئی تھی۔ بائیک پر موجود سوار کا سر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ جسد خاکی تار تار ہوا تھا۔ کار میں موجود شخص نشے کی حالت میں دھت تھا سو وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا۔ اکبر نواز کے عبداللطیف' سات بہنوں کے اکلوتے منجھلے بھائی' جہاں آرا کے عبدل کو ایسی ہی تعزیر نصیب ہوئی تھی کہ وہ شخص تو تعزیت کا بھی حق دار نہ تھا۔ یہ کہہ کر بہت سے لوگوں نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

''خس کم جہاں پاک''

یہ مصیبت یا عذاب کی گھڑی نہ تھی بلکہ ایک انتہائی آزمائش تھی' جس نے روحا کو رب کے قریب نہیں بلکہ انتہائی قریب کر دیا تھا...... اور پھر یہ تو صبر کا ایک چھوٹا سا امتحان تھا اس کے سامنے تو حضرت یعقوبؑ جیسے عالی قدر پیغمبروں کی بے مثل نظیریں موجود تھیں' جن کے آگے اس کا صبر تو بے حد چھوٹا تھا اور پھر وہ رب ذوالجلال جانتا ہے نا کہ میرا بندہ کتنا بوجھ برداشت کر سکتا ہے' بشر سے زیادہ محبت اس کے علاوہ کوئی کر ہی نہیں سکتا' پھر بھی جانے کیوں بنی آدم یہ سوچتا ہے ''میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟'' ارے اے بھولے بندے! ہماری عبادات اس پر احسان تھوڑی ہیں اس کے لیے تو فرشتے ہی بہت ہیں۔''

وہ درخت دیکھا جلا ہوا!
وہ بھی میں ہی ہوں......!
اسے میں نے چوما تھا ایک بار
تو پھر اس کے بعد وہ آج تک نہ ہرا ہوا
وہ گلاب دیکھا مرا ہوا
وہ بھی میں ہی ہوں!
وہ ستارا دیکھا گرا ہوا
وہ بھی میں ہی ہوں!
وہ خطائیں ہی تجھے لے کے آئی ہیں اس طرف
جو خطائیں تجھ سے ہوئی نہیں!

خود کو مایوسی کے مرض میں مبتلا نہ کرو' کیسے بھی حالات ہوں ہمت یکجا کر کے کھڑے ہو تو اس دو جہاں کے مالک کی جانب دیکھو' عجز کے ساتھ جھکو تو گریہ زاری کرتے امید سے بس اس سے مانگو' جس نے دیا تھا کچھ خاص' اگر وہ لے لیا تو کیا ہوا' یہ سوچ ابھرنے دو کہ وہ اس کے نعم البدل میں اس سے بڑھ کر تمہیں عطا کرنے والا ہے۔

حیرت بھی دم سادھے حیرت کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھی۔ روحا دو ماہ کے بچے کے ساتھ بیوہ ہو گئی تھی۔ وہ جب سامنے تھا تو تکلیف ہوتی تھی اب جب ہمیشہ کے لیے چلا گیا تھا تو تکلیف حد سے سوا ہو گئی تھی۔ روحا کے ٹوٹے پھوٹے شکستہ وجود کو سنبھالنے میں اس کے والدین نے بہت مدد دی تھی۔ عبداللطیف کی وفات کی خبر سن کر روحا نے کہا تھا۔

''امی...... اب میرا کوئی نہیں رہا؟''

''جس کے ساتھ رب ذوالجلال ہو میری جان اسے کسی کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔'' صباحت کے جواب نے گویا ہر زخم پر مرہم رکھ دیا تھا۔

''تمہیں زندگی کی طرف واپس لانے والے تمہارے والدین اب بوڑھے ہونے لگے ہیں میرے بچے...... انہیں پھر سے جوان کر دو۔'' کتنی آزردگی تھی ضمیر زیدی کے ان الفاظ میں' جب وہ بولے تھے۔ منتشر ہوئی روحا کا وجود

پھر سے یکجا ہوکر اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے والد صاحب کے کالج میں لیکچرار شپ جوائن کرلی تھی کہ تعلیمی ریکارڈ بھی ایکسٹرا آرڈینری تھا۔ کالج کے پرنسپل جو ضمیر زیدی کے دوست کے بیٹے تھے جن کا آٹھ سالہ بیٹا واسع بورڈنگ میں پڑھ رہا تھا' انہوں نے روحا سے شادی کے لیے استدعا کی تھی۔ روحا نے اب بھی اپنے رب سے مشورے کو معتبر جانا تھا۔ رب سوہنا تو بندے کو بچانا چاہتا ہے نا' وہ خود مرنا چاہے تو کیا کیا جائے؟ سید عون علوی ہر لحاظ سے ضمیر صاحب کے جانے پہچانے رفیق اور قابل وکیل رہ چکے تھے۔ ان کا بیٹا آرمی میں ایک شاندار پوسٹ پر تھا۔ اب کے خود ضمیر صاحب نہایت ہی باریک بینی سے حالات کا تجزیہ کررہے تھے۔

اماں بی جن کا روحا کی بربادی میں ایک بڑا حصہ تھا پھر کچھ صباحت کے لیے بھی ان کے دل میں حسد ورقابت کے جذبات تھے انہیں کوڑھ ہوگئی تھی۔ اب وہ دنیا سے منہ چھپائے پھر رہی تھی۔ رئیس خود ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہوکر اتنا کنگال ہوگیا تھا کہ فقیر بننے کے بھی لائق نہ رہا تھا تو اس کے کاسے میں کوئی کیونکر کچھ ڈالتا۔ تکبر کی ماری عفت بیگم ضمیر کی بہن؟ بیٹیوں کا غم لے کر جہانِ فانی سے کوچ کرگئی تھیں کہ جب اولاد بدنام محبت کے نام پر والدین کی عزت نیلام کریں تو وہ زندہ ہی کہاں رہتے ہیں؟

موت جان لیتی ہے...... زندگی امتحان لیتی ہے!

ابھرتے سورج کی کرنوں نے بصورت استخارہ زیست کو جلا بخش دی تھی۔ حسب موافق نتائج آنے پر بنا پس وپیش کے قبولیت کی سند دے دی گئی تھی۔ مسز عبداللطیف سے مسز عدن بننے کا سفر کٹھن تو تھا مگر ناممکن نہ تھا۔

آٹھ سال بعد زیست کی موجیں سبک روی سے کشاں کشاں منزل مقصود کو چومنے لگی تھیں۔ عدن علوی نے آئس کریم شاپ کے سامنے کار کو بریک لگائے تھے۔ ان کی اس حرکت پر دونوں بیٹوں طیب اور واسع نے ہُرے کا بھرپور نعرہ لگایا تھا۔ طیب اور واسع نے کارنیٹو جبکہ عدن اپنے اور روحا کے لیے دوسرا فلیور لے کر آئے تو واسع کو شرارت سوجھی۔

''پاپا آپ بھی ہمارے والی آئس کریم لاتے ناں' مما والی کیوں؟'' واسع نے طیب کو آنکھ ماری اور اسے اپنے کندھے کے قریب کیا۔

''بھئی آپ کے پاپا کو آپ کی مما سے منسلک ہر چیز بہت عزیز ہے چاہے وہ آئسکریم ہو چاہے وہ میرے نٹ کھٹ صاحبزادے واسع اور طیب ہی کیوں نہ ہوں۔''

عدن کے جواب پر دونوں نے کن انکھیوں سے اپنی کیوٹ سی مما کا جائزہ لیا تھا جہاں پر سرخ گلال اپنی تازگی ودلکشی پر نازاں تھے۔ یہاں تو مما احمد فراز کی غزل ہوجائے۔

قبل کوئی منع کرتا واسع نان اسٹاپ شروع ہوا تھا۔

سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کرکے دیکھتے ہیں

''مما کچھ بولیں ناں......'' طیب نے درمیان میں لقمہ دیا۔

سنا ہے آئینہ تمثال ہے جبیں اس کی
جو صاحب دل ہیں اسے بن سنور کر دیکھتے ہیں

اگلا شعر عدن نے قریب ہوکر روحا کی سماعت میں انڈیلا تھا۔ عدن لاج کے وسیع گیٹ کے سامنے کار کو پھر سے بریک لگا۔

عین بریک پر ''طیب'' کی آواز گونجی۔

''پاپا میری باری؟''

''اب آپ کی باری آپ کی مما پوری کریں گی۔'' عدن کی بات پر واسع کا بھرپور قہقہہ فضا میں گونجا۔

خدا کی مخلوق کے شر سے پناہ اور سدا خیر مانگیے!!

❁

فرح طاہر

"ایمن......" وہ سر جھکائے آج کے لیکچرز کے اہم پوائنٹس ہائی لائٹ کررہی تھی۔ امی کی مدھم سرگوشی پر اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا جو ابھی تک دروازے پر کھڑی پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"وہاں کیوں کھڑی ہیں امی آپ' اندر آئیں ناں پلیز۔" اپنے اردگرد پھیلے نوٹس کے انبار کو سمیٹتے ہوئے اس نے انہیں اندر بلا کر اپنے پاس بیٹھنے کی لیے جگہ بنائی۔

"ہمم..... تم بزی تو نہیں تھیں ناں؟" سنجیدہ لہجے میں انہوں نے پوچھا' حالانکہ وہ اندر داخل ہوتے وقت ہی اس کی مصروفیت کو دیکھ چکی تھیں' ایمن ان کا سوال سن کر ذرا سا مسکرا کر بولی۔

"اٹس اوکے امی..... آپ کی بات سے زیادہ اہم تو نہیں تھی میری مصروفیت۔" اس نے پیار سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ان کو مان بخشا تو جواباً امی بھی مسکرادیں مگر ان کی مسکراہٹ میں بڑی نمایاں سی جھجک پنہاں تھی اس نے محسوس کیا تو چونک گئی۔

"آپ بتائیں کوئی کام تھا کیا؟"

وہ ماں ہو کہ اس کے پاس آئی تھیں وہ بھی اس طرح بے بس حالت میں۔ اسے بات کا کچھ کچھ اندازہ ہونے تو لگا تھا مگر پھر بھی اس نے ان کے منہ سے سننا چاہا تھا۔ جب امی نے اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ سے آزاد کراتے ہوئے کچھ کہنے کی چاہ میں اپنے لبوں کو آپس میں دبا کر بالآخر بات کا آغاز کیا۔

"دراصل آج عصر کے بعد کچھ لوگ آئیں گے تو..... تم ذرا اچھے سے ان کے سامنے آنا۔" نظر چراتے ہوئے انہوں نے رک رک کر کہتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تو ایمن نے گہری سانس لی جیسے کہنا چاہتی ہو بات آخر وہی ہوئی ناں جس کا اندازہ میں پہلے سے لگا چکی تھی اور بات ہوئی بھی بالکل یہی تو تھی کیونکہ یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی۔ ہفتے میں دو تین بار اسی طرح اس کو ان لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے امی اس کے سامنے عرض نشیں انداز میں حاضر ہوجایا کرتی تھیں۔ پہلے تو وہ بھی کچھ خوشی اور زیادہ جوشیلے انداز میں امی کے ہمراہ "ان" لوگوں کے سامنے پیشگی دیا کرتی تھی مگر پھر ہر گزرتی تاریخ کے ساتھ بڑھتی پیشیوں نے اسے بے زار کرنا شروع کیا تو وہ چڑنے لگی مگر امی کی منت سماجت اور پھر دھمکیوں کے نتیجے میں منہ بناتی وہ کسی نہ کسی طرح خود پر جبر کرتے "ان" لوگوں کے سامنے پیش ہوجاتی مگر ہر بار کی طرح ایک ہی نتیجے کی صورت میں پھر یہ ہونے لگا کہ اس کے ساتھ اب امی بھی بے زار کم اور مایوس زیادہ ہونے لگی تھیں مگر امی مایوس ہونے کے باوجود امید کا دامن بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھیں۔ اس لیے ہر بار ان لوگوں کی آمد کے وقت اس کے پاس آکر اسے کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کے سامنے جانے کے لیے راضی کرہی لیا کرتی تھیں مگر پھر "ڈھاک کے وہی تین پات" ہوتے دیکھ کر اب امی اس کے پاس آتیں تو مگر پشیمان پریشان اور بے بسی کی عملی تفسیر بن کر بالکل اسی طرح جس طرح اب...... بے بسی سے ہاتھ ملتی' لب کاٹتی اس کے سامنے بیٹھی خود اس سے نظر چرائی دکھائی دے رہی تھیں۔ اسے ایک دم اپنی ماں پر ترس آنے لگا۔

"آپ پریشان مت ہوں امی' جب وہ لوگ آئیں گے میں آجاؤں گی۔" اس نے ایسا کہہ کر جیسے امی کی بڑی مشکل آسان کردی تھی جبھی انہوں نے فوراً سر اٹھا کر نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"پرامس، اچھے موڈ میں سامنے آؤ گی؟" انہوں نے یقین دہانی چاہی تو وہ ان کے انداز پر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرادی۔

"جی ماں، پرامس......" اب لوگوں کی بدسلوکیوں کا بدلہ وہ اپنی ماں سے کیا لیتی۔ وہ بس ان کی خوشی چاہتی تھی اور اگر ان کی خوشی اس میں تھی تو وہ دل پر پتھر رکھ کر ان کو یہ خوشی دینے کو تیار تھی۔

اس لیے عصر کے بعد جب ان لوگوں کی آمد ہوئی تو خود کو فریش کرتی امی کے ہمراہ چائے کی ٹرے لیے ڈرائنگ روم میں موجود ان لوگوں کے سامنے پیش ہوگئی۔ سلیقے سے دوپٹے کو اپنے گرد لپیٹے، جھکی نظر سے ٹرے کو درمیانی ٹیبل پر رکھ کر وہ سامنے موجود صوفے پر بیٹھ گئی تو بیک وقت کئی نظروں نے اس کے پوسٹ مارٹم کا آغاز کیا تھا، وہ ذرا سا جزبز ہوئی مگر خود پر کنٹرول کیے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں پر نظر جمائے ہنوز جھکتی رہی تو ان میں قدرے بڑی خاتون جو غالباً والدہ محترمہ تھیں نے تفتیش کا آغاز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا نام ہے بیٹا آپ کا؟"

"آئے ہائے کیا ابھی تک نام بھی نہیں معلوم؟" لبوں کو سختی سے آپس میں پیوست کیے اس نے دل میں ذرا تیکھے انداز میں ابھرتے سوال کیا اور مدھم آواز میں اپنا نام ان کے گوش گزار کیا تو فوراً دوسری کی طرف سے سوال بلند ہوا۔

"کھانا پکانا تو آتا ہے ناں آپ کو؟"

"ہاں چھوٹی نے اچھا سوال پوچھا ہے، دراصل ہمارے بھائی اچھے کھانے کے بہت رسیا ہیں، اس لیے ہم چاہتے ہیں ان کی شادی جس لڑکی سے ہو وہ امور خانہ داری میں ہر طرح سے طاق ہو۔" تیسری نے دوسری کے سوال کی وضاحت کی تو اس نے قدرے سیدھے ہوتے ہوئے نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور خود کو ممکنہ سوالات کی بوچھاڑ کے لیے تیار کرنے لگی مگر اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ بولتی، امی نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے خود جواب دیا۔

"جی جی......میری ایمن کو ہر طرح کا کھانا پکانا آتا ہے بلکہ اس کو تو خود اتنا شوق ہے۔ آئے دن ٹی وی پر کوئی نہ کوئی دیکھ کر اگلے دن خود ٹرائی کرنے کھڑی ہوجاتی ہے۔" تھوڑے سے جھوٹ، سچ کی آمیزش کے ہمراہ امی نے جواب دیا تو خواتین قدرے مطمئن نظر آئیں، اب ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر گویا کہ نظروں ہی نظروں میں ان کے اشاروں میں چھپی پسندیدگی کو تاڑا تو امی کو "ہاں" کی امید ہو چلی تھی۔ اس لیے اپنی خوشی کو دباتے ہوئے انہوں نے چائے کے کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے باقاعدہ چائے پینے کا اصرار بھی کیا تو انہوں نے بڑی نزاکت سے امی کی سات پشتوں پر احسان فرماتے ہوئے چائے کے کپ تھام لیے۔

لڑکی وہ دیکھ چکی تھیں، ایک سوال کر کے اس کی آواز و انداز بھی ملاحظہ کرہی چکی تھی یعنی کہ اس سارے ڈرامے

میں اس کا کردار ختم ہوچکا تھا۔ اس لیے اس نے جونہی جانے کے لیے اٹھنا چاہا تو والدہ حضور نے فوراً تیز لہجے میں بڑی رفتار سے کہا۔

''ارے.....ارے تم کہاں چل دی بیٹا؟ ابھی کچھ دیر اور بیٹھو ہمارے پاس۔'' تڑپتا لپکتا لہجہ ذرا فلمی سا تھا' ایمن کو ہنسی تو آئی مگر بردباری کی اوٹ میں اپنی ہنسی چھپاتی وہ ''آگے آگے دیکھئے اب ہوتا ہے کیا'' دیکھنے کے لیے دوبارہ اپنی نشست پر براجمان ہوگئی۔

''ویسے آپ کا رنگ نیچرلی گورا ہے یا آپ کوئی کریم لگاتی ہیں؟'' تکلف کی دیوار گراتے ہوئے بہن محترمہ نے تکلف کے لفظ کو منہ چھپانے پر مجبور کیا تھا' دوسری جانب ایسا سوال سن کر اس نے دانت کچکچائے تھے۔ ایسے رویئے ایسی باتیں سن کر ہی تو وہ اس سارے ڈرامے سے تنگ آنے لگی تھی مگر اپنی امی کا کیا کرتی جو ہر آئے گئے کے سامنے اس کو لے کر حاضر ہوجاتیں۔ یہ سوچے اور پرکھے بنا کہ لوگ کس مزاج کے ہیں' ان کی برابری کے ہیں۔ کیا ان کی بیٹی کے ساتھ نبھا کرسکیں گے یا ان کی بیٹی ان کے ساتھ نبھا کرسکے گی' بنا کوئی جانچ پڑتال کیے بس ''لڑکے والوں'' کا سن کر جوشیلی ہوتی امید کی ڈور کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے اس کو آگے دھکیل دیتی۔

اس کو اب پھر نئے سرے سے غصہ آنے لگا مگر امی نے کہا تھا غصہ نہیں کرنا۔ اس لیے اپنے غصے کو دبا کر اس نے بے بس نظروں سے امی کی طرف دیکھا جو خود اس ٹائپ کے سوال پر کھسیانی محسوس ہورہی تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ اب ایسی صورت حال پر اسے ہی کچھ بولنا تھا' اس لیے وہ ماں پر سے نظر ہٹا کر ان کی طرف نظر کرتی آہستہ سے بولی۔

''میں کوئی کریم استعمال نہیں کرتی۔''

''اچھا ذرا اپنے بال تو دکھائیں' وہ دراصل بھائی نے گھر سے چلتے وقت کہا تھا لڑکی جیسی بھی ہو مگر اس کے بال بہت لمبے اور خوب صورت ہونے چاہئیں۔''

دلارے بھائی کی دلاری فرمائش اس کے گوش گزار کی گئی تو ایک بار پھر دانت آپو آپ کچکچاہٹ پر اترنے لگے مگر صبر کے گھونٹ بھر کر اس نے دوپٹے کے اندر سے اپنے کمر تک آتے بالوں کی گندھی چٹیا کو باہر نکال کر ان کے سامنے کیا تو والدہ محترمہ نے ارشاد فرمایا۔

''اتنے زیادہ لمبے تو نہیں ہیں خیر شادی تک کیئر کرنا کچھ اور لمبے ہو ہی جائیں گے۔'' پسندیدگی کی سند کے ساتھ ساتھ شرط بھی لاگو کردی گئی تو وہ تلملائی پھر جھنجھلائی۔ اتنے میں اگلا سوال اس کی سماعتوں سے ٹکرایا۔

''آپ کی امی بتارہی تھیں آپ پڑھتی ہیں' کس کلاس میں پڑھ رہی ہیں؟'' اب کی بار بردبانہ انداز اپنانے کی کوشش کی گئی تھی اس کو ذرا تسلی ہوئی تو نرم سے انداز میں جواباً بولی۔

''جی' میں ایم فل کررہی ہوں۔''

''اوہ ایم فل...... پھر تو تمہاری عمر پچیس سال سے بھی زیادہ ہورہی ہوگی؟'' اس کے جواب نے انہیں تشویش میں مبتلا کرکے اس کی تسلی کو منٹوں میں ہوا کرتے ہوئے اس کی برداشت کی حد کو بھی ختم ہی تو کردیا تھا تو وہ اب بس کرتی ہوئی بالآخر سیدھی ہوتی کھلی کھلی لب کشائی پر اترتی آئی۔

''کیوں آپ کا بیٹا کیا روٹی کو چوچی اور پانی کو مم کہتا ہے؟'' تیکھی نظر سے ان کی طرف دیکھ کر اس نے اگلا سوال کرتے ہوئے کہا۔

''کتنی عمر کا ہے آپ کا بیٹا؟ میں اس سال پورے چھبیس کی ہو کر ستائیس میں لگ جاؤں گی۔'' ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر اب اس کی طرف سے باقاعدہ تفتیش کا آغاز ہوا تو مقابل تینوں خواتین کا منہ پورے کا پورا کھل گیا۔

''آں...... یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' پیشانی پر بل سجائے والدہ محترمہ نے تیکھی نظر سے اس کی طرف دیکھ کر استفسار کیا تو وہ اسی انداز میں اطمینان سے بولی۔

''میں یہ اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ آپ نے اپنے سوال کر کے اپنی تسلی کرلی مجھے پسند کرلیا ناں تو کیا اب میں اپنی تسلی نہ کروں۔'' وہ اچھے سے اندازہ لگا چکی تھی ان لوگوں کے مزاج کا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ اس کا گزارا کسی صورت ممکن نہیں' اس لیے پھر خود کو دھوکے میں رکھ کر وہ خود اپنا نقصان کیوں کرتی؟ آخر کو شادی زندگی بھر کا بندھن تھا اور وہ قطعی خود کو ایسے لوگوں کے ساتھ کسی بھی بندھن میں جوڑنا نہیں چاہتی تھی اس لیے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابرو اچکا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے پھر سے بولی۔

''تو اب آپ مجھے بتائیں آپ کے بیٹے کی عمر کیا ہے؟ دراصل میں میاں بیوی میں زیادہ عمر کے فرق کی قائل نہیں ہوں۔ میں ستائیس کی ہوگئی تو لڑکا زیادہ سے زیادہ بتیس یا تینتیس سال سے زیادہ نہ ہو۔ پانچ سال کا فرق کافی ہوگا ناں؟'' اس کی فرفر چلتی زبان دیکھ کر والدہ محترمہ کی سٹی تقریباً گم ہو چکی تھی اس لیے ان کی پھٹی آنکھوں اور کھلے منہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اب اس نے اپنا رخ بہن محترماؤں کی طرف کرتے ہوئے ان سے سوال کیا۔

''آپ کے بھائی کا قد کتنا ہے؟ زیادہ چھوٹا تو نہیں ہے ناں؟ میرا قد پانچ فٹ چھ انچ ہے یہ ناں ہو چھوٹے قد کی بدولت آپ کا بھائی میرے ساتھ چلتا ہوا بونا لگے۔'' جواب کے انتظار میں ذرا دیر رک کر اس نے جب جواب ندارد پایا تو اگلا سوال داغ دیا۔

''اور ہاں آپ کے بھائی کے بال تو گھنے ہیں ناں؟ سامنے سے بال گرنے کی وجہ سے گنجے تو نہیں لگتے اور یہ تو ضرور بتائیں کہ وہ سگریٹ تو نہیں پیتے؟ سچ پوچھیں تو مجھے زہر لگتے ہیں سگریٹ پینے اور پان کھانے والے مرد۔'' ریل کی رفتار سے چلتی اس کی زبان اب بنا کسی بریک کے سرپٹ دوڑنا شروع ہوئی تو امی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑلیا۔ اچھا بھلا رشتہ ان کے ہاتھوں

سے یقیناً پھسل ہی چکا تھا کیونکہ تینوں خواتین چائے کے کپوں کو ٹیبل پر پٹختے ہوئے چادر سنبھالتی انکار کا پھول بمعہ کانٹوں سمیت اس کی طرف برساتے ہوئے جانے کو کھڑی ہو چکی تھیں۔

مگر وہ اپنی سابقہ پوزیشن میں اطمینان سے بیٹھی اب ان کے بولنے کی منتظر تھی اور پھر اس کی سماعتوں سے ان کے انگارے چباتے الفاظ ٹکرائے۔

''کس قدر بدلحاظ بدتمیز بدزبان اور بے شرم لڑکی ہے آپ کی' کس طرح منہ پھاڑ کے لڑکے کے متعلق سوال کررہی ہے۔'' سارے ''بد'' اس کی ذات کے ساتھ جوڑتے ہوئے امی کے سامنے اس کی شان میں قصیدہ خوانی کرنے کے بعد اب وہ اس کی جانب پلٹی۔

''اور تم...... جو اگر اتنا ہی من پسند لڑکے کی خواہش مند ہو تو بی بی جاتی تو ہوا تنے لڑکوں کے بیچ پڑھنے انہی میں سے کسی ایک آدھ کو پسند کرکے ماں کو آگاہ کردینا بیاہ رچادیں گی یہ اپنی بنو کا' تمہارے ہی من پسند لڑکے کے ساتھ۔'' انداز و الفاظ بڑے ہی نوکیلے تھے' اس کو بہت چبھن محسوس ہوئی مگر ضبط کرتے ہوئے دانت پر دانت جما کر سختی سے منہ بند کیے بیٹھی رہی۔

اسے پہلے بھی بولنے پر مجبور تو انہی نے کیا تھا تب بھی ضبط کرتے کرتے بھی وہ بولنے پر مجبور ہو ہی گئی تھی۔ نظر جو آرہا تھا پسندیدگی کے باوجود کہیں نہ کہیں کوئی نقص ضرور اس کی ذات پر نمایاں کردیا جائے گا اور نمایاں کرکے باقاعدہ چسپاں کردیا جانے لگا تو وہ بول پڑی اور اب وہ پھر سے ضبط پر کاربند ہوگئی حالانکہ اس کے پاس ان کے لفظوں کے جواب میں بولنے کو انہی کے لفظوں کے سائز کے الفاظ ابھی بھی موجود تھے مگر اب جب وہ ان کی ذہنیت سے واقف ہو ہی چکی تھی تو پھر جواب کی صورت ان کے منہ لگ کر کیا کرتی' اس لیے بس چپکی بیٹھی رہ گئی جبکہ دوسری جانب چادر کے پلو کو دائیں ہاتھ سے بھرپور جھٹکے سے بائیں کندھے پر پھینک کر گھورتی نظروں سے اس کو دیکھ کر آگے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے لڑکے کی اماں نے ارشاد فرمایا۔

''اللہ کا شکر ہے' ہمیں پہلے ہی اس لڑکی کی اصلیت کا پتا لگ گیا ورنہ ہم تو بڑی بُری طرح پھنس جاتے۔'' اس نے پھر سے جواب دیئے بنا ''اونہہ'' پر اکتفا کرتے ہوئے ناک سکیڑ کر بے نیازی کا مظاہرہ کیا تو والدہ محترمہ دونوں بیٹیوں کے ہمراہ تیزی سے دروازہ پار کرگئی تو وہ ذرا دیر کو اسی پوزیشن میں بیٹھی رہ کر خود کو پُرسکون کرنے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ کر امی کے برابر آن بیٹھی تو وہ شدید ناراضگی کا اظہار کرتیں فوراً اس کے پاس سے اٹھنے لگیں تو اس نے تیزی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو دوبارہ اپنے برابر بٹھاتے ہوئے لجاجت سے کہا۔

''امی پلیز......''

''کیا پلیز...... کہا تھا ناں اپنی زبان کو بند رکھنا۔'' امی نے افسوس کی حالت میں بری طرح اس کو گھور کر کہا تو وہ فوراً بولی۔

''میں نے اپنی زبان کو کس حد تک بند رکھا' یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں امی ان کے ہر بے تکے سوال کا میں نے جواب دیا تو صرف آپ کی وجہ سے' ان کے ان فضول سوالات کی کوئی تک نہیں بنتی تھی میں نے پھر بھی ضبط سے کام لیا مگر ان کے آخری سوال نے میری برداشت کو ختم کیا تو میں بول پڑی بلکہ ایسے سوالات پر میرے بجائے آپ کو ان کو جواب دینا چاہیے تھا مگر آپ......'' نمی اس کے لہجے میں اترنے لگی تو اس نے ذرا سا رک کر خود کو کنٹرول کیا اور دوبارہ بولی۔

''آخر سمجھتے کیا ہیں ایسے لوگ خود کو؟ لڑکے والا بن کر یہ نعوذ باللہ اللہ تو نہیں ہو جاتے ناں امی...... تو پھر کیوں کرتے ہیں ایسا؟'' وہ اپنے کیے پر ذرا شرمندہ نہ تھی جبکہ امی کا افسوس ہی نہ جا رہا تھا۔

''ان کو تم پسند آگئی تھیں' ذرا سا برداشت سے کام لے لیتی تو اب کی بار رشتہ ہو ہی جاتا تمہارا۔'' امی کی آنکھوں میں آنسو ڈیرہ ڈالنے لگے تو وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔

''میں اتنا بوجھ بننے لگی ہوں اب آپ پر امی؟''

''بات بوجھ کی نہیں ہے۔'' امی نے ایسے انداز میں کہا جیسے اس کی سمجھ پر افسوس کررہی ہوں' جسے نظر انداز کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''بوجھ ہی تو ہورہی ہوں میں اب آپ پر جبھی تو کسی بھی صورت کسی کے بھی کندھے پر اتار پھینکنا چاہتی ہیں مجھے۔'' روہانسے لہجے میں بولتی وہ بس رو دینے کو تھی۔

''غلط بات مت کرو' ہر ماں کی طرح میں بس اپنے فرض سے ادائیگی چاہتی ہوں۔'' انہوں نے ٹوک کر کہا تو وہ فوراً بولی۔

''ہاں تو ہو جائے گی فرض سے ادائیگی بھی مگر اس وقت جب اللہ کا حکم ہوگا۔ جب میرے نصیب کے کھلنے کا وقت ہوگا' اس کے حکم اور وقت سے پہلے آپ کسی صورت کچھ بھی نہیں کرسکتیں' اس لیے خوامخواہ کی پریشانی کو خود پر طاری کر کے کیوں آئے دن اس طرح کے لوگوں کو گھر میں آنے دیتی ہیں؟ اور اگر آنے کی اجازت دے ہی دیتی ہیں تو کم از کم مجھے سامنے لانے سے پہلے ایک بار خود ان سے تسلی تو کرلیا کریں کہ وہ لوگ ہماری ٹائپ کے ہیں بھی یا نہیں؟ اس کے بعد ہی مجھے بلوایا کیجیے۔'' اس نے اپنی طرف سے تفصیلاً کہہ کر امی کے افسوس کو کم کرنا چاہا تھا مگر امی نے اپنے افسوس میں گھرے شاید پوری توجہ سے اس کی بات سنی نہیں تھی اس لیے اپنے پہلے کے سے انداز میں بولیں۔

''جو بھی ہے تم ایک لڑکی ہو اور لڑکیاں اپنی شادی بیاہ کے معاملے میں بولتی اچھی نہیں لگتیں' تمہیں ان لوگوں سے اس طرح نہیں بولنا چاہیے تھا۔'' قصوروار وہی گردانی جانے لگی تو اس نے سر پکڑلیا پھر ذرا توقف کے بعد بولی۔

''لڑکی ہونا کوئی گناہ تو نہیں ہے امی...... جس کی پاداش میں میں غلط کو غلط بھی نہیں کہہ سکتی؟ اور پھر میں لڑکی ہونے کے ساتھ آپ کی بیٹی بھی تو ہوں تو کیا آپ کو اچھا لگتا ہے جب ہر دوسرے دن اس طرح کے لوگ آ کر آپ کے سامنے آپ کی بیٹی کو ذلیل کررہے ہوتے ہیں؟'' اس نے جواب کے انتظار میں ان کی طرف دیکھا مگر ان کے آپس میں جڑے لبوں کو دیکھ کر ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بہت نرمی سے بولی۔

''آپ اس طرح پریشان ہونا چھوڑ دیں پیاری ماں' جب اللہ کا حکم ہوگا تو بنا کسی کے سامنے میری پیشی کے بھی میرا رشتہ ہو جائے گا تب آپ کو پتا بھی نہ لگے گا اور جھٹ پٹ سب کچھ ہو بھی جائے گا' یہ بس آپ اس طرح رشتے کی آس میں الٹے سیدھے لوگوں کو بلا کر نہ تو خود پریشان ہوا کریں اور نہ مجھے پریشان کیا کریں پلیز......'' درخواست گزار انداز میں بڑی لجاجت سے کہتے ہوئے اس نے اس امید سے اپنی ماں کی طرف دیکھا شاید اس کے کہے کسی ایک لفظ سے اس کی بات ان کی سمجھ میں آ گئی ہو اور واقعی اس بار لفظوں میں خاصا اثر تھا' جبھی بات دیر سے ہی صحیح مگر ان کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ ''وقت سے پہلے اور نصیب سے زیادہ کسی کو نہ تو کبھی کچھ ملا ہے اور نہ ہی کبھی ملے گا تو پھر وہ جلد بازی میں اتاؤلی ہو کر خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیوں کریں؟''

بات ان کی سمجھ میں آئی تو بے سکون دل میں سکون اڈنے لگا جس کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے اس امید سے اپنے سے ذرا فاصلے پر بیٹھی اپنی نم آنکھوں والی بیٹی کو ہاتھ بڑھا کر اپنی باہوں میں سمیٹ لیا کہ وہ اب مقررہ وقت پر اپنے نصیب سے اچھا اور بہت اچھا بھی کچھ پالے گی۔

قسط نمبر 18

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

میک ماریہ کے کمرے کی تلاشی لینے کی غرض سے آتا ہے تو یہ جان کر ماریہ شاکڈ رہ جاتی ہے اسے لگتا ہے کہ اب تمام سچائی میک کے سامنے آجائے گی وہ کسی بھی طور سے اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے مگر ناکام رہتی ہے ایسے میں اچانک ولیم کی آمد پر میک کو واپس جانا پڑتا ہے اور یوں ماریہ ولیم کی بے حد مشکور ہوتی ہے مگر وہ ان دونوں سے بدگمان ہوجاتا ہے۔ گلاب بخش یہ جان کر بے حد متفکر ہوتا ہے کہ مہرو پر کسی آسیب وغیرہ کا سایہ ہے جب ہی وہ مہرو کے رشتے سے دستبردار ہوجاتا ہے مہرینہ کا باپ جب اس سے ملنے آتا ہے تو وہ اپنے بیٹے کی صحت کی خرابی کا بہانہ بنا کر رشتے سے منکر ہوجاتا ہے ایسے میں مومن جان پچھتاوں میں گھر جاتا ہے گھر پہنچ کر وہ یہ اطلاع مہرو کی ماں کو دیتا ہے تو وہ بے حد مسرور ہوتی ہے اور لالہ رخ کے دل میں فراز کے لیے خود بخود جگہ بنتی جاتی ہے جو ہر مشکل گھڑی میں اس کی مدد کرتا ہے۔ مہوش اپنی منگنی کو لے کر خوش نہیں ہوتی اور اسی ٹینشن اور فکر میں اس کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے زرینہ اس کے بے ہوش ہونے کی اطلاع احمر کو دیتی ہے جب ہی احمر باسل کے ہمراہ ہاسٹل پہنچتا ہے اور اسے اسپتال لے آتا ہے یہاں آکر اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہوتا ہے جب ہی وہ زرینہ سے مہوش کے متعلق استفسار کرتا ہے مگر زرینہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے طبیعت بہتر ہونے پر مہوش گھر جانے کے بجائے ہاسٹل آجاتی ہے تاکہ گھر والوں کے سوالوں سے بچ سکے۔ فراز لندن جانے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے تو سونیا کو اپنے مذموم مقاصد خاک میں ملتے نظر آتے ہیں جب ہی وہ اس کے روم میں پہنچ کر ہنگامہ کھڑا کردیتی ہے سارہ سمیر اور کامیش کے سامنے وہ فراز کے کردار کو مشکوک ٹھہراتی ہے کہ فراز اسے اپنی محبت میں الجھائے ہوئے ہے اور اسی کے کہنے پر وہ ملائشیا جانا چاہتی تھی اپنی شادی شدہ زندگی کی ناکامی کی اصل وجہ وہ فراز کو ٹھہراتی ہے جبکہ اس دوران فراز بالکل شاکڈ رہ جاتا ہے اسے سونیا سے اس قدر گھٹیا رویے کی امید نہیں ہوتی۔ دوسری طرف سارہ بیگم بیٹے کو مورد الزام ٹھہراتی سونیا کی ہمنوا بن جاتی ہیں سمیر کو اپنے بیٹے پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے جب ہی وہ فراز کو سمجھا کر خود تمام حالات سنبھالنے کا تہیہ کرتے ہیں۔ لندن پہنچ کر بھی فراز ایک کرب میں مبتلا رہتا ہے کامیش کے رویے کی سرد مہری اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہوتی ہے۔ زرتاشہ کو اپنے رویے کی تخی کا احساس ہوتا ہے تو وہ لالہ رخ سے فون پر معافی مانگ لیتی ہے لالہ رخ بھی تمام باتیں بھلا کر بہن کو اپنائیت کا احساس دلاتی ہے ماریہ ولیم کے گھر پہنچ کر اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی ہے مگر ولیم اس کی بات سننے سے انکاری ہوجاتا ہے۔ اسے آنکھوں دیکھا ہی سچ نظر آتا ہے۔ جب ہی وہ ماریہ سے شادی سے صاف انکار کردیتا ہے ماریہ یہ سن کر شاکڈ رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀
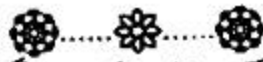
ماریہ شاکڈ و بے یقینی کے آکٹوپس میں جکڑی کچھ دیر منجمد سی کھڑی رہ گئی پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو ولیم وہاں سے کب کا جاچکا تھا۔

"جیکولین آنٹی سے کہہ دینا کہ میں تم سے شادی نہیں کروں گا۔" یک دم ولیم کی آواز اس کے قریب سے ابھری تو ماریہ نے بے ساختہ چونک کر ادھر اُدھر دیکھا پھر کسی کو بھی نہ پاکر وہ ایک تھکن آمیز سانس کھینچ کر رہ گئی اور بے حد خاموشی

سے واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے۔

ہلکی ہلکی سنہری مائل دھوپ اس پل چہار سو پھیلی ہوئی تھی۔ موسم بھی آج کافی خوشگوار تھا' بارش کے بعد آسمان بالکل صاف وشفاف ہوگیا تھا' لوگ اپنے آپ میں محو ومگن امورزندگی میں مصروف عمل نظر آرہے تھے۔ وہ ولیم کے جملے کے زیر اثر چلی جارہی تھی۔

''ولیم مجھ سے بری طرح بدظن ہوگیا ہے شاید اب چاہ کر بھی میں اس کے دل ودماغ سے بدگمانی نہیں نکال سکتی اور پھر میں اسے بتاؤں بھی تو کیا بتاؤں؟ میک کون ہے وہ کیوں میرا پیچھا کررہا ہے بھلا کیا کہوں میں ولیم سے۔'' وہ دل ہی دل میں خود سے باتیں کرتی جارہی تھی۔

''مجھے تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس خبر پر میں خوش ہوں یا افسردہ کہ ولیم نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کردیا ہے۔ میں تو خود بھی ولیم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اسے اگنور کررہی تھی اور اب جب وہ خود پیچھے ہٹ گیا ہے تو مجھے خوشی اور اطمینان بھی نہیں ہورہا کیونکہ اس کی وجہ میک ہے' جس نے میری زندگی کو مشکل تر بنادیا ہے۔'' چلتے چلتے یک دم رکی اور ایک پل پوری طرح بیدار ہوئی۔

''اوہ گاڈ اب کیا ہوگا ولیم نے مجھ سے شادی سے انکار کردیا ہے تو پھر میک مجھ سے شادی کرنے پر فورس کرے گا اوہ نو...... نیور میں میک سے تو ہرگز ہرگز شادی نہیں کروں گی' مجھے کسی بھی قیمت پر اس کا ساتھ قبول نہیں۔ یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے اور وہ کمینہ میک...... میرے ہاتھ پاؤں باندھنے کے لیے مجھ سے ضرور شادی کرنا چاہے گا بلکہ سرپال ہی اسے ایسا کرنے کا کہیں گے اب میں کیا کروں گی؟ پلیز گاڈ ہیلپ می۔'' وہ فٹ پاتھ پر بے انتہا پریشان اور متوحش ہوکر وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

❁......❁......❁
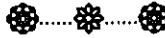
باسل نے کچن میں جھانکا تو حورین خانساماں کے ہمراہ وہاں کوکنگ کرنے میں مصروف دکھائی دی' باسل کے لبوں پر ماں کو دیکھ کر دلکش سی مسکراہٹ در آئی پھر خوش گوار انداز میں اندر آتے ہوئے گویا ہوا۔

''آپ یہاں ہیں اور میں آپ کو سارے گھر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔'' باسل کی آواز پر حورین نے رخ موڑ کر اسے دیکھا پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نیکسٹ ٹائم آپ مجھے جب بھی تلاش کریں تو کچن سے اسٹارٹ لے لیا کریں میرے یہاں ہونے کے زیادہ چانسز ہوں گے کیونکہ آپ کے ڈیڈ پندرہ دن کے لیے ابروڈ گئے ہوئے ہیں لہٰذا آپ کی مما کو اپنی من مانی کرنے کا بھرپور موقع مل گیا ہے۔'' خاور حیات حورین کو زیادہ کچن میں جانے نہیں دیتا تھا کیونکہ بقول اس کے کہ جب گھر میں اتنے نوکر چاکر ہیں تو بھلا تم کو ہلکان ہونے کی کیا ضرورت۔ باسل بے ساختہ ہنس دیا پھر سلاد والی پلیٹ میں سے کھیرا اٹھا کر کھاتے ہوئے بولا۔

''ہوں تو ڈیڈ کی غیر موجودگی میں ان کے احکامات کی خلاف ورزی ہورہی ہے۔'' جواباً حورین نے اپنے بیٹے کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھا پھر ہنستے ہوئے بولی۔

''بیٹا جی یہ وہ خلاف ورزیاں ہیں جن سے آپ کے ڈیڈی بخوبی واقف ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے پیچھے میں باز آنے والی نہیں ہوں۔'' سی گرین اور آف وائٹ امتزاج کے لان کے دلکش سے سوٹ میں ملبوس حورین بالوں کو جوڑے کی صورت میں لپیٹے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ باسل نے محبت بھری نگاہوں سے اپنی ماں کو دیکھا پھر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

''یہ بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' پھر معاً حورین کو کچھ یاد آیا تو باسل پر نگاہ جماتے ہوئے وہ گویا ہوئی۔

''باسل کل رات آپ دیر سے آئے تھے اور صبح میں آپ کو بتانا بھول گئی کہ کل گھر پر عنایہ آئی تھی۔'' باسل جو بڑے مزے سے سلاد پر ہاتھ صاف کررہا تھا یک دم چونکا پھر قدرے متعجب ہوکر حورین کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اچھا مگر اس نے تو مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا نہ ہی یہاں آنے کا بتایا۔'' عنایہ کا رویہ اسے اب تک سمجھ میں نہیں آیا تھا بس اسے ہر بار وہ حیران کردیتی تھی بھلا اس کے پیچھے گھر آنے کی کیا تک بنتی ہے۔ باسل کچھ بدمزہ سا ہوا تھا۔

''وہ آپ سے ملنے بھی نہیں آئی تھی بلکہ وہ اسپیشلی میرے پاس آئی تھی۔'' حورین سلیپ کے اوپر چڑھے بیٹھے باسل کے خوب صورت چمک دار بالوں کو پیار سے بگاڑتے ہوئے بولی تو اس پل وہ اپنی حیرت کا برملا اظہار کرگیا۔

''آپ سے ملنے.....! مگر کیوں؟''

''کیوں بیٹا جی کیا وہ مجھ سے ملنے نہیں آسکتی؟'' حورین مصنوعی طور پر برا مانتے ہوئے گویا ہوئی تو باسل فوراً سے پیشتر بولا۔

''اوہ نو مام..... میرا وہ مطلب ہرگز نہیں تھا' آئی مین آپ سے تو اس کی کوئی دوستی نہیں..... صرف ایک بار ہی تو وہ اپنے فادر کے ساتھ ہمارے گھر آئی تھی۔'' جب ہی حورین باسل کو باہر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے سہولت سے کہنے لگی۔

''پہلے تو دوستی نہیں تھی مگر اب پکی ہوگئی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ حورین کے پیچھے پیچھے آتا بے ساختہ ہال میں آن رکا تھا' حورین نے اسے پلٹ کر دیکھا۔

''مطلب یہ کہ اب ہماری بہت اچھی فرینڈشپ ہوگئی ہے۔'' باسل چند ثانیے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''مام..... یہ عنایہ کچھ عجیب لڑکی نہیں؟''

''عجیب لڑکی؟''

''مطلب چیکوسی۔''

''چیکوسی.....'' حورین زیرلب بولی پھر بے ساختہ زور سے ہنس دی۔

''ارے نہیں باسل وہ تو بہت پیاری بچی ہے' مجھے تو بہت اچھی لگتی ہے۔''

''مام آپ کو بُرا کون لگتا ہے۔'' وہ تھوڑا منہ بنا کر بولتا اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''آپ کو معلوم ہے وہ سونیا بھابی کے کزن کی سالی ہے۔''

''کیوں نہیں بیٹا' مجھے سب معلوم ہے کہ سونیا کی کزن اس کی بھابی ہے۔'' اور اسی پل باسل کو وہ لمحات پوری جزئیات سمیت یاد آگئے جب باسل کا میش کی شادی والے دن بیگز وغیرہ رکھنے کے لیے برائیڈل روم میں گیا تھا۔

''اوہ اس بات کا تو ذکر کرنا میں فراز بھائی سے بالکل ہی بھول گیا' اوہ گاڈ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ میں اتنی اہم بات بھول کیسے گیا؟'' باسل دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوستے ہوئے بولا تو حورین نے اسے ٹوکا۔

''کیا ہوا بیٹا..... کیا سوچنے لگے؟'' حورین استفہامیہ نگاہوں سے باسل کو دیکھتے ہوئے بولی تو باسل نے جلدی سے خود کو سنبھالا۔

''کچھ خاص نہیں مام' ویسے کافی دن نہیں ہوگئے سمیر انکل ہمارے گھر نہیں آئے۔'' باسل نے حورین کو دیا دلایا تو وہ بھی کچھ چونک اٹھیں۔

''ارے ہاں آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو' واقعی بہت دن ہوگئے سمیر بھائی صاحب اور ساحرہ بھابی سے ملے ہوئے ان کی دعوت کے بعد سے تو میں ایک فون بھی نہیں کرسکی۔'' حورین تھوڑا ملامت آمیز لہجے میں بولی پھر باسل کو دیکھ کر گویا ہوئی۔

''بیٹا آپ کے ڈیڈی تو یہاں ہیں نہیں اگر شام کو آپ میرے ساتھ چلو تو.....'' وہ خود ہی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔

''آف کورس ماما! کیوں نہیں شام کو ہم ان کے گھر چلیں گے ویسے بھی مجھے فراز بھائی سے کچھ کام ہے۔'' باسل جلدی سے بولا تو حورین نے مسکرا کر کہا۔

''اوکے پھر ڈن۔''

❀......❀......❀

''ایک بات تو بتاؤ احمر آخر تمہارا پرابلم ہے کیا؟ تم نے بہانے سے اپنی بہن سے اس لڑکی کا نمبر بھی حاصل کرلیا اور دوبار ڈرتے سہمتے تم نے کال بھی ملالی مگر تمہارے منہ سے ایک بھی لفظ کیوں نہیں نکلا؟'' عدیل بے پناہ تلملاتے ہوئے احمر کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہہ گیا جواباً احمر نے اپنا جھکا سر مزید جھکا لیا جس پر عدیل بری طرح چڑ گیا۔

''شاباش بہت اچھے میرے یار...... تم نے تو لڑکیوں کو بھی مات دے دی۔ ارے قسم سے مجھے تو اب تمہیں اپنا دوست کہتے ہوئے شرم آرہی ہے افسوس ہے تمہاری مردانگی پر۔'' عدیل کو اس لمحے احمر پر ٹھیک ٹھاک غصہ آرہا تھا وہ چاہتا تھا کہ احمر کی اس یک طرفہ دیوانگی کا کوئی نہ کوئی منطقی انجام تو سامنے آئے مگر احمر یزدانی کی پست ہمتی اور بزدلی نے اس کہانی کو ایک جگہ منجمد کردیا تھا نہ احمر اسے آگے بڑھا رہا تھا اور نہ خود پیچھے ہٹنے کو تیار تھا۔

''یار میں کیا کروں ایسا نہیں ہے کہ میں اس سے بات کرتے ہوئے جھجکتا یا کتراتا ہوں مگر اس سے اظہار محبت کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں......'' بولتے بولتے آخر میں اس کا لہجہ بے چارگی سے لبریز ہوگیا۔

''تو...... تو بیٹھا رہ یونہی چپکا' دیکھ لینا ایک نہ ایک دن وہ لڑکی تیری آنکھوں کے سامنے کسی اور کے سنگ چلی جائے گی۔''

''اللہ نہ کرے۔'' وہ بے اختیار بول اٹھا جب کہ عدیل نے اسی پل بے ساختہ اپنا ماتھا پیٹ ڈالا۔

''اُف میرے اللہ تیرا تو کچھ نہیں ہوسکتا...... ابے او گھامڑ ابھی بھی وقت ہے تھوڑی ہمت پکڑ اور کہہ دے اس سے اپنے دل کی بات مگر ہاں......'' بولتے بولتے وہ کچھ رکا پھر کچھ سوچ کر گویا ہوا۔ ''احمر اس بات کا خاص دھیان رکھنا کہ وہ لڑکی باسل کے کزن فراز کی بہت ہی خاص جان پہچان والی ہے۔ تمہیں یاد ہے نا کہ اس دن تم نے ریسٹورنٹ میں ولن کا ایکشن دکھایا تھا تو باسل تمہارے اوپر کتنا ناراض ہوا تھا اور تمہیں باآور کرایا تھا کہ وہ اس کے کزن کی شاید رشتہ دار ہے۔''

''آئی نو مجھے معلوم ہے یہ سب اور میں کون سا اسے اغوا کرنے کا پلان کررہا ہوں۔'' احمر عدیل کی بات پر بے زاری سے بولا تو عدیل نے احمر کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔

''اچھا اب چل راؤنڈ لگائیں بہت آرام ہوگیا۔'' عدیل اور احمر کا گھر ایک ہی علاقے میں تھا لہٰذا دونوں کو جب بھی موقع ملتا دن ڈھلے اس علاقے میں بنے خوب صورت سے پارک میں آکر جاگنگ وغیرہ کرلیا کرتے تھے' ابھی بھی وہ اسی مقصد سے یہاں موجود تھے۔

''ویسے یار اس لڑکی کے ساتھ جو دوسری لڑکی تھی وہ بھی کچھ کم نہیں تھی' اس کے چہرے پر کتنی معصومیت اور اٹریکشن تھی نا۔'' عدیل کی بات پر احمر نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا۔

''زیادہ بکومت۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے جاگنگ ٹریک کی جانب بڑھ گیا۔

❀......❀......❀

وادی میں اترتی گلابی سہانی سی شام کی پریوں نے اپنا ڈیرہ ڈال لیا تھا' بنفشی سورج کی شعاعیں چہار سو پھیلی بے حد دلفریب اور دلکش لگ رہی تھیں۔ چیڑ اور بادام کے درختوں کے پتوں سے چھلکتی روشنی آہستہ آہستہ اپنا وجود کھو رہی تھی' بے حد خوشگوار سی خنکی کی چادر اوڑھے فضا بے حد بھلی تھی' لالہ رخ اور مہرینہ خراماں خراماں اپنے گھروں کی طرف جا رہی تھیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

لالہ رخ مہرینہ کی خاموشی کو بخوبی نوٹ کررہی تھی حسب معمول وہ اسے لینے گیسٹ ہاؤس چلی آئی تھی مگر آج وہ خلاف معمول اسے کافی چپ چپ اور گم صم سی نظر آرہی تھی۔
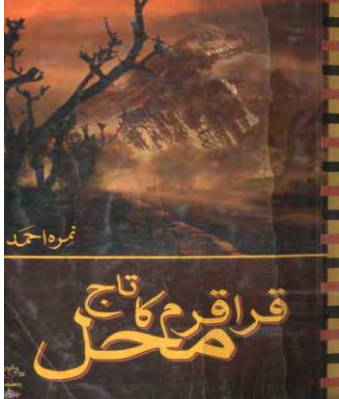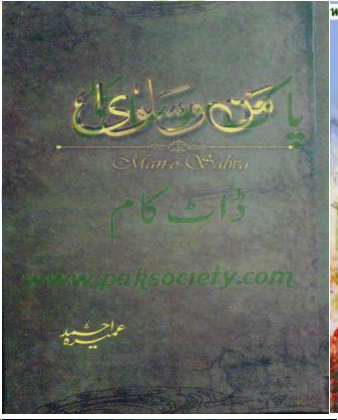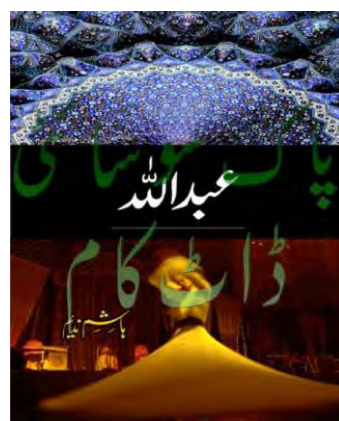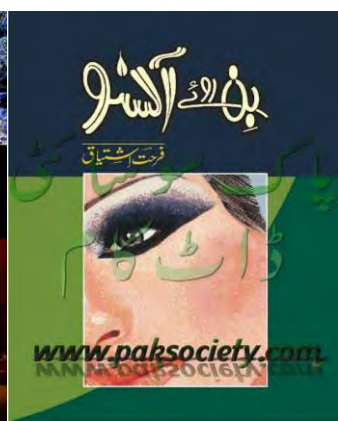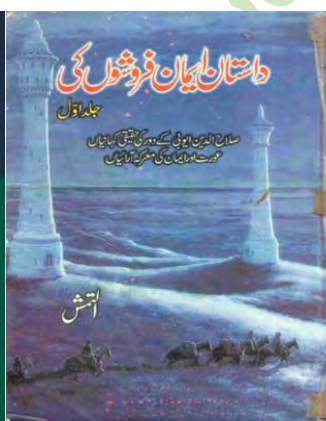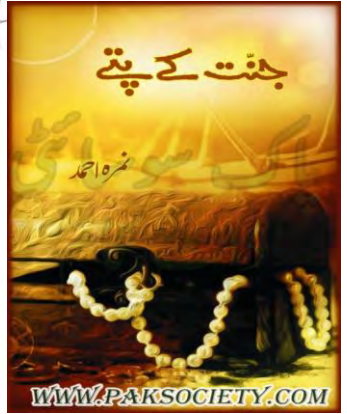
''کیا بات ہے مہرو..... آج تم اتنی خاموش کیوں ہو گھر میں سب ٹھیک تو ہے نا؟'' رائل بلو اور پنک کنٹراسٹ کے لیلن کے پرنٹڈ جوڑے میں ملبوس مہرو کو لالہ رخ نے کافی توجہ سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ مہرو جس کا ذہن نجانے سوچوں کی اڑان بھرتے ہوئے کہاں جانکلا تھا' لالہ رخ کی آواز پر چونکی تھی پھر یک لخت اس کے صبیح چہرے پر بے زاری اور تھکن کے رنگ بکھرتے چلے گئے' اس نے بے اختیار ایک گہری سانس کھینچی۔ فضا میں چہار سو پھیلی پھولوں کی خوشگوار سی خوشبو اس کے نتھنوں کے ذریعے اندر جا پہنچی مگر پھر بھی اس کی طبیعت پر چھائی اکتاہٹ و بے زاری ہنوز برقرار رہی۔

''ایک تو پہلے ہی زندگی میں ہلچل کیا کم تھی اب ایک نئی افتاد مجھ پر آن پڑی۔'' لالہ رخ کے قدم بے ساختہ ٹھٹک کر رکے' اس نے کافی الجھ کر مہرو کو دیکھا جو خود بھی اپنی جگہ ٹھہر گئی تھی۔

''کیا مطلب مہرو سب خیر تو ہے نا مجھے بتاؤ بھی کہ آخر ہوا کیا ہے؟'' اسی پل ایک ٹھنڈا ہوا کا جھونکا لالہ رخ کے وجود سے ٹکرایا تو وہ بے ساختہ اپنی چادر میں سمٹ سی گئی۔

''لالہ میرا دل کسی کام میں لگتا ہی نہیں' کرنے کچھ لگتی ہوں ہو کچھ اور جاتا ہے۔'' مہرو اپنی مخصوص جون میں واپس پلٹتے ہوئے بولی تو لالہ رخ نے اسے صبر آمیز نظروں سے دیکھا۔

''کل اماں نے مجھ سے کہا کہ آٹا گوندھ لو میں نے آٹا گوندھنے کی بجائے پانی کا پورا برتن ڈال کر اس کی لئی بنا ڈالی پھر اماں بولیں کہ باتھ روم میں جاکر تولیہ رکھ دو ابا کو نہانا ہے میں نے کھونٹی میں تکیے کا غلاف لٹکا دیا۔'' وہ ابھی مزید بھی کچھ بولتی جب ہی لالہ رخ نے اپنے لبوں کو بھینچ کر کہا۔

''مہرو اصل مسئلہ بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟''

''کیا بتاؤں لالہ..... میرا تو دماغ کام ہی نہیں کرتا اب۔'' مہرو ایک بار پھر شروع ہوچکی تھی جب کہ لالہ رخ کا ضبط جواب دے چکا تھا۔

''مہرو دو منٹ میں اصل بات بتاؤ ورنہ میں گھر جارہی ہوں اوکے۔'' یہ کہہ کر لالہ رخ نے اپنے قدم تیزی سے آگے بڑھائے تو مہرو نے بڑی سرعت سے اس کا بازو تھاما۔

''اچھا نا بتاتی ہوں وہ دراصل بات یہ ہے کہ..... لالہ وہ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ بات کچھ ایسی ہے.....''

''مہرو.....'' لالہ رخ نے اسے بے پناہ خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے غصے میں کہا تو وہ جلدی سے بول دی۔

''مجھے اس مونچھوں والے سے محبت ہوگئی ہے لالہ..... مجھے وہ یاد آتا ہے اٹھتے بیٹھتے اس کی صورت آنکھوں کے سامنے گھومتی رہتی ہے۔'' مہرو اپنا سر جھکا کر گویا اقرار جرم کرنے والے انداز میں بولی۔

''اف مہرو..... اس بچپنے سے باہر آجاؤ میں تو سمجھی تھی کہ تم مذاق کررہی ہوں گی۔'' لالہ رخ نے سر تھام لیا۔

''تمہیں میری محبت مذاق اور بچپنا نظر آرہا ہے۔'' مہرو برا مانتے ہوئے بولی۔

''مہرو..... بس ایک یہی کام تمہارے کرنے سے رہ گیا تھا۔'' لالہ رخ طنزیہ انداز میں بولی۔

''تم جیسی دوست سے تو دشمن اچھا۔ بھاڑ میں جاؤ۔'' وہ پیر پٹخ کر بولتی وہاں سے چند قدم ہی آگے گئی تھی جب ہی اسے عقب سے لالہ رخ کی کھنکتی آواز سنائی دی۔

''ارے میری باؤلی سہیلی ہوسکتا ہے کہ وہ تیرا میگزین والا مونچھڑ چار بچوں کا باپ ہو یا پھر تین پیارے بچے ہوں یا پھر.....''

''کالی زبان والی لڑکی جب شکل اچھی نہ ہو تو بات تو اچھی کرلیا کرو۔'' وہ فاصلے سے ہی تقریباً چلا کر اس کی جانب رخ کرکے بولی اور پھر تقریباً بھاگتی چلی گئی جب کہ پیچھے پیچھے آنی لالہ رخ اسے آوازیں دیتی رہ گئی۔

❀......❀......❀

حورین کے ساتھ ساتھ باسل نے بھی یہ بغور نوٹ کیا تھا کہ سمیر شاہ بظاہر تو ان دونوں سے بہت خوش مزاجی سے ہمکلام تھے مگر بار بار ان کی ذہنی رو کہیں بھٹک جاتی تھی اس وقت وہ تینوں سمیر شاہ کے ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ حورین کے استفسار پر سمیر نے ساحرہ کی بابت مختصر اًبتایا تھا کہ اس کی طبیعت کچھ ناساز ہے لہٰذا اس پل وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہے آج نجانے کیوں حورین کو خلاف معمول گھر میں بے حد سناٹا اور خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔ درودیوار جیسے عجیب سی اداسی اور یاسیت کی لپیٹ میں تھے۔

''اور بھائی صاحب' کامیش اور سونیا کیسے ہیں؟'' حورین اپنے مخصوص انداز میں نرمی سے گویا ہوئی تو اس پل سمیر شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگے پھر بڑی دقتوں سے خود کو سنبھال کر گویا ہوئے۔

''آں...... ہوں...... ٹھیک ہیں وہ دونوں۔'' سمیر شاہ جس نے ہمیشہ زندگی کے نامساعد حالات کا مقابلہ بہت ہمت و جرأت اور جواں مردی سے کیا تھا مگر نجانے آج کیوں وہ اپنے بیٹے پر آئی آنچ کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے جو ان کا فخر ان کا غرور اور مان تھا۔ وہ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ سونیا کے انتہائی اخلاق سوز الزامات کے زیر اثر ان کا پیارا بیٹا ایک اذیت و کرب کے سمندر سے گزر رہا ہے مگر اس پل وہ فراز سے کہیں زیادہ دکھ و تکلیف کی کیفیت سے گزر رہے تھے۔ انہیں بار بار ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی کند چھری بہت آہستگی سے وقتاً فوقتاً ان کے دل پر پھیر رہا ہو جس کی وجہ سے بے پایاں اذیت کی لہر ان کے اندر سے اٹھتی تھی۔ وہ بار بار دل ہی دل میں اپنے خالق کائنات سے مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ الٰہی مجھے تیری ہر آزمائش قبول ہے میں نے زندگی کے ہر امتحان کو بڑی کامیابی سے جھیلا تھا مگر اولاد پر آئی آزمائش میرے لیے بہت کٹھن اور بے پناہ مشکل ہے۔

''بھائی صاحب آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' اس پل حورین کی پریشانی میں ڈوبی آواز سمیر شاہ کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ جیسے حال کی دنیا میں لوٹے تھے۔

''انکل کوئی پرابلم ہے کیا آپ بہت ٹینس لگ رہے ہیں۔'' باسل حیات نے بھی آج سے پہلے سمیر شاہ کو اتنا ڈسٹرب اور غائب دماغ نہیں دیکھا تھا جب ہی وہ اپنائیت بھرے لہجے میں گویا ہوا جواباً سمیر شاہ ایک تھکی تھکی سانس بھر کر رہ گئے بھلا وہ کس منہ سے بتاتے کہ ان کا بیٹا ان کا غرور جسے دیکھ دیکھ کر ان کی سانسیں چلتی تھیں کس طرح ذلت آمیز بہتان و الزاموں کا بوجھ اٹھائے اپنوں کی نفرت و حقارت کو سمیٹ کر یہاں سے نکلا ہے۔

''کچھ نہیں بیٹا بس آج کل بہت تھکن محسوس کر رہا ہوں' شاید اب بوڑھا ہو چلا ہوں۔'' سمیر شاہ آخر میں پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولے تو باسل نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

''اوہ کم آن انکل...... آپ خود کو بوڑھا کہہ کر بڑی زیادتی کر رہے ہیں۔'' باسل کی بات پر سمیر مسکرا دیے۔ ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ ملازم لوازمات سے بھری ٹرالی اندر لے آیا معاً باسل کو کچھ یاد آیا تو سمیر سے استفسار کرتے ہوئے بولا۔

''انکل فراز بھائی کہاں ہیں؟'' انجانے میں باسل نے سمیر شاہ کے کلیجے پر ہاتھ رکھا تھا ایک ٹیس سی ان کے دل سے ابھری تھی۔ ملازم کے ہاتھ سے چائے کا کپ تھامتے ہوئے واضح کپکپاہٹ ان کے ہاتھ میں ہوئی تھی جس سے چائے ساسر میں چھلک گئی تھی۔

''ہاں بھائی صاحب یہ فراز بیٹا ہے کہاں' اس دن مجھ سے تو بہت یقین سے کہہ رہا تھا کہ وہ مجھ سے ملنے آیا کرے

گی۔'' حورین چائے کا ایک سپ لے کر مسکراتے ہوئے بولی تو اس وقت سمیر شاہ جیسے مضبوط اعصاب کے مالک شخص کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردے۔

''ہاں...... ہاں وہ آج کل کچھ مصروف ہے۔'' وہ کتراتے ہوئے انداز میں ٹالتے ہوئے بولے پھر تیزی سے باسل سے مخاطب ہوئے۔

''اور بیٹا جی آپ کی اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں۔'' انہوں نے سرعت سے موضوع بدلا تھا۔

❁......❁......❁

''میری تو یہ سمجھ میں ہرگز نہیں آرہا تھا کہ ابو اتنے ضدی اور سخت گیر کیسے ہوگئے مہوش وہ کسی بھی صورت میری بات سننے کو راضی نہیں ہیں۔'' احمر مہوش سے ملنے ہاسٹل آیا تھا۔ اس وقت وہ دونوں ہاسٹل کے ویٹنگ روم میں بیٹھے تھے۔ زرینہ نے جو بات ہسپتال میں اس سے کہی تھی اس نے اس بہنا پے کی محبت کو جگادیا تھا اور کچھ مہوش کی حالت کے پیش نظر تھا اور پھر وہ بھی تو مہوش والی کیفیت میں مبتلا ہوگیا تھا۔ زرینہ تو صرف کچھ عرصے پہلے اس کی زندگی میں آئی تھی جب کہ مہوش تو نجانے کتنے عرصے سے اپنے دیوتا کی پوجا کررہی تھی۔

''اُف بھائی تو آپ انہیں سمجھائیے نا آپ کو معلوم ہے منگنی میں صرف دس دن رہ گئے ہیں۔ میری جان تو جیسے سولی پر اٹکی ہوئی ہے۔'' مہوش کچھ جھنجھلا کر بولی تو احمر نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا پھر بے حد چڑ کر بولا۔

''اپنے ابا جی کو تم کیا جانتی نہیں ہو غصے میں وہ سامنے والے کا کیا حشر کرتے ہیں اور میں دو دن سے مسلسل ان کی عتاب کا نشانہ بنا ہوا ہوں سمجھیں۔'' احمر کی بات پر مہوش ڈھیلی سی پڑ گئی۔

''یہ بات تو ہے بھائی ویسے جب وہ کسی بات پر اڑ جائیں تو پھر پیچھے ہٹنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''میری تو حالت ابتر ہوگئی ہے وہاں ابا جان کچھ سننے کو تیار نہیں اور یہاں تم کچھ ماننے کو راضی نہیں۔'' احمر انتہائی بے زاری سے بولا تو مہوش کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''بھائی کچھ ایسا ہوجائے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔'' جواباً احمر نے اسے کافی چڑ کر دیکھا پھر ہنوز لہجے میں بولا۔

''اب یہ تم ہی سوچو کہ کیسے سانپ کو مارنا ہے اور کس طرح لاٹھی کو بچانا ہے۔''

''اُفوہ بھائی...... آپ بھی تو کچھ سوچئے ناں ارے ہاں میں زرینہ سے مشورہ لیتی ہوں۔'' بولتے بولتے یک دم مہوش چونکی جب کہ احمر کی مراد ہی بر آئی پھر تیزی سے احمر کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ کو نہیں پتا احمر بھائی یہ اپنی زرینہ بڑی ذہین ہے یقیناً وہ کوئی نہ کوئی راستہ تو ضرور نکالے گی میں ابھی کال کرکے اسے بلاتی ہوں۔'' پھر مہوش اپنے سیل فون سے اسے کال ملانے لگی جب کہ احمر کے دل کی دھڑکنیں بے ساختہ تیز ہوگئیں اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ دشمن جاں اس کے سامنے تھی۔ زرینہ جو مہوش کے بلانے پر یونہی سر جھاڑ منہ پھاڑ اپنے روم سے چلی آئی تھی اندر داخل ہوتے ہی یک دم احمر کو دیکھ کر ٹھٹکی۔

''او مائی گاڈ یہ جنگلی بھی یہاں ہے بھلا اس مہوش کی بچی کو مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی حد ہے مہوش۔'' وہ اندر ہی اندر مشتعل سی ہوکر خود سے بولی پھر جلدی سے اپنا دوپٹہ اچھی طرح اپنے وجود پر پھیلایا۔

''زری پلیز یہاں آؤ ہمیں تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے یار......'' مہوش جلدی سے صوفے پر تھوڑا کھسک کر اس کے لیے جگہ بناتے ہوئے بولی جب کہ احمر اس پورے وقت اسے بڑی پُرشوق نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

''اُفوہ مہوش...... تم نے تو مجھے تنگ ہی کردیا میں سیدھا بستر سے اٹھ کر یہاں بھاگی ہوں۔'' اسے ابھی تک مہوش پر

غصہ آرہا تھا وہ تھوڑی دیر پہلے ہی تو کیمپس سے آ کر ستانے کے لیے لیٹی تھی مہوش کا یہ کہنا کہ دو منٹ میں نیچے آ ؤ اسے اچھا خاصا پریشان کر گیا تھا اسے لگا کہ شاید پھر مہوش کی طبیعت وغیرہ خراب نہ ہوگئی ہو وہ یونہی اٹھ کر آ گئی تھی جب کہ زرتاشہ بڑے مزے سے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔

"بولو کیا بات کرنی تھی؟" وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹتے ہوئے بولتی صوفے پر جا ٹکی جب کہ احمر کی نگاہیں لائٹ گرین اور آف وائٹ کنٹراسٹ کے لان کے سوٹ میں ملبوس الجھے بالوں اور آنکھوں میں کچی نیند کی سرخی لیے زرمینہ کے چہرے سے ہٹنے کو صاف انکاری تھیں، پھر مہوش نے تمام معاملہ اس کے گوش گزار کر دیا سب کچھ سننے کے بعد زرمینہ چاہتے ہوئے بھی کہہ اٹھی۔

"مہوش تم اپنے بھائی صاحب کی ہیلپ کیوں نہیں لیتیں ماشاءاللہ یہ تو کافی جینئس ہیں۔" زرمینہ کے لب و لہجے میں چھلکتی طنز کی کاٹ کو احمر نے بخوبی محسوس کیا تھا اور بے ساختہ ایک دلکش مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی تھی۔

"مس زرمینہ اس بات میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ میں واقعی بہت ذہین ہوں مگر ہم نے سوچا کہ چلو آپ کی ذہانت کا بھی امتحان لے لیتے ہیں کون کتنے پانی میں ہے۔" احمر کی بات پر زرمینہ نے اس پر بے پناہ کٹیلی نگاہ ڈالی پھر انتہائی ناگواری سے رخ مہوش کی جانب کر کے گویا ہوئی۔

"مجھے یہاں اپنی ذہانت کے جھنڈے گاڑنے کا کوئی شوق نہیں اور نہ مجھے فضول لوگوں کو امپریس کرنے کا کوئی اشتیاق ہے۔"

"اوہ نو پلیز...... پلیز آپ دونوں جھگڑا مت کریں۔" مہوش ان دونوں کی باتیں سن کر حقیقی معنوں میں پریشان ہوگئی اگر پہلے کی طرح پھر ان دونوں میں جھڑپ ہو جاتی تو اس کا معاملہ تو درمیان میں ہی رہ جانا تھا۔

"بھائی پلیز آپ بالکل خاموش بیٹھیں اور زری میری اچھی سہیلی تم بھائی کی کوئی بات مت سنو یہاں میری جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے، تم پلیز کوئی راستہ بتاؤ......" آخر میں بولتے بولتے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما تو زرمینہ مجبور سی ہوگئی۔

"اچھا بابا اچھا...... میں کچھ سوچتی ہوں مگر آئیڈیا میرے دماغ میں یوں چٹکی بجا کر تو آنے سے رہا ایک تو اتنی اچھی نیند سے مجھے تم نے جگا دیا، پہلے میں جا کر تھوڑا سوؤ پھر شام کو آرام سے تمہارے معاملے پر سوچوں گی او کے۔" بولتے بولتے وہ اپنی جگہ سے اٹھی تو مہوش اثبات میں سر ہلا کر گویا ہوئی۔

"ٹھیک ہے زری، تم ابھی آرام کرو میں پھر رات میں تم سے آ کر ملتی ہوں۔" زرمینہ احمر کو نظر انداز کر کے وہاں سے چلی گئی تو احمر بھی جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

❁......❁......❁
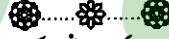
اسے لندن آئے پانچ دن ہوگئے تھے مگر وہ کسی سے بھی رابطہ نہیں کر رہا تھا۔ سمیر شاہ نے اسے بارہا کالز کی واٹس ایپ پر میسجز کیے مگر جواباً اس نے انتہائی مختصر پیغام ٹائپ کیا۔

"ڈیڈ آئی ایم او کے۔" اس کے علاوہ اس نے کسی کو بھی کوئی جواب نہیں دیا اس کے آفس والوں کی مسلسل کالز آ رہی تھیں زرمینہ اور زرتاشہ کے بھی میسجز آئے ہوئے تھے مگر وہ تو جیسے سب سے ناراض بیٹھا تھا۔ ان پانچ دنوں میں وہ کس قدر ذہنی اور روحانی اذیت اور کرب میں مبتلا رہا تھا اس کے بارے میں صرف وہی جان سکتا تھا۔ کھانے کے نام پر بریڈ کے چند سلائس اور بلیک کافی ہی اس نے اپنے معدے میں انڈیلی تھی وہ اپنے فلیٹ میں محصور تھا۔ بس رات دن اسی حادثے کو اپنے ذہن میں دہرائے جا رہا تھا جس نے اس کے کردار کی پختگی اس کی شرافت کو بری طرح داغ دار کر دیا تھا۔ کئی بار اپنے بھائی اور ماں کا رویہ یاد کر کے اس کی آنکھیں نا چاہتے ہوئے بھی نم ہو چلی تھیں، جب جب وہ سونیا خان کی بابت سوچتا ایک جملہ اس کے

کانوں میں گونج اٹھتا کہ عورت ذات جب اپنے وقار اور مقام سے گر جاتی ہے تو اس سے زیادہ شر انگیز اور فتنہ باز چیز اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہوتی۔ وہ جب انسانیت کا لبادہ اتار کر حیوانیت کا روپ دھار لیتی ہے تو ایک ایسی خطرناک ناگن بن جاتی ہے جس کا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا اور یہی کچھ سونیا اعظم خان نے کیا تھا انتقام کی آگ میں اس نے فراز شاہ سے ایک جھٹکے میں ہی سب کچھ چھین لیا تھا وہ اپنے بستر پر آڑھا ترچھا لیٹا چھت کو مسلسل گھورے جا رہا تھا۔ جب ہی واٹس ایپ پر آتی کال نے اس کے سکتے کو توڑا اس نے انتہائی بےزاری سے اپنے اسمارٹ فون کو دیکھا پھر بیپ کا گلا گھونٹنے کی غرض سے اس نے جونہی فون اٹھایا۔ لالہ رخ کا نام جگمگاتا دیکھ کر اس کا ذہن پل بھر کو رکا وہ چند ثانیے یونہی خالی خالی نگاہوں سے اسکرین کو دیکھتا رہا پھر نجانے کون سی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر اس نے لالہ رخ کی کال کو ریسیو کیا۔

"آپ خیریت سے تو پہنچ گئے نا میں نے سوچا آپ سے فون پر دعا سلام کرلوں۔" لالہ رخ اپنے مخصوص نرم خو انداز میں بولی تو فراز ہنوز خاموش رہا۔

"وہ دراصل اس وقت میں یونہی فارغ تھی تو آپ کو کال ملادی میرا خیال ہے آپ مصروف ہوں گے۔" لالہ رخ خوامخواہ میں پزل سی ہوگئی جب کہ دوسری جانب فراز یونہی چپ رہا۔

"آئی ایم سوری فراز صاحب یقیناً آپ کو فون کرکے میں نے آپ کو ڈسٹرب کردیا آئی ایم ریئلی سوری۔" لالہ رخ کی شرمندگی اس وقت نقطہ عروج پر جا پہنچی تھی وہ فراز کی مسلسل خاموشی کو اس کی ناگواری سے سمجھ رہی تھی جب ہی بے حد جھینپ کر بولی جواباً فراز شاہ گہری سانس بھر کر رہ گیا پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے لالہ رخ میں بالکل فری تھا تم سناؤ وہاں سب ٹھیک چل رہا ہے ناں۔" لالہ رخ بے اختیار فراز کے لب و لہجے کو محسوس کرکے ٹھٹکی تھی یہ وہ فراز شاہ تو ہرگز نہیں لگ رہا تھا جس سے وہ بات کیا کرتی تھی۔

"آ...... جی اللہ کا کرم ہے سب کچھ ٹھیک ٹھاک فرسٹ کلاس چل رہا ہے۔" وہ جلدی سے خود کو سنبھال کر بولی تو ایک بار پھر فراز بالکل خاموش سا ہوگیا۔

"اور بتایئے لندن کا موسم کیسا ہے پاکستان کی یاد تو نہیں آرہی؟" وہ یونہی بات بڑھانے کی غرض سے بولی تو فراز بے پناہ تلخی سے ہنسا۔

"پاکستان کی یادیں تو اتنی زور آور اور دلکش ہیں کہ میں ابھی تک ان کے حصار سے نہیں نکل سکا۔" لالہ رخ نے بے حد غور سے اس کی بات کو سنا پھر معنی خیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"یادیں چاہیں تلخ ہوں یا پھر دلکش ان کے حصار سے جلد نکل جانا چاہیے ورنہ یہ آپ کے خوب صورت آج اور سنہرے کل کو خراب کردیتی ہیں۔"

"اونہہ...... آج اور کل کی فکر کسے ہے؟"

"فکر ہونی چاہیے فراز۔"

"اب کوئی فکر نہیں ہے لالہ رخ نہ آج کی اور نہ کل کی۔"

"فکریں تو ہونی چاہیے فراز یہی فکریں تو ہمیں ہمت و حوصلہ دیتی ہیں ہمیں زندگی کو جینے کی امنگ دلاتی ہیں اگر فکر نہیں ہوگی تو سب کچھ ختم ہوجائے گا۔"

"سب کچھ ختم ہوچکا ہے۔" وہ بے اختیار چیخ کر بول اٹھا۔

"نہیں فراز کبھی سب کچھ ختم نہیں ہوتا جب تک ہماری سانسیں چل رہی ہیں ہمارے سینے میں دل دھڑک رہا ہے اس وقت تک سب کچھ باقی رہتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ کسی بہت بڑی آزمائش کے زیر اثر جب ہم آجاتے ہیں تو

بظاہر ہمیں لگتا ہے کہ سب کچھ ختم ہوگیا ہے۔ ہم تہی داماں رہ جاتے ہیں ہمیں لگتا ہے کہ اب زندگی کے دروازے ہمارے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگئے ہیں مگر ایسا ہوتا نہیں یہی وہ مقام ہوتا ہے جب ہمیں اپنے کپڑے جھاڑ کر ایک بار پھر اپنے قدموں پر مضبوطی سے کھڑا ہونا ہوتا ہے اور پھر ہماری ہمت جرأت اور حوصلہ خود ہمارا ہاتھ تھام لیتا ہے۔" لالہ رخ بولتی چلی گئی جب کہ فراز انتہائی ٹوٹے لہجے میں جواباً گویا ہوا۔

"جب ایک بار مان بھروسہ اور رشتے ٹوٹ کر بکھر جائیں تو پھر دوبارہ نہیں سمٹ سکتے لالہ رخ......"

"کیوں نہیں سمٹ سکتے فراز؟ یہ سب کچھ ہوسکتا ہے مگران چیزوں کو سمیٹنے کے لیے پہلے خود کو سمیٹنا ہوگا خود کو نئے انداز سے جوڑنا ہوگا اور میں تو یہ بات جانتی ہوں کہ اگر کوئی آپ کو سچا پیار کرتا ہوگا تو وہ ضرور آپ کو آپ کا مان بھی لوٹائے گا اور بھروسہ بھی اور رہا رشتے کا سوال تو جس رشتے میں پیار ہوگا وہ ٹوٹ کر پھر ضرور جڑ جائے گا اور جس رشتے میں جب پیار ہی نہ ہو تو ایسے رشتے کی بھلا ضرورت بھی کیا ہے۔" لالہ رخ کی بات کو فراز شاہ نا چاہتے ہوئے بھی سنتا چلا گیا جب کہ لالہ رخ مزید کہہ رہی تھی۔

"فراز..... آپ نے ڈوبتے سورج کو دیکھا ہے جب اپنی روشنی سمیٹ کر وہ چلا جاتا ہے تو چہار سو رات کا ہولناک اندھیرا ہر چیز پر چھا جاتا ہے۔ ہمیں کچھ لمحوں کے لیے ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہاں تو کبھی روشنی تھی ہی نہیں اور جب سیاہ گہری لمبی رات دبے پاؤں گزرتے ہوئے ہمارے اندر اپنی دہشت اور وحشت بھر دیتی ہے تو ہمیں لگتا ہے کہ اب کبھی اجالا نہیں ہوگا کبھی روشنی نہیں ہوگی مگر صبح جب نیا سورج طلوع ہوتا ہے تو ہمارے اندر اور اطراف کا سارا اندھیرا ساری وحشت ایک ہی جست میں دم توڑ جاتی ہے۔ ایک نئی امید نیا عزم اور حوصلہ ہماری رگوں میں سرائیت کر جاتا ہے سورج سے پیٹھ موڑ لینا نہ عقل مندی ہے اور اللہ ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ مایوسی اور ناامیدی کفر ہے کیونکہ ہر نیا سورج ہمیں نئی امید و ہمت دلاتا ہے فراز شاہ اس بار کچھ نہیں بولا بس خاموشی سے سنتا رہا۔

❁......❁......❁

جیسکا کلاس لے کر نکلی تو بالکل سامنے گراؤنڈ میں ولیم اسے دو لڑکوں کے ہمراہ باتیں کرتا ہوا دکھائی دیا۔ آج پھر ماریہ کالج سے غیر حاضر تھی جیسکا جو سیڑھی کے پہلے اسٹیپ پر کھڑی تھی اس نے ولیم کو دیکھ کر قدرے توقف کے بعد اس کی جانب قدم بڑھائے۔

"ہیلو ولیم۔" وہ اس کے قریب پہنچ کر کافی گرم جوشی سے بولی تو ولیم نے ایک نگاہ جیسکا کو دیکھا پھر دونوں لڑکوں سے ایکسکیوز کر کے انہیں وہاں سے چلتا کر کے پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوگیا۔

"مجھے تو لگ رہا تھا کہ آج کل تم خوب چہک رہے ہوگے تمہاری شادی جو قریب آگئی ہے مگر تمہاری شکل پر تو بارہ بج رہے ہیں یار۔" جیسکا یہ بول کر آخر میں ہنسی تھی جبکہ ولیم ہنوز سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

"اچھا یہ بتاؤ برائیڈل ڈریس کے لیے تم ماریہ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے یا تمہاری مام پسند کریں گی تمہاری بات ہوئی ماریہ سے؟" جیسکا جو ماریہ کو ولیم کے ساتھ دوبارہ نارمل ہوتے دیکھ کر اب کافی مطمئن تھی لہٰذا ولیم سے یونہی چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

"ویسے ولیم تم ہو بہت لکی ماریہ جیسی کیوٹ لڑکی تمہاری بیوی بننے جا رہی ہے۔" وہ اس پل خود میں اتنی مگن تھی کہ وہ ولیم کے چہرے پر چھائی ناقابل فہم سنجیدگی اور لبوں پر چھائی جامد خاموشی کو محسوس ہی نہیں کرسکی۔

"اچھا ایسا کرو مجھے ذرا ماریہ کے گھر ڈراپ کر دو جیکولین آنٹی نے مجھے بلایا ہے۔ اچھا ہے نا ان کے داماد کے ساتھ میں گھر جاؤں گی تو مجھے بھی وی آئی پی پروٹوکول ملے گا نا۔" یہ بولتے ہوئے اس نے ولیم کا بازو اپنے ساتھ چلنے کی غرض

سے کھینچا تو دوسرے ہی پل ولیم نے بے حد ناگواری سے اپنے دائیں ہاتھ سے جیسکا کے ہاتھ کو جھٹکا۔

''اوہ کم آن جیسکا...... مجھے تمہاری ان فضول باتوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں......'' جب کہ رخ موڑتی جیسکا نے یک دم دوبارہ پلٹ کر بے حد تحیر کے عالم میں ولیم کو دیکھا جس کے چہرے پر اس وقت عجیب وغریب تاثرات رقم تھے۔ وہ چند ثانیے اسے دیکھتی چلی گئی پھر بے حد الجھ کر استفسار کرتے ہوئے بولی۔

''سب ٹھیک تو ہے نا ولیم...... کیا تم دونوں کی پھر کوئی لڑائی ہوگئی؟'' جواباً ولیم نے اسے بے حد طنزیہ نگاہوں سے دیکھا پھر انتہائی کٹیلے انداز میں بولا۔

''اب تو سب کچھ حل ہوگیا ہے جیسکا' اب کوئی لڑائی کوئی تعلق کوئی رشتہ ہمارے درمیان نہیں رہا' وہ پوری طرح سے اب آزاد ہے اس کا جو دل چاہے' جیسا من چاہے وہ کرے' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' ولیم کی باتوں سے جیسکا ششدر رہ گئی۔

''اوہ کم آن ولیم...... تم مجھے صاف صاف بتاؤ کہ کیا بات ہے۔'' وہ چیخ کر بولی تو ولیم بری طرح تلملا اٹھا۔

''یہ بات تو تم ماریہ سے جاکر پوچھو جیسکا' میں نے اس جیسی مکار اور فریبی لڑکی اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی یہ کہہ کر وہ جیسکا کو ہک دک کھڑا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

❁......❁......❁

اس دن کے بعد سے سونیا خان خود ہی گیسٹ روم میں شفٹ ہوگئی' وہ ایسا کیوں کررہی تھی یہ جاننے کی کامیش شاہ نے ضرورت محسوس کی تھی نہ ہی اسے کوئی دلچسپی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ اس نے سونیا سے شادی صرف ساحرہ کے زور دینے پر کی تھی مگر شادی کے بعد سونیا کی عادات واطوار نے کامیش کو بالکل بھی متاثر نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ اس کے دل میں اپنے لیے کوئی جگہ بنا پائی تھی' دوسری جانب صنف نازک میں عدم دلچسپی اور اپنے کام سے بے پناہ لگاؤ کے سبب بھی وہ سونیا کی طرف راغب نہیں ہوسکا تھا مگر اس دن کے واقعہ کے بعد سونیا نہ ہی اس کے سامنے آئی تھی اور نہ اس نے سونیا کو تلاش کیا تھا۔ وہ حسب معمول رات کو ڈیوٹی سے گھر آیا تو اپنے کمرے میں سونیا کو ایک بیگ سمیت اپنا منتظر پایا' بلیک پلین شلوار قمیص کے سوٹ میں وہ بہت سادا اور مختلف لگ رہی تھی ورنہ تو وہ ہمہ وقت ٹپ ٹاپ میں رہا کرتی تھی۔ کامیش نے ایک نگاہ بیگ اور پھر اس پر ڈالی اور دوسرے ہی لمحے وہ ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا ہی تھا کہ عقب سے اسے سونیا کی آواز سنائی دی۔

''کامیش میں آپ ہی کا ویٹ کررہی تھی۔'' بے اختیار کامیش اپنی جگہ ٹھہرا مگر اس نے فی الفور مڑ کر نہیں دیکھا سونیا وردی میں ملبوس کامیش کی چوڑی پیٹھ کو دیکھتی رہ گئی پھر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنساتے ہوئے بڑی دھیمی آواز میں گویا ہوئی۔

''کامیش میں جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے بہت خفا اور بدگمان ہیں اور آپ کی ساری ناراضی اور غصہ بالکل جائز ہے یقیناً میں نے آپ کے ساتھ بہت غلط کیا مگر پلیز کامیش آپ میرا یقین کیجیے میں نے یہ سب کچھ فراز کے کہنے پر کیا۔ فراز نے تو مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا......'' بات کرتے ہوئے وہ تھوڑا ٹھہری پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''میں جانتی ہوں کہ میں آپ کی نظروں سے گرگئی ہوں' فراز کی باتوں میں آکر میں نے اپنے ہی آشیانے کو انجانے میں اجاڑ ڈالا۔ میں آپ کے لائق نہیں ہوں اور کامیش اسی لیے میں اس گھر سے اور آپ کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جارہی ہوں۔'' کامیش نے پوری بات بے حد خاموشی سے سنی اور پھر کوئی بھی جواب دیئے بنا وہ تیزی سے ڈریسنگ روم میں گھس گیا جب کہ سونیا نے ایک طمانیت آمیز گہرا سانس کھینچا۔

''میرا کام تو ہوگیا کامیش...... اب تمہارے ساتھ ٹائم ویسٹ کرنے کا کیا فائدہ' بائے ڈیئر۔'' وہ دھیرے سے بڑبڑائی پھر بے حد مسرور ہوکر خود سے مزید بولی۔

''اونہہ فراز شاہ......تم نے مجھے ٹھکرایا تھا نا آج تمہارے چہیتے بھائی اور سگی ماں نے تمہیں کتنی ذلت سے ٹھکرا دیا۔ ساری زندگی تم بدکرداری اور آوارگی کا داغ ماتھے پر سجا کر دربدر پھرو گے۔'' پھر دوسرے ہی پل وہ سر جھٹک کر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

❁......❁......❁
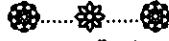
''اوہ اللہ کی بندی' کچھ تو عقل کے ناخن لو۔ اب کیا تم سلطان راہی کی طرح وہاں جا کر منگنی رکواؤ گی؟ اف میں تو تمہاری ان حرکتوں سے تنگ آ گئی ہوں زری' بھلا کیا ضرورت تھی مہوش کے سامنے ہامی بھرنے کی جب اس کا بھائی یہ منگنی نہیں روک پا رہا تو تم کیا کر لو گی۔ آخر تمہیں ٹارزن بننے کا اتنا شوق کیوں ہے؟'' زرتاشہ اسے خوب کھری کھری سنا رہی تھی جب کہ زرمینہ کسی گہری سوچ میں مستغرق ایک ہی زاویے میں بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ کچھ دیر تو زرتاشہ نے اسے بے حد خشمگیں نگاہوں سے دیکھا پھر بے تحاشا چڑ کر بولی۔

''بھاڑ میں جاؤ تم زری جو دل میں آئے کرتی پھرو پھر جب کسی مشکل میں پھنسنا تو مجھ سے آ کر مت کہنا سمجھیں۔''

''آ گیا......'' اچانک زرمینہ اپنی جگہ سے اتنی زور سے اچھلی کہ زرتاشہ اپنی جگہ بری طرح سہم گئی۔

''ک......کون آ گیا زری؟'' زرتاشہ خوف زدہ نگاہوں سے دیکھ کر گھگھیا کر بولی۔

''آئیڈیا آ گیا میری جان......بڑا زبردست آئیڈیا آیا ہے۔'' جواباً زرتاشہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''زری کی بچی......تُو تو میرا ہارٹ فیل ہی کر دے گی۔''

''میں ذرا مہوش کے پاس سے ہو کر آتی ہوں۔'' وہ زرتاشہ کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے اپنے بستر سے اٹھ کر باہر کی جانب بھاگی مگر تھوڑی دیر میں واپس آ کر ٹھنڈے انداز میں بولی۔

''وہ رمشا کے ساتھ مارکیٹ گئی ہے۔'' جبکہ زرتاشہ بے پناہ چڑ کر واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

❁......❁......❁

وہ بے حد شاکڈ سی حالت میں کالج سے ماریہ کے گھر پہنچی اور اب اس کے کمرے میں موجود ماریہ کے سر پر سوار تھی۔

''او گاڈ ماریہ......ولیم تم سے منگنی توڑ چکا ہے اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں' میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب کچھ ہو کیا رہا ہے۔ پچھلے کچھ دنوں سے تو تم دونوں کے بیچ سب کچھ ٹھیک اور نارمل چل رہا تھا اب اچانک ایسا کیا ہو گیا کہ اس نے خود ہی منگنی توڑ ڈالی۔'' جیسکا نے جب ماریہ کو ولیم کی بات بتا کر استفسار کیا تو اس نے فقط اتنا ہی بتایا کہ ولیم نے اس سے منگنی توڑ دی ہے۔

''مجھے کیا معلوم جیسکا اس کی مرضی اس نے منگنی توڑ دی اب میں کیا کروں اس کے پیروں میں جا کر گروں۔'' وہ خوامخواہ میں جھنجلا گئی جیسکا یک دم خاموش سی ہو کر بغور ماریہ کو دیکھنے لگی جو اس پل بہت زیادہ ڈسٹرب اور اپ سیٹ لگ رہی تھی۔ جیسکا بے اختیار ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی پھر آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولی۔

''ماریہ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ پلیز تمہیں جو بھی پریشانی ہے' جو مسئلہ ہے۔ وہ تم مجھ سے شیئر کرو میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں ہر قیمت پر تمہارا ساتھ دوں گی مگر یار کچھ تو بتاؤ مجھے کہ تمہارے دل پر آخر کیا بوجھ ہے۔ تمہارے دل و دماغ میں کون سی ٹینشن اور دباؤ ہے' جس نے تمہیں اتنا ڈسٹرب کر دیا ہے۔'' وہ یہ بات تو بہت اچھی طرح سے سمجھ چکی تھی کہ یقیناً ماریہ کے ساتھ کوئی بہت سیریس ایشو ہے جو وہ اسے نہیں بتا رہی ہے اور اب ولیم کا اس سے اچانک یوں بدگمان ہو جانا جیسکا کو مزید الجھا گیا تھا۔

''ابرام نے بھی مجھے نہیں بتایا کہ ولیم نے منگنی توڑ دی ہے۔'' جیسکا کچھ سوچ کر شکایتی انداز میں بولی تو ماریہ نے

سپاٹ لہجے میں کہا۔

"برو کو بھی اس بات کا علم نہیں۔"

"کیا......!" اسے ایک اور جھٹکا لگا۔ "کیا مطلب ماریہ......؟ کیا تم نے کسی کو بھی نہیں بتایا کہ ولیم نے منگنی ختم کردی۔"

جواباً ماریہ نے سر نفی میں ہلایا تو جیسکا نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اپنے ماتھے پر دھرا پھر سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم یہ سب کر کیا رہی ہو وہاں جیکولین آنٹی تمہاری شادی کی شاپنگ میں بزی ہیں اُدھر ابرام ان ہی چکروں میں الجھا ہوا ہے اور تم نے اب تک کسی کو بتایا بھی نہیں۔"

"ہاں...... ہاں...... میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا' بھاڑ میں جائے ولیم اور اس جیسے سب' مجھے ان سب کی کوئی پروا کوئی فکر نہیں......" ماریہ یک دم چلا اٹھی اندر کی گھٹن اور وحشت نے اس پل اس کی ساری برداشت کو جیسے نگل ڈالا تھا۔

"تم جاننا چاہتی ہو نا کہ میرے ساتھ پرابلم کیا ہے' آخر کون سی ایسی بات' کیا وہ وجہ ہے جس نے مجھے سرے سے بدل دیا ہے تو سنو جیسکا......" ماریہ بے حد جنونی انداز میں بولتے ہوئے اس کے دونوں بازو پکڑ کر کچھ توقف کے لیے ٹھہری پھر چٹانوں جیسی مضبوط آواز میں گویا ہوئی۔

"ماریہ ایڈم نے اپنے پورے ہوش وحواس میں مذہب اسلام قبول کرلیا ہے۔" جیسکا کے کانوں میں اس پل کسی نے گرما گرم کھولتا ہوا سیسہ انڈیلا تھا وہ بے حس وحرکت یک ٹک ماریہ کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ "ہاں جیسکا میں یہ سچے دل سے قبول کرتی ہوں کہ اللہ ایک ہے' وہ لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل جلالہ کے آخری رسول ہیں۔" ماریہ جیسکا کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے پناہ جذب وعقیدت سے بولی۔ جیسکا کی سائیں سائیں کرتی سماعت نے اسے گونگا بہرہ سا کردیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آس پاس بے پناہ شور ہے' جیسے کوئی ٹرین گزر رہی ہے اور اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا ہو۔

"جیسکا میں مسلمان ہوں' میں نے اپنے مذہب کو عرصہ ہوا ترک کردیا ہے۔ اب میں دین اسلام کی پیروکار ہوں پھر بھلا میں ولیم سے شادی کیوں کر لیتی حالانکہ میرے دین میں اہل کتاب سے شادی جائز ہے مگر میں صرف مسلمان مرد سے ہی شادی کروں گی تاکہ میری نسل بھی مسلمان پیدا ہو۔" جیسکا ابھی تک مجسمہ بنی بے حس وحرکت کھڑی تھی۔

"تم کو تو معلوم ہے نا کہ سرپال اپنے مذہب میں کتنے کٹر اور شدت پسند ہیں اور ان کی بنائی ہوئی تنظیم اینٹی اسلام کے لیے کیا کچھ کررہی ہے نجانے ان کو کیسے معلوم ہوگیا کہ میں اسلام قبول کرچکی ہوں۔ انہوں نے مام کو تو نہیں بتایا مگر میرا جینا دوبھر کردیا' سرپال نے میک کو میرے پیچھے لگادیا۔" پھر ماریہ نے میک کے گھر آنے کا مقصد اور اچانک ولیم کی آمد کا تمام قصہ اس کے گوش گزار کردیا۔ جیسکا ایک مسمریزم کی کیفیت میں سب کچھ سنتی چلی گئی۔ ماریہ بتا کر خاموش ہوگئی تو بہت دیر بعد جیسکا سکتے کی کیفیت سے باہر آئی اور بے ساختہ ماریہ کے بستر پر ڈھے گئی۔

"او گاڈ ماریہ......! یہ تم نے کیا کیا' تم نے اپنا مذہب کیسے چھوڑ دیا؟ آخر تمہیں اپنے مذہب میں کس چیز پر اعتراض تھا' جس کے سبب تم نے دوسرا مذہب اختیار کرلیا اور وہ بھی اسلام...... تم نے اسلام کو ہی کیوں منتخب کیا ماریہ؟ کیا تم جانتی نہیں ہو کہ تمہاری خود کی مام کتنی چڑتی ہیں اس مذہب سے اور ماریہ جس سوسائٹی میں ہم رہتے ہیں وہاں پر اس مذہب کو ناپسند کرنا تو چھوٹی بات اس مذہب کے لوگوں سے بات چیت کرنا بھی معیوب اور گناہ سمجھا جاتا ہے۔" وہ بے حد دکھ وتاسف کے عالم میں بولتی چلی گئی جواباً ماریہ جیسکا کے ہوائیاں اڑتے چہرے کو دیکھ کر بڑی دلکشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"جیسکا تمہیں میرے دین کی خوب صورتی کا اندازہ بھی نہیں ہے' اتنا منفرد' مکمل اور پیارا دین اس پوری کائنات میں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔" وہ جیسے کہیں ڈوب سی گئی تھی اس پل ماریہ کے خوب صورت چہرے پر اتنی پیاری روشنی تھی کہ وہ

اسے یک ٹک دیکھتی چلی گئی۔ آج سے پہلے ماریہ اسے کبھی اتنی حسین اور پُر وقار نہیں لگی تھی پھر معاً ایک خیال جیسکا کے ذہن میں آیا تو وہ بے حد ہراساں ہو کر بولی۔

''ماریہ اگر یہ مذاق ہے تو پلیز اس خوف ناک مذاق کو ختم کرو' کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا' سپر پال اینٹی مسلم تنظیم کتنی شدت پسند ہے اور تمہاری مام اسے پورا سپورٹ کرتی ہیں۔ وہ لوگ اس جرم کی پاداش میں تمہیں الیکٹرک چیئر پر بٹھا دیں گے ماریہ...... جس طرح انہوں نے انکل نیکس کو......'' اتنا بول کر جیسکا ایک جھرجھری سی لے کر خود ہی خاموش ہوگئی۔ ماریہ نے چند ثانیے جیسکا کو دیکھا پھر بے حد آہستگی سے گویا ہوئی۔

''اب اپنے انجام کی مجھے کوئی فکر نہیں جیسکا...... میں بہت دور نکل آئی ہوں اگر اس حالت میں مجھے مار بھی دیا گیا تو میں شہید کہلواؤں گی۔'' جیسکا نے بے حد حیران ہو کر اسے دیکھا۔

''او گاڈ ماریہ...... یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو' کس نے یہ سارا خناس تمہارے دماغ میں انڈیل کر تمہاری برین واشنگ کی ہے۔ یہ ساری باتیں فضول ہیں ماریہ...... جس مذہب کو لے کر ہم پیدا ہوئے ہیں وہی سب سے اعلیٰ و ارفع اور مکمل ہے۔ یہ شہادت وغیرہ یہ باتیں تو انتہا پسندی ہے میری جان...... نجانے تم کب اور کیونکر بھٹک گئیں۔'' وہ اسے سمجھانے والے انداز میں بولی جواب میں ماریہ ابھی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ڈور بیل کی آواز پر دونوں ہی چونک اٹھیں یہ جیکولین کے گھر آنے کا وقت تھا لہٰذا دونوں نے ہی جیکولین کی آمد پر اپنے موڈ کو بحال کیا تھا۔

❀......❀......❀

بے حد دلکش چہرے پر دو ذہین آنکھیں کھڑی مغرور ناک کے نیچے گھنی مونچھیں اور اس کے نیچے عنابی سیک ہونٹ اس کی شخصیت کو بے حد سحر انگیز بنا رہے تھے۔ نین و نقوش میں لالہ رخ کو کسی کی ہلکی سی شباہت محسوس ہوئی تھی جبکہ اسی پل یک دم دو ہاتھ تصویر پر آن دھرے تھے۔

''افوہ مہرو...... مجھے ذرا غور سے دیکھنے تو دو یہ چہرہ مجھے کچھ دیکھا دیکھا سا لگ رہا ہے۔'' مہرو صاحبہ آج میگزین اس کے سامنے لے آئی تھیں اور اترا کر میگزین کا بیچ کا صفحہ کھول کر ان موصوف کی جھلک دکھا رہی تھیں جن کے فراق میں آج کل وہ دن و رات آہیں بھر رہی تھیں۔

''جی نہیں بس کافی دیکھ لیا تم نے اگر تمہارا بھی اس پر دل آ گیا تو پھر میں تو گئی کام سے۔'' مہرو میگزین بند کر کے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولی تو لالہ رخ نے اسے بے پناہ تپ کر دیکھا۔

''میرے ابھی اتنے بُرے حالات نہیں ہوئے کہ محض تصویر دیکھ کر ہی میں کسی کو دل دے بیٹھوں۔'' جبکہ مہرو نے لالہ رخ کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے ایک بار پھر میگزین کھول لیا پھر کچھ دیر بعد سر اٹھا کر بولی۔

''ویسے لالہ یہ بات تو تم مانتی ہو نا کہ یہ بندہ کتنا ہینڈسم ہے نا ویسے مجھے اس کی خوب صورتی نے متاثر نہیں کیا بلکہ نجانے اس میں ایسی کیا بات ہے کہ میری نگاہیں اس تصویر سے ہٹتی ہی نہیں......''

''ہونہہ...... زیادہ فلمی ہیروئن بننے کی ضرورت نہیں ہے میڈم...... میری نگاہیں اس تصویر سے ہٹتی ہی نہیں۔'' لالہ رخ چہرہ بگاڑ کر اس کی نقل اتارتے ہوئے بولی پھر تیزی سے گویا ہوئی۔

''جب پھوپا کی پھٹکار اور پھوپو کی مار تجھے پڑے گی نا تو یہ ساری محبت وحبت بھاپ کی طرح غائب ہو جائے گی۔''

''مجھے تمہارے لب و لہجے سے جلن و حسد کی بو آ رہی ہے لالہ۔'' مہرو شبنم والے اسٹائل میں بولی تو لالہ رخ نے فہمائشی نگاہوں سے اسے گھورا پھر مہرو کے سر پر ایک چپت رسید کرتے ہوئے بولی۔

''تُو نے میگزین کا یہ صفحہ شاید اچھی طرح دیکھا نہیں ارے یہ کوئی پولیس والا ہے جس کا انٹرویو چھپا ہے اور ان پولیس

والوں کے بارے میں سنا ہے نا کہ لوگ کیا کہتے ہیں ان کی نہ دشمنی اچھی اور نہ دوستی' سمجھیں۔"

"جی نہیں یہ پولیس والا دوسرے پولیس والوں جیسا بالکل نہیں ہے' تم نے دیکھا نہیں لالہ اس کے چہرے پر کتنی شرافت ہے اور ہاں اب ان کے لیے اب ایک لفظ بھی کچھ غلط مت بولنا میں کچھ نہیں سننے والی۔" مہرو آخر میں تنبیہی انداز میں بولی تو لالہ رخ نے بے اختیار ایک گہری سانس کھینچی پھر ہنوز لہجے میں بولی۔

"تیرا کچھ نہیں ہوسکتا میں باہر پھوپو کے پاس جارہی ہوں' تم بھی باہر آجاؤ۔" پھر دوسرے ہی لمحے لالہ رخ سر جھٹک کر مہرو کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

❁......❁......❁
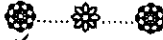
یہ سب لالہ رخ کی باتوں کا اثر تھا کہ فراز شاہ اپنے خول سے باہر نکل آیا تھا آج اس نے اپنی کمپنی کی برانچ کا چکر بھی لگایا جہاں سب نے اسے بہت کھلے دل سے خوش آمدید کہا گیا۔ وہ جو سب سے منہ چھپائے کان بند کیے بیٹھا تھا' آج سمیر شاہ سے بھی خود رابطہ کیا جبکہ سمیر شاہ تو جیسے دوبارہ جی اٹھے تھے۔

"تم نہیں جانتے فراز...... تمہاری حالت نے میرے دل کو کتنا زخمی کیا ہے' کتنی اذیت اور تکلیف سے میں تمہارے ساتھ ساتھ خود بھی گزر رہا ہوں۔" فراز شاہ کو یک دم ڈھیروں ندامت اور شرمندگی نے آن گھیرا اپنی دکھ و تکلیف میں وہ اپنے باپ کے احساسات کو بھی فراموش کر گیا تھا۔ وہ اس کو لے کر کتنے پریشان اور اپ سیٹ رہے تھے۔

"ایم ویری سوری ڈیڈ...... میں نے آپ کو ہرٹ کیا لیکن بھروسہ کریں ڈیڈ...... میں اب بالکل ٹھیک ہوں آخر میں آپ کا ہی تو بیٹا ہوں اور سمیر شاہ کا بیٹا کبھی حالات کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکنے لگا۔" وہ بھرپور عزم سے بولا تو سمیر شاہ کے اندر گویا طمانیت وسکون کی لہر اترتی چلی گئی۔

"ویری گڈ اینڈ ویل ڈن مائی سن...... مجھے تم پر فخر ہے یہ ہے میرا بیٹا' میرا فخر جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔" وہ خوشی سے لبریز نم آواز میں سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولے تو فراز شاہ بھی کھل کر مسکرادیا تھا اس نے زرتاشہ اور زرینہ کے بھی میسجز کے جواب دیے اور باقی دوسرے دوستوں اور آفس کے ورکرز کے ساتھ آج سارا دن بڑی مصروفیت میں گزرا تھا۔

❁......❁......❁

وہ دونوں اس وقت جیسکا کے گھر کے سیٹنگ روم میں بیٹھے تھے تینوں ہی خاموش اپنی اپنی جگہ نجانے کن سوچوں میں مستغرق تھے' بہت سارے پل یونہی بے حد خاموشی سے ان کے درمیان سے گزر گئے تھے جب بہت دیر بعد جیسکا نے سر اٹھا کر ماریہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماریہ...... میں نے ہمیشہ تمہیں دل سے اپنا دوست سمجھا اور مانا ہے' میں تمہارے ساتھ بہت مخلص ہوں ماریہ اور میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ تم پر کوئی مصیبت یا تکلیف آئے پلیز ماریہ...... میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ تم ابرام کی بات مان لو یہ راستہ چھوڑ دو اور واپس لوٹ آؤ پلیز ماریہ۔" آخر میں اس کا لہجہ ملتجیانہ سا ہوگیا تھا' آنکھوں سے آنسو چھلک آئے تھے جواباً ماریہ نے ایک نظر جیسکا کو دیکھا پھر بے حد طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"تم تو میری ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار تھی نا جیسکا مگر اب کیا ہوگیا؟ تمہارے بھی ہوش وحواس اڑ گئے نا۔" ماریہ کی بات پر جیسکا تھوڑا خفیف سی ہوگئی اس نے بے ساختہ ابرام کو دیکھا جو اس پل بالکل خاموش اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کیے اس پر ٹھوڑی جمائے بیٹھا تھا۔

"تم میرے لیے کچھ کر نہیں سکتی تو پلیز مجھے ایسے الٹے سیدھے مشورے مت دیا اور ویسے بھی تم چاہ کر بھی میرے لیے کچھ نہیں کرسکتیں جب برو کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے تو تم کیا کرلوگی۔" آخر میں وہ تلخی سے ہنس کر بولی۔ جیسکا نے ایک

بار پھر ابرام کو دیکھا مگر اس کی کیفیت میں ذرا فرق نہیں آیا جیسکا نجانے کیوں خوامخواہ میں چڑ گئی۔

"ابرام یہ تم کیوں اتنا خاموش بیٹھے ہو ماریہ کو سمجھاتے کیوں نہیں؟ اسے نتائج کی سنگینی کا ہرگز اندازہ نہیں...... یہ جذبات سے کام لے رہی ہے اسے بتاؤ کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔" وہ لوگ جس سرکل سے تعلق رکھتے تھے وہاں اپنے مذہب کو چھوڑ کر خاص طور پر مذہب اسلام کو قبول کرلینا بے حد سنگین جرم تھا اور اس جرم کی سزا براہ راست سزائے موت تھی اور ماریہ کوئی پہلی ہستی نہیں تھی جس نے یہ قدم اٹھایا تھا اس سے پہلے کئی ایک نے یہ کام کیا تھا جنہیں بناء کوئی نرمی برتے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا جیسکا نے ماریہ کی زبانی جب سے یہ سنا تھا کہ ماریہ نے بھی یہی کچھ کیا ہے اس وقت سے ہی اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا خود اس کی مدر اور فیملی اینٹی اسلام ایکٹویٹیز میں سرگرم تھے۔

"میں گزشتہ کتنے عرصے سے اس لڑکی کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہوں مگر اس لڑکی نے تو کچھ بھی نہ سمجھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔" ابرام اسے فہمائشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بے پناہ چڑ کر بولا جب کہ ماریہ نے بڑی بے زاری سے چہرہ دوسری جانب موڑ لیا۔

"اب ہوگا کیا ابرام...... ولیم اس سے شادی کرنے کو انکار کر چکا ہے اور وہ میک کسی آسیب کی طرح اس کے پیچھے پڑ گیا ہے مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ ماریہ نے اتنا سنگین قدم اٹھالیا ہے۔" وہ ماریہ کو ایک بار پھر بے حد حیران کن نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی اس وقت جیسکا کی مدر جاب پر ہوتی تھیں لہٰذا جیسکا نے ان دونوں کو اپنے گھر پر ہی بلالیا تھا کیونکہ آج جیکولین بھی گھر پر ہی تھی کچھ ذاتی کام کے خاطر وہ آج گھر سے باہر نہیں گئی تھی لہٰذا تینوں نے میٹنگ جیسکا کے گھر پر ہی سیٹ کر لی تھی۔

"دیکھو ماریہ...... شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ......"

"تم ایک بات کو بار بار کیوں دہرا رہی ہو جیسکا' میں صدق دل سے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں اور اپنی زندگی کی آخر سانس تک اسی دین کی پیروکار رہوں گی۔" ماریہ جیسکا کی بات درمیان میں اچک کر بے حد ٹھوس لہجے میں بولی تو جیسکا لمحے بھر کے لیے خاموش ہوگئی۔

"ہونہہ...... نجانے کس نے اس کو یہ ساری پٹیاں پڑھا کر اس کے پیدائشی مذہب سے بدظن کر دیا ہے۔" ابرام اپنے اشتعال پر بمشکل قابو پا کر بولا تو ماریہ نے اسے بے حد خفگی سے دیکھا پھر دھیرے سے گویا ہوئی۔

"مجھے کسی نے کوئی پٹی نہیں پڑھائی برو اور رہا پیدائشی مذہب کا سوال تو ہر انسان ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے یہ تو انسان ہوتے ہیں جو بعد میں اسے ہندو' عیسائی اور یہودی وغیرہ بنا دیتے ہیں۔" جیسکا اور ابرام نے نا سمجھنے والے انداز میں ماریہ کو دیکھا ان کے سروں پر سے ماریہ کی بات گزر گئی تھی پھر ابرام سر جھٹکتے ہوئے گویا ہوا۔

"تم بتاؤ تو سہی کب کہاں اور کیسے یہ سب تمہارے دماغ میں سمایا؟"

"یہ کافی لمبا چوڑا قصہ ہے میں بعد میں آپ لوگوں کو بتادوں گی پہلے یہ تو سوچیں کہ آگے کیا کرنا ہے۔ ولیم نے منگنی توڑ دی ہے کہیں وہ کمینہ میک اپنا پروپوزل لے کر آ دھمکا تو مام ہاں کرنے میں ایک منٹ نہیں لگائیں گی۔" آخر میں وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتے ہوئے اضطرابی کیفیت میں گھر کر بولی تو جیسکا اور ابرام دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

❁......❁......❁

ان چند دنوں میں ساحرہ جیسے برسوں کی بیمار لگ رہی تھی' چہرے کی دلکشی و رعنائی کسی نے نچوڑ لی تھی آنکھوں میں بے رونقی سی چھا گئی تھی۔ درحقیقت اسے فراز سے ایسی امید بالکل نہیں تھی بے شک وہ اپنی اولاد سے ہمیشہ بے پروا اور دور دور رہی تھی مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ اپنے بچوں سے پیار نہیں کرتی تھی۔ فراز کے کردار اور شخصیت کو جس طرح مسخ

کر کے سونیا نے اس کے سامنے پیش کیا وہ اسے دکھ و بے یقینی کی گہرائیوں میں دھکیل گیا تھا۔ ساحرہ نے سونیا کے ہر لفظ کو بالکل سچ اور درست سمجھا تھا اُسے فراز سے زیادہ سونیا پر بھروسہ تھا اور فراز کے مقابلے میں اس نے سونیا کو ہی مکمل سپورٹ کیا تھا اور جب سے سونیا یہ گھر چھوڑ کر گئی تھی وہ فراز سے اور زیادہ متنفر ہوگئی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کامیش سے بھی بہت خفا تھی کہ بھلا اس نے سونیا کو معاف کر کے اسے روکا کیوں نہیں؟ اسے جانے دیا کھوٹ تو اپنے سکے میں تھا اس میں اس بے چاری کا کیا دوش تھا۔ سمیر شاہ نے ایک دو بار ساحرہ کو سمجھانے اور فراز کی پوزیشن کو کلیئر کرنے کی کوشش کی تھی مگر ساحرہ تو فراز کا نام سنتے ہی ہسٹریائی سی ہوگئی تھی جب کہ سمیر شاہ ساحرہ کی حالت زار کو دیکھ کر مصلحتاً خاموش ہو گئے تھے۔

❁......❁......❁
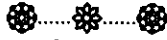
''تمہیں کیا لگتا ہے زری...... یہ آئیڈیا کام کرے گا۔'' مہوش اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں چٹخاتے ہوئے گومگو کی کیفیت میں گھر کر بولی اس پل وہ زرینہ کی بات سن کر کافی الجھن کا شکار دکھائی دے رہی تھی۔

''میرے خیال میں زرینہ کا آئیڈیا اتنا برا نہیں ہے اسے آزما کر دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں مہوش......'' رمشا جو اپنے گھر سے واپس آچکی تھی اور تمام تفصیلات جان چکی تھی وہ بھی زرینہ کی بات سن کر کچھ سوچ کر بولی۔

''برا نہیں ہے کیا مطلب؟ ارے بیسٹ آئیڈیا ہے بیسٹ۔'' زرینہ رمشا کی جانب گردن موڑ کر دیکھ کر تیزی سے بولی تو رمشا نے بھی جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا جب کہ مہوش ابھی تک ہنوز اسی کیفیت میں گھری بیٹھی تھی۔

''اُف مہوش میں نے تو تمہیں ترکیب بتادی اب اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔'' زرینہ اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی تو مہوش نے جلدی سے اس کے بازو کو تھاما۔

''اچھا...... زری ٹھیک ہے میں اس سے بات کرتی ہوں اور جیسا تم نے بتایا ہے ویسے ہی کہتی ہوں۔''

''یوں منہ بسور کر ہر گز مت کہنا ورنہ وہ موصوف تو اور ڈھیلے ہو کر لیٹے ہی پڑ جائیں گے' ذرا مضبوط انداز میں کہنا اپنے لب و لہجے سے اس پر صاف واضح کرنا کہ تم اس رشتے سے اب پوری طرح راضی ہو اور اب مطمئن بھی ہو سمجھیں۔'' زرینہ اسے بجھا بجھا دیکھ کر تنبیہی انداز میں بولی تو مہوش نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

❁......❁......❁

جیکولین شاکڈ و بے یقینی کے آکٹوپس میں جکڑی نجانے کتنی ہی دیر یونہی ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی رہی تھی ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے ولیم کی مدر کو کسی کام سے فون کیا اور ماریہ اور ولیم کی شادی کے ارینجمنٹ کے بابت کچھ جاننا چاہا تو دوسری طرف کی بات نے حیران و ششدر کر دیا تھا۔

''مگر ماریہ نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا۔'' وہ بے ساختہ بیچ میں بول پڑی جس پر ولیم کی مدر نے کافی طنزیہ لہجے میں کہا۔

''حیرت ہے جیکولین ابھی کچھ دن پہلے ہی تو ماریہ ولیم سے ملنے گھر آئی تھی اور ولیم نے اسے منگنی توڑنے کی خبر دی تھی ویسے ماریہ کو یہ بات تمہیں بتانی چاہیے تھی۔ اچھا جیکولین اس وقت میں کچھ مصروف ہوں' فون بند کرتی ہوں بائے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے لائن ڈس کنکٹ کر دی تھی' جیکولین جب بے یقینی و سکتے کی کیفیت سے باہر آئی تو ماریہ پر عود کر غصہ آیا۔

''آخر یہ لڑکی چاہتی کیا ہے' ضرور اسی نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی ہے' جس کی وجہ سے ولیم اس سے بدظن ہو گیا۔ اوہ ماریہ...... تم مجھے اور کتنا رسوا کرواؤ گی۔'' جیکولین خود سے بڑبڑا کر بولی پھر بڑی بے صبری سے ماریہ اور ابرام کے گھر آنے کا انتظار کرنے لگی تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں بہن بھائی سر جھکائے اس کے سامنے موجود تھے۔

''ولیم نے تمہارے ساتھ منگنی ختم کر دی اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں ماریہ...... آخر تم کرنا کیا چاہ رہی ہو' کن چکروں میں پڑ گئی ہو تم؟'' آخر میں وہ حلق کے بل دھاڑی تھی' ماریہ بے اختیار سہم کر رہ گئی۔ ''میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں

ماریہ..... کیا تمہارے کانوں میں میری آواز جارہی ہے یا پھر تم بہری ہوگئی ہو؟'' جیکولین اس کے دونوں بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی تو ماریہ نے ڈبڈبائی نگاہیں اٹھا کر جیکولین کو دیکھا۔
''وہ..... وہ دراصل مام..... وہ میں.....'' ماریہ جیکولین کے غصے سے بے پناہ خائف ہوکر کچھ بول ہی نہیں پارہی تھی۔
''یہی چاہتی تھیں نا تم یہی سب کرنا تھا تمہیں' تم ولیم سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتی تھیں' بولو ماریہ..... ایسا کیوں کیا تم نے ولیم کو خود سے بدظن کیا ہے' بولو جواب دو اب کیا تم گونگوں کی طرح کھڑی ہو۔'' جیکولین کا غصے کے مارے برا حال تھا اس کا اس پل دل چاہ رہا تھا کہ تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کرڈالے۔
''وہ..... وہ مام..... مم..... میں نے کچھ نہیں کیا وہ ولیم نے خود ہی.....'' وہ فقط اتنا ہی بول سکی تو جیکولین نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔
''اچھا وہ ولیم جو ہر وقت تمہارے آگے پیچھے گھوما کرتا تھا' تمہیں اتنا پسند کرتا تھا اپنی شادی کو لے کر اتنا خوش تھا آخر اس نے کیوں شادی سے چند دن پہلے یہ منگنی توڑ دی۔ بولو ماریہ..... جواب دو اور ہاں مجھے صرف سچ سننا ہے اگر تم نے مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش کی نا تو میں تمہاری زبان کاٹ دوں گی' سمجھیں۔'' جیکولین اس وقت پوری طرح آپے سے باہر ہوچکی تھی ماریہ نے امداد طلب نگاہوں سے ابرام کو دیکھا تو ابرام خود کو تیار کرتے ہوئے ابھی کچھ بولنے کے لیے منہ کھولنے ہی لگا تھا کہ جیکولین اس کی جانب بل کھا کر سخت مشتعل انداز میں بولی۔
''خبردار ابرام..... تم اس معاملے میں کچھ بولے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' جواباً ابرام کی زبان تو جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی۔

❀.....❀.....❀
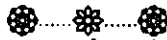
فراز نے خود کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا' وہ آج کل برانچ میں بہت مصروف تھا' ابھی بھی وہ کافی لیٹ اپنے اپارٹمنٹ میں پہنچا تھا فریش ہوکر ڈھیلا ڈھالا شلوار کرتا پہن کر فریج کی جانب آیا اور فیروزن فوڈ نکال کر اسے مائیکرو ویو میں گرم ہی کررہا تھا کہ اسی پل اس کے سیل فون کی بپ بج اٹھی۔ فراز نے ٹیبل پر رکھے موبائل پر ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھا تو باسل کا نام جگمگاتا دیکھ کر اس نے کافی ریلیکس انداز میں ہاتھ بڑھا کر فون ریسیو کیا۔
''السلام علیکم! فراز بھائی..... کیسے ہیں آپ؟'' باسل ہمیشہ سے ہی فراز کی بہت عزت کرتا تھا اور فراز بھی باسل کو اپنے چھوٹے بھائیوں کی طرح ٹریٹ کرتا تھا۔
''وعلیکم السلام! باسل ڈیئر میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ مائیکرو ویو سے کھانا نکالتے ہوئے خوش دلی سے بولا تو باسل کچھ توقف کے بعد گویا ہوا۔
''فراز بھائی میں دراصل آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ ان فیکٹ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''
''مگر باسل میں تو لندن میں ہوں اس وقت' ویسے یہاں آنا چاہو تو مجھ سے ملنے آجاؤ۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو باسل یہ سن کر تھوڑا چونکا پھر ہنس کر کہنے لگا۔
''کیوں نہیں فراز بھائی' میں بالکل وہاں آجاتا مگر آج میری گاڑی چلانے کی ہمت نہیں ہورہی۔'' جواباً فراز بھی ہنس دیا پھر فوراً سے پیشتر گویا ہوا۔
''اچھا ایسا کرو میں تمہیں کھانا کھا کر پندرہ منٹ بعد واٹس اپ پر کال کرتا ہوں' او کے۔'' پھر تقریباً بیس منٹ بعد وہ دوبارہ باسل سے محو کلام تھا۔
''اب بولو باسل..... تم کیا ضروری بات کرنا چاہتے تھے۔'' وہ اب ریلیکس انداز میں صوفے پر لیٹا استفسار کرتے

ہوئے بولا تو باسل نے چند ثانیے کے لیے کچھ سوچا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔
''فراز بھائی آپ کو یاد ہے کامیش بھائی کی شادی والے دن جب کچھ بیگز رکھنے کے لیے آپ نے مجھے ہوٹل کے برائیڈل روم میں بھیجا تھا۔'' باسل کے کہنے پر فراز نے اپنے ذہن پر زور دیا تو کچھ ہی دیر میں اسے سب یاد آ گیا۔
''آں..... ہاں مجھے یاد آ گیا' ممی نے مجھے کچھ گفٹ بیگز دیئے تھے تو وہ میں نے تمہارے حوالے کر دیئے تھے کہ تم روم میں رکھ آؤ۔'' فراز کی بات پر باسل نے اطمینان سے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
''فراز بھائی جب میں اس روم میں پہنچا تو وہاں ایک باکس مجھے نظر آیا جس میں انتہائی دلکش سی ڈانسنگ ڈول بنی ہوئی تھی۔''
''ارے ہاں باسل..... وہ تو میں نے سونیا کو.....'' یک دم بولتے بولتے وہ سونیا کے نام پر بے اختیار رکا تھا' سونیا کا نام اس پل جیسے کانٹے کی طرح اس کے دل میں چبھا تھا جس نے اس وقت ایک اذیت سی اس کی رگ و پے میں اتار دی تھی پھر اپنی کیفیت پر قابو پا کر وہ بے پناہ سنجیدگی سے بولا۔
''وہ کاسمیٹکس باکس میں نے پیرس سے سونیا کے لیے خریدا تھا' دراصل اس ڈانسنگ ڈول کو ایک خاص انداز میں گھمانے پر آپ اپنی وائس ریکارڈنگ بھی کر سکتے ہیں۔'' آخر میں اس کا لہجہ بے پروائی کے رنگ لیے ہوئے تھا' باسل بے اختیار ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔
''فراز بھائی جب وہ بیگز میں نے وہاں جا کر رکھے تو شاید کوئی بیگ رکھتے ہوئے اس ڈول سے ٹکرا گیا تھا جس سے یک دم وہ حرکت میں آ گئی تھی اور سونیا بھابی کی کچھ وائس ریکارڈنگ اسٹارٹ ہو گئی تھی۔'' وہ قدرے ہچکچا کر بولا تو نجانے کیوں اس وقت فراز کو لگا جیسے باسل کوئی انکشاف کرنے والا ہے وہ جو آرام سے لیٹا تھا یک دم الرٹ ہو کر بیٹھ گیا تھا۔
''پھر باسل.....'' وہ یک دم بے چین ہوا تھا۔
''میں انہیں عام سی ریکارڈنگ سمجھ کر نظر انداز کر کے وہاں سے جانے ہی والا تھا کہ اچانک سونیا بھابی کی عجیب سی آواز پورے کمرے میں گونجی فراز بھائی وہ..... وہ.....'' وہ اٹک سا گیا۔
''باسل پلیز مجھے بتاؤ تم نے کیا سنا تھا یار.....'' فراز سمجھ گیا تھا کہ باسل اصل بات بتانے سے جھینپ رہا ہے جسے سننے کے لیے وہ بے انتہا بے قرار ہو گیا تھا۔
''وہ کہہ رہی تھیں آئی مین آپ سے مخاطب ہو کر بول رہی تھیں کہ ''فراز آئی لو یو..... زندگی میں' میں نے صرف تمہیں چاہا ہے صرف تمہاری آرزو کی ہے فراز..... آئی ریئلی لو یو مگر مجھے اپنی محبت سے نفرت ہو گئی ہے اتنی..... اتنی..... نفرت جتنی شاید میں نے دنیا کے کسی بھی بندے سے نہیں کی..... میں تمہاری زندگی میں آ رہی ہوں فراز..... صرف تمہیں برباد کرنے کے لیے بس انتظار کرو پھر دیکھنا۔'' باسل کی میموری کافی شارپ تھی سو اس نے لفظ بہ لفظ وہ وائس ریکارڈنگ فراز کے گوش گزار کر دی تھی جب کہ فراز جواباً باسل سے کچھ بھی نہیں بولا تھا۔ باسل بھی سب کچھ بول کر قصداً خاموش رہا' نجانے کتنے ہی لمحے یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے تھے جب ہولے سے گلا کھنکھار کر باسل دھیمے لہجے میں بولا۔
''آئی ایم ویری سوری فراز بھائی..... میں آپ کو اسی وقت بتانا چاہتا تھا مگر مجھے موقع نہیں مل رہا تھا' یہ سب سن کر میں بھی بہت ڈسٹرب ہوا تھا کیوں کہ کامیش بھائی کا نکاح ہو چکا تھا پھر نجانے کیسے میں یہ سب آپ کو اپنے چکروں میں پڑ کر بتانا ہی بھول گیا۔'' فراز نے باسل کی وضاحتوں کو خاموشی سے سنا پھر ایک تھکن آمیز لہجے میں بولا۔
''تم کافی لیٹ ہو گئے باسل..... سونیا اپنا وار کر چکی ہے اس نے واقعی مجھے برباد کر دیا..... بدلے کی آگ اس نے میرے آشیانے کو خاکستر کر کے بجھالی.....'' باسل بری طرح چونکا' فراز کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے شیشوں کی چبھن اور دکھ

محسوس کر کے وہ اچھا خاصا پریشان ہوگیا۔

''کیا مطلب فراز بھائی ہم...... میں سمجھا نہیں۔''

''مطلب یہ میرے بھائی کہ میرے شادی سے انکار کو وہ اپنی نسوانیت اور انا کا مسئلہ بنا کر مجھے اپنے اندھے انتقام کی بھینٹ چڑھا چکی ہے۔'' پھر وہ اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا جب کہ باسل ششدر سا بیٹھا سب کچھ بے حد غیر یقینی کی حالت میں سنتا چلا گیا۔ وہ ابھی تک حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈبکیاں لگائے سونیا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ بظاہر اتنی ڈیسنٹ اور ویل مینرڈ دکھائی دینے والی سونیا اعظم خان اندر سے کس قدر سفاک کریہہ اور مسخ شدہ شخصیت کی مالک ہے۔ جس نے فراز جیسے پیارے انسان کی شخصیت وکردار کی دھجیاں اس کی ماں اور بھائی کے سامنے بکھیر دی تھیں۔ وہ اس پل دکھ وغم کی گہرائیوں میں ڈوب گیا' فراز کا دکھ وہ اس وقت اپنے دل میں محسوس کررہا تھا' پہلے نیلوفر زمان کا کردار اس کی زندگی میں عورت ذات کے نام پر بدنامی کی صورت میں سامنے آیا تھا اور اب سونیا اعظم خان وہ ان دونوں لڑکیوں کے بارے میں بے ساختہ سوچ گیا پھر بے حد تنفر سے اس نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ ڈالا اس پل اسے صنف نازک کے وجود سے عجیب سی نفرت اور کراہیت محسوس ہوئی۔

''اونہہ...... یہ سب کی سب مکار اور فریبی ہوتی ہیں ان کا اصل کچھ اور ظاہر کچھ اور ہوتا ہے۔'' باسل دل ہی دل میں خود سے بولا پھر یک دم حال کی دنیا میں لوٹتے ہوئے جلدی سے بولا۔

''فراز بھائی آپ پلیز ہمت مت ہاریئے گا ان شاء اللہ بہت جلد سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا' جھوٹ زیادہ عرصے اپنے قدموں پر ٹک نہیں سکتا جیت ہمیشہ حق اور سچائی کی ہوتی ہے۔'' جواباً فراز کچھ نہیں بولا اس پل اس کے زخم ایک بار پھر تازہ ہوگئے تھے وہ ایک اذیت وکرب میں گرفتار تھا' باسل کچھ دیر بعد گویا ہوا۔

''فراز بھائی میں آنٹی اور کامیش بھائی کو یہ تمام حقیقت بتاؤں گا اس طرح انہیں معلوم ہوجائے گا کہ سونیا کتنی جھوٹی ہے اور یہ سب ڈرامہ انہوں نے بہت سوچ کر رچایا ہے۔'' اس وقت وہ خود کو ندامت اور شرمندگی کے سمندر میں ڈوبتا محسوس کررہا تھا' کاش وہ یہ بات فراز کو پہلے بتادیتا تو فراز اپنے بچاؤ کی کوئی ترکیب ہی کرلیتا۔

''نہیں باسل...... اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ سونیا کو جو کرنا تھا وہ کر گزری اور رہا اسے جھوٹا ثابت کرنے کا سوال تو مجھے اس بات کی کوئی چاہت نہیں ہے اور نہ ہی خود کو سچا ثابت کرنے کی خواہش ہے جب میری ماں اور بھائی نے میری زبان کا یقین نہیں کیا تو تمہاری گواہی میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی انہیں اپنے خون سے زیادہ سونیا پر بھروسہ ہے باسل......'' آخر میں فراز بے پناہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں تلخی سے ہنس کر بولا تو باسل بے اختیار چپ کا چپ رہ گیا پھر بہت دیر بعد بولا۔

''مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی فراز بھائی کاش یہ سب میں آپ کو پہلے بتادیتا تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔''

''باسل...... یہ ٹھیک ہے کہ اگر مجھے پہلے معلوم ہوجاتا تو میں خود کو محفوظ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا مگر شاید تم کو پتا نہیں کہ عورت جب اپنی سطح سے نیچے آ کر سراپا انتقام بن جائے تو وہ ایک زہریلی ناگن کی طرح اس شخص کا پیچھا قبر تک کرتی ہے۔ وہ ہر طور مجھ سے انتقام لیتی' میں جانتا ہوں باسل...... وہ چین سے نہیں بیٹھتی اسے یہی سب کچھ کرنا تھا۔'' فراز کی بات کو وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

❀......❀......❀

''ہائے اللہ زری...... میری جان تُو تو واقعی گریٹ ہے بس آج سے تم میری گرو اور میں تمہاری چیلی ہوں۔'' مہوش بے پایاں جوش وخوشی کے احساس سے لبریز ہوکر زرمینہ سے بری طرح لپٹتے ہوئے بولی تو زرتاشہ نے بھی اس جانب متجسس نگاہوں سے دیکھا وہ بظاہر اس معاملے سے لاتعلق بنی بیٹھی تھی مگر اس وقت مہوش کی کھلکھلاہٹ نے اسے بھی تجسس میں

مبتلا کردیا تھا کہ آخر زرینہ بی بی نے مہوش کو کون سا چورن چٹایا ہے جس سے اس کا کام بن گیا۔
"زری..... تم نے جیسا کہا تھا میں نے بالکل ویسا ہی کہا میں نے کہا کہ میرے والدین تو راضی نہیں ہو رہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم حقیقت کو قبول کرلیں شاید ہمارا سنجوگ ہی آسمان میں نہیں لکھا تھا۔ بس پھر کیا تھا زری..... وہ تو بری طرح تڑپ اٹھا اس نے مجھے دو دن کا وقت دیا ہے زری....." وہ بے حد اشتیاق آمیز لہجے میں بولی تو زرینہ بڑی بردباری سے گردن ہلا کر گویا ہوئی۔
"بس بی بی سمجھو تمہارا کام ہوگیا۔" زرتاشہ نے اس پل اسے بڑی طنزیہ نگاہوں سے دیکھا پھر قدرے چڑ کر بولی۔
"ہونہہ..... ابھی کام ہوا نہیں اور سریا گردن میں فٹ ہوگیا۔" زرینہ اور مہوش نے متوجہ ہوکر زرتاشہ کو دیکھا پھر زرینہ بڑے اتراتے ہوئے انداز میں بولی۔
"چلو مہوش نیچے لان میں چلتے ہیں یہاں تو مجھے کسی کے دل کے جلنے کی بو آرہی ہے۔" پھر بڑی بے نیازی سے اس نے شانے اچکائے تھے۔ لیمن کلر کے لان کے سوٹ میں بالوں کو چوٹی کی شکل دیئے زرینہ کو زرتاشہ نے ایک نگاہ ڈال کر دیکھا پھر بڑے اطمینان سے اپنی ٹیبل سے ناول اٹھاتے ہوئے مزے سے بولی۔
"یہ دل جلنے کی بو نہیں بلکہ پلگ سے بو آرہی ہے لگتا ہے تمہارے چارجر کے ساتھ ساتھ تمہارا موبائل فون بھی اڑ گیا ہے۔" زرینہ جو اترائی ہوئی کھڑی تھی یک دم گھبرا کر سوئچ بورڈ کی جانب بھاگی۔
"او میرے اللہ..... !میرا آئی فون....."

❀.....❀.....❀
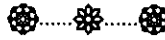
گھر میں اس پل مکمل خاموشی تھی جیکولین حسب معمول اسٹڈی روم میں مقید تھی اور ابرام شاید اپنے روم میں سو رہا تھا۔ کل شام جیکولین نے اسے بے پناہ ڈانٹا تھا پھر آخر میں ابرام نے بڑی ہمت کرکے آہستہ آہستہ جیکولین کو کنٹرول کرکے ماریہ کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ کل سے اب تک اس کا سامنا جیکولین سے نہیں ہوا تھا اور اب تو خاصی رات ہوچکی تھی وہ لاؤنج میں آکر دھیمی آواز میں ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی بظاہر اس کی نگاہیں اسکرین پر حرکت کرتی تصویروں پر تھیں مگر اس کا ذہن کسی اور جانب اڑان بھر رہا تھا جب ہی یک دم جیکولین وہاں آدھمکی اسے اچانک وہاں دیکھ کر گڑبڑا سی گئی اور بے ساختہ ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کرگئی۔ جیکولین نے انتہائی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ پوری طرح سے سر جھکا گئی۔
"تمہاری شادی کی جو ڈیٹ فکس ہوئی ہے شادی اسی ڈیٹ پر ہوگی۔" جیکولین کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے بے پناہ تحیر کے عالم میں سر اٹھا کر دیکھا اس پل اسے اپنی ماں کے چہرے اور آنکھوں میں ایک فاتحانہ چمک دکھائی دی۔
"اوہ..... تو اس کا مطلب ہے کہ ولیم شادی پر راضی ہوگیا۔" وہ بے ساختہ دل ہی دل میں بولی تو جیکولین اپنے مخصوص انداز میں دوبارہ گویا ہوئی۔
"سب کچھ بالکل پہلے جیسا ہے بس فرق یہ ہے کہ دلہا ولیم کی بجائے میک ہے۔"
"کیا..... ؟" ماریہ کو اس پل لگا جیسے کمرے کی چھت اس پر آن گری ہو۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

لرزش

مریم شیراز

زندگی دکھ سکھ، راحت و بے سکونی، مشکل و آسانی، مصیبت و خوش حالی کا مجموعہ ہے۔ زندگی انہی تمام رنگوں سے عبارت ہے، زندگی کے کینوس پر کبھی کوئی رنگ زیادہ بکھر جاتا ہے اور کبھی کم لیکن کوئی بھی رنگ ہمیشگی کے لیے نہیں ہوتا ہے۔ ہر اندھیری رات کے بعد اجالا ضرور ہوتا ہے خواہ وہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو۔

انسانی زندگی میں دکھ سکھ کے رنگ تا دیر نہیں ہوتے انسان کمزور ہے وہ ہمت و حوصلہ ہار جاتا ہے اور اپنے رحیم و کریم رب سے گلے شکوے کرنے لگتا ہے حالانکہ اللہ تو اپنے بندوں پر ستر ماؤں سے زیادہ شفیق ہے۔ وہ اپنے بندوں کو کبھی مصیبت و مشکل کی گھڑی میں تنہا نہیں چھوڑتا ہے وہ تو صرف اپنے بندوں کو جانچتا ہے کہ کون ہے جو اس کے قریب آتا ہے اور کون ہے جو اس سے دور ہوتا ہے۔

انسان ناشکرا ہے وہ اپنے عروج و ترقی کے وقت اللہ کو بھول جاتا ہے وہ فراموش کر دیتا ہے کہ کوئی ذات بابرکت ہے جو لائق عبادت ہے، جو مقام شکر کے قابل ہے، بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بس انسان ہمت و حوصلہ کا دامن نہ چھوڑے اور نہ ہی اپنے رب سے ناتہ توڑے۔ اللہ بھی اپنے ایسے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑتا ہے وہ اپنے بندوں کو بے حد و بے حساب نوازتا ہے ان پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول کر ان پر اپنے خزانے لٹاتا ہے، بے شک رب کائنات بے حد رحیم و کریم ہے، وہ اپنے بندوں کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔

❁ ❁ ❁

''بہن جی...... آپ ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں۔ ہم مجبور ہیں ارتج سب سے بڑی ہے ہم نے پھر بھی طلحہ کی شادی پہلے کر دی۔ اب آگے جو کچھ ہوا وہ اللہ کی مرضی تھی لیکن ہم طہٰ اور یمینہ کا رشتہ نہیں کر سکتے۔ ہم طہٰ اور ارتج کا وٹہ سٹہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ چھوٹے سے برآمدے کے سامنے بنے دو کمروں میں سے دائیں طرف کا کمرہ سٹنگ روم کے طور پر سیٹ کیا گیا تھا۔ جہاں چھ افراد کی موجودگی کے باوجود گہرا سناٹا تھا۔

وقار صاحب کی آواز گہرے سناٹے کو چیرتی وہاں موجود افراد کو گہری سوچ میں غرق کر چکی تھی۔ وقار صاحب کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی، بیٹی سب سے بڑی تھی وہ بھی عام والدین کی طرح سب سے پہلے بیٹی کا رشتہ طے کرنا چاہتے تھے۔ ارتج کا رشتہ ان کی لاکھ کوشش کے باوجود طے نہ ہو پا رہا تھا حالانکہ وہ پڑھی لکھی، اچھی شکل و صورت اور مناسب قد و قامت کی حامل لڑکی تھی۔ اس کے بے شمار رشتے آتے تھے کبھی لڑکے والے انکار کر جاتے تو کبھی انہیں رشتہ پسند نہ آتا یوں یہ بیل منڈھے نہ چڑھ پا رہی تھی۔

آخر کار تھک ہار کر انہوں نے ارتج سے چھوٹے طلحہ کی شادی کر دی تاکہ بہو گھر آنے سے کچھ آسانی ہو۔ وہ اولاد کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ فرخندہ نے شوہر کے فیصلے کی بے حد مخالفت کی تھی مگر ان کی نہ چل سکی تھی۔ وقار صاحب نے ساری زندگی اپنی من مانی کی تھی، انہوں نے بیوی کو کبھی ان کا جائزہ مقام نہ دیا تھا، ان کی ازدواجی زندگی تلخیوں سے بھری ہوئی تھی لیکن ان کے درمیان کبھی طلاق یا مار کٹائی کی نوبت نہ آئی تھی۔ طلحہ کی چھ ماہ قبل معمولی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی تھی اس کا آٹھ ماہ کا بیٹا تھا۔ وقار اور فرخندہ چاہتے تھے کہ گھر کی عزت گھر میں رہے۔ انہوں نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے داؤد کے

لیے رشتہ کی بات کی تھا جبکہ وہ طٰہٰ کے لیے بضد تھے۔ طٰہٰ پڑھا لکھا اور قابل ڈاکٹر تھا‘ وہ اس کا بیٹی کے ساتھ وٹہ سٹہ کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہے تھے کہ ان کے گھر یہ قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

ایک دو جگہ بات فائنل ہونے والی تھی کہ ان کے ہاں یہ قیامت ٹوٹ پڑی اگر طلحہ کی ڈیتھ نہ ہو جاتی تو شاید وہ اب تک ان کے رشتوں سے فارغ ہو چکے ہوتے مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ ان کے تیسرے بیٹے کا گلا خراب تھا اور اس کی قوتِ گویائی پیدائشی خراب تھی۔ اسی لیے انہوں نے چھوٹے بیٹے کا رشتہ ڈالا تھا وہ بھی بیٹی والے تھے اور بیٹی والوں کی مجبوریاں سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے تو اپنے تئیں بہتر فیصلہ کیا تھا مگر یمینہ کے والدین ان کی مجبوری سمجھنے کو تیار ہی نہ تھے۔

”دیکھیں بھائی صاحب‘ یمینہ کا رشتہ طٰہٰ سے ہی ہوگا ورنہ ہماری طرف سے انکار ہے‘ داؤد تو یمینہ سے بہت چھوٹا ہے وہ اس کے لیے بھائیوں جیسا ہے۔“ یمینہ کی والدہ نے حتمی فیصلہ سنا ڈالا انہیں یقین تھا کہ وہ لوگ دیر سے ہی سہی بالآخر مان جائیں گے‘ انہیں اپنے پوتے سے بے حد لگاؤ تھا اور وہ اسی کے مان پر ان کی مجبوری سمجھے بغیر اپنا مطالبہ منوانے کے لیے ڈٹ گئے تھے۔ یمینہ بھی اپنے والدین کے ساتھ تھی‘ اسے فطری طور پر اپنے والدین کا ہی ساتھ دینا تھا۔

”آپ ہماری مجبوری سمجھنے کی کوشش تو کریں۔“ فرخندہ نے پہلی بار اس معاملے میں زبان کھولی‘ وقار صاحب زندگی کے اکثر معاملات میں ان کا مشورہ لیتے تھے مگر وہ کرتے اپنی من مانی تھے۔ فرخندہ خفگی میں آ کر انہیں کبھی مشورہ نہ دیتی تھیں کہ ان کے مشورہ دینے کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا تو انہیں اس پر بھی وقار صاحب سے ازدواجی ناچاقی اور گھریلو تلخیاں بڑھانے کا طعنہ ملتا۔ وہ ان کے دل چیر دینے والے طعنوں سے بچنے کے لیے اپنا مشورہ دینے پر تیار ہو جاتیں گو انہیں یقین ہوتا کہ وہ ان کا صرف وہی مشورہ مانیں گے جو اُن کے اپنے دل کو بھایا ہوگا۔ وہ اپنی سرخروئی کے لیے مشورہ دے دیتیں‘ وقار صاحب دلگرفتہ تھے فرخندہ سے ان کی شکستگی دیکھی نہ گئی تھی۔

”بہن جی ہمارا جو فیصلہ تھا وہ ہم نے بتا دیا‘ یمینہ کے والد نے اپنے دونوں بیٹوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا جو ماں کے ہم نوا تھے‘ وہ دل سے بیوی کے اتنے سخت اور بے لچک رویے پر خائف تھے۔ انہیں توقع نہ تھی کہ کلثوم ان کی مجبوری سمجھنے پر تیار نہ ہوگی وہ اس وقت ان کی مخالفت کر کے کوئی تماشا کھڑا نہ کرنا چاہتے تھے ان سے کچھ بعید نہ تھی کہ وہ مہمانوں کے سامنے ہی جوان اولاد کا لحاظ کیے بغیر انہیں لتاڑ دیتیں۔ سو وہ تائید پر مجبور تھے‘ ناچار انہیں ناکام واپس لوٹنا پڑا تھا ان لوگوں کی شرط انہیں ہرگز منظور نہ تھی۔

❁......❁......❁

”ملک صاحب...... آپ نے جو دو رشتے دکھائے تھے‘ ہمیں وہ دونوں بے حد پسند ہیں ان میں سے جو بھی ہاں کرے‘ اسے ہمارے ہاں لے آئیں۔“ وقار‘ ملک صاحب سے فون پر بات کر رہے تھے‘ ملک صاحب شہر کے مشہور میرج بیورو کے مالک تھے۔ وہ ریٹائرڈ بریگیڈیئر تھے انہوں نے ریٹائرمنٹ کے بعد فراغت سے بچنے کے لیے میراج بیورو کھول لیا تھا‘ جو اُن کے بہترین تعلقات کی بدولت بہت جلد چل پڑا تھا‘ ان کا اصول تھا کہ وہ بے حد چھان پھٹک کے بعد لڑکے والوں اور لڑکی والوں کی ملاقات کرواتے اور پھر رشتہ طے ہونے کے بعد درمیان میں سے نکل جاتے تھے پھر آگے کے تمام معاملات فریقین خود نبٹاتے تھے۔

”ٹھیک ہے وقار صاحب‘ میں آج ہی ان دونوں سے رابطہ کر کے آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔“ ملک صاحب نے مصروفیت بھرا جواب دیا‘ وقار نے ان کی شہرت سن کر ان سے رابطہ کیا تھا اور انہیں ایسے رشتے دکھانے کو کہا تھا جو وٹہ سٹہ پر رضامند ہوں۔ وقار صاحب نہیں چاہتے تھے کہ بعد میں وٹہ سٹہ کی بات چلا کر کوئی بگاڑ پیدا کیا جائے۔ ملک صاحب دو ایسی فیملیز کو جانتے تھے جو وٹہ سٹہ پر رضامند تھیں۔ انہوں نے ہفتہ بھر میں انہیں دونوں فیملیز سے

ملوادیا تھا۔ ایک فیملی مختصر سی تھی ایک بیٹا اور بیٹی...... بیٹی اعلیٰ تعلیم یافتہ جبکہ بیٹا ایف اے پاس تھا اور باپ کا گارمنٹس بزنس چلا رہا تھا' گو لڑکا کم تعلیم یافتہ تھا مگر وہ اپنی سلجھی عادات وشائستہ گفتگو سے داؤد اور وقار کو بے حد پسند آیا تھا۔

دوسری فیملی عبداللہ صاحب کی تھی' ان کے چھ بچے تھے۔ دو بیٹیاں اور چار بیٹے ان کے چاروں بیٹے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہترین عہدوں پر فائز تھے ان کے ہاں دولت کی فراوانی تھی۔ ان کے چاروں بیٹوں کی آمدنی لاکھوں میں تھی۔ ان کے تین بیٹے بیرون ملک مختلف کمپنیز میں جاب کرتے تھے' بڑی بیٹی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی جبکہ چھوٹی بیٹی بائیولوجی میں ایم فل کررہی تھی۔ ان کے ہاں خوش حالی کا دور دورہ تھا' عبداللہ صاحب بھی بیٹی کے لیے بے حد پریشان تھے۔ زمعہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی' ان کے ملنے جلنے والے ان کے بیٹوں کو نظر میں رکھے ہوئے تھے انہیں اپنے قریبی حلقہ احباب میں زمعہ کا ہم پلہ رشتہ نہ نظر آیا تھا' وہ بھی وٹہ سٹہ پر راضی تھے۔ وقار کو دلی طور پر عبداللہ کی فیملی زیادہ پسند تھی' زمعہ سے چھوٹا عمر فاروق چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ تھا اور دبئی کی بہترین کمپنی میں جاب کرتا تھا۔

''میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا ملک صاحب۔'' وقار صاحب نے الوداعی کلمات کے بعد جیسے انہیں یاددہانی کروائی۔

''جی ضرور...... ان شاء اللہ میں آج ہی آپ کو فائنل جواب دوں گا۔'' ملک صاحب نے خوشدلی ومتانت سے جواب دیتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔

❋......❋......❋

''میرا خیال ہے کہ آپ لوگ آپس میں ضروری معلومات بھی لے لیں۔'' ملک صاحب نے انہیں دو گھنٹے بعد ہی عبداللہ صاحب کی فیملی کی طرف سے رضامندی کا عندیہ دے دیا تھا۔ دوسری فیملی کو اریج تو پسند آئی تھی مگر انہیں اس کی بڑھتی عمر پر اعتراض تھا سو ان کی طرف سے انکار کردیا گیا چونکہ اریج گھر میں کوئی دوسری عورت نہ ہونے کے باعث خود بھی رشتہ دیکھنے گئی تھی اسی لیے ان کی طرف سے ہاں ہوتے ہی عبداللہ صاحب بیوی سمیت ان کے ہاں مدعو تھے۔ ثمینہ بیگم بغور سادہ طرز تعمیر کے حامل گھر کے درودیوار کو تکے جارہی تھیں۔

''آپ کے بچے کیا کرتے ہیں؟'' ثمینہ نے گفتگو کا آغاز کیا' گھر بے حد سادہ تھا۔ رنگ وروغن بھی گھر کی خوب صورتی میں اضافہ نہ کرپا رہے تھے۔

''میرے چار بچے اور ایک بچی ہے۔ طٰہٰ ڈاکٹر ہے اور پرائیوٹ ہسپتال میں جاب کرنے کے ساتھ شام میں کلینک بھی کرتا ہے۔ اریج ماسٹرز کرچکی ہے۔'' فرخندہ نے ضروری تعارف کروایا' انہیں ثمینہ بیگم کچھ تیز طرار لگی تھیں ان کی عقابی نگاہیں گھر کے درودیوار پر بار بار پھسلی جارہی تھیں۔

''اور باقی بچے۔'' ان کے لہجے سے اپنی قابل اولاد کے لیے فخر چھلک رہا تھا۔

''بڑے بیٹا طلحہ کی ڈیتھ ہوچکی ہے وہ میرڈ تھا اور اس کا آٹھ ماہ کا بیٹا بھی ہے۔ طٰہٰ دوسرے نمبر پر ہے' تیسرے نمبر پر ابرار ہے اور سب سے چھوٹا داؤد ہے۔ چھوٹے دونوں ایف اے کے بعد اپنے باپ کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔''

''اور......'' ثمینہ بیگم کے لب پھڑپھڑائے۔

''اور میری بہو واپس جاچکی ہے' پوتا اسی کے پاس ہے ہم نے اسے داؤد کے لیے مانگا تھا مگر وہ طٰہٰ کے لیے اصرار کررہے تھے۔ اریج سب سے بڑی ہم طٰہٰ اور اریج کا وٹہ سٹہ کا فیصلہ کرچکے تھے سو انہیں انکار کردیا۔'' ابھی ثمینہ بیگم کے لب کھلے ہی تھے کہ فرخندہ نے ان کا اگلا سوال بھانپ کر تفصیلاً جواب دیا تھا' ملنے جلنے والے بھی اکثر یہی سوال پوچھتے تھے۔ نہ جانے یہ قدرت کی کیسی آزمائش تھی وہ بیٹی کے رشتے کے متعلق لوگوں کے سوالات کے جواب دیتی عاجز آچکی تھیں کہ اب طلحہ کے متعلق بھی طرح طرح کے سوالات کے جواب دینا پڑتے تھے۔

"میرے بھی چار بیٹے ہیں' ایک چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ اور تین انجینئر ہیں۔ ہم اپنا نیا بنگلہ بنوا رہے ہیں میرے بچوں کی تنخواہیں ماشاء اللہ لاکھوں میں ہیں۔" ثمینہ بیگم عادتاً شروع ہوچکی تھیں' انہیں اپنی اولاد پر بے حد ناز تھا وہ جہاں بیٹھتیں وہیں اپنی اولاد کے قصیدے شروع کردیتی تھیں انہیں ان کی اولاد کی بدولت ہی تو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔ وہ آخر کیوں نہ ان کی قصیدہ گوئی کرتیں۔ دوسری طرف مردانے میں بے حد دوستانہ و بے تکلفی والا ماحول تھا۔ عبداللہ اور وقار کی اچانک پرانی شناسائی نکل آئی تھی' وہ دونوں ایک دوسرے کے خاندانوں کو بخوبی جانتے تھے انہیں ضروری چھان پھٹک کی بھی ضرورت نہ رہی تھی۔

"بہن جی...... آپ گھر جاکر اچھی طرح سوچ بچار کرلیں پھر ہمیں جواب دیجیے گا۔" وقت رخصت ثمینہ بیگم نے شوہر کے اشارے پر اریج کے ہاتھ پر ہزار کا نوٹ رکھا تو وقار صاحب نے انہیں ٹوک دیا۔ نہ جانے کیوں انہیں دلی مسرت واطمینان کے ساتھ ساتھ کچھ عجیب بھی لگا تھا۔ پہلی ملاقات میں ہی اسی وقت شوہر سے مشورہ کیے بغیر بات پکی کرنا ان کے لیے کچھ اچنبھا تھا۔

"بھائی ہم نے سوچ لیا ہے' ہم بات پکی کرکے جارہے ہیں۔" ثمینہ نے شوہر کی رضامندی جان کر بات پکی کردی تھی۔ طٰہٰ جیسا رشتہ تو وہ کئی سال سے ڈھونڈ رہے تھے اگر وہ اب بھی انکار کرتے تو پھر نہ جانے ایسا قابل اور کماؤ لڑکا انہیں کب ملتا۔ زمعہ کی عمر پہلے ہی بہت زیادہ ہوچکی تھی اس کی ہم عمر لڑکیاں دو دو تین تین بچوں کی مائیں تھیں وہ مزید وقت نہ گنوانا چاہتی تھیں پھر وقار صاحب بھی جاکر ہاں کرآئے تھے' وقار اور فرخندہ نے بھی زمعہ کے ہاتھ پر پیسے ہی رکھے تھے یوں یہ رشتہ پکا ہوگیا تھا۔

❀......❀......❀

"اوہ سوری بھائی......" ولیمہ کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا' طٰہٰ کی اس کے دوست کے ہاں دعوت تھی۔ وہ تیار ہوکر ماں کو بتانے آگیا' داؤد چائے کے خالی کپ اٹھائے کمرے سے باہر نکل رہا تھا' دونوں کا ٹکراؤ ہوا تو نتیجتاً بقیہ چائے اس کے کپڑوں پر نقش ونگار بنا گئی تھی۔ داؤد نادم سا ہوکر سائیڈ پر ہوگیا' طٰہٰ کو دیر ہورہی تھی' ان کی نعمان کے ہاں آٹھ بجے دعوت تھی انہیں وہاں پہنچتے پہنچتے آدھ گھنٹہ لگ جانا تھا وہ پہلے ہی لیٹ تھے اور اب مزید دیر لازمی تھی۔

"تم دیکھ کر نہیں چل سکتے تھے میں تمہیں کب سے کہہ رہی تھی کہ خالی کپ اٹھالو۔" فرخندہ غصے سے داؤد پر برس پڑیں انہیں اس پر شدید غصہ آیا۔ اس کی وجہ سے طٰہٰ کی تیاری بھی غارت ہوگئی تھی۔ وہ چائے پی کر ماں کے ساتھ باتوں میں ایسا مگن ہوا کہ ان کے بارہا کہنے پر بھی اٹھ کر نہ دیا انہوں نے بھی اس کی بے پروائی نظرانداز کردی تھی۔ اب باقی ماندہ چائے طٰہٰ کے کپڑے خراب کرچکی تھی' داؤد کی ندامت ماں کی ڈانٹ ڈپٹ نے بڑھادی تھی۔

"اٹس او کے امی...... میں کپڑے چینج کرلیتا ہوں۔" طٰہٰ نے برا مانے بغیر نرمی سے ماں کا غصہ اور بھائی کا کندھا دبا کر اس کی ندامت کم کرنا چاہی تھی وہ شرٹ کے بٹن کھولتا پلٹ گیا۔ داؤد نے کچن کی راہ لینے میں عافیت جانی تھی۔

❀......❀......❀

"ارے یہ کیا ہوا؟" طٰہٰ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی شرٹ اتار کر صوفے پر رکھی اور وارڈ روب سے نئی شرٹ نکالنے لگا۔ زمعہ اس کی پشت پر موجود دونوں ہاتھوں میں شرٹ اٹھائے بغور جائزہ لے رہی تھی وہ جونہی پلٹا زمعہ نے قدرے حیرت وخفگی سے استفسار کیا اس کے ماتھے پر گہرے بل تھے۔

"داؤد سے چائے گرگئی ہے۔" طٰہٰ بعجلت جواب دیتا شرٹ نکال کر واش روم میں گھس گیا۔ وہ واپس آیا تو زمعہ ہنوز شرٹ کے سوگ میں غرق تھی' یہ شرٹ اس نے بے حد چاؤ سے طٰہٰ کے لیے لی تھی اور کلر بھی اس پر بے حد سوٹ کررہا تھا جبکہ نئی شرٹ طٰہٰ نے خود لی تھی' زمعہ کا نازک دل ٹوٹ گیا وہ خاصی افسردہ تھی۔

"زمعہ......!" طٰہٰ نے قریب آکر نرمی سے اس کا کندھا ہلایا۔ زمعہ نے بے حد چاؤ سے اسے شرٹ پریس

کر کے دی تھی' طٰہٰ نے محبت سے اس کی ٹھوڑی اوپر کی۔

''وہ اندھا تھا اسے نظر نہیں آئے تھے آپ؟'' وہ امیر والدین کی مغرور بیٹی تھی جسے اپنے میکے پر بے حد فخر و مان تھا' اسی لیے اس کا دماغ عرش پر رہتا تھا' وہ بدلحاظی سے پھٹ پڑی اس کا صدمہ کم ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اسی وقت داؤد کے دو ہاتھ جڑ دیتی۔ اس نے شہر کے مہنگے ترین مال سے شرٹ پسند کی تھی۔ طٰہٰ ہک دک رہ گیا حقیقتاً دو دن کی بیاہی لڑکی کی بدزبانی نے اسے ششدر کر دیا تھا۔

''زمعہ اس نے جان بوجھ کر نہیں کیا بس اچانک......'' طٰہٰ نے بھائی کی صفائی پیش کرنا چاہی تھی اس سے زمعہ کا تند خو لہجہ کسی طور ہضم نہ ہو رہا تھا وہ معمولی بات کو طول دے رہی تھی۔

''کیا اچانک ہاں' اس کی آنکھیں بند تھیں جو اتنی قیمتی شرٹ خراب کر دی۔'' زمعہ کا شاک کم ہی نہ ہو رہا تھا وہ کچھ بھی سننے اور سمجھنے پر تیار نہ تھی۔

''کم آن زمعہ...... کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' طٰہٰ کو بھی اس کے فضول غصے پر شدید تاؤ آ گیا۔ آٹھ بج چکے تھے انہیں اس وقت نعمان کے ہاں ہونا چاہیے تھا۔

''چلیں۔'' زمعہ نے ہاتھ میں موجود شرٹ غصے سے بیڈ پر پٹخی اور جانے کو تیار ہو گئی۔ اس کا موڈ تمام رستہ آف رہا تھا' صد شکر کہ اس کے منہ کے بگڑے زاویے وہاں پہنچ کر درست ہو گئے تھے' وہ خوشدلی سے نعمان کی بہنوں سے ملنے کے بعد والدہ سے ملی تھی' طٰہٰ بھی مطمئن سا نعمان سے بغلگیر ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁
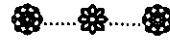
وہ کمرے میں بری کے دونوں جہازی سائز کے اٹیچی کیس کھولے بری کے سوٹ الگ الگ کر رہی تھی اسے جو سوٹ پسند آ رہے تھے وہ انہیں ترتیب سے اپنے قریب رکھ رہی تھی اور جو ناپسند تھے وہ انہیں اتنی بے دردی سے بیڈ پر پھینک رہی تھی کہ سوٹ پیکنگ سے نکل کر بیڈ پر بکھرتے جا رہے تھے۔

''ارے......'' طٰہٰ کمرے میں آیا تو کمرے میں بکھرا پھیلاوا دیکھ کر اس کا منہ تحیر سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ زمعہ نے چونک کر خاموش اچٹتی نگاہ شوہر پر ڈالی اور دوبارہ کام میں مگن ہو گئی۔ طٰہٰ اپنے لیے جگہ بنا کر بیٹھ گیا اور خاموشی سے زمعہ کی سرگرمی نوٹ کرنے لگا وہ اس سے دو روز سے خفا تھا مگر زمعہ اتنی بے حس اور خود پسند تھی کہ اس نے شوہر کی خفگی کی رتی بھر پروا نہ کی...... آخر اسے ہی ارتج کی خوشیوں کی خاطر ہتھیار ڈالنا پڑے تھے۔ وہ اپنے گھر خوش و خرم رہ رہی تھی' وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے بہن کا گھر ڈسٹرب ہو' اس کے لب دھیرے سے بڑبڑائے اور اس کی بڑبڑاہٹ زمعہ تک نہ پہنچ سکی تھی۔

''یہ اولڈ فیشن بھاری بھر کم کامدار سوٹس آپ آنٹی کو واپس کر دیں بھلا آج کل کون اتنا بھاری کام پسند کرتا ہے اور ان کے کلرز ڈل ہیں۔ مجھے جو سوٹ پسند ہیں وہ میں نے رکھ لیے ہیں۔'' فرخندہ نے بے حد ارمانوں سے جہیز اور بری کے بھاری بھر کم سوٹ بنوائے تھے انہیں بازاری کام بالکل پسند نہ تھا۔ انہوں نے اسی لیے گھروں سے اپنی پسند کا پائیدار کام کروایا تھا تاکہ سوٹس جلدی خراب نہ ہوں لیکن زمعہ کو کوئی پسند نہ آیا تھا اسے بھاری کامدار سوٹ پہننے کے تصور سے ہی الجھن ہونے لگی تھی۔

وہ یہ بات نہ سمجھ پا رہی تھی کہ اس کے سارے ڈریسز نئی نویلی دلہن کو سامنے رکھ کر بنوائے گئے تھے۔ وہ اپنے قریب رکھے منتخب ڈریس ترتیب دینے لگی جو فرخندہ نے بازار سے ریڈی میڈ فینسی سوٹ کے طور پر لیے تھے۔ انہوں نے یہ ڈریس گھر میں پہننے کے لیے خریدے تھے جبکہ وہ انہیں کہیں آنے جانے کے لیے پہننا چاہ رہی تھی۔

''واٹ......'' طٰہٰ کے لیے اس کا ہر نیا روپ شاکنگ اور پُرتحیر تھا' اس نے کہیں دیکھا نہ سنا تھا کہ دلہن نے بری واپس کی ہو۔

''یہ ناممکن ہے۔ تم یہ سب سوٹس رکھو امی نے بے حد ارمانوں سے تمہارے لیے بنوائے ہیں۔'' طٰہٰ نے اسے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

"مجھے یہ کلرز اور کام پسند نہیں، میں اور لگوں گی اگر آپ واپس نہیں کریں گے تو میں کر دیتی ہوں۔" وہ بے رحمی و سنگ دلی کی انتہا پر تھی اسے صرف اپنی پسند عزیز تھی اس کا لہجہ بے لچک و ٹھوس تھا وہ جھکنے والوں میں سے نہ تھی اور نہ ہی اسے اپنے فیصلوں میں ترمیم کی عادت تھی اور پھر اسے اپنے میکے والوں کی بھرپور ناجائز سپورٹ حاصل تھی۔ اس نے اپنی امی سے بری کے سوٹس کا ذکر کیا تھا اور وہ انہی کے کہنے پر یہ سب کر رہی تھی۔

"زمعہ..... تم بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ شادی کے ابتدائی دنوں میں اس سے کوئی بڑا جھگڑا نہ چاہتا تھا ورنہ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ طٰہ کے لہجے میں بے بسی و لاچاری تھی وہ اپنے کیے پر عمل بھی کر سکتی تھی جو یقیناً فرخندہ کے لیے اذیت کا باعث ہوتا۔ وہ ماں کو دکھ نہ دینا چاہتا تھا جبکہ زمعہ کوئی بات سمجھنے پر تیار ہی نہ تھی۔

"اگر اریج باجی تم لوگوں کی بری واپس کرتی تو تمہیں کیسا لگتا؟" طٰہ نے اسے اس کی بے حسی کا احساس دلانا چاہا اس کی خام خیالی تھی کہ زمعہ اس کی بات مان لے گی۔ وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی اس نے شوہر کی مرضی یا حکم ماننا سیکھا ہی نہ تھا۔ وہ تو طٰہ کو اپنے تابع رکھنا چاہتی تھی اس نے اپنے میکے میں ماں کو ہمیشہ حکم چلاتے دیکھا تھا۔ عبداللہ صاحب بے چارے بے زبان گائے تھے۔ وہ بیوی کی ہر بات بے چوں وچرا مانتے تھے وہ بھی ماں کی دیکھا دیکھی شوہر کو اپنے اشاروں پر چلانا چاہتی تھی۔

"ہونہہ..... ناممکن..... ہماری بری ایسی نہ تھی۔ ہماری بری کی تو پورے زمانے میں دھوم مچی تھی۔" زمعہ نے پُرغرور انداز میں تفاخر بھرا ہنکارا بھرتے ہوئے شوہر کی بات چٹکیوں میں اڑا دی تھی۔ ان کی بری بازاری فینسی سوٹوں پر مشتمل تھی جبکہ اریج کو بھاری کامدار سوٹ پسند تھے۔ وہ تو خاندان میں شادیوں پر بنوائے سوٹ دو چار مختلف فنکشنز میں پہن کر گھر میں استعمال کرتی تھی اور ویسے بھی نئی نویلی دلہنیں تو بھاری کامدار سوٹس میں ہی سجی سنوری اچھی لگتی ہیں۔ اریج کو بھی بری پسند نہ تھی مگر اس نے بری واپس کرنے کا سوچا تک نہ تھا۔

طٰہ کی خوش فہمی تھی کہ وہ اپنا خیال بدل لے گی مگر وہ ہنوز اپنے موقف پر ڈٹی رہی تھی۔ طٰہ نے بے بسی سے سر پکڑ لیا، زمعہ بے پروائی سے تفاخر و مطمئن مسکراہٹ چہرے پر سجائے سوٹ تہہ کرنے لگی۔

اسے شوہر کی رتی بھر پروا نہ تھی وہ میکے سے یہ سبق سیکھ کر آئی تھی کہ اگر سسرال میں شوہر یا کسی اور سے ایک بار دب گئے تو وہ آپ کو ساری عمر دبا کر رکھے گا۔ اس نے شوہر کو حقیقتاً جوتے کی نوک پر رکھا ہوا تھا وہ طٰہ کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی تھی جہاں طٰہ احتجاج کرنے لگتا وہیں اریج کی شامت یقینی تھی۔ طٰہ بُری طرح پھنسا تھا وہ ماں کی کیفیت کا سوچ سوچ کر ہلکان ہوا جا رہا تھا اور اس کی فکر بے جا نہ تھی، فرخندہ تو یہ سب کبھی نہ سہہ پاتیں۔

❁.....❁.....❁

کمرے میں موت کا سا سناٹا تھا، فرخندہ کی دبی دبی سسکیاں کبھی کبھار خاموشی کو چیر دیتی تھیں۔ زمعہ کی بری کے سوٹس سنٹرل ٹیبل پر رکھے تھے چونکہ شادی "چٹ منگنی پٹ بیاہ" کے مصداق ہوئی تھی سو انہیں تیاری کا زیادہ ٹائم نہ مل سکا تھا۔ انہوں نے اریج کے لیے بائیس اور زمعہ کے لیے تیئیس سوٹ ارجنٹ آرڈر پر بنوائے تھے۔ زمعہ نے صرف سات سوٹ رکھے تھے طٰہ نے کسی بدمزگی سے بچنے کے لیے خود سوٹ لے کر ماں کو واپس کر دیئے تھے، وہ بے حد شرمندہ تھا جیسے یہ اس کا قصور ہو۔

"بس کرو فرخندہ..... تم کیوں رو رو کر خود کو ہلکان کیے جا رہی ہو۔" ان کے مسلسل بہتے آنسو بچوں اور وقار کو پریشان کر رہے تھے۔ زمعہ کان لپیٹے ڈھٹائی سے اپنے کمرے میں میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی گو وہ کبھی کبھار پورا دھیان لگا کر سن گن لینے کی کوشش کرتی مگر وہ ناکام تھی۔ ماحول خاصا گمبھیر و افسردہ تھا تینوں بھائی ملول چہروں کے ساتھ ماں کے بہتے آنسو دیکھ رہے تھے۔ ان تینوں کے چہروں پر بے بسی سی بے بسی تھی، وقار نے ماحول کا تناؤ کم کرنا چاہا تھا وہ خود بھی افسردہ تھے۔

"کیا میں یہ سب دیکھنے کے لیے رہ گئی ہوں اسے نہیں پہننا تھا نہ پہنتی کسی ضرورت مند یا غریب کو دے دیتی۔ میرا دل تو نہ چیرتی شادی کے شروع دن ہی تو لڑکیوں کے بننے سنورنے کے ہوتے ہیں۔ نئی دلہنیں سادہ سوٹ میں کہاں سجتی ہیں بھلا۔" ان کا غم کم ہی نہ ہو رہا تھا زمعہ نے ان کے دل پر ہاتھ مارا تھا۔ انہیں آج طلحہ بُری طرح یاد آ رہا تھا ان کے تمام زخم ادھڑ گئے تھے درد بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"فرخندہ دیکھو تو بچے کتنے پریشان ہیں۔" وقار نے بچوں کے چہروں پر نظر دوڑاتے ہوئے ماحول کی رنجیدگی کم کرنے کی سعی کی تھی۔

"امی اس کی طرف سے میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔" طٰہٰ نے ماں کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ ان کے سامنے جوڑ دیئے تھے۔ زمعہ نے اس کی عزت گھر والوں کے سامنے دو کوڑی کی کر دی تھی اسے نظریں اٹھانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔

"تو کیوں معافی مانگتا ہے پگلے بھلا اس میں تیرا کیا قصور۔ یہ تو میرا نصیب ہے تیرا تو کوئی قصور نہیں اس میں۔" فرخندہ نے تڑپ کر اس کے دونوں ہاتھ الگ کرتے ہوئے اس کا ماتھا چوم کر اپنی ممتا بھری آغوش میں سمو لیا تھا۔ وہ بہو کا خود پسندانہ وشاہانہ انداز بخوبی سمجھ گئی تھیں اسے نہ تو رشتوں کا پاس تھا اور نہ ہی کسی دوسرے کی پروا اس میں مروت ولحاظ نام کی کوئی چیز ہی نہ تھی وہ اپنے آگے دوسروں کو کمتر سمجھتی تھی۔ فرخندہ محبت سے طٰہٰ کو خود سے لپٹائے اس کی پشت رگڑنے لگیں ماحول کی گمبھیرتا کا سحر دھیرے دھیرے کم ہونے لگا تھا۔

❀.......❀.......❀

"طٰہٰ...... یہ رنگ کس نے پسند کی تھی؟" دونوں کے درمیان کچھ دنوں سے کھچاؤ چلا آ رہا تھا جبکہ دوسری طرف اریج بالکل خوش باش تھی۔ عمر فاروق اس کا بے حد خیال رکھتا تھا دونوں کہیں گھومنے بھی چلے جاتے۔ ساتھ میں اس کی چھوٹی نند سامعہ ضرور ہوتی تھی یہ بھی زمعہ کی والدہ کی چال تھی یوں وہ یہ ثابت کرنا چاہتی تھیں کہ وہ تو اریج کو خوش رکھ رہے ہیں جبکہ زمعہ سسرال میں خوش نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اریج کو خوش رکھ کر داماد کو نفسیاتی دباؤ میں لے رہی تھیں تاکہ وہ زمعہ کو خوش رکھے۔

اگر وہ زمعہ سے لڑتا الجھتا تو ادھر اریج سے عمر فاروق لڑ کر اسے میکے بھیج دیتا۔ طٰہٰ اور اس کی فیملی عبداللہ صاحب کی فیملی کی بدفطرت وبدنیتی بخوبی بھانپ گئے تھے۔ وہ بُری طرح پھنس کر رہ گئے تھے انہوں نے مصلحتاً خاموشی میں بہتری جانی تھی انہوں نے بری واپسی پر بھی نہ تو زمعہ سے کچھ استفسار کیا اور نہ ہی کوئی ایشو کری ایٹ کیا تھا۔ انہیں بیٹی کی بھی فکر تھی وہ عبداللہ صاحب کی فیملی کی نیچر سے آگاہ ہو گئے تھے اگر وہ اسے کچھ کہتے تو وہ بیٹی کو سمجھانے کی بجائے اس کو بھرپور سپورٹ کرتے ہوئے اس پر ذلالت کی انتہا کر دیتے۔ طٰہٰ لیپ ٹاپ پر کام میں بزی تھا زمعہ نے منہ دکھائی میں دی گولڈ رنگ انگلی میں گھماتے ہوئے استفسار کیا۔

"امی نے۔" اس نے سر اٹھائے بغیر مصروفیت بھرا جواب دیا۔

"لگتا ہے آنٹی کو آج کل کے ڈیزائن کا نہیں پتا...... اب یہ پرانا فیشن ہے۔" زمعہ نے سفاکانہ تبصرہ کیا اسے کسی کے جذبات کی رتی بھر پروا نہ تھی۔ اسے اس بات کی پروا بھی نہ تھی کہ گھر والوں کی اس کے متعلق کیا رائے ہے یا گھر والوں کی نظروں میں اس کا کیا امیج بن رہا ہے وہ بس اپنی دنیا میں جیے جا رہی تھی اور طٰہٰ کو بھی اپنے اشاروں پر چلانا چاہتی تھی جس میں وہ تاحال ناکام تھی۔

وہ طٰہٰ کو اپنے رنگ میں ڈھال کر اپنی برتری جتانا چاہتی تھی جہاں اسے ناکامی ملتی وہاں اریج تو تھی ہی۔ وہ اپنے بھائی کے ذریعے اس کا جینا حرام کر دیتی اس کے میکے میں ماں کا سکہ چلتا تھا اور بھائی ماں کی مٹھی میں تھا اور وہ ماں کی بے حد لاڈلی تھی۔ ماں بیٹی کی خاطر کچھ بھی کر سکتی تھی حتی کہ وہ بیٹے کا گھر بھی اجاڑ سکتی تھی۔ طٰہٰ اور اس کی فیملی حالات سمجھ رہے تھے وہ زمعہ کے رنگ ڈھنگ اول روز سے

برداشت کررہے تھے وہ اریج سے کوئی بات نہ کرتے مبادا وہ پریشان ہو یا اس کے سسرال میں کوئی فساد کھڑا ہو وہ ابھی تیل کی دھار دیکھ رہے تھے۔ طٰہٰ سبھاؤ سے گھریلو معاملات سنبھالنا چاہتا تھا مگر ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ زمعہ کا ہر نیا رنگ اس کے ضبط و برداشت کے لیے کڑا امتحان بنتا جارہا تھا۔

"مائنڈاٹ زمعہ...... میں انہیں یہ رنگ واپس کروں گا اور نہ ہی چین واپس لوں گا۔" طٰہٰ نے ضبط و غصے سے بھینچے لہجے میں غراتے ہوئے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کی تھی۔ وہ زمعہ کی چین گھماتی انگلیاں دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ وہ اب رنگ کے بعد چین کا ذکر کرے گی۔

"تو واپس کون کررہا ہے یہ میں ان دونوں کو ملا کر سلامی کے پیسے ڈال کر دو تولے کا لاکٹ سیٹ بنوانا چاہتی ہوں۔ آپ مجھے جیولر شاپ لے چلیں۔" نجانے وہ کیا شے تھی؛ اس نے شوہر کی سخت و بے لچک قطعیت بھری تنبیہ نظر انداز کرکے رسانیت سے بات مکمل کی تھی۔ اس کا لہجہ حتمی و تحکم آمیز تھا۔ طٰہٰ ہونق بنا رہ گیا اس کا اندازہ صحیح نکلا تھا۔ وہ زمعہ کی ڈھٹائی پر جتنا حیران ہوتا اتنا کم تھا۔ ان کی شادی کو مہینہ ہونے کو تھا وہ ابھی سے شوہر پر اپنا حکم چلانے لگی تھی اس نے اپنی شادی کے اولین دنوں کی سحر انگیزی کا بھی خیال نہ کیا تھا۔

ان کی چند روز میں دو بار لڑائی ہوچکی تھی اور دونوں بار طٰہٰ کو ہی گھٹنے ٹیکنے پڑے تھے اس نے نہ تو ہار مانی تھی اور نہ ہی طٰہٰ کو منانے میں پہل کی تھی وہ شاکڈ سا رہ گیا۔

"پھر آپ کب لارہے ہیں کاپی؟" اسے شوہر کی کیفیت کا احساس ہوا تو اس نے طٰہٰ کی سات نسلوں پر گویا احسان کرتے ہوئے اپنے ٹھوس فیصلے میں ردوبدل کرلیا تھا۔ وہ گھر پر ڈیزائن پسند کرنے پر راضی ہوگئی تھی؛ طٰہٰ کے لبوں پر قفل پڑے تھے وہ سخت بے بسی کی کیفیت میں تھا۔ اسے اپنی آئندہ ازدواجی زندگی کی فکر ہونے لگی تھی اسے وٹہ سٹہ پر سخت تشویش نے آن گھیرا تھا۔

اس کے پاس زمعہ کی بات ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ فرخندہ اور وقار کا خیال تھا کہ وہ بہو کو خوش رکھیں گے تو ان کی بیٹی بھی خوش رہے گی کہ وٹہ سٹہ کا یہی اصول چلا آرہا تھا۔ اسی لیے وہ نرمی سے کام لے رہے تھے طٰہٰ بھی بہن کی خاطر زمعہ کو برداشت کررہا تھا اور یہی بات زمعہ کو شہ دے رہی تھی وہ محاورتاً نہیں حقیقتاً جوتوں سمیت ان کے سر پر چڑھتی جارہی تھی۔

اور پھر اسی شام طٰہٰ نے خاموشی سے ڈیزائن کی کاپی لاکر اسے تھمادی تھی۔ زمعہ کے چہرے پر معمولی سی بھی خفت یا سراسیمگی نہ تھی وہ سرشاری سے کاپی تھام کر ڈیزائن دیکھنے لگی۔ طٰہٰ تھکے قدموں سے چلتا باہر نکل گیا اس روز اس کے دل میں زمعہ کی محبت و عزت گھٹ گئی تھی۔ اس کا محبت بھرا دل زمعہ نے توڑ دیا تھا اور وہ خود پسند لڑکی اپنی ذات اور خوشیوں کے خول میں بند یہ محسوس ہی نہ کرپائی تھی کہ اس نے اپنا کتنا بڑا نقصان کرلیا تھا۔

❁......❁......❁

واشنگ مشین سے سرف کی جھاگ ابل ابل کر باہر آرہے تھے۔ جھاگ سے فرش پر پھسلن اور میل سے داغ بن رہے تھے اور کسی کو پروا تک نہ تھی؛ چکنا فرش اپنی اصلی رنگت گم کرچکا تھا۔

"اتنا زیادہ سرف۔" طٰہٰ اور داؤد کسی کام سے گھر لوٹے تو داؤد نے نظر پڑتے ہی بے اختیار کہا۔ فرخندہ شوگر کی مریضہ تھیں وہ مشین لگاتیں تو ہر بار ان کے پاؤں پر زخم بن جاتے تھے جو ٹھیک ہونے میں وقت لیتے تھے۔ اریج انہیں مشین نہ لگانے دیتی تھی وہ خود ہر ہفتے کپڑے دھوتی تھی۔ داؤد کو ماں کی فکر ہوئی تو وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

"بھابی آپ سرف کم ڈالتیں تاکہ فرش پر پھسلن نہ ہوتی۔" داؤد ٹوکے بنا نہ رہ سکا۔ زمعہ کے وجود میں ناگواری کی شدید لہر اٹھی وہ روک ٹوک کی قطعاً عادی نہ تھی اور کسی کی بات سہنا تو اس نے سیکھا ہی نہ تھا مگر وہ نہ جانے کیسے خاموش رہ گئی۔ اس نے داؤد پر نگاہ غلط تک ڈالنا گوارا نہ کیا البتہ اس کا ماتھا شکنوں سے پُر تھا۔

"امی کو شوگر ہے جھاگ سے ان کے پاؤں میں زخم

ہوجاتے ہیں' آپ تھوڑے کپڑے دھو رہی تھیں تو سرف بھی اتنا ہی ڈالتیں۔'' داؤد اپنی بات کی وضاحت کر کے پلٹ گیا تھا۔

''تمہیں اس سے بات کرنے کی ضرورت کیا تھی؟'' فرخندہ ساری بات سن چکی تھیں وہ غصے سے بیٹے پر الٹ پڑیں ان سے بہو کے بگڑے تیور اور ماتھے کے بل مخفی نہ رہے تھے۔ وہ بہو کا مزاج سمجھ گئی تھیں وہ کسی بدمزگی سے خائف تھیں وہ اب طٰہ کے کان بھرے گی انہیں اریج کا خیال بھی ہراساں کرنے لگا۔ وہ وٹہ سٹہ پر اب بہت پچھتانے لگے تھے اس سے تو کہیں بہتر تھا وہ کچھ وقت مزید انتظار کر لیتے وہ کم از کم ان الجھنوں میں تو نہ پڑتے۔

''پلیز امی اتنا کچھ گھر میں ہو رہا ہے تو آپ ڈرنا چھوڑ دیں۔'' داؤد کو ماں کی تشویش بے حد کھلی تھی گھر والوں کو زیور چینج کروانے کا بھی علم ہو چکا تھا اور سبھی کو شدید قلق تھا۔ داؤد تو غصے میں آ کر بھابی کو کھری کھری سنانا چاہتا تھا' فرخندہ نے اسے سمجھا بجھا کر بمشکل ٹھنڈا کیا تھا۔

زمعہ ان کے ماحول میں ایڈجسٹ ہونے کی بجائے سب کو اپنے رنگ میں ڈھالنا چاہتا تھی جو کہ بالکل ناممکن تھا۔ فرخندہ کا دل مستقبل کے تصور سے ہولتا رہتا تھا۔ ان کے دل میں انجانا ڈر بیٹھ گیا تھا' فرخندہ آنے والے وقت کے لیے خود کو تیار کرنے لگیں جبکہ داؤد غصے کو دباتا ان کے قریب بیٹھ کر پانی پینے لگا۔ طٰہ ڈریس چینج کرنے اپنے روم میں جا چکا تھا۔

❀......❀......❀

''آپی..... آپ شادی کی تصویریں نہیں لائیں۔'' اریج شادی کے بعد دوبارہ میکے آئی تھی' وہ صبح آ کر شام کو لوٹ جاتی تھی۔ وہ پہلی بار ہفتہ رہنے میکے آئی تھی' گھر والوں نے اریج کے ولیمے کی تصویریں اور مووی نہ دیکھی تھی۔ ولیمہ پر اس کی چند پکس ہی لے پائے تھے سب ہال روم میں جمع تھے۔ داؤد کو گھر میں اس کی تصویریں اور مووی دیکھنے کا بہت شوق تھا جبکہ وہ ہر بار تصویریں لانا ہی بھول جاتی تھی داؤد نے گلہ کرتے ہوئے کشن اٹھا کر کہنی کے نیچے دبایا تھا۔

''اوہ سوری' مجھے بالکل یاد نہیں رہا مووی اور تصویریں لانے کا۔ تم زمعہ کے موبائل میں دیکھ لو۔'' زمعہ نے مووی اور تصویریں موبائل میں فیڈ کر رکھی تھیں۔

''یہ تو مجھے خیال ہی نہ آیا' میں ابھی بھابی سے موبائل لے کر آتا ہوں۔'' داؤد بچوں کی سی معصومیت بھری مسرت سے کہتا اٹھ گیا۔ اسے حقیقتاً بھی زمعہ کے موبائل کا خیال ہی نہ آیا تھا اور اریج کے موبائل میں تصویریں و مووی نہ تھی۔ عمر فاروق نے اپنے لیپ ٹاپ میں فیڈ کر رکھی تھیں حالانکہ عمر فاروق اپنا لیپ ٹاپ آفس نہ لے کر جاتا تھا اور اسے بھی استعمال کی مکمل اجازت تھی وہ جب بور ہو رہی ہوتی تو اس کے لیپ ٹاپ پر کوئی گانا یا مووی دیکھ لیتی تھی۔

''یہ کس کا موبائل ہے داؤد؟'' وہ زمعہ کے روم میں اس سے موبائل مانگنے گیا تو وہ واش روم میں تھی۔ اس نے چند ثانیے ٹھہر کر اس کا انتظار کیا' وہ نہ آئی تو داؤد اس کا موبائل اٹھا کر لے آیا تھا۔ ان کے ہاں ایک دوسرے کا موبائل استعمال کرنا عام بات تھی ان میں سے کسی نے بھی اپنے سیل فون پر پاس ورڈ نہ لگا رکھا تھا۔ سبھی بلا جھجک ایک دوسرے کا موبائل استعمال کر لیتے تھے۔ وہ تصویریں دیکھ رہا تھا کہ فرخندہ کا دھیان اس کی طرف اچانک گیا' وہ زمعہ کا موبائل پہچان کر خفگی سے داؤد سے استفسار کرنے لگیں۔ وہ بہت محتاط ہو چکی تھیں ویسے بھی دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ زمعہ کا موبائل پہلے ہی آن تھا' داؤد اس کا فولڈر بند کر کے تصویروں کا فولڈر کھولے بیٹھا تھا کہ فرخندہ کی کرخت آواز پر اس کا منہ لٹک گیا۔

زمعہ نے مشین والی بات کو زیادہ نہ اچھالا تھا۔ فرخندہ کو اس کی یہی خاموشی غنیمت لگی تھی۔ وہ خودسر و مغرور لڑکی اپنا موبائل داؤد کے ہاتھ میں دیکھ لیتی تو نجانے کیا کر گزرتی۔ انہیں اچانک سنگینی کا احساس ہوا اسی لیے انہوں نے بیٹے کو بری طرح گھر کا تھا۔

''امی کیا ہو گیا ہے' کچھ نہیں ہوتا آپ اسے دیکھنے

دیں۔ ہم بہن بھائی بھی تو آخر ایک دوسرے کا موبائل استعمال کرتے ہیں۔'' طٰہٰ بیوی کی حرکتوں کی وجہ سے اپنے ہی گھر والوں کے سامنے مجرموں کی طرح شرمندگی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ مارے خفت کے سب کے درمیان بھی کم بیٹھتا تھا۔ طٰہٰ نے نامحسوس خفت کے زیر اثر فوراً بھائی کی سائیڈ لی تھی۔

''بیٹا تم بیوی کے مزاج آشنا ہو مجھے گھر میں کوئی ٹینشن نہیں چاہیے۔'' فرخندہ بیگم نرمی و محبت سے نہ چاہتے ہوئے اسے جتا گئیں اور داؤد سے موبائل تقریباً چھینتے ہوئے طٰہٰ کے ہاتھ میں تھمایا۔ داؤد نے خفگی سے منہ پھلا کر رخ موڑ لیا تھا۔

''امی..... گھر میں کون سے ٹینشنز چل رہی ہیں خیر تو ہے نا؟'' اریج ناسمجھی سے سارا معاملہ سمجھنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جارہی تھی وہ دوبارہ آئی تھی اور اسے میکے میں کچھ تناؤ محسوس ہوا تھا۔ گھر کی فضا میں خاموشی واضح ہوتی تھی اس نے کچھ خاص غور نہ کیا وہ اپنا وہم سمجھ کر بھول گئی تھی۔ فرخندہ وقار اور تینوں بھائیوں نے بھی اسے نہ تو کچھ بتایا تھا اور نہ ہی کوئی احساس دلایا تھا وہ سب چاہتے تھے کہ اریج اپنے گھر میں مطمئن رہے اور پھر چھوٹی موٹی شکایتیں ہر گھر میں ہوتی ہیں۔ اریج ٹک ٹک دیکھ کر سب کی صورتیں تکتی ماں سے استفسار کرنے لگی وہ پریشان ہوگئیں تھیں۔

''بیٹا کچھ نہیں ہے تمہاری ماں کی عادت ہے یہ غصے میں نہ جانے کیا کیا کہہ جاتی ہے۔'' وقار نے بیوی کو آنکھوں سے خاموشی کا اشارہ کرتے ہوئے بیٹی کو تسلی دی۔ وہ وٹہ سٹہ کی نزاکت کے تحت مصلحت سے کام لے رہے تھے فرخندہ چپ کرگئیں تھیں۔

''آپ سب مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں؟'' اریج کو باپ کی بات کا بالکل یقین نہ آیا تھا وہ سب اس سے نظریں چرا رہے تھے۔ فضا میں رچی کچھ دیر قبل کی خوشگواریت کی جگہ گھٹن اور بوجھل پن نے لے لی تھی۔ وہ اس سے کچھ چھپا رہے تھے اسے یہی بات زیادہ پریشان کررہی تھی۔

''کیا بات ہے طٰہٰ؟'' اریج کو یقین ہوگیا تھا کہ اسے امی ابو ہرگز کچھ نہ بتائیں گے اس نے ڈائریکٹ بڑی بہنوں والے رعب سے بھائی سے استفسار کیا اس کے چہرے پر پھیلی خفت اسے ہراساں کیے دے رہی تھی طٰہٰ چپ تھا اور وہ جواب کی منتظر۔

''میرا موبائل کون لایا ہے ادھر؟'' اسی اثناء میں زمعہ کے سیل فون پر بیل ہوئی تھی۔ وہ چونک کر موبائل کی سمت متوجہ ہوگئے سامعہ کی مسڈ کال تھی دراصل زمعہ بہن سے چیٹ کررہی تھی وہ اسے ویٹ کا کہہ کر واش روم گئی تھی۔ اس نے بیل سنی تو دوڑی آئی اس کا لہجہ اونچا اور خفگی سے پُر تھا سب کی نظریں اس پر جم گئیں اور وہ موبائل کی کھوج میں تھی۔

''آپ کم از کم بتا کر ہی لے آتے میں کب سے موبائل ڈھونڈ رہی تھی۔'' اس کی عقابی متلاشی نظریں جونہی طٰہٰ کے ہاتھ میں تھمے موبائل پر پڑیں وہ رکھائی سے کہتی موبائل جھپٹتے ہوئے یہ جا وہ جا۔ اریج کو شدت سے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا جس لڑکی نے ساس سسر کی موجودگی میں شوہر سے بدتمیزی کی تھی وہ تنہائی میں نہ جانے شوہر کو کیا کچھ کہہ جاتی ہوگی یا پھر نہ جانے کس انداز تخاطب کو اپناتی ہوگی۔ داؤد کو موبائل لائے بمشکل پانچ چھ منٹس گزرے ہوں گے جبکہ اس نے ''کب سے'' یوں کہا تھا جیسے اس کا موبائل کئی گھنٹوں سے طٰہٰ کے پاس تھا۔

یہ بھی مقام شکر تھا کہ اس کا موبائل طٰہٰ کے ہاتھ میں تھا اگر داؤد کے ہاتھ میں ہوتا تو اس کا لب و لہجہ یقیناً مزید درشت اور رکھائی بھرا ہوتا۔ کمرے میں جامد سناٹا پھیل گیا اریج کو بناء استفسار ساری صورت حال سمجھ میں آنے لگی تھی۔ اس نے سب پر طائرانہ نگاہ ڈالی تھی فرخندہ بیگم کے چہرے پر ''دیکھا میں نہیں کہتی تھی'' کی عبارت واضح طور پر تحریر تھی۔

❀......❀......❀

''امی مجھے بتائیں زمعہ کا رویہ آپ سب کے ساتھ ٹھیک تو ہے نا؟'' اگلے روز صبح طٰہٰ ہسپتال وقار اور اسامہ

آفس اور داؤد یونیورسٹی چلا گیا تو اس نے ماں کو گھیر لیا۔ فرخندہ بیگم نے پہلے ٹال مٹول سے کام لینا چاہا' وہ کل غصے میں اس کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر بول تو گئی تھیں مگر انہیں بھی وقار کی رائے سے مکمل اتفاق تھا۔ وہ اپنے گھریلو مسائل خود تک محدود رکھنا چاہتی تھیں وہ بیٹی کو ان میں نہ الجھانا چاہتی تھیں مگر اریج بھی اپنے نام کی ایک تھی اس نے ماں کی ایک نہ چلنے دی تھی ناچار انہیں ہتھیار ڈالتے ہوئے اسے حقیقت بتانا پڑی۔ وہ تو اس کی خوشی کی خاطر اپنے گھریلو مسائل اس سے چھپا رہی تھی جبکہ اریج بات چھپانے سے زیادہ پریشان ہو رہی تھی۔

''امی اتنا سب کچھ ہو گیا اور مجھے کسی نے بتانا تک نہ گوارا کیا۔'' اریج کی آواز دکھ کی انتہا سے پھٹ گئی تھی' زمعہ چہرے مہرے سے معصوم دکھائی دیتی تھی وہ اتنی شاطر لگتی تو نہ تھی اسے اپنی فکر ستانے لگی۔ وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کروا سکتی تھی وہ جانتی تھی کہ سسرال میں اس کی ساس کا سکہ چلتا ہے اور انہیں اپنی بیٹیاں بیٹوں سے بڑھ کر عزیز تھیں۔ انہیں بیٹے صرف کمائی کی حد تک عزیز تھے' اس کے ملیح چہرے پر تفکر کا گہرا جال بکھر گیا تھا۔

''اللہ بہتر کرے گا بیٹا......'' فرخندہ سے اس کی پریشانی دیکھی نہ گئی۔ انہوں نے محبت سے اس کا ماتھا چوم کر اسے تسلی دی۔ وہ ماں کی شفیق آغوش میں سما گئی۔ اسے ماں کی ممتا بھری میٹھی آغوش میں اپنا دکھ و پریشانی ہلکا ہوتا محسوس ہوا تھا۔

❁......❁......❁

''وہ ایک شیخ تھا' شیخ تو ویسے بھی بڑے کنجوس ہوتے ہیں۔'' داؤد نے لاؤنج میں فرش پر چوکڑی مارتے سامنے پلیٹ میں رکھے آم کا ٹکڑا منہ میں رکھا تھا۔ وہ بہن کو اپنے مخصوص بے تکلفانہ اور مزاحیہ انداز میں لطیفہ سنا رہا تھا۔ وہ سب بہن بھائیوں میں زیادہ جولی نیچر کا تھا اسے ہنسنا ہنسانا آتا تھا۔ وہ گھر میں زیادہ دیر ٹینشن نہ رہنے دیتا تھا' فرخندہ زمعہ کی وجہ سے اکثر فکر مند رہتی تھیں۔ داؤد ہی انہیں طرح طرح کے چٹکلے چھوڑ کر خوش رکھنے کی کوشش کرتا تا کہ ان کا شوگر لیول نارمل رہے۔ آم کے ٹکڑے کا رس اس کے کپڑوں پر گرا تو اس نے لطیفہ میں توقف کیا۔

''کیا کہا' شیخ کنجوس ہوتے ہیں تمہیں بات کرنے کی ذرا تمیز نہیں ہے اگر میں یہ کہوں کہ پاشا تر کھانوں کی قوم سے ہیں تو تمہیں کیسا لگے گا؟'' نجانے کب وہاں سے گزرتی زمعہ کے کانوں نے داؤد کا آخری فقرہ کیچ کر لیا تھا۔ وہ غصے سے تن فن کرتی اس کے سر پر آدھمکی وہ اس افتاد کے لیے قطعاً تیار نہ تھا نتیجتاً آم کا رس بھرا ٹکڑا اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے قیمتی کارپٹ پر نقش و نگار بنا گیا تھا۔ زمعہ نے اپنا قیمتی کارپٹ بطور خاص لاؤنج میں بچھوایا تھا تا کہ اس کی ''ٹور'' بن سکے' اریج اور فرخندہ کے چہروں پر پھیلی مسکراہٹ سمٹ کر رہ گئی' وہ بھی اس افتاد پر گھبرائی ہوئی تھیں۔

زمعہ بات کا بتنگڑ بنانا خوب جانتی تھی' وہ شیخ قوم سے تھی جبکہ طٰہ پاشا تھا۔ اس نے داؤد کے لطیفے کو لطیفے کی حد تک نہ رہنے دیا تھا اور بات خود پر لے لی تھی۔

''جواب دو تمہیں ہمت کیسے ہوئی میری قوم کو کچھ کہنے کی۔'' زمعہ کا پارہ کارپٹ خراب ہونے سے مزید آسمان پر چڑھ گیا' اس کا بس نہ چل رہا تھا وہ داؤد کے دو ہاتھ جڑ دیتی۔ وہ زخمی ناگن کی طرح غصے سے ساس اور بھابی کی موجودگی کا لحاظ کیے بنا گرج دار انداز میں پھنکاری تھی۔

''بھابی آپ خوامخواہ بات کو بڑھا رہی ہیں' میں جسٹ ایک جوک سنا رہا تھا امی اور باجی کو۔ میرا مقصد ہرگز آپ کو ہرٹ کرنا نہ تھا۔'' بات بڑھنے کا خدشہ تھا' داؤد نے متانت سے اس کا بدتمیز و غصیلا انداز نظر انداز کر کے وضاحت کی۔

''واہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے' تم مجھے کچھ بھی کہو میں سنتی رہوں۔'' زمعہ نے عجب تمسخرانہ انداز میں ہاتھ فضا میں نچایا' وہ اس پل کسی دیہاتی ان پڑھ اجڈ خاتون سے کم نہ لگ رہی تھی۔ زمعہ نے اس کی ایکسکیوز کو قبول نہ کیا' وہ اسے قصوروار گردان رہی تھی۔

''زمعہ بیٹا تم خوامخواہ بات کو بڑھا رہی ہو۔ تم بھی بھلے ہمیں تر کھان کہہ لو ہم برا نہ مانیں گے۔'' فرخندہ بیگم کو پہلی

باراس پر شدید تاؤ آیا تھا' وہ اس پل نہ تو اس سے دبی تھیں اور نہ ہی انہیں کسی وہم نے ستایا تھا وہ غصے سے بولیں تو زمعہ کو ان کا بولنا سخت ناگوار گزرا۔

''آنٹی آپ بیٹے کو سمجھانے کی بجائے اس کی سائیڈ لے رہی ہیں۔'' زمعہ ساس کے غصے سے خائف دھیمے لہجے میں بولی تھی اس کا خیال تھا کہ داؤد نے بطور خاص اسے ہی سنایا تھا کیونکہ گھر میں وہی شیخ تھی۔

''بات سنو زمعہ..... اگر تم خان ہوتی اور داؤد خان کا کوئی لطیفہ سنا رہا ہوتا تو تم پھر بھی بات یونہی اچھالتی۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہہ رہا ہے تمہاری وہی مثل ہے ''چور کی داڑھی میں تنکا.....'' فرخندہ نے اسے پہلی بار کھری کھری سنائی تھیں وہ روز بروز رشتوں کا لحاظ واحترام اور پہچان کھوتی جارہی تھی اس نے فضول میں ایک معمولی بات کو بڑھا چڑھا کر لڑائی کا روپ دے ڈالا تھا' وہ غصے سے کھولتی مزید کچھ کہے بنا پلٹ گئی تھی فرخندہ کو اس سے کوئی خوف نہ تھا اگر وہ اس سے ڈرتی رہتیں تو وہ ان کے سر پر سوار ہوکر انہیں مزید ذلیل کرتی' داؤد کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

البتہ اریج پریشان تھی اس نے ابھی اپنی ماں کو فون کھڑکا دینا تھا اور اس کی شامت یقینی تھی۔ ثمینہ اس کے وہ لتے لیتیں کہ اس کی سات نسلیں یاد رکھتیں۔

''اریج تم اپنی ساس کو ساری حقیقت بتانا' وہ سمجھ جائیں گی۔'' فرخندہ ماں تھیں انہوں نے بیٹی کا خاموش تفکر بھرا چہرہ پڑھ لیا تھا۔ انہوں نے بیٹی کا ہاتھ دبا کر اسے تسلی دی' اس نے یونہی سر ہلا دیا تھا۔ داؤد آم کے چھلکوں کی پلیٹ اٹھا کر چلتا بنا ویسے بھی اب وہ پہلے والی بات نہ رہی تھی۔ زمعہ کی منفی سوچ نے اس کی گھٹیا ذہنیت عیاں کر کے سارا ماحول کو کرکرا کردیا تھا اس کی پروپیگنڈا نیچر نے سب کو بدمزہ کیا تھا۔

❀......❀......❀

''زمعہ بیٹا..... تم گاؤن اتار لو گرمی بہت ہے۔'' اس روز اریج کی واپسی تھی' اس کا دل چھوٹی خالہ سے ملنے کو مچل اٹھا۔ نغمہ خالہ اس سے محض آٹھ سال بڑی تھیں' دونوں میں بے حد بے تکلفی و دوستی تھی۔ خالہ نے اس کے میکے آنے کا سنا تو خصوصی طور پر اس کی دعوت کر ڈالی' وہ خالہ کے ہاں دعوت پر مدعو تھے' اس روز گرمی بھی سارے ریکارڈ توڑنے پر آمادہ تھی' انہیں وہاں پہنچے کافی دیر ہوچکی تھی۔

اریج اور فرخندہ نے پہنچتے ہی نغمہ سے ملنے کے بعد اپنے گاؤن اتار دیئے تھے جبکہ زمعہ نے گاؤن نہ اتارا تھا' اس کا چہرہ گرمی کی شدت سے سرخ ہوا جارہا تھا۔ وقار اور طٰہ ان کے ساتھ مصروفیت کے باعث نہ جاسکے تھے' داؤد اور اسامہ ان کے ہمراہ تھے۔ وہ سب سٹنگ روم میں بیٹھے تھے زمعہ کی عادت تھی کہ وہ کہیں جاکر گاؤن نہ اتارتی تھی خواہ اسے کئی گھنٹے قیام کرنا پڑتا۔ فرخندہ اسے اس کی اس عادت پر ٹوک چکی تھیں لیکن زمعہ نے اپنی روش نہ بدلی تھی انہیں بھی بہو کی یہ عادت عجیب سی لگتی تھی۔

''زمعہ بیٹا' تم گاؤن اتار لو چندا.....'' خالہ نے اسے دوسری بار گاؤن اتارنے کا کہا تھا۔ انہیں شدید گرمی میں ریشمی گاؤن پہننے کے تصور سے ہی ہول اٹھ رہے تھے' انہیں زمعہ کو دیکھ کر گرمی کی زیادہ شدت محسوس ہورہی تھی۔ اریج اور فرخندہ اسی کی وجہ سے اپنی جگہ خفت محسوس کررہی تھیں۔

''زمعہ بیٹا' تم گاؤن اتار لو۔'' فرخندہ کو نغمہ خالہ نے خالہ سے اسے گاؤن اتارنے کا کہنے کے لیے اشارہ کیا تھا وہ نہ چاہتے ہوئے زمعہ کو مخاطب کر بیٹھیں۔ وہ اس کی ہٹ سے واقف تھی' اسے گاؤن نہ اتارنا تھا خواہ اسے کوئی سو بار بھی کہہ ڈالتا۔

''مما.....'' اسی لمحہ خالہ زاد عکاشہ نے ماں کو آواز لگائی تھی تو وہ ان کی تواضع کے لیے لوازمات لینے چلی گئیں۔

''آنٹی مجھے گاؤن نہیں اتارنا..... پلیز آپ مجھے دوبارہ مت کہیے گا۔'' وہ اپنی مخصوص ہٹ دھرمی اور بدتمیزی سے خالہ کے جاتے ہی بولی تھی۔ اسے میزبان کے سامنے ساس کا بولنا اک آنکھ کا بھایا تھا۔ اس نے موقع ملتے ہی ان پر اپنی ناپسندیدگی جتادی تھی' فرخندہ اپنا سا منہ لے کر رہ

گئیں' چاروں نفوس کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

داؤد کے تو سر پر لگی اور پاؤں پر بجھی' اس سے ماں کی بے عزتی سہی نہ جارہی تھی۔ وہ عجیب لڑکی تھی جسے کسی چھوٹے بڑے سے بات کرنے کی تمیز نہ تھی اریج الگ ہک دک تھی اس نے ماں کی زبانی زمعہ کی بدتمیزیوں کے قصے بہت سن رکھے تھے لیکن اس کا واسطہ پہلی بار پڑا تھا۔

''زمعہ امی تمہارا خیال کر کے ہی کہہ رہی ہیں اگر تمہیں گرمی میں سڑنے کا شوق ہورہا ہے تو ہمیں بھلا کیا اعتراض ہونا ہے۔'' اریج نے دھیمے لہجے میں ناگواری سے اسے ٹوک کر احساس دلانا چاہا تھا کہ یہ ان کا اپنا گھر نہیں ہے وہ یہاں مہمان ہے اس لیے تھوڑا سا تو لحاظ رکھ لے۔

''اریج میری عادت نہیں جا کر گاؤن اتارنے کی نہیں ہے۔'' زمعہ نے بھی جواباً نرمی بھری ناگواری سے کہا تھا غالباً اس نے میکے کا لحاظ کر کے اریج سے لہجہ دھیما رکھا تھا ورنہ تو وہ غصے میں کبھی طٰہٰ کا لحاظ نہ رکھتی تھی۔ اریج نے مصلحتاً خاموشی بہتر جانی' خالہ بھی کولڈ ڈرنکس کے ساتھ چکن رول' چکن کباب اور شامی کباب لے کر آ گئی تھیں۔ وہ مہمانوں کو مشروب سرو کرنے لگیں' گرم و تلخ ماحول نے یک دم گرمی بڑھادی تھی۔

❁……❁……❁

''بھائی…… آپ بھابی سے پوچھیں تو سہی' آخر انہیں یہاں کیا مسئلہ ہے۔'' اریج کو انہوں نے واپسی پر اس کے سسرال ڈراپ کردیا تھا ان کی واپسی قدرے تاخیر سے ہوئی تھی۔ ابو اور طٰہٰ گھر آ چکے تھے داؤد کا غصہ اترنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا' اسے زمعہ کی امی سے بدتمیزی پر شدید غصہ تھا اور وہ بھی گھر سے باہر۔ یوں تو بات خاندان میں پھیل سکتی تھی اس نے آتی ہی بھائی کو ساری بات بتادی تھی۔ زمعہ کو نہ تو اپنی عزت کا احساس تھا اور نہ ہی سسرال کی' اس سے اسی کی بدنامی ہونا تھی اور خاندان میں الگ طرح طرح کی باتیں پھیلتیں' لوگوں کی زبانیں بند کرنا آسان نہ تھا۔

''داؤد تم خاموش رہو طٰہٰ تم بھی اس سے کچھ نہ کہنا' میں کل اس سے خود بات کروں گا۔'' وقار نے سختی سے داؤد کو خاموش کروا کر طٰہٰ کو تاکید کی۔ جو کافی پریشان لگ رہا تھا' داؤد کی بات میں وزن تھا پہلے اس کی ساری خودسری اور ہٹ دھرمی گھر کی چار دیواری کے اندر تھی اب وہ مہمان داری میں بھی ضد کرنے لگی تھی اور اسے بھی زمعہ کی امی سے بدتمیزی کا سن کر بے حد تاؤ آیا تھا۔

طٰہٰ کو اس سے یہ توقع ہرگز نہ تھی وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سمجھ دار لڑکی تھی مگر تعلیم نے اسے تمیز نہ سکھائی تھی اس کے پاس تعلیم کے نام پر محض کاغذ کے ٹکڑے بطور ڈگری تھے۔ اس کی پریشانی فطری تھی اسے خود سے زیادہ اریج کی فکر رہتی تھی۔ فرخندہ کھانا تیار کرنے اٹھ گئیں' زمعہ سے ابھی گھر کے کام کروانے شروع نہ کیے تھے وہ آتے ہی اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی۔

❁……❁……❁

''السلام علیکم!'' شام کا ملگجا اندھیرا پھیلے کافی دیر ہوچکی تھی۔ گھر میں تاریکی اور خاموشی کا راج تھا' وہ اندر داخل ہوئی تو ٹکراؤ چھوٹے دیور سے ہوگیا۔ آنٹی اور سامعہ کہیں گئی ہوئی تھیں اور لیس اس کے آتے ہی باہر نکل گیا تھا اسے اپنے دوست کے ہاں ضروری کام سے جانا تھا۔ وہ ماں اور بہن کی واپسی کا منتظر تھا جو اسے جلدی آنے کا کہہ کر کہیں گئی تھیں اور ان کی واپسی کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا وہ اریج کے آتے ہی سلام کا جواب سر سے دیتا اسے بتا کر گھر سے نکل گیا۔

اریج اپنے کمرے میں جا کر ستانے لگی' تھوڑی دیر بعد اسے آہٹ سنائی دی تو وہ کمرے سے نکلی۔ سامعہ آنٹی کو پانی کا گلاس تھمارہی تھی اس نے دونوں کو جھٹ سلام کیا۔ دونوں نے سر ہلا کر جواب دیا' دونوں کا انداز خشک و کرخت تھا اور رویے میں واضح سرد مہری تھی۔ اریج کے اندر خطرے کی گھنٹی زور سے بجی تھی۔

''کہیں کوئی گڑبڑ تھی مگر کیا۔'' اریج کو سنگینی کا احساس ہوا مگر وہ سمجھ نہ سکی۔ وہ دونوں کے مبہم رویے سمجھتی' اگلے پل خود کو نارمل ظاہر کرتی آنٹی کے قریب آ بیٹھی۔ سامعہ اس

کے سامنے بھی، وہ دونوں اب اپنی چادریں اتار رہی تھیں۔
سامعہ اپنی اور ماں کی چادر تہہ کر کے الماری میں رکھ آئی اس نے اریج کے سامنے جگہ سنبھال کر موبائل تھام لیا۔ اس کی انگلیاں تیزی سے متحرک تھیں، اس کی تیزی سے تھرکتی انگلیاں اس کی چیٹنگ میں حد درجہ مہارت کی غماز تھیں۔

''اریج بیٹا...... تم دال چاول پکالو۔'' ان کے گھر کا ماحول ہرگز دقیانوسی نہ تھا اور نہ ہی بہت زیادہ لبرل تھا۔ اگر کوئی سب کی موجودگی میں ایس ایم ایس یا کال کر لیتا تو کسی دوسرے کو کوئی فرق نہ پڑتا تھا اور نہ ہی دل میں کوئی تجسس اٹھتا تھا۔ سامعہ کی مسلسل بجتی ایس ایم ایس ٹون اریج کو کچھ معیوب لگی تھی، اس کا ایس ایم ایس کا سلسلہ کافی دیر سے جاری تھا اور رکنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ وہ مسلسل سامعہ کو فوکس کیے ہوئے تھی کہ آنٹی نے اسے نرمی سے اسے اٹھایا۔ غالباً یہ ان کے دل کا چور بھی تھا، وہ آگاہ تھیں کہ سامعہ کسی سے چیٹ کر رہی ہے اس نے شادی کے ہفتہ بعد ہی گھر کے کام کاج شروع کر دیئے تھے۔ سامعہ سارا دن فارغ نیٹ پر یا پھر چیٹ میں بزی رہتی۔

اس کے میکے میں زمعہ سے جلدی ''میٹھا پکوائی'' کی رسم نہ کروائی گئی تھی اور وہاں اس کی کوئی چھوٹی بہن بھی نہ تھی۔ امی کو تنہا سارے گھر کا کام کرنا پڑتا اور زمعہ نے کبھی مروتاً ان کا ہاتھ بٹانے کی کوشش نہ کی تھی۔ امی گھر کے کاموں میں سارا دن اکیلی ہلکان ہوتی رہتیں جبکہ وہ اپنے کمرے میں پڑی اینٹھتی رہتی تھی۔ دراصل سامعہ بہن سے چیٹ میں بزی تھی، زمعہ اسے ساری روئیداد بتا رہی تھی اور سامعہ بہن سے دس سال چھوٹی ہونے کے باوجود اسے ہدایات دے رہی تھی اور زمعہ ہمہ تن گوش اس سے رہنمائی حاصل کر رہی تھی۔ تین بھائی دونوں کے درمیان تھے اور ایک سب سے چھوٹا تھا۔

''جی آنٹی۔'' وہ آہستگی سے کہتی اٹھ گئی اس کے لیے ان کا نرم لہجہ ہی کافی تھا وہ محبت کی بھوکی تھی اس کا نرم خو دل رشتوں کی بناوٹ اور منافقت سمجھنے سے عاری تھا۔ وہ ظاہر پر ہی خوش ہو جاتی اور کسی معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرتی تھی۔

اریج نے باہر نکلنے سے پہلے ایک سرسری نگاہ سامعہ پر ڈالی، وہ ہنوز چیٹ میں بزی تھی اور اس کا چہرہ کرخت و سخت تھا اس کی سانولی رنگت گہری ہو کر سیاہ بن چکی تھی اور عیاری کی چھاپ نے چہرے سے بانکپن اور معصومیت چھین لی تھی اس کے ماتھے پر بل بھی پڑے تھے۔ وہ جونہی باہر نکلی سامعہ لاسٹ میسج کر کے ماں کے قریب آ بیٹھی اور انہیں سرگوشی میں کچھ بتانے لگی تھی ان کے چہرے پر تفکر کا جال پھیلنے لگا تھا۔ زمعہ نے شادی کے بعد بھی اپنی عادتیں نہ بدلی تھیں، انہیں بیٹی کی ماں ہونے کے ناتے فطری طور پر فکر ہوئی۔ بات معمولی ہرگز نہ تھی اگر اریج ایسا ان کے ہاں کرتی تو وہ اور سامعہ آسمان سر پر اٹھا لیتیں کہ اس نے ان کی بے عزتی کی ہے مگر اب انہیں بیٹی کے عیب چھپانے تھے ان کا عیار سازشی ذہن تیزی سے بیٹی کو بچانے کے لیے تانے بانے بننے لگا تھا۔ انہیں اب جو بھی کرنا تھا وہ فوراً کرنا تھا، وقار نے کل زمعہ سے بات کرنا تھی انہیں سانپ بھی مارنا تھا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے دینی تھی۔ وہ وقار کی زمعہ سے بات کرنے کی نوبت ہی نہ آنے دینا چاہتی تھیں ان کا ذہن تیزی سے سوچ کے گھوڑے دوڑا رہا تھا۔ سامعہ بھی سوچ میں گم تھی اس کا ذہن بھی اسی پہلو پر سوچ رہا تھا۔

اریج اندر اپنے خلاف ہونے والے سازشی پلان سے بے خبر عمر فاروق کے خوش کن تصور میں گم کھانا پکانے میں مگن تھی۔ اسے عمر فاروق سے ہفتہ بھر بعد ملنا تھا، دل محبوب سے ملنے کی مسرت سے ہمکنار خوشگوار لے میں دھڑکے جا رہا تھا۔ ابھی اسے عمر فاروق کی آفس واپسی سے پہلے خود بھی تیار ہونا تھا اس کی واپسی میں بمشکل گھنٹہ بجا تھا، وقت کم اور کام زیادہ تھا وہ تیزی سے ہاتھ چلانے لگی۔

❀......❀......❀

اس کی آنکھ کھٹکے سے کھلی تھی، اسے عمر فاروق کی واپسی تک تیار ہونے کا وقت نہ مل سکا تھا۔ آنٹی نے کھانا پکانے کے بعد اسے اپنے اور سامعہ کے کپڑے پریس کرنے پر

لگادیا تھا ان کا مقصد اسے اسی گندے حلیے میں بیٹے کے سامنے پیش کرنے کا تھا تاکہ ان کا بیٹا بیوی کی دلکشی میں نہ کھو سکے۔ وہ کھانا کھانے کے بعد دس بجے کچن سے فارغ ہوکر حسب معمول کمرے میں پہنچی تو جسم آرام کا طلب گار تھا۔ تھکاوٹ روم روم سے چھلک رہی تھی' وہ ڈریس چینج کرنے کا ارادہ ملتوی کرکے ذرا سستانے کے لیے لیٹی تو آنکھ ایک بجے کھلی تھی وہ جھٹکے سے بال سمیٹتی اٹھ بیٹھی وہ تقریباً ڈھائی گھنٹے سوئی تھی اور اسے خبر تک نہ ہوئی۔

''آپ کب آئے؟'' اریج نے محض بات کرنے کے لیے سوال کیا۔ وہ تھکن سے چور مزید نیند کی طلب گار تھی مگر اب اسے سونا نہیں تھا۔

''ابھی......'' وہ آہستگی و بیگانگی سے مختصر جواب دیتا واش روم چلا گیا' وہ حیران ہوئی شاید دل میں کہیں آس تھی کہ وہ کہہ دے گا کہ میں تو کافی دیر سے آیا ہوا ہوں۔ تمہارے آرام کے خیال سے تمہیں ڈسٹرب نہیں کیا تھا' اسے تو آج جلدی آنا چاہیے تھا وہ آج ہی تو ہفتہ بعد میکے سے لوٹی تھی۔

وہ تھوڑی دیر بعد نائٹ ڈریس میں ملبوس برآمد ہوا' اس کے سانولے دلکش نقوش کے حامل چہرے پر گہری سرد مہری طاری تھی' جس نے اریج کو کچھ کہنے سے روک دیا وہ خاموشی سے اس کی نقل و حرکت نوٹ کرنے لگی تھی اس نے لیپ ٹاپ آن کیا اور کام میں بزی ہوگیا یہ بھی اریج کو بولنے پر اکسانے کا ایک طریقہ تھا ورنہ اسے صبح آفس کے لیے جلدی اٹھنا ہوتا تھا۔

''تم سو جاؤ۔'' وہ مسلسل اس پر خاموش نظریں جمائے نیم دراز تھی اس کی نیند اڑ چکی تھی عمر فاروق میں اسے دیکھ کر دل میں کوئی جذبہ نہ ابھرا تھا یا پھر وہ خود پر جبر کیے ہوئے تھا۔ اسے خود کو اریج پر خفا ظاہر کرنا تھا وہ لاتعلقی سے کام میں بزی تھا وہ اس کے بولنے کا منتظر تھا وہ نہ بولی تو ناچار اسے ہی گفتگو میں پہل کرنا پڑی تھی۔

''مجھے نیند نہیں آرہی۔'' اریج کے وجود میں یک دم ڈھیروں سناٹے اتر آئے تھے وہ تو اس کی محبتوں کی عادی تھی اس سے عمر فاروق کی بیگانگی نہ سہی جا رہی تھی۔ دونوں کے بیچ لاتعلقی کا یہ پہلا موقع تھا شاید وہ اس سے خفا تھا' وہ اس پر اپنی خفگی بھی تو واضح نہ کررہا تھا اور اریج کو پوچھنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔

اسے یک دم کسی گڑبڑ کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ اس کا دل صاف تھا اس نے کسی کے ساتھ برا نہ کیا تھا۔ سو وہ پہلے پہل سمجھ نہ پائی تھی مگر وہ اب لاکھ چاہ کے بھی خود کو جھٹلا نہ پارہی تھی اس کا دل بری طرح دکھ رہا تھا۔

''تمہیں آتے ہی امی اور سامعہ کے پاس تھوڑی دیر بیٹھنا چاہیے تھا۔'' وہ مسلسل اس پر خاموشی جاچتی نگاہیں جمائے ہوئی تھی۔ عمر فاروق نے بالآخر گفتگو میں پہل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ لیپ ٹاپ بند کرکے اس کے قریب آگیا آخر وہ بات بھی تو کرنا تھی جس کے لیے اسے ایک بجے کمرے میں آنا پڑا تھا۔ امی نے اس کے خوب کان بھرے تھے اور اس کار خیر میں سامعہ نے بھی بھرپور حصہ ڈالا تھا۔ دراصل وہ جانتی تھیں کہ حقیقتاً زمعہ نے بدتمیزی کی حد کردی ہے اور یہ بات اب چھپ نہ سکتی تھی اور اس کے سسرال والے ان کے ہاں بھی آسکتے تھے مگر وہ ایسی نوبت آنے سے پہلے ہی اس کا سدباب کرنے کا فیصلہ کرچکی تھیں۔ انہیں اب سارا ملبہ اریج پر گرانا تھا ''میں نہ مانوں'' کے مصداق اریج کو برا بنا کر زمعہ کی راہ ہموار کرنا تھی۔

وہ ساری زندگی دوسروں کی خوشیوں سے ہی تو کھیلتی آئی تھیں ان کے لیے یہ کھیل نیا نہ تھا۔ گھر میں انہی کا سکہ چلتا تھا وہ جو بات ایک بار کہہ دیتیں اس سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹتی تھیں اور سارے گھر والے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے عادی تھے۔ عبداللہ صاحب کی حیثیت گھر میں ثانوی تھی۔ وہ بیوی کی ہاں میں ہاں ملانے کے اتنے عادی ہوچکے تھے ان میں بیوی کی کسی بات سے اختلاف کرنے اور روگردانی کرنے کی ذرا سی بھی ہمت نہ تھی۔ کوئی ان کی بات سے معمولی بھی روگردانی کرتا تو اس کی شامت اعمال آجاتی تھی انہیں کسی بات میں ٹوکا جاتا تو ان کا پارہ غصے

سے ہائی ہوجاتا۔ عمر فاروق نے گفتگو کا آغاز کیا اسے ماں کو ناراض نہ کرنا تھا۔

"میں جب گھر لوٹی تو فیفی تنہا گھر میں تھا امی اور سامعہ جب گھر لوٹیں تو میں ان کے پاس بیٹھی تھی۔" اریج نے اپنی صفائی دی اسے اپناوہم حقیقت میں ڈھلتا محسوس ہوا تھا۔ عمر فاروق کی سردمہری وخاموشی بلاوجہ نہ تھی۔

"تمہیں زیادہ دیر بیٹھنا چاہیے تھا۔" اس نے اریج کی صفائی رد کردی تھی وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی نجانے کیوں اسے اس پل غصہ نہ آیا تھا اور نہ ہی دکھ ہوا تھا۔ اسے صرف حیرانگی ہوئی تھی شدید ترین حیرانگی۔ اسے ساری بات بتادی گئی تھی اور بات سچ بھی تھی وہ واقعی صرف تھوڑی دیر ہی تو بیٹھی تھی پھر اسے امی نے کھانا پکانے کے بہانے سے اٹھادیا تھا اس کے الفاظ حیرت کی شدت سے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

"تمہیں یہاں کسی سے کوئی تکلیف یا شکایت ہے۔" عمر فاروق کے اگلے سوال نے اسے مزید حیران کردیا تھا۔ اسے حقیقت اپنے من چاہے الفاظ اور پیرائے میں ڈھال کر بتائی گئی تھی۔

"نہیں۔" اس نے معاملہ فہمی میں ناکام ہوکر ہولے سے نفی میں گردن ہلائی۔ اسے یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ کہیں گڑبڑ ہے مگر یہ سمجھ نہ آرہی تھی کہ گڑبڑ ہے کیا۔ وہ قطعاً لاعلم تھی کہ اس کے خلاف بات کو بے حد بڑھا چڑھادیا گیا ہے اور کانوں کا کچا اور ماں کا فرماں بردار عمر فاروق اس کی کسی بات پر یقین کرنے کو قطعاً تیار ہی نہیں ہے اسے صرف اپنی ماں کی سکھائی باتیں ہی سچ لگ رہی تھیں۔

"پھر تمہارے گھر والوں نے باجی کی ناک میں دم کیوں کر رکھا ہے؟" آج کا سورج اس کے لیے حیرانگیوں کے پہاڑ لیے طلوع ہوا تھا اس پر حیرت کا پہاڑ ہی تو ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ ماں سے زمعہ کے سارے کچے چٹھے سن کر آئی تھی زمعہ نے کیسے اس کے گھر والوں کا جینا حرام کر رکھا تھا اور سب سے آتے ہی پیر باندھ لیا تھا۔ عمر فاروق یوں بات کررہا تھا جیسے وہ مظلوم ہو اور اس کے میکے والے ظالم

دراصل ثمینہ بیگم کا دوررس ذہن بھانپ چکا تھا کہ اریج ضرور اس بار میکے سے زمعہ کے قصے سن کرآئی ہوگی انہیں خدشہ تھا کہ کہیں وہ عمر فاروق سے بات نہ کردے اور بات ان کے گھر کے مردوں تک پہنچ جائے۔

وہ تو آدھے سچ بولنے کی عادی تھیں ان کے آدھے سچ تو زمعہ کی "سب اچھا ہے" کی رپورٹ پیش کرتے تھے اگر اریج پوراسچ بول دیتی تو وہ جھوٹی پڑجاتیں اور گھر کے مردان کی بات سننے وسمجھنے سے انکار کردیتے۔ وہ مشکلات سے کھیلنا جانتی تھیں اسی لیے انہوں نے اریج کی زبان بندی کے لیے اس پروار کردیا تھا۔

"آخر بات کیا ہوئی ہے؟" کمرے میں بوجھل سکوت تھا' اریج نے معاملہ بگڑنے سے پہلے سلجھانے کا فیصلہ کرلیا۔ عمر فاروق کا غصہ وناراضگی بڑھتی جارہی تھی وہ اس سے کھل کر بات کرنا چاہتی تھی تاکہ ابہام دور ہو اور دلوں میں میل نہ آئے۔

"داؤد باجی کے معاملات میں فضول دخل اندازی کرتا ہے۔ کبھی وہ موبائل بلا اجازت اٹھالیتا ہے' کبھی اسے مشین میں سرف زیادہ ڈالنے پر اعتراض ہوتا ہے اور کبھی وہ طہٰ کو باجی کے خلاف اکساکر باجی کا گھر خراب کرتا ہے اگر تمہارا کوئی دیور ایسا کرے تو تمہیں کیسا لگے گا۔" ایک سانس میں کئی سوالات واعتراضات اٹھاتے ہوئے عمر فاروق کی آواز میں کپکپاہٹ سی اتر آئی۔ اریج پتھر کی مانند ساکت تھی۔ اس کی تمام باتیں سچ تھیں مگر آدھے ادھورے سچ' وہ اصل حقیقت سے لاعلم اس پر خفا ہورہا تھا۔ اریج ان کے شاطر پن پر دنگ تھی اس کا ذہن مفلوج ہوچکا تھا۔

"ایسا نہیں ہے بات...." مکمل سچائی مکمل سچ سننے پر واضح ہوتا تھی۔ اس کی مسلسل خاموشی اسے مجرم ظاہر کررہی تھی اس نے حوصلہ مجتمع کیا تھا۔ آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں اٹکا جسے نگلتے ہوئے اس نے بمشکل خود کو نارمل رکھا تھا۔

"مجھے صرف یہ بتاؤ کہ کیا میں نے کوئی بات غلط کہی ہے۔" اس کی پہلی دونوں باتیں ادھورے سچ تھے یقیناً

تیسری بات بھی ادھورا سچ ہی تھی گو وہ آخری بات سے قطعاً لاعلم تھی مگر وہ داؤد کو جانتی تھی اسے اپنے گھر والوں کی صلح پسندی اور ضبط وتحمل کا بھی علم تھا' اسے اب سامعہ کی چیلنگ بھی یاد آ گئی تھی۔

''آپ کی بات سچ ہے مگر.....'' اریج نے دوبارہ اسے حقیقت بتانا چاہی تھی جس طرح امی نے انتہائی دھڑلے سے داؤد پر ساری بات ڈال دی تھی وہ اس پر کوئی بہتان لگا سکتی تھیں اسے خوف سے جھرجھری آ گئی۔

''بس بھی کردو اریج..... تم لوگ اپنی غلطی مان لو۔'' کانوں کے کچے عمر فاروق کی زبان صرف ماں کی زبان اگل رہی تھی وہ قطعیت وسختی سے اسے وارن کرتا کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ اسے اریج کی کوئی بات نہ سننا تھی سو اس نے نہ سنی' اریج اپنی جگہ سُن رہ گئی۔

❁.....❁.....❁

''ہیلو ہیلو..... اریج.....'' وہ فون پر مسلسل روئے جارہی تھی' مارے فکر وپریشانی سے اس کے منہ سے الفاظ ادا نہ ہو پارہے تھے۔ دوسری طرف وقار صاحب سخت ہراساں تھے' انہیں اریج کے آنسو اذیت میں مبتلا کرچکے تھے وہ ان کی لاڈو پلی اکلوتی بیٹی تھی' اس کی آنکھوں سے مسلسل بہتے آنسو اور سسکیاں بناء دیکھے ہی ان کا دل چیر رہی تھیں اگر کبھی اریج کی اپنے بھائیوں سے لڑائی ہوجاتی تو وہ ہمیشہ اریج کی ہی سائیڈ لیتے تھے چاہے اسی کی غلطی ہوتی۔ ان کی نازوں پلی نازک بچی میں بہت برداشت و صبر تھا وہ کبھی بھی کسی معمولی بات کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔

''اریج بیٹا..... تم کیوں مجھے پریشان کررہی ہو' مجھے بتاؤ تو سہی کیا معاملہ ہے۔'' عمر فاروق خفگی سے امی کے ہاتھ کا تیار کردہ ناشتا کرکے گیا تھا' وہ روزانہ صبح عمر فاروق کا ناشتا بناتی تھی وہ حسب معمول صبح کچن میں آئی تو ثمینہ بیگم ناشتا بنارہی تھیں جیسے انہیں یقین ہو کہ عمر فاروق اس سے خفا ہوگا۔ وہ ناشتا خود بنا کر دونوں کے درمیان معاملے کو طویل دینا چاہتی تھیں حالانکہ وہ لیٹ نہ آئی تھی اور یہ ٹائم ثمینہ بیگم کے سونے کا ہوتا تھا۔ ان کا موڈ خاصا بگڑا ہوا اور سیریس تھا وہ سراسیمہ سی اپنے خول میں سمٹی خاموشی سے ان کا ہاتھ بٹانے لگی۔ عمر فاروق تیار ہوکر آیا تو وہ ناشتا ٹیبل پر لگا چکی تھی وہ منہ پھلائے ناشتا کرکے بناء کوئی بات کیے آفس چلا گیا تھا۔ سامعہ کا ایم فل کا رزلٹ نیا آیا تھا اور اس کی ملک کی بہترین کمپنی میں جاب لگ گئی تھی اس کا پہلا دن تھا وہ بھی آفس جاچکی تھی۔

وہ آنٹی کے ہمراہ اکیلی رہ گئی' ان کا موڈ سخت آف لگ رہا تھا۔ وہ چہرے پر سنجیدگی لیے خاموشی سے اپنے کاموں میں مگن تھیں وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ موجودہ صورت حال نے اس کی ٹینشن بڑھادی تھی' اس کا وقت کاٹے نہ کٹ رہا تھا' اسے گھبراہٹ وبے چینی کی شدید لہر نے گھیر لیا تو اس نے گھر کال ملائی تھی۔ سوئے اتفاق ابو جی نے فوراً کال ریسیو کرلی وہ ان کی آواز سنتے ہی رونے لگی تھی۔ ابو نے بے تابی سے اسے پکارتے ہوئے اصل وجہ پوچھی تھی۔

''فرخندہ تمہی پوچھو اس سے' وہ کیوں رو رہی ہے۔'' وقار صاحب نے پریشانی سے قریب موجود سبزی کاٹتی فرخندہ کو فون تھمایا تھا۔ وہ بھی صبح اتنی جلدی اس کے فون پر رونے کا جان کر سخت گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار ہوگئی تھیں' انہوں نے موبائل تھام لیا تھا ان کے ہاتھ میں ہلکی کپکپاہٹ نمایاں تھی' ان کا دل کسی انہونی کے تصور سے لرز رہا تھا۔

''اریج.....'' دوسری طرف اس کی سسکیاں ابھی تک جاری تھیں' فرخندہ کا دل ہول رہا تھا۔

''امی.....'' اس نے نمی بھرے لہجے میں اپنے بہتے آنسو کنٹرول کرتے ہوئے دھیرے دھیرے ساری بات بتادی تھی۔ وقار پریشانی سے بیوی کو دیکھے جارہے تھے جو کافی دیر سے گفتگو میں بس ہوں ہاں ہی کیے جارہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

''اریج کچھ بولو تو سہی' آخر معاملہ کیا ہے۔'' وہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق سارے گھر والوں سے خفا رات سے کمرے میں بند تھی۔ وہ اسی وقت اپنے میکے

ساری رپورٹ پہنچا کر بہن کے ساتھ ساری آئندہ پلاننگ طے کر چکی تھی۔ وہ میکے سے رات گئے تک لمحہ بہ لمحہ رپورٹ حاصل کرتی رہی تھی بلکہ جب ثمینہ بیگم نے عدالت لگائی ہوئی تھی تو سامعہ نے اسے فون کر کے خاموشی سے فون سائیڈ پر رکھ دیا تھا۔ وہ ہیڈ فون لگائے بہانے سے طٰہٰ پر یوں ظاہر کرتی رہی تھی جیسے وہ کوئی پروگرام دیکھ رہی ہو۔ طٰہٰ اس سے سخت خفا تھا مگر وہ الٹا اس پر اپنی خفگی جتا رہی تھی۔

اس نے رات اظہارِ خفگی کے طور پر کھانا بھی نہ کھایا تھا' وہ صبح دیر سے اٹھی تھی اور ناشتا کے لیے کچن میں چلی آئی۔ اس نے چائے کے لیے کیتلی چولہے پر رکھی تو اس کے کانوں سے جملہ ٹکرایا تھا وہ لمحہ کے ہزارویں حصے میں معاملہ سمجھ گئی تھی۔ وہ چائے بھول کر لاؤنج سے ملحقہ برآمدے میں کھلتی کچن کی کھڑکی کے پاس آ گئی جہاں سے آواز مدہم مگر صاف سنائی دے رہی تھی۔

''فرخندہ تمہی پوچھو اس سے' وہ کیوں رو رہی ہے۔'' وقار صاحب فون بیوی کو تھما چکے تھے' زمعہ کی چھٹی حس تیزی سے جاگی تھی وہ ناشتا کرنا بھول بھال کر تیزی سے کمرے میں بھاگی تھی۔

''امی آپ جا کر دیکھیں ذرا' آپ کی بہو کیا کر رہی ہے۔'' زمعہ نے کمال عیاری سے لہجے میں نمی سمو لی تھی۔ ثمینہ بیگم کچن میں تھیں کہ بیٹی کا فون آ گیا' ان کا پارہ بیٹی کے گیلے لہجے نے بہت زیادہ ہائی کر دیا تھا۔

''تم بے فکر رہو میں ابھی اسے دیکھتی ہوں۔'' وہ غصے سے فون بند کر کے اریج کے کمرے کی طرف بڑھیں' وہ ان لوگوں میں سے تھیں جو معاملے کے تمام پہلو بخوبی سوچ کر قدم اٹھاتے ہیں تاکہ خود ان کی اپنی ذات پر کہیں سے بھی حرف نہ آئے۔ زمعہ مطمئن سی فون بند کر کے دوبارہ کچن میں آ گئی' اسے اب یہاں کی گفتگو من وعن سننا تھی یوں تو اسے امی ساری بات بتا دیتیں مگر وہ اپنے کانوں سے خود سننا چاہتی تھی اس کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

❁......❁......❁

''تم اپنی ماں کو ہم سے چھپ کر کیا بتا رہی تھی ذرا میرا سامنے بتاؤ انہیں' ارے ہماری تو قسمت پھوٹ گئی جو میں نے اپنے دو ہیرے جیسے خوب صورت بچے رول دیئے۔ ہم جھوٹے نہیں ہیں اور نہ ہی ہم نے اپنے بچوں کو جھوٹ سکھایا ہے۔ ہمارے گھر کا ماحول تمہارے گھر جیسا نہیں ہے جہاں چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہ ہو۔ یہاں کسی کی جرأت نہیں ہے کہ کوئی تمہیں کچھ کہہ جائے جبکہ تم لوگوں نے میرے بیٹی کا جینا حرام کر رکھا ہے۔'' دروازے پر آہٹ ہوتے ہی اریج نے سرعت سے موبائل اپنے تکیے کے نیچے دبا لیا تھا۔ دراصل وہ معاملہ مزید الجھانے سے بچانا چاہتی تھی وہ بخوبی جان چکی تھی کہ اس کے فون کرنے کو بھی غلط رنگ دیا جائے گا۔

ثمینہ بیگم سمجھیں کہ وہ فون بند کر چکی ہے جبکہ فون آن تھا اور دوسری طرف ان کی اونچی پاٹ دار آواز اتفاقاً فرخندہ سن چکی تھیں ان کی سماعت تک ثمینہ بیگم کا حرف حرف پہنچا تھا۔

''آنٹی آپ......'' مارے گھبراہٹ کے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اس کی حالت یوں تھی جیسے وہ کوئی چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ وہ دبو قسم کی ڈرپوک لڑکی نہ تھی وہ فطرتاً نرم خو اور صلح جو لڑکی تھی اور اس اچانک افتاد پر بری طرح بوکھلا گئی تھی۔ ثمینہ بیگم گھن گرج کر اسے غصے سے گھورے جا رہی تھیں۔

''میں نے تمہیں یہاں کوئی تنگی نہیں دی' تمہیں کوئی کچھ نہیں کہتا ہے تم اپنی مرضی کا کھاتی پیتی ہو' پہنتی اوڑھتی ہو پھر تم لوگوں نے میری بیٹی سے کیوں بیر باندھ رکھا ہے۔'' وہ پوری طرح فارم میں آ چکی تھیں ان کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ان کا بس چلتا تو شاید وہ اریج کے دو ہاتھ جڑ دیتیں' اریج کی گھبراہٹ رفتہ رفتہ کم ہو گئی تھی مگر اس کا دماغ اور زبان ابھی تک اس کا ساتھ نہ دے رہے تھے وہ سن ذہن لیے خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ فرخندہ بیگم بھی لائیو گفتگو سن رہی تھیں' اریج کو فون بند کرنے کا خیال آیا ضرور تھا مگر وہ ان کے سامنے فون اٹھا کر معاملے کو مزید طول نہ دینا چاہتی تھی۔

''تمہارے کسی دیور نے بلا اجازت تمہارے موبائل کو کبھی ہاتھ لگایا' یا تم پر کوئی روک ٹوک کی یا تمہارے خلاف عمر فاروق کے کان بھرے۔ تم لوگوں کا داؤ د نجانے کیسا ہے' وہ نہایت بدتمیز لڑکا ہے جسے بھابی کی عزت کرنا نہیں آتی ہے۔'' انہوں نے کڑے تیوروں سے بہو کو سر تا پا گھورا تھا' وہ ہنوز خاموشی بیٹھی انگلیاں مروڑتی رہی۔ ثمینہ بیگم کی کاٹ دار آواز اس کا سر جھکا چکی تھی' عمر فاروق بھی انہی کا ہمنوا و ہم پیالہ تھا۔ نقار خانے میں طوطی کی آوز کون سنتا' وہ مصلحتاً خاموش رہی تھی' مبادا اس کا بولنا کوئی نیا ایشو کری ایٹ کر دے آنٹی کا لہجہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا تھا۔

وہ ان کی گھر میں حیثیت جان چکی تھی' وہ جان گئی تھی کہ یہاں سب یک زبان ہیں کوئی اس کی بات سمجھنا تو درکنار سننا تک گوارا نہ کرے گا' وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔ چاہ کر بھی اپنی صفائی دینے کی پوزیشن میں نہ تھی بھلا زمعہ کے خلاف کوئی کیسے ایک لفظ بھی برداشت کرتا' الٹا وہی اور زیادہ بُری بنتی۔ بہتری و مصلحت خاموشی میں تھی' ان کا لفظ لفظ فرخندہ کا دل چیر رہا تھا' زمعہ نے خاموشی پا کر اپنا ناشتا بنایا اور اپنے کمرے کی راہ لی۔ وہ بے خبر تھی کہ آنٹی ان کی گفتگو فون پر حرف بہ حرف سُن رہی ہیں۔

''زمعہ کی زندگی عذاب بن گئی ہے' طٰہ اسے کون سی سونے کی روٹیاں کھلا رہا ہے' جو تم سب اس پر ظلم کر رہے ہو۔ طٰہ زمعہ سے آئے روز لڑ جھگڑ کر خفا رہتا ہے' عمر فاروق تم سے پہلی بار لڑا تو تم نے فوراً میکے فون کھڑکا دیا۔ یہ تو میری بچی کا صبر ہے کہ وہ ہمیں کچھ نہیں بتاتی اگر وہ بھی تمہاری طرح ہو تو اس کا گھر نہ بس سکے اور بی بی تم بھی میری ایک بات غور سے سن لو اگر تم نے اپنا گھر بسانا ہے تو لمحہ بہ لمحہ یہاں کی رپورٹ میکے پہنچانا چھوڑ دو۔'' ڈھٹائی و کمینگی کی انتہا سی انتہا تھی۔ اریج ساکت و ششدر رہ گئی تھی' ثمینہ بیگم غصہ اتار کر اسی طرح پیر پٹختی چلی گئیں۔ دوسری طرف فرخندہ کی حالت ''کاٹو تو بدن میں لہو نہیں'' جیسی تھی۔ وقار صاحب پر ان کی خاموشی بھاری گزر رہی تھی وہ ان کے فون بند ہونے اور صورت حال جاننے کے لیے سخت بے چین تھے۔

''ابھی زمعہ میکے میں کچھ نہیں بتاتی اور نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے اگر بتا دے تو پھر نجانے کیا مصیبت آئے۔ ہم کیسے ظالم اور بے ہدایت لوگوں میں پھنس گئے ہیں وقار......'' فرخندہ نے فون بند کر کے حرف بہ حرف گفتگو انہیں سنا دی وہ بھی سخت پریشان ہو گئے تھے' فرخندہ نے پریشانی سے سر پکڑ لیا تھا۔

''وقار ہم نے کبھی اپنی بچی کو اُف نہیں کہا اور ثمینہ اسے جو منہ آتا گیا سناتی چلی گئی' وہ بہت پریشان ہو گئی۔'' فرخندہ تصور کی آنکھ سے بیٹی کا سوچ کر ہی ہول اٹھی تھیں۔

❀......❀......❀

''طٰہ تم جتنی جلد ہو سکے فوراً الگ گھر لے لو۔'' طٰہ ہسپتال جا چکا تھا' وقار صاحب نے اسے ارجنٹ کال کر کے گھر بلوایا تھا وہ اس وقت آپریشن تھیٹر میں بزی تھا جونہی فارغ ہوا گھر بھاگا آیا۔ وہ تو اسی وقت سمدھن سے فون پر بات کرنا چاہتے تھے مگر فرخندہ نے سمجھا بجھا کر انہیں ٹھنڈا کر دیا تھا صد شکر کہ ان کی سمجھ میں بات آ گئی تھی اور وہ بیوی کا مشورہ مان گئے تھے وہ بیٹے کے آنے تک جلے پیر کی بلی کی طرح سارے گھر میں چکراتے پھرے تھے۔ وہ گاہے بگاہے شعلہ بار نگاہیں زمعہ کے کمرے کے بند دروازے پر ڈال لیتے تھے۔

انہوں نے بہو کے بے حد چاؤ کیے تھے اس سے ابھی گھر کے کام بھی شروع نہ کروائے تھے جبکہ اریج گھر کے کافی کاموں میں ساس کا ہاتھ بٹاتی تھی ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ ابھی جا کر بہو کی سخت کلاس لے لیتے۔ فرخندہ شوہر کی مزاج آشنا تھیں ان کا دل مسلسل ہول رہا تھا صد شکر کہ طٰہ کے آنے تک وہ خود پر کنٹرول کیے رہے۔ زمعہ لاتعلقی سے بند کمرے میں ماں سے تازہ رپورٹ سن رہی تھی' طٰہ چینج کیے بناء گھبرایا ہوا سیدھا باپ کے پاس آیا تھا' انہوں نے چھوٹتے ہی بیٹے کو حکم دیا' وہ اس اچانک حکم پر دم بخود رہ گیا تھا۔

''خیریت ابو جان......!'' اس کا منہ مارے تحیر کے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا' وہ صبح اسپتال گیا تو حالات خاصے نارمل تھے پھر محض چند گھنٹوں میں ایسا کیا ہوگیا تھا کہ وہ یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہوگئے تھے' وہ یک دم بے حد بوڑھے لگنے لگے تھے انہیں اکلوتی بیٹی کی پریشانی نے نڈھال کردیا تھا ان سے بہت بڑی بھول ہوگئی تھی کہ وہ بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونے کی خوشی میں استخارہ کرنا بھول گئے تھے۔

وہ اپنی اس بھول کا ازلہ جلد از جلد بہو کو الگ کر کے کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی بیٹی کی خوشیاں سلامت رہیں ان کی نازک اندام دھیمی لب و لہجے والی بیٹی تو کسی کی ذرا سی ڈانٹ سن لیتی تھی تو اس کا دل گھبرانے لگتا تھا نہ جانے اس نے اتنے سخت الفاظ اور اہانت بھری ڈانٹ کیسے سہی ہوگی۔

''ابو کیا زمعہ نے کچھ کہا ہے؟'' طٰہٰ کو خود ہی خیال آیا تو پوچھ بیٹھا تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ ابو نے اس سے بات کی ہے اور اس نے ان سے بدتمیزی کی ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ طٰہٰ کے وجود میں اشتعال کی تیز لہر اٹھنے لگی تھی۔

''نہیں بیٹا...... اس نے کچھ نہیں کہا۔'' فرخندہ نے اس کا اشتعال دبانے کے لیے فوراً مداخلت کی۔ وقار صاحب سے تو کچھ بولا نہ جا رہا تھا' فرخندہ نے ہی اسے ساری بات بتائی تھی طٰہٰ کی رنگت غصے و ضبط سے متغیر ہونے لگی تھی اسے زمعہ نے کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔ وہ مارے شرمندگی کے اپنے ہی والدین کے سامنے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔

اسے شرمندگی' بے بسی' دکھ' بے عزتی' اذیت نے بیک وقت گھیر لیا تھا وہ طلحہ کی جوان ڈیتھ کے بعد والدین کو پریشان دیکھ چکا تھا۔ باجی کے لیے مناسب رشتے نہ مل رہے تھے اور جن رشتہ کروانے والوں سے باجی کے لیے کہہ رکھا تھا وہ اشاروں کنایوں میں طٰہٰ کے لیے رشتے لانے کی باتیں کرنے لگے تھے۔ صورت حال سنگین ہوتی جا رہی تھی مگر پچھلی پریشانی موجودہ پریشانی سے بے حد کم تھی۔ کمرے میں جامد سناٹا تھا' ایسا سناٹا جس کی کوئی زبان نہیں ہوتی اگر ہو تو زبان سے صرف آہیں نکلیں جو روح کو گھائل اور وجود کو چھلنی کردیں ایسا سناٹا جس کی کوئی آواز نہیں ہوتی اگر آواز ہوتی تو دکھ و درد سے التجائیں و بددعائیں ہی نکلیں۔ ایسا سناٹا جس کی کوئی چاپ نہیں ہوتی اگر چاپ ہوتی تو دل کی دھرتی میں دھنس جاتی۔

نہ جانے لوگ زمین پر رہ کر انسان بننا کیوں بھول جاتے ہیں وہ صرف خدا بننے کی کوشش ہی کیوں کرتے ہیں اور پھر جب ان پر قدرت کی پکڑ آتی ہے تو انہیں یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ قدرت نے ان پر گرفت ان کے کس گناہ کے باعث کی ہے۔ وہ اپنے زعم میں نیک و شریف ہوتے ہیں۔

''طٰہٰ......'' وقار صاحب نے بیٹے کے کندھے پر تسلی بھرا دباؤ ڈالا وہ اس کا دکھ سمجھ رہے تھے۔

بعض اوقات انسان بے بسی و دکھ کی اس انتہائی منزل پر ہوتا ہے جہاں الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں وہاں صرف محسوسات ہوتے ہیں ایک دوسرے کے دکھ کو صرف سمجھا جاسکتا' محسوس کیا جاسکتا ہے مگر تسلی کا ایک بول بھی لبوں سے ادا نہیں ہو پاتا ہے۔ طٰہٰ نے چہرہ اوپر کیا اس کی آنکھوں میں ضبط کی لالی پھیلی ہوئی تھی اور لب ہولے سے کپکپا رہے تھے۔

''طٰہٰ...... میرا لعل۔'' فرخندہ نے تڑپ کر اسے اپنی ممتا بھری آغوش میں سمیٹ لیا' اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا۔

''امی مجھے معاف کردیں۔'' وہ اونچا پورا مرد چھوٹے معصوم بچے کی مانند ان کے سینے میں منہ چھپائے بلک پڑا تھا۔ فرخندہ اسے خاموش کروانے کی سعی میں ہلکان ہوئی جا رہی تھیں۔ فضا بے حد مغموم ہوچکی تھی' وقار صاحب کی آنکھوں میں بھی تاسف کی نمی پھیلنے لگی تھی۔

❀......❀......❀

''واہ...... کتنا شاندار بنگلہ ہے۔'' وہ خوشی سے چہکتی سارے گھر میں دوڑی پھر رہی تھی۔ یہ شہر کی نئی کالونی کا فلی فرنشڈ اور وال ٹو وال کارپٹ بنگلہ تھا۔ اونر کی اولاد

کینیڈا اسیٹل تھی اور اس کا واپس آنے کا قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا۔ اونر کا دل پاکستان چھوڑنے کو نہ چاہتا تھا وہ بیوی کے ساتھ یہیں رہائش پذیر تھا۔ اس نے سال بھر پہلے یہ گھر اس امید پر بنوایا تھا کہ اس کی اولاد واپس آجائے گی مگر اولاد کے صاف انکار پر وہ بنگلہ بیچ کر بیوی سمیت اولاد کے پاس جانا چاہتا تھا۔

وقار صاحب نے اخبار میں اشتہار دیکھ کر اونر سے رابطہ کیا اور سودا طے کر کے رجسٹری کروالی گئی تھی۔ طٰہ اور زمعہ ہفتے بعد نئے گھر میں شفٹ ہوگئے تھے زمعہ کے پاؤں مارے خوشی کے زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔ خوشی اس کے روم روم سے چھلک رہی تھی آخر اس کے دل کی مراد جو پوری ہوگئی تھی۔

"تمہیں کیسا لگا طٰہ......؟" اس نے اپنی خوشی میں شوہر کا مغموم چہرہ بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ وقار صاحب یا فیملی میں سے کسی کو بھی ان کی علیحدگی پر اعتراض نہ تھا۔ اعتراض صرف اس کے طریقے پر تھا' اس نے جو چال بازیاں کی تھیں اس سے وہ بھی سسرال والوں کی نظروں سے گری تھی اور شوہر کو بھی اسی کے گھر والوں کے سامنے شرمندہ کروایا تھا۔ طٰہ نے خود پسند اور بے حس زمعہ پر تنفر بھری خاموش نگاہ ڈالی۔

"تمہیں پسند آ گیا یہی بہت ہے۔" طٰہ کی نظریں اور لہجہ گہری کاٹ لیے ہوئے تھے۔ اس کے دل میں خالی پن بھر گیا تھا اس کے وجود کو اداسی نے گھیر رکھا تھا اسے زمعہ سے انسیت محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اس نے والدین کے اصرار اور اریج کی خوشیوں کی خاطر یہ قدم اٹھایا تھا اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

زمعہ کا مزاج سسرال والوں سے قطعاً مختلف تھا' اس نے شادی کے بعد خود کو سسرال کے ماحول اور رنگ ڈھنگ میں نہ ڈھالا تھا بلکہ ان کے لائف اسٹائل اور ماحول کو دیکھ کر چاہتی تھی کہ وہ اس کے مزاج میں ڈھل جائیں چونکہ ایسا ناممکن تھا سو اسے الگ کر دیا گیا تھا۔ وہ بھی سسرالیوں کو خود سے کمتر سمجھتے ہوئے الگ ہونا چاہتی تھی۔ وہ آپس میں مذاق کے دوران ایک دوسرے پر ہنسی مذاق میں فقرے بھی کسا کرتے' ان کے ہاں نہ تو کہنے والے کی نیت تذلیل کرنا ہوتی تھی اور نہ ہی سننے والا بات کو انا کا مسئلہ بناتا تھا اور نہ ہی اسے اپنی بے عزتی تصور کرتا تھا جبکہ وہ ایسی نہ تھی۔

"تھینک یو سو مچ طٰہ...... گھر بہت شاندار ہے۔" وہ عجب مٹی کی بنی تھی' وہ شوہر کے محسوسات سے یکسر لاتعلق اپنی کہے جا رہی تھی' وہ خوشی تھی بے حد خوش۔

❁......❁......❁

"زمعہ آج تم تیار رہنا' میں ہسپتال سے واپسی پر تمہیں امی کی طرف لے جاؤں گا۔" طٰہ کو والدین سے ملے کئی دن گزر گئے تھے وہ ہسپتال اور کلینک کی مصروفیات میں گھر نہ جا سکا تھا اس روز اسے فرخندہ کی بے حد یاد آرہی تھی۔ اس نے ہسپتال جانے کے لیے بعجلت ناشتا کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"طٰہ پلیز تمہارے گھر والے بے حد بیک ورڈ ہیں' وہ تو کسی کو اس کی اچھائی کا صلہ یا انعام نہیں دے سکتے' مجھے ان سے نہیں ملنا۔" رات اس کی فرخندہ سے فون پر بات ہوئی تھی انہیں زمعہ کی یاد ستا رہی تھی انہوں نے ہی ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ زمعہ نے بے گانگی سے توس پر مکھن لگاتے ہوئے کہا۔ طٰہ اسے سخت کاٹ دار سرد نگاہوں سے گھورتا اٹھ گیا' وہ ٹھس انداز میں ناشتا کرتی رہی' وہ اسے گیٹ تک چھوڑنے بھی نہ گئی' اسے اب اپنے سسرالیوں سے کوئی تعلق نہ رکھنا تھا وہ پختہ فیصلہ کر چکی تھی۔

❁......❁......❁

اور پھر یوں ہوا کہ اس نے رفتہ رفتہ سسرال جانا برائے نام کر دیا تھا' وہ لوگ بھی اریج کا آنگن آباد دیکھنا چاہتے تھے سو وہ دل پر جبر کر کے خاموش بیٹھ گئے انہوں نے بھی اس پر کوئی دباؤ نہ ڈالا تھا۔ زمعہ کا میکہ گھر سے دور اور سسرال نزدیک تھا' وہ چاہتی تو تنہا پیدل بھی جا سکتی تھی مگر وہ مہینوں ادھر کا رخ نہ کرتی تھی جبکہ میکے ہر دوسرے روز چکر لگا لیتی تھی۔ وہ کبھی طٰہ کے ساتھ چلی جاتی اور کبھی میکے سے کوئی

آ کر لے جاتا یا پھر وہ خود ٹیکسی کر کے چلی جاتی تھی۔ وقت گزرتا رہا' قدرت نے اسے تین اور اریج کو دو بچوں سے نوازا تھا۔ عکاشہ آٹھ سال' اسامہ پانچ سال اور ننھی دانیہ ڈھائی سال کی ہو چکی تھی جبکہ اریج کی دو بیٹیاں مشال اور ایشال تھیں۔ وقت کی ندی سبک روی سے بہہ رہی تھی' زندگی کا نظام معتدل ہو رہا تھا۔ زمعہ کو اپنی خود پسندی میں طٰہٰ کا مضمحل چہرہ نظر نہ آتا تھا جو خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ چکا تھا۔

❀......❀......❀
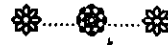
''مما...... آج ہمیں ٹیچر نے ''حقوق العباد اور رشتہ داروں سے تعلقات'' کے متعلق بتایا ہے۔'' آٹھ سالہ عکاشہ نے زمعہ کو اسکول سے واپسی پر لنچ باکس تھماتے ہوئے بتایا۔ وہ بیگ کی زپ بند کرنے کے بعد حسب معمول آتے ہی ماں کو ڈیلی روٹین بتانا شروع ہو گیا تھا' اسے اب پوری روداد سنائے بغیر چین نہ ہوتا تھا' وہ ماں سے طرح طرح کے سوالات کر کے اسے زچ کر دیتا۔ وہ کبھی تو تحمل سے اس کے سوالات کے جواب دیتی اور کبھی اسے غصے سے ڈانٹ دیتی تھی۔

''بھیا حقوق العباد کیا ہوتے ہیں؟'' عکاشہ کلاس فورتھ کا اسٹوڈنٹ تھا جبکہ اسامہ ٹو کلاس کا اسٹوڈنٹ تھا' وہ بے حد ذہین تھا وہ عکاشہ کی باتیں بغور سنتا اور انہیں ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتا تھا اسامہ نے گفتگو میں مداخلت کی۔

''یہ بندوں کے بندوں پر حقوق و فرائض ہیں۔ میری ٹیچر کہہ رہی تھیں کہ روز قیامت انسان کی بخشش اسی صورت ہوگی جب اسے وہ انسان معاف کر دے جس کے ساتھ اس نے زیادتی کی ہے۔'' عکاشہ نے ذہن میں محفوظ معلومات بھائی تک منتقل کیں۔

''بیٹا خاموشی سے کھانا کھاؤ۔'' زمعہ نے دونوں کو ڈانٹتے ہوئے سالن کا ڈونگا طٰہٰ کی سمت بڑھایا۔ وہ دونوں اکثر اپنی بحث میں کھانا دیر سے ختم کرتے تھے۔

''ہماری مما تو بہت اچھی مما ہیں آپ تو حقوق العباد ادا کرتی ہیں نا؟'' دانیہ ابھی اسکول نہ جاتی تھی' وہ دونوں بھائیوں سے زیادہ ذہین اور باتونی تھی اس کی باتیں کسی بارہ تیرہ سالہ بچے جیسی ہوتی تھیں۔ طٰہٰ تو اسے اکثر پیار سے ''دانی بی بی'' کہتا تھا وہ باپ کے دیئے لقب پر فخریہ گردن اکڑائی تو سب کو اس پر ڈھیروں پیار آتا تھا' اس کی میٹھی معصوم گفتگو بھی کا دل موم کر دیتی تھی۔

زمعہ کا ہاتھ بُری طرح کپکپایا' سالن چھلک کر ٹیبل پر آن گرا تھا اس کی رنگت فق ہوگئی جیسے وہ کوئی چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو یا پھر اس کی زندگی کا کوئی بھیانک اور گھناؤنا پہلو اس کے بچوں کے سامنے آ گیا ہو۔ اس نے ایک چور نگاہ طٰہٰ پر ڈالی' وہ روح تک کو زخمی کر دینے والی گہری تیز نگاہ سے اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کا سانس سینے میں اٹک کر رہ گیا' اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

''مما......'' اسامہ نے اس کا بازو زور سے ہلایا' وہ تینوں بھی ماں کا فق چہرہ دیکھ رہے تھے وہ اولاد کی عدالت میں خود احتسابی کے کڑے امتحان سے گزر رہی تھی۔ ان تینوں کی استفہامیہ نظریں اسی پر ٹکی تھیں۔ وہ ہنوز اس کی حالت سے بے خبر جواب کے منتظر تھے اور اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا' وہ انہیں آخر بتاتی بھی تو کیا' اولاد کے سامنے اپنی زندگی کا سیاہ پہلو نمایاں کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ طٰہٰ لاتعلقی سے کھانا کھا رہا تھا' اسے ہسپتال بھی جانا تھا۔ وہ بچوں کو خود اسکول سے لاتا اور لے جاتا تھا وہ انہیں گھر چھوڑ کر اکثر لنچ بھی انہی کے ساتھ کرتا تھا اگر وہ فارغ نہ ہوتا تو لنچ کیے بغیر لوٹ جاتا تھا پھر اس کی واپسی رات نو بجے ہوتی تھی۔

''مما آپ ٹھیک ہیں نا؟'' تینوں بچے اسی کے لیے متفکر تھے اسے اپنے بچوں پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ وہ ماں کی پریشانی میں کھانا کھانا بھول چکے تھے طٰہٰ کا دل بھی کھانے سے اچاٹ ہو چکا تھا وہ محض بچوں کی خاطر کھا رہا تھا کہ وہ مزید پریشان نہ ہوں اب کے عکاشہ نے اسے پکارا اسی نے ٹاپک چھیڑا تھا' وہ زیادہ متفکر و نادم تھا۔

''بابا کی دانی بی بی نے مما کو پریشان کر دیا ہے۔'' وہ

ماں کی پریشانی کی وجہ کھوج کر بڑے پن سے بہن پر غصہ برسا تھا۔ اس سے ماں کی پریشانی دیکھی نہ جارہی تھی ننھی دانیہ بھی سہم کر منہ لٹکائے بیٹھی تھی۔

''بیٹا آئی ایم آل رائٹ' آپ کھانا کھاؤ۔'' زمعہ نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے چہرے پر بشاشیت طاری کی وہ بچوں پر خود کو مزید عیاں کرنا نہ چاہتی تھی۔ وہ بوجھل و مضمحل دل سے جبراً کھانا کھانے لگی طہٰ کھانا کھا کر ہسپتال چلا گیا تھا۔

❀......❀......❀

رات کی سیاہی دھیرے دھیرے ہولناکی میں بدل رہی تھی' سیاہ شب کی سیاہی بہت گہری تھی۔ بالکل انسانی گناہوں کی مانند' اتنی سیاہ کہ اس کی گہری گھناؤنی تاریکی میں انسان چاہ کر بھی اپنے قبیح گناہ نہ ڈھونڈ سکے اور انسان بھلا اپنے گناہ دیکھنا پسند ہی کہاں کرتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ تنہا اپنے کندھوں پر جھیل لیتا ہے مگر گناہوں کے پیچھے چھپا ہوا اپنا مکروہ چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے جتنی بھی بھاری قیمت چکانا پڑے سب سہہ لیتا ہے' اسے جتنا بڑا نقصان ہو وہ پروا نہیں کرتا۔ اسے بڑے سے بڑا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے وہ برداشت کر جاتا ہے صرف اور صرف اپنی انا اور ذات کے زعم میں۔

وہ بھول جاتا ہے کہ ایک ایسی ذات بھی ہے جو غیب کے سب رازوں اور پردوں سے آشنا ہے اور اسے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ہمیشہ کے لیے۔ اسے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے وہ زمین پر رہ کر اللہ کو بھول جاتا ہے اس اللہ کو جس نے اس کی ڈوریں ڈھیلیں چھوڑی ہوتی ہیں اور وہ سرکش گھوڑے کی مانند اپنی چالوں کے جال میں سرپٹ دوڑتا رہتا ہے۔ بلاشبہ انسان خسارے میں ہے وہ اپنی انا و ذات کے زعم میں بعض اوقات خسارے کا ایسا سودا کر لیتا ہے کہ اسے اپنی باقی ماندہ زندگی کی تمام خوشیاں رہن رکھنا پڑ جاتی ہیں۔ سیاہ رات کی ہولناکی و تاریکی انسانی گناہوں کی مانند بڑھ رہی تھی۔

زمعہ ضمیر کی عدالت میں موجود اپنی سرکشی اور گناہوں کے کوڑے سہہ رہی تھی۔ اس بوجھ تلے اس سے سانس تک لینا محال تھا' آج بچوں نے انجانے میں اسے ضمیر کی عدالت میں دھکیل کر اسے حقیقت کا وہ بھیانک آئینہ دکھایا تھا کہ جس میں دیکھتے ہوئے اسے پہلی بار خود سے کراہیت محسوس ہوئی تھی' وہ کتنی سرکشی کرتی تھی اس نے نافرمانی میں نہ شوہر کی قدر کی اور نہ ہی اپنے رب تعالیٰ کی' اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسانوں کو بھی ناراض کیا تھا۔

حدیث قدسی ہے۔ ''میں روز قیامت اپنے حقوق معاف کردوں گا مگر کسی انسان کی انسان کے ساتھ زیادتی نہیں جب تک کہ وہ بندہ خود اپنا حق معاف نہ کرے۔'' زمعہ خود احتسابی کے چابک سہتے سہتے بے حال ہوئی جارہی تھی' اسے کہیں پڑھی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یاد آئی تھی' وہ ضمیر کے چابک سہنے کو تنہا تھی' نہ تو بہن سے چیٹ کر سکتی تھی اور نہ ہی ماں کو کچھ بتا سکتی تھی۔ یہ چبھن اسے تنہا سہنا تھی گناہ بھی اسی نے کیے تھے ان کا بوجھ بھی اسے ہی سہنا تھا آخر اسی کی غلطی و زیادتی تھی اسے ہی ازالہ کرنا تھا۔ والدین کی زندگی میں اس سے زیادہ بھیانک لمحہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ اسے اپنی ہی اولاد کی عدالت میں پیش ہونا پڑے' وہ اولاد کے سامنے سرخرو ہونا چاہتی تھی۔

''آج بچے چھوٹے ہیں کل بڑے ہو کر ماں کی اصلیت جان کر ماں کے متعلق کیا سوچیں گے۔'' کربناک اور بھیانک سوچیں جونک کی مانند اس کے دماغ سے چمٹی ہوئی تھیں۔

''مما تو بہت اچھی ہیں وہ حقوق العباد پورے کرتی ہیں۔'' اس کے ذہن سے دانیہ کا فقرہ ٹکرایا۔ اس کا لہجہ پُراعتماد تھا' اس کی اولاد کو اس پر کتنا مان اور فخر تھا اور وہ کیا کرتی رہی تھی۔ اس نے زندگی بھر اپنی ذات کے سامنے کسی کو اہمیت ہی نہ دی تھی اس نے شادی کے بعد شوہر اور سسرالیوں کے ساتھ بھی یہی کیا۔

''اگر میرا وٹہ سٹہ نہ ہوا ہوتا تو میرا گھر کب کا اجڑ چکا ہوتا۔ آج میں تہی داماں ہوتی' اتنا چاہنے والا شوہر اور پیارے پیارے تین معصوم بے حد خوب

صورت بچے نہ ہوتے تو میں آج کہاں ہوتی؟“ وہ چاہ کر بھی ضمیر کی عدالت سے بری نہ ہو پارہی تھی‘ اسے ضمیر کی عدالت میں خود ہی ایک کے بعد ایک سزا سہنا تھی‘ وہ یہ بار سہنے کو تنہا تھی۔

”نہیں‘ مجھے طٰہٰ اور بچے بے حد عزیز ہیں۔“ اس کے گالوں کو آنسو تیزی سے بھگو رہے تھے‘ عمر فاروق اور اریج کے درمیان طویل عرصہ ناچاقی رہی تھی۔ معاملہ زمعہ کی خوشیوں اور مرضی سے منسلک کردیا گیا تھا اور وہ...... وہ فرعون کی طرح سنگ دل اور ظالم بن گئی تھی اس نے اپنی خوشیوں اور انا کے سامنے کسی کی پروا نہ کی تھی نہ بھائی کی نہ بھابی کی اور نہ ہی شوہر کی۔ اس نے تو بھائی کی خوشیاں نگل کر سنگ دلی کی انتہا کردی تھی‘ ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے وہ تو ڈائن سے بھی بدتر تھی۔

عمر فاروق کا دل بیوی کی طرف جھکتا تو وہ ماں سے مل کر کوئی نہ کوئی ایسی سازش کردیتی کہ عمر فاروق ماں کی نافرمانی کے تصور سے ڈر جاتا۔ اریج نے تنہا اپنی ذات پر دکھ سہے تھے‘ یہ سوچ کر اس کے آنسوؤں میں شدت آتی جارہی تھی اسے اپنی ہی عدالت سے رہائی نہ مل پارہی تھی بھلا کوئی اور کیسے اسے رہائی دلاتا۔

”زمعہ......“ طٰہٰ نے پیچھے سے اسے ہولے سے پکارا‘ اس کی آنکھ کھلی تو وہ سوچوں میں غرق دور خلاؤں میں گھورے جارہی تھی اس کے چہرے پر اذیت اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ ان دونوں کے بیچ واضح سرد مہری رہنے لگی تھی جسے زمعہ نے اپنی رعونت میں نظر انداز کردیا تھا۔ اس کی گھر میں مکمل حکومت تھی اور وہ خود کو خوامخواہ اپنے میکے میں یوں مظلوم ظاہر کرتی جیسے طٰہٰ اس کی وجہ سے نہیں خود ہی خوامخواہ منہ پھلائے رکھتا ہے۔

طٰہٰ اس کے کسی معاملے میں دخل اندازی نہ کرتا تھا اور اس نے بھی کبھی شوہر کو اپنے کسی معاملے میں انوالو کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ زمعہ نے پلٹ کر شوہر کو دیکھا اس کے چہرے پر نرم مسکان اور محبت تھی‘ وہ اسے شادی کے اولین دنوں جیسا لگا تھا اس کی آنکھوں میں محبت کی چمک تھی۔ وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔

”سوری طٰہٰ...... میں بالکل غلط تھی۔“ بڑا پن غلطی مان لینے میں تھا‘ اس سے ضمیر کی چبھن بھی کم ہوجاتی۔ وہ بلکتے ہوئے طٰہٰ کے سینے سے آ لگی تھی۔ طٰہٰ بہت نرم دل اور محبت کرنے والا شوہر تھا اس نے زمعہ کا قدم قدم پر خیال رکھا تھا مگر اپنی حاکمیت کی خاطر اس نے طٰہٰ کو اپنے میکے والوں کی نظروں سے گرا کر برا ہی بنایا تھا اسے ماضی کی ایک ایک یاد تنگ کررہی تھی۔

”طٰہٰ پلیز......“ زمعہ کا رواں رواں اس کایا پلٹ پر رب کا شکر گزار تھا جس نے اس کے گھر کی خوشیاں لوٹا دی تھیں۔

زمعہ تم...... طٰہٰ نے گھبرا کر زور سے ہلایا۔

”زمعہ تم...... بہت ...... تھیں اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے تم ...... میں آ گئیں۔“ طٰہٰ نے اس کے گرد اپنی بانہیں پھیلا کر مضبوط حصار بنا کر اس کو احساس تحفظ دیا۔ زمعہ کی آنکھوں میں تشکر و مسرت کے آنسو امڈ آئے تھے۔ اسے اب اپنی غلطیوں کی بہت سے لوگوں سے معافی مانگنا تھی اسے امید تھی کہ وہ بھی اسے بخوشی معاف کردیں گے...... سے کدورتیں مٹ جائیں گی‘ طٰہٰ نے اس کے گرد محبت کا حصار قائم کرکے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کا رواں رواں بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا بہترین ہمسفر عطا کیا تھا جس نے اسے تہہ دل سے معاف کرکے محبت کی پناہ میں سمیٹ لیا تھا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوچکا تھا یہی بہت تھا اب اسے جلد باقی لوگوں سے بھی معافی مانگنا تھی۔ اسے امید تھی کہ اس کی زندگی کی راہیں سہل ہوجائیں گی‘ اس کے سسرالی دل کے صاف تھے وہ مطمئن سی طٰہٰ کی محبت بھری آغوش میں سما گئی تھی۔

"سنو نجمہ...... یہ بلیک والا سوٹ لے جانا‘ مجھے اچھا نہیں لگ رہا‘ لیا تو بہت شوق سے تھا لیکن جانے کیوں‘ جچا نہیں۔" نگین نے اپنی کام کرنے والی ماسی سے مخاطب ہوکر کہا جو کپڑے دھونے کے لیے رنگین اور سفید کپڑے الگ الگ کررہی تھی۔

"لیکن بی بی جی...... یہ سوٹ تو بہت مہنگا ہے اور ابھی آپ نے صرف ایک بار ہی تو پہنا ہے‘ وہ بھی چند گھنٹوں کے لیے۔" نجمہ پُرشوق نظروں سے اس سیاہ خوب صورت اور نفیس کام والے سیاہ سوٹ کو دیکھنے لگی۔

"تمہیں پتا تو ہے میری عادت کا جو چیز ایک بار دل سے اتر جائے وہ دوبارہ پسند نہیں آتی‘ تم لے جانا اسے بس۔" نگین نے نجمہ کی چمکتی نگاہوں کی خوشی دیکھتے ہوئے کہا۔

❁......❁......❁
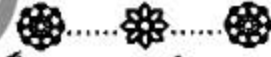
نگین اور ڈاکٹر حنیف کی ازدواجی زندگی بہت پُرسکون اور خوشیوں سے بھرپور تھی۔ پندرہ سالہ شادی شدہ زندگی میں آج تک کوئی ایک بھی بدمزگی کی مثال ڈھونڈنے سے نہ ملتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دو خوب صورت اور صحت مند بیٹے عطا کرکے جیسے کل کائنات کی خوشیاں ان کی جھولی میں ڈال دی تھیں۔

چالیس سال کی عمر میں بھی نگین ستائیس اٹھائیس سے زیادہ کی نہ لگتی تھیں۔ ان کی شخصیت میں ایک خوب صورت رعب دبدبہ تھا‘ دل کی بہت اچھی اور سارے جہاں کا درد اپنے سینے میں رکھتی تھیں‘ خوب صورتی کے ساتھ ساتھ سلیقے میں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔

کہتے ہیں جس مرد کو خوب صورت‘ نیک سیرت اور سلیقہ شعار بیوی مل جائے تو اس کے لیے دنیا جنت بن جاتی ہے‘ گھر میں ہمیشہ امن وسکون تو رہتا ہی ہے لیکن ساتھ ساتھ سمجھ دار عورت اپنے شوہر کی ہر چھوٹی ضرورت‘ موڈ اور آرام کا خیال رکھتی ہے۔ بلاوجہ بحث و تنقید سے بچتی ہے اور سب سے بڑھ کر اپنے سرتاج کی جیب ہلکی نہیں ہونے دیتی‘ فضول خرچی سے پرہیز اور بچت کرنا جانتی ہے اور یہ سب ہی خوبیاں نگین میں بدرجہ اتم موجود تھیں‘ ڈاکٹر حنیف سرکاری نوکری کرنے کے ساتھ ساتھ شام میں اپنے عالی شان اسپتال میں بیٹھتے تھے۔ ان کے اسپتال میں غریب مریضوں کے لیے مہنگے سے مہنگا علاج بھی کم فیس لے کر کیا جاتا تھا۔ شروع میں ڈاکٹر حنیف نے غریبوں کے لیے علاج بالکل مفت رکھا تھا لیکن نگین کا خیال تھا کہ برائے نام فیس ضرور ہونی چاہیے تاکہ کسی کی عزت نفس پر بھی حرف نہ آئے۔ گاؤں میں وسیع رقبے پر زمینیں ٹھیکے پر دی ہوئی تھیں جس سے ہونے والی آمدن ان کے سال بھر کے اخراجات سے بھی زیادہ تھی۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا لیکن نگین نے کبھی ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کیا تھا۔ سال میں چار بار مارکیٹ جایا کرتی تھیں‘ گرمی‘ سردی یا عید و تہوار وغیرہ پر شاپنگ کرنے۔

اپنے حلقے کی بیگمات کی طرح نمود و نمائش کرنا ان کو ہرگز پسند نہیں تھا۔ ڈاکٹر حنیف مختلف مواقع پر ان کو قیمتی تحائف سے نوازتے رہتے تھے جن میں بہترین ملبوسات اور قیمتی زیورات سرفہرست تھے۔ وہ جانتے تھے کہ نگین خود سے کبھی بھی اپنے لیے خرچ نہیں کریں گی اس لیے وقتاً فوقتاً تہواروں اور خاص دنوں پر ان کو نوازتے رہتے۔ نگین نا صرف گھریلو معاملات میں بلکہ نوکروں سے بھی حسن اخلاق سے پیش آتی تھی‘ یہی وجہ تھی کہ ان کے ملازم ان

کے پیٹھ پیچھے بھی تعریف ہی کرتے۔

❀......❀......❀

پچھلے کچھ عرصے سے عجیب معاملہ پیش آنے لگا تھا' جس کے باعث نگین بہت پریشان تھیں' ان کے نئے کپڑوں میں اچانک سے سوراخ ہونے لگے تھے۔ ہر بار کپڑے دھلنے کے بعد ایک آدھ سوٹ تو ضرور خراب ہوتا۔ کپڑوں میں سوراخ اگرچہ معمولی ہوتا تھا لیکن وہ جانتی تھیں کہ عیب دار سوٹ کے استعمال پر ڈاکٹر حنیف ناراض ہوسکتے ہیں اس لیے کتنے ہی بہترین سوٹ ان کی الماری سے نکلتے چلے گئے تھے۔

''سمجھ نہیں آرہی حنیف...... اچھے بھلے کپڑوں میں سوراخ کیسے ہونے لگے' دیکھیں ناں یہ سوٹ تو ابھی پچھلے ماہ آپ نے گفٹ کیا تھا۔ حورالعین کی سالگرہ پر پہنا اور پرسوں کچھ دیر کے لیے آپ کے کہنے پر پہنا تھا' یہ دیکھیں اس میں بھی سوراخ ہوگیا۔'' نگین بھتیجی کی سالگرہ کا ذکر کرتے ہوئے میرون اور گولڈن رنگ کے امتزاج کے ایپلک اور مشینی کڑھائی کے نفیس کام والے فراک کا بازو دکھاتے ہوئے کہہ رہی تھیں' لہجہ افسردگی سے بھرپور تھا۔ انہیں اس سوٹ کے خراب ہونے کا واقعی دکھ تھا۔

''ہوسکتا ہے نجمہ نے مشین میں دھودیا ہو' ایسے نازک کپڑے مشین سے نہ دھلوایا کرو۔'' حنیف چائے کا سپ لیتے ہوئے بولے تھے وہ ابھی ہسپتال سے آئے تھے کہ نگین ان کے لیے چائے لے آئی تھیں اور اتنی دیر میں حنیف چینج کرکے فریش ہوگئے تھے۔ نگین کی یہی عادتیں تو ڈاکٹر حنیف کو ان کا دیوانہ کیے ہوئے تھیں کہ وہ ہر کام وقت پر کرتی تھیں' ادھر حنیف صاحب کو خواہش ہوتی ادھر نگین ان کی خواہش پوری کیے حاضر۔

''نہیں حنیف...... نجمہ نے میرے سامنے یہ سوٹ ہاتھ سے ہی دھویا تھا' اگر آپ کہیں تو میں اس کا بازو درزن سے کہہ کر ٹھیک کروالیتی ہوں۔ یہ ذرا سا ہی سوراخ ہے پتا بھی نہیں چلے گا۔'' نگین دھیمے لہجے میں حنیف سے مخاطب ہوئیں' ان کو علم تھا کہ حنیف یہ بات پسند نہیں کریں گے جب ہی انہوں نے پوچھا تھا۔

''رہنے دو...... ہم ایسا ہی اور لے لیں گے' یہ نجمہ کو دے دو۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں کہہ کر ٹی وی آن کرلیا اور نگین نے ناچاہتے ہوئے بھی سوٹ نجمہ کو دے دیا تھا۔

❀......❀......❀

نجمہ اس گھر میں پچھلے چھ سات سال سے کام کررہی تھی' دھان پان سی ادھیڑ عمر نجمہ عادت واطوار میں اچھی تھی۔ ہر کام وقت پر کرنا اور وقت پر آنا اس کی خوبی تھی۔ عام کام کرنے والیوں کی طرح کام سے جی چرانے اور جان چھڑانے والیوں میں سے نہ تھی پھر اتنے عرصے میں اس نے نگین کو کسی بھی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیا تھا' بلاوجہ تنخواہ میں جلدی کرنا اور مانگتے رہنا بھی اس کی عادت نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نگین نے اتنے سالوں میں کبھی ماسی بدلنے کا نہیں سوچا۔

نجمہ سے پہلے نگین اپنے اس خوب صورت گھر کا کام

خودکرتی تھیں لیکن زیان کے بعد ریحان کی پیدائش اور اس کے کچھ عرصے بعد زیان کا اسکول شروع ہوا تو نگین کو گھر کے کاموں میں مشکلات پیش آنے لگیں۔ ڈاکٹر حنیف نے ایسے میں ایک جاننے والے کی مدد سے گھر کے کاموں میں مدد کروانے کے لیے نجمہ کا انتظام کردیا تھا۔ نجمہ کے آنے سے جہاں گھر کے کاموں میں نگین کی مدد ہوجاتی وہیں نگین کو نجمہ کی شکل میں بہترین سامع بھی مل گئی تھی۔

پہلے پہل نگین کو کام والی رکھتے ہوئے ڈر لگتا تھا' آس پڑوس سے روز بروز کوئی نہ کوئی کہانی سننے کو ملتی رہتی تھی۔

''میری ماسی کام چور ہے..... صوفے کے نیچے سے صفائی نہیں کرتی..... میری نئی انگوٹھی اچانک دراز سے غائب ہوگئی' مجھے تو پکا یقین ہے ہماری ماسی کا ہی کام ہے لیکن بنا ثبوت کے اسے کیا کہوں..... میں نے جلدی میں ماسی سے بچے کو فیڈر میں دودھ ڈال کردینے کو کہہ دیا اور اس نے فیڈر دھوئے بنا دودھ پلادیا۔ میرے بیٹے کے دو دن سے لوز موشن ہی ختم نہیں ہورہے..... ہماری ماسی' توبہ توبہ..... اتنی باتیں کرتی ہے کہ لگتا ہے اسے ہم باتیں کرنے کی تنخواہ دیتے ہیں۔'' یہ سب اور اس جیسے جانے کتنے جملے اکثر وہ آس پڑوس میں ہونے والی محافل میں سنتی رہتی تھیں اور تو اور باقی رہی سہی کسر ٹی وی ڈراموں نے پوری کردی تھی۔ جہاں ماسی کا کردار لگائی بجھائی کرنے والی کے طور پر ہی مکمل ہوتا تھا۔ اس لیے نگین ماسی رکھنے میں تردد کا شکار تھی لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا نگین کا نجمہ پر اعتماد بڑھتا چلا گیا تھا۔ نجمہ عام گھریلو ملازماؤں سے بہت الگ ثابت ہوئی تھی بلاوجہ وقت سے پہلے پیسے مانگنا یا اپنی محرومیوں کی داستان سنانا اس کی فطرت میں نہ تھا۔ وہ خاموشی سے اپنا کام کرتی' غیر ضروری باتوں میں وقت صرف نہ کیا کرتی تھی نہ ہی اسے یہ جاننے کا تجسس ہوتا تھا کہ نگین کے کس کمرے کی کس دراز اور الماری میں کیا رکھا ہے؟ گھر کے مالکین چابی کہاں رکھتے ہیں؟ یہی وجہ تھی کہ سادہ سی نجمہ پر نگین کا بھروسہ دن بدن بڑھتا چلا گیا تھا۔

جب سے کپڑوں میں سوراخ ہونا شروع ہوئے تھے نگین کے ذہن میں ایک لمحے کو بھی یہ خیال چھو کر نہ گزرا تھا کہ نجمہ ایسا کرسکتی ہے اور آتا بھی کیوں کر آج تک نجمہ نے بنا اجازت کوئی چیز یہاں سے وہاں نہ کی تھی اور ان چھ برسوں میں آج تک کبھی ان کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی غائب نہیں ہوئی تھی پھر نگین کیوں بھلا اس پر کوئی ایسا گمان کرتیں لیکن شام سے نگین بار بار یہی سوچ رہی تھیں کہ کہیں واقعی نجمہ ہی تو یہ سب نہیں کررہی ہے۔ اب انہوں نے سوچ لیا تھا کہ اب سے نجمہ پر کپڑے دھوتے وقت کڑی نظر رکھیں گی تاکہ جان سکیں کہ کہیں وہ ہی تو ان کے نئے کپڑے خراب نہیں کررہی اور اگر وہ ہی یہ سب کررہی ہے تو اسے اس سے کیا حاصل ہورہا ہے؟

❁......❁......❁

''نجمہ..... کپڑے کافی جمع ہوگئے ہیں' کیا خیال ہے آج اگر فرصت ہو تو مشین ہی لگالو۔ اگلے ہفتے زیان کی سالگرہ ہے تو گھر کے پردے وغیرہ اتار کر دھوبی کو بھیجنے پھر دوبارہ لگانے اور باقی کے کام بھی کافی زیادہ ہوجائیں گے۔ بہتر ہے کہ آج کپڑے دھو کر فارغ ہوجاؤ۔'' نگین' نجمہ سے مخاطب ہوئیں' اصل مقصد تو نگرانی کرنا تھی وہ جاننا چاہتی تھی کہ نجمہ ایسا کیوں کررہی ہے۔

''جی بی بی جی..... لگالیتی ہوں میں ذرا صفائی سے فارغ ہولوں تو یہی کام کرتی ہوں۔'' نجمہ تو جیسے اسی انتظار میں تھی کہ کب وہ کپڑے دھوئے' نگین نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''میں بھی تمہارے ساتھ مدد کروا دیتی ہوں' ذرا جلدی کام نمٹ جائے تو اچھا ہے۔ حنیف کے آنے تک کام بکھرا ہو تو ان کو اچھا نہیں لگتا۔'' نگین پرسوچ گہری نظروں سے نجمہ کو دیکھتے ہوئے بولیں گویا اس کے اندر کا راز پالینا چاہتی ہوں۔

''ارے نہیں بیگم صاحبہ' آپ آرام کریں میں کرلوں گی خود۔ ہم تو عادی ہیں کام کاج کے آپ کیوں تھکنے لگیں۔'' نجمہ رسان سے بولی۔

''تھکنا کیسا نجمہ..... مجھے تو شروع سے بیٹھنے کی عادت

ہی نہیں ہے۔ تمہارے سامنے ہی ہے میں بھلا کب آرام سے بیٹھتی ہوں' بس یہ تو زیان اور ریحان نے یکے بعد دیگرے آکر بہت مصروف کردیا ہے' خیر تم یہ جلدی ختم کرو میں جب تک کپڑے اکٹھے کرکے مشین لگالیتی ہوں۔''

نگین نے صوفے سے اٹھتے ہوئے ڈسٹنگ کرتی نجمہ کو دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔ نجمہ حیران تھی کہ اچانک نگین کو کیا ہوگیا ہے پھر مشین لگانے سے لے کر کپڑے دھونے تک کے ہر عمل میں نگین نجمہ کی مدد کرتی رہی تھیں۔

''چلو.....اب کپڑے چھت پر ڈال آئیں۔''

''بیگم صاحبہ.....آپ کپڑے چھت پر ڈالنے جائیں گی؟'' نجمہ شدید حیران تھی۔

''کیوں میں چھت پر نہیں جاسکتی کیا؟'' نگین نے چبھتی نظر سے اسے دیکھا۔

''میرا وہ مطلب نہیں تھا جی' آپ کبھی اوپر جاتی نہیں ہیں ناں بس اسی لیے کہا۔'' نجمہ نے وضاحت دی اور یہ واقعی سچ تھا کہ جب سے نجمہ آئی تھی اس نے نگین کو ایک بار بھی چھت پر جاتے نہ دیکھا تھا' کوئی کام ہوتا تو وہ نجمہ سے ہی کہا کرتی تھیں۔

''خیر..... چلو آجاؤ ساتھ۔'' نجمہ نے دھلے ہوئے کپڑوں کی دو ٹوکریوں میں سے ایک کو اٹھالیا تھا۔ دوسری نگین نے آگے بڑھ کر اٹھالی۔ کپڑے تار پر پھیلاتے ہوئے نگین نے اپنے نئے سوٹ میں سوراخ دیکھا تو جہاں اس کا دل اس خوب صورت سوٹ کے خراب ہونے پر دکھی ہوا' وہیں اسے نجمہ کے لیے اپنی سوچ پر جی بھر کر افسوس ہوا کہ ایسے ہی اس کی اتنے برس کی محنت پر شک کیا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ نجمہ میں یہ عادت نہیں ہے پھر بھی ایسا خیال وہ بار بار خود کو ملامت کررہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

نگین کے نئے سوٹ خراب ہونے کا سلسلہ یونہی جاری تھا' کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا ہو کیا رہا ہے۔ نگین نے احتیاطاً الماریوں' مشین اور کپڑے پھیلانے والی تار تک جانچ لیے تھے کہ کہیں کسی چیز میں پھنس جانے کی وجہ سے

نظم

سنو.....
میں نے گزری باتوں کو
اذیت بھرے لمحوں کی
تلخ یادوں کو
بھلا دیا تھا
مگر.....
تم نے آکر
ازالے کی کوشش میں
مضطرب لمحوں کی
تکلیف دہ باتوں کو
تازہ کردیا ہے
میرے زخموں سے
کھرنڈ ہٹا دیا ہے

شمع مسکان.....جام پور

تو یہ سب نہیں ہورہا لیکن ایسا بھی نہ تھا۔ نوبت یہ آگئی تھی کہ اب صرف ضرورت کے وقت بازار جانے والی نگین کو ہر ماہ کپڑے لینے کے لیے بازار جانا پڑ رہا تھا ورنہ اکثر حنیف صاحب کے دیئے گئے گفٹ ہی ان کے لیے کافی ہوتے تھے۔ مہینے میں ایک دو بار ہی باہر آنا جانا ہوتا تھا' وہ بھی زیادہ سے زیادہ پیرنٹس ٹیچر میٹنگ اور کبھی کسی جاننے والی کے ہاں کوئی تقریب ہوتی' اس سے زیادہ گھومنے کا نہ تو ان کو شوق تھا اور نہ ہی فرصت ملتی تھی لیکن اب نگین محسوس کررہی تھیں کہ ان کو کہیں آنے جانے کے لیے نئے کپڑوں کی ضرورت ہے کیونکہ یکے بعد دیگرے تمام ہی اچھے سوٹ پچھلے کچھ عرصے سے خراب ہوگئے تھے۔

وہ گھر سے بازار کے لیے نکلنے لگی تھیں کہ موبائل فون کی آواز پر واپس مڑیں' انہوں نے مطلوبہ جگہ نظر دوڑائی تو آواز کچن سے آرہی تھی لیکن وہ ان کے موبائل فون کی آواز نہیں تھی۔ انہوں نے کچن میں جاکر موبائل اٹھایا وہ نجمہ کا تھا' فون بج بج کر خاموش ہوچکا تھا۔ نجمہ تو کام کرکے ابھی

نکلی ہی تھی یہاں سے پیدل پندرہ منٹ کا راستہ تھا‘ نگین موبائل فون ہاتھ میں لے کر باہر آ گئی تھیں۔

”زمان...... نجمہ کے گھر والے راستے سے چلنا‘ اس کا موبائل غلطی سے یہیں رہ گیا ہے راہ میں ہی مل جائے گی تو دے دوں گی ورنہ گھر پر پکڑا آؤں گی۔ جانے کب کوئی ضروری فون آ جائے خوامخواہ بے چاری کو واپس آنا پڑے گا۔“ نگین نے ڈرائیور سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا جس کے ساتھ وہ بازار جا رہی تھیں۔

”جی بیگم صاحبہ۔“ زمان نے تابعداری سے جواب دیا۔

”بس یہاں روک لو میں ابھی آتی ہوں۔“ گلی کے نکڑ پر نگین نے زمان کو گاڑی روکنے کا کہا وہ نجمہ کو گھر میں داخل ہوتے دیکھ چکی تھیں‘ وہ بھی گاڑی سے اتر کر اس طرف بڑھیں تھیں‘ چار گھر چھوڑ کر پانچواں گھر نجمہ کا تھا۔ لکڑی کا پرانے زمانے کا دروازہ جس پر کہیں کہیں نیلے رنگ کے آثار باقی تھے‘ باقی کا دروازہ پرانا ہونے اور ایک عرصے سے رنگ نہ ہونے کی وجہ سے سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ نگین نے ایک نظر دروازے کی حالت دیکھی اور میلا کچیلا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوئیں‘ اس سے پہلے انہوں نے نجمہ کا گھر صرف باہر سے ہی دیکھا تھا۔ پچھلے برس نجمہ کو عید کے دوران کام کرتے کافی دیر ہو گئی تھی تو وہ ڈاکٹر حنیف کے ساتھ اس کو گھر تک چھوڑنے آئی تھیں۔ وہ گھر میں موجود واحد کمرے کی طرف بڑھی تھیں کہ اچانک رک گئیں۔

کچھ منٹوں کے بعد وہ گاڑی میں آئیں تو چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ نجمہ کا موبائل بھی ان کے ہاتھ میں ہی تھا‘ وہ گاڑی میں بیٹھیں تو ڈرائیور نے گاڑی کا رخ بازار کی طرف کر دیا تھا۔ بازار میں نگین نے طوعاً و کرہاً تین سوٹ لیے اور جلدی میں واپس آ گئی تھیں‘ ڈرائیور اتنی جلدی واپسی پر حیران ہوا تھا۔

”چلیں بیگم صاحبہ۔“

”ہاں‘ بس طبیعت عجیب سی ہو رہی ہے شاید بلڈ پریشر اوپر نیچے ہو گیا ہے پھر کسی دن آ جاؤں گی۔“ نگین نے کہہ کر ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ ادھر زمان بے چارہ حیران ہو کر سوچ رہا تھا۔ ”عجیب نخرہ ہے ان بڑے لوگوں کا گھر سے نکلیں تو ٹھیک ٹھاک تھیں‘ اب اچانک بنا کسی بات کے طبیعت بھی خراب ہو گئی۔“

❁......❁......❁

”سنو نجمہ...... یہ بلیک والا سوٹ تم لے جانا مجھے اچھا نہیں لگ رہا‘ لیا تو بہت شوق سے تھا لیکن جانے کیوں جچا ہی نہیں۔“ نگین نے نجمہ کو بظاہر سرسری سا ہی کہا تھا لیکن وہ کب سے دیکھ رہی تھی کہ نجمہ کی نظریں بار بار بھٹک بھٹک کر اس سوٹ کی طرف ہی جا رہی تھیں۔

”لیکن بی بی جی...... یہ سوٹ تو بہت مہنگا ہے اور ابھی آپ نے صرف ایک بار ہی پہنا ہے وہ بھی چند گھنٹوں کے لیے۔“ نجمہ نے شاید سوٹ لینے سے انکار ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی لیکن نظریں اب بھی بار بار اس سیاہ سوٹ کے گولڈن نفیس کام پر پھسل رہی تھیں۔

”تمہیں پتا تو ہے میری عادت کا جو چیز ایک بار دل سے اتر جائے وہ دوبارہ پسند نہیں آتی‘ تم لے جانا اسے۔“ نگین نے نجمہ کی چمکتی آنکھوں میں بغور دیکھا تھا۔ ”تمہاری بیٹی کی شادی کے کام آئے گا۔“ اب کے نجمہ نے حیران ہو کر نگین کی طرف دیکھا جہاں سکون و اطمینان تھا۔ نگین اب ٹی وی کی طرف متوجہ تھی۔ کپڑے دھو کر نجمہ اب نگین سے جانے کی اجازت طلب کر رہی تھی۔

”بی بی جی...... میں جاؤں اب۔“ نجمہ نے سیاہ سوٹ تہہ کر کے ایک ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

”ہمم...... ایک منٹ رکو ذرا۔“ نگین اسے وہیں چھوڑ کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

”یہ لو یہ تمہاری تنخواہ اور یہ کچھ پیسے تمہاری بیٹی کے لیے ہیں‘ اس کی شادی ہونے والی ہے ناں‘ تو ہر ماہ میں کچھ پیسے اس کے لیے الگ سے دے دیا کروں گی تم کوئی چیز لے کر رکھ لیا کرنا اس کے لیے۔“ نگین نے پیسے اس کی طرف بڑھائے۔

”شادی کی تیاری میں کسی چیز کی ضرورت ہو تو ضرور بتا

دینا ہم سے جتنا ہوسکا ہم ضرور کریں گے۔'' نجمہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔

''بی بی جی...... آپ بہت اچھی ہیں' میں کملی آپ کو سمجھ نہ سکی۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں' تمہاری بیٹی ہماری بھی تو بیٹی ہے۔ فہمیدہ نے ذکر کیا تھا تمہاری بیٹی کی شادی ہے تو مجھے علم ہوا' تم پہلے بتا دیتیں تو زیادہ اچھا ہوتا۔ چلو جو ہوگیا اب آگے کی طرف دیکھو' پیچھے مڑ کر رکتے نہیں سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' نگین نجانے اسے کیا سمجھانا چاہ رہی تھی اور نجمہ کا جھکا سر دیکھ کر لگ رہا تھا وہ سب سمجھ رہی ہے۔

❀......❀......❀

اس دن کے بعد دوبارہ کبھی نگین کے کسی کپڑے میں سوراخ نہیں ہوا تھا جانتے ہیں کیوں؟

آئیے ذرا فلیش بیک میں جا کر دیکھتے ہیں اس دن بازار جاتے وقت نگین نے نجمہ کے گھر کیا دیکھا تھا۔ نگین کمرے کی طرف بڑھی تھیں کہ اندر سے آتی نجمہ کی آواز پر اپنا نام سن کر فطری طور پر چونک کر رک سی گئیں۔

''یہ لو...... اس بار نگین صاحبہ نے سوٹ پھٹنے سے پہلے ہی دان کر دیا۔'' نجمہ شاید اپنی بیٹی سے مخاطب تھیں۔

''اماں ایسے تو نہ کہہ دیکھ بیگم صاحبہ نے کتنے اچھے اچھے سوٹ تجھے دیئے ہیں اگر نہ دیتی تو سوچ میرے جہیز کے لیے ایسے شاندار کپڑے خرید پاتی تو؟''

''ارے رہن دے سب ڈھکوسلے ہیں اگر ان سوٹوں میں سوراخ نہ ہوتے تو یہ بتا نگین بی بی اپنی اترن مجھے دیتی کبھی نہیں۔'' نجمہ کے لہجے میں زہر بھرا تھا۔ ''یہ بڑے لوگ ان کی سوچ بس اتنی سی ہے' ہم بے چارے تو زمین کے رینگتے کیڑے ہیں' ہماری خوشیاں' ہماری ضرورتیں سب ان کی محتاج ہوتی ہیں لیکن ان کے پاس ہمارے لیے سوچنے کو ہماری فکر کرنے کو ایک لمحہ تک نہیں ہوتا۔ چل اٹھ کر ہنڈیا چڑھا میں ذرا آرام کرلوں' سارا دن کھپ کر مر گئی ہوں۔''

نجمہ کی آواز تھی کہ صور اسرافیل...... نگین کو زمین و آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ اس وقت اسے محسوس ہوا اگر وہ اسی حالت میں اندر چلی گئی تو ضرور کچھ نہ کچھ برا ہوجائے گا لہٰذا وہ فوراً وہاں سے نکل آئی تھیں۔ نجمہ کا موبائل انہوں نے گھر پہنچ کر زمان کے ہاتھ واپس بھجوا دیا تھا' پہلے تو ان کا دل کیا وہ نجمہ کو دوبارہ موقع نہ دیں اور گھر سے نکل جانے کا کہہ دیں لیکن رات بھر بے چین رہ کر انہوں نے اس کا مثبت حل ڈھونڈ نکالا تھا۔ اسے تنخواہ کے ساتھ کچھ اضافی پیسے اس کی بیٹی کی شادی تک ہر ماہ دینے کا نہ صرف وعدہ کیا تھا بلکہ یہ بھی سوچ لیا تھا کہ ہر بار بازار جانے پر وہ نجمہ کی بیٹی کے لیے کراکری کا سامان' بیڈ شیٹس یا کچھ اور ایک آدھ چیز ضرور لیتی آئیں گی تاکہ اس کا بوجھ کچھ کم ہوسکے۔

گھریلو ملازمین اکثر چوری کرنے' کام چوری و دیگر معاملات میں ملوث پائے جاتے ہیں لیکن یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ان کی یہ حرکت' ان کی مجبوری اور ضرورت ہے پیشہ نہیں۔ ہر غلط بات کا جواب ڈانٹ ڈپٹ اور مار دھاڑ نہیں ہوتا' ملازموں کی خوشیوں اور ضرورتوں کا خیال رکھنا ہمارے فرائض میں شامل ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی استطاعت دی ہے کہ ہم ملازم رکھ سکتے ہیں تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اتنا عطا بھی کیا ہے کہ ہم ان کی مدد کرسکیں۔ تنخواہ کے علاوہ ان کے گھریلو حالات' ان کے بچوں کی تعلیم کا خیال رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کوئی ملازم ایسی حرکت کرنے پر مجبور ہو۔ نگین تو یہ بات اچھی طرح سمجھ گئی تھیں کیا آپ بھی سمجھ گئی ہیں......؟

قسط نمبر 19

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

فائز شرمیلا کے ہمراہ سفینہ سے ملتا ہے مگر وہاں پارک میں سفینہ کو آفاق کے ہمراہ دیکھ کر بدگمانی کی کیفیت میں گھر جاتا ہے دوسری طرف آفاق سفینہ کے تمام خدشات دور کرنے کی بات کرتا ہے کہ جہیز اور شادی بیاہ کے تمام معاملات کو اب وہ خود سنبھال لے گا، سفینہ اس کی طرف سے مطمئن ہوتی ہے تو فائز آفاق کو لے کر اس پر الزامات کی بوچھاڑ کر دیتا ہے۔ اپنی ذات کی یہ تذلیل سفینہ سے برداشت نہیں ہو پاتی مگر سفینہ کو خود سے دور کرنے کی خاطر فائز اس موقع کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنی پسندیدگی شرمیلا کے لیے ظاہر کرتا ہے دوسری طرف گاڑی میں شرمیلا کی موجودگی سفینہ کو بہت کچھ سمجھا دیتی ہے۔ اسے اپنی محبت پر افسوس ہونے لگتا ہے مگر اب حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہوتا۔ شرمیلا بھی دونوں کی جدائی کے خیال سے دکھی ہوتی ہے۔ فائز کا ٹوٹا بکھرا وجود سے بھی اذیت میں مبتلا کیے دیتا ہے ایسے میں فائز اپنی ذات سے لاپروا ہو جاتا ہے اور شدید بیمار پڑ جاتا ہے اس دوران سائرہ بیگم کو اپنے بیٹے کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا احساس ہوتا ہے مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ روشی بھی بھائی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتی ہے مہندی والے دن ایک مشرقی روپ میں اس کا حسن سب کو بے حد متاثر کرتا ہے۔ ریحانہ بیگم رخصتی سے کچھ دن قبل سائرہ کو سفینہ کی شادی کا کارڈ دیتی ہے تو وہ شدید اشتعال میں آ جاتی ہیں اور کارڈ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کے ہاتھ میں تھما دیتی ہیں ساتھ ہی وہ خان ہاؤس میں اپنے حصے کا مطالبہ بھی کر بیٹھتی ہیں دوسری طرف وہ جلال خان کو ان لوگوں سے ملنے نہیں دیتیں کہیں بھائی کو دیکھ کر وہ جذبات میں کچھ کام نہ بگاڑ دیں ریحانہ بیگم اس توہین آمیز سلوک کا ذکر سفینہ سے کرتی ہیں تاکہ وہ فائز اور اس کے گھر والوں کی محبت کو ہمیشہ کے لیے اپنے دل میں دفن کر دے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆☆☆......☆☆☆

وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں متذبذب سی کھڑی تھی سر جھکائے سوچوں میں گم۔

”سفینہ......“

”ہوں......“

”جان...... میں کچھ کہہ رہی ہوں۔“ محبت سے چور بھیگا بھیگا سا لہجہ۔

”ممی......“ اس نے بے قراری سے چہرہ اوپر اٹھایا، نگاہوں سے پریشانی چھلک رہی تھی۔

”یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔“ بازو تھام کر انگلیوں کی گرفت سے احساس دلایا کہ وہ اس کے لیے کچھ غلط نہیں کر رہیں...

”جانتی ہوں پھر بھی......“ اس نے آس سے ماں کی طرف دیکھا لیکن وہ نظریں چرا گئیں۔

”چلو بچے! بسم اللہ کر کے قدم بڑھاؤ۔“ بیٹی کا تھوڑا سا گھونگھٹ نکالتے ہوئے نرمی سے ہدایت دی۔ وہ پھر بھی زمین پر قدم جمائے کھڑی رہی۔

''سفینہ پلیز...... سمجھنے کی کوشش کرو ان لوگوں کو رسم شروع کرنی ہے دیر ہو رہی ہے۔''
''سنبل اور ثوبیہ بھی اب تک نہیں آئیں۔'' اس نے پست آواز میں پوچھا۔
''میں تو خود ان کے اب تک نہ آنے پر حیران ہوں۔'' اس کا ذہن دادا ابا کی یادوں سے ہٹنے پر شکر ادا کرتے ہوئے ریحانہ نے جواب دیا۔
''میں ان سے کبھی بات نہیں کروں گی' بھلا کوئی ایسا بھی کرتا ہے۔'' معصومیت سے نم لہجہ شکایت سے بھر گیا تھا۔
''میں کل تمہاری خالہ کی خبر لوں گی۔ مگر ابھی ان سب میں الجھنا بیکار ہے۔'' بیٹی کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے دوبارہ سمجھایا۔
''اوں......'' اس نے ایک لمبی سی سانس بھری' خود پر قابو پایا اور ماں کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔
''چلو بھئی بچیوں...... سفی کو لے کر باہر چلو۔'' ریحانہ کے اندر طمانیت دوڑ گئی۔ لڑکیوں کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔
''آئی دیکھو مہندی کی رات۔'' سفینہ پر سرخ زرتار دوپٹے کی چادر تانی ہوئی سہیلیوں میں سے ایک نے تان لگائی۔
سجی سنوری لڑکیاں ہنستے مسکراتے ہوئے آگے بڑھیں تو اس نے بھی سج سج کر قدم بڑھائے' ریحانہ نے پیچھے سے بیٹی پر دعائیں پڑھ کر پھونکیں۔

☆☆☆......☆☆☆

''بیٹا تو اس قدر خاموش کیوں رہنے لگا ہے۔'' دلشاد بانو نے فائز کو کرسی پر گم صم بیٹھا پایا تو پیچھے سے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔
''کچھ نہیں نانو ایسے ہی۔'' اس نے سپاٹ چہرہ ان کی جانب گھمایا اور پھیکی سی مسکراہٹ خشک لبوں پر سجالی۔
''اب تُو تو کوئی فرمائش بھی نہیں کرتا۔'' جانتے بوجھتے شکوہ کیا۔
''دل میں کوئی فرمائش باقی ہی نہیں رہی۔'' گلابی آنکھوں کو ہتھیلی سے ڈھانپتے ہوئے وہ خود اذیتی سے ہنسا۔
''ایسا نہیں کہتے میرے بچے۔'' انہیں فائز کی حالت دیکھ کر ہول اٹھنے لگے گھبرا کر بولیں۔
کھلا گریبان' کرتا شلوار' گلابی آنکھیں، بڑھی ہوئی شیو اداس چہرہ، اس کے باوجود فائز کی وجاہت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ دلشاد بانو نے نواسے کی طرف نگاہ بھر کر دیکھا تو دکھ ہونے لگا۔
''چل بتا آج نانی کے ہاتھ کا حلوہ کھائے گا؟'' اس کا دل بہلانا چاہا۔
''نہیں رہنے دیں کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''کیوں...... کیوں دل نہیں چاہتا؟'' دلشاد بانو نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔
''حالات اس طرح بدل جائیں گے۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' اس نے فریاد کناں نگاہوں سے آسمان کو دیکھا۔
''ہائے...... رے۔'' دلشاد بانو نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔
اس کے باوجود کہ فائز کا دل اجاڑنے والوں کی فہرست میں وہ بھی شامل تھیں، پھر بھی نواسے کے حال پر ایک ملال بھرا پچھتاوا انہیں اپنی گرفت میں لیے جا رہا تھا۔
''کاش پاپا ٹھیک ہوتے تو میرے خواب یوں منتشر نہ ہوتے۔'' سامنے والے کمرے سے جلال خان کی کھانسنے کی آواز آئی تو فائز کے لبوں سے آہ نکلی۔
''بھول جا میرے بچے سب باتوں کو بھول جا۔'' دلشاد بانو نے دلاسہ دیا۔

''کیسے بھول جاؤں' یہ باتیں بھلا بھلائی جاسکتی ہیں؟'' اس نے بے قراری سے نانی سے پوچھا۔

''بیٹا...... اپنے دل کو سمجھا۔'' دلشاد بانو نے اس کا ہاتھ تھام کر التجا کی۔

''نانو...... جانے کیوں ایسا لگتا ہے جیسے سینے میں دل ہی نہیں رہا۔ یہ جگہ خالی ہوگئی ہے پھر کیا سمجھنا اور کس کو سمجھانا۔'' وہ چوڑے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

''میرے بچے...... ایسا نہیں کہتے۔ ہم سب اس گھڑی میں تیرے ساتھ ہیں۔'' وہ چمکار کر بولیں۔

''اس گھڑی تک پہنچانے والے بھی تو آپ لوگ ہی ہیں۔'' وہ طنز سے ہنسا۔

''ہم تیرے اپنے ہیں' میرے بچے۔'' وہ بلبلائیں۔

''میں تو تنہا کھڑا ہوں، کوئی نہیں میرا...... یہ اپنوں کے رویے ہی تو انسان کو مار دیتے ہیں اور......'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا' اندر داخل ہوتی سائرہ بیگم کی غصیلی نگاہیں بیٹے پر ٹک گئیں۔

☆☆☆......☆☆☆

نیم سنہرے دوپٹے کے ہالے میں پُرکشش چہرے پر پھیلی سوگواری کیفیت، سنہری آنکھوں میں گھلتی سرخیوں نے اس کے حسن جہاں سوز کو ایک الوہی کشش دے دی تھی۔ چٹا پٹی کا چوڑی دار پائجامہ اور سبز رنگ کی ہلکے کام والی لمبی قمیص کے ساتھ آٹھ گز کا سنہری فرشی دوپٹہ' گوٹے سے بنے زیورات سے سجی۔ وہ واقعی بے حد خوب صورت نظر آرہی تھی۔ باہر کی جانب دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی سفینہ کو ریحانہ نے نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھا تھا کہ کہیں ماں کی ہی نظر نہ لگ جائے۔ سفینہ بہزاد جواب سفینہ آفاق بننے جارہی تھی، آفاق شاہ کے گھر والوں کا سامنے کرتے ہوئے اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ سہیلیوں نے مہندی کی رسم کے لیے بڑے سبھاؤ کے ساتھ باہر لاکر تخت پر بٹھایا۔ دلہن کی آمد پر روشنی اور اس کی کزنز نے شور مچا کر گلاب اور گیندے کی پتیاں نچھاور کرتے ہوئے استقبال کیا۔ اس کے بیٹھتے ہی گھونگھٹ میں جھانکنے کی کوشش بھی کی گئی مگر سفینہ نے شرما کر مزید گردن جھکالی تھی۔ اسریٰ نے بڑھ کر اس کا چہرہ اوپر کیا اور ماتھے پر بوسہ دیا۔ سفینہ کی فرمائش پر بیوٹیشن نے میک اپ کے نام پر صرف پنک لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل لگایا تھا۔ اس کے باوجود بھی ایسا روپ چڑھا تھا کہ سب نے روشنی کو ایسی پیاری بھابی ڈھونڈنے پر مبارک باد پیش کرنا شروع کردی تھی۔

''یہ سب ان محترمہ کی کارستانی ہے۔'' روشنی نے بھی فیاضی سے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنی خالہ جانی کی جانب اشارہ کیا۔ وہ رسم شروع کرنے کی تیاریوں میں مگن تھیں' سب کی تعریفوں پر ہنس دی۔

سفینہ کے ساتھ بیٹھی لڑکیوں میں سے ایک نے ڈھولک سنبھال لی دوسری نے مہندی کے تھال پر سجائی گئیں موم بتیوں کو جلانا شروع کردیا۔ خان ہاؤس سے جدائی کا خیال' اندر پھیلتا سناٹا باہر کی رنگینوں پر بھاری پڑنے لگا تھا۔ سفینہ کا حُسنِ جہاں سوز اور سوچوں میں گم معطر وجود، دل کے دریچے کا ادھ کھلا دروازہ چرمرایا' ادھوری داستانوں کے تانے بانوں سے الجھا ہوا ذہن' ماضی کی یادوں میں کھو گیا تھا۔ گھر کے کونوں کھدروں سے اس کا بچپن پکارتا چلا گیا' نگاہوں میں دو بچے سفینہ اور فائز پورے گھر میں ہنستے کھیلتے آسمائے، پھر اچانک فائز ہاتھ چھڑا کر چلا گیا۔ وہ دبے قدموں ستون کے پیچھے دبک کر اسے پکارتی رہ گئی۔

''سفینہ' یہ لوگ رسم کرنا چاہ رہے ہیں۔'' ریحانہ نے بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چونکایا۔

''جی اچھا۔'' سنہری آنکھوں میں تیرتی نمی چھپانے کے لیے سفینہ نے پلکیں جھپکائیں۔ جلتی بجھتی موم بتیوں کا عکس اس کے رخسار سے ٹکرا کر طلسماتی کشش میں اضافہ کا باعث بن گیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

سائرہ بیگم غالباً بیٹے کی بات سن چکی تھی اس لیے زہر خند لہجے میں ماں سے بولیں۔
"اماں...... ان کو کچھ نہ بولیں' ان کی اپنی دنیا ہے' جس میں ہم لوگوں کا گزر نہیں۔" سائرہ بیگم کو بیٹے کے الفاظ بھالے کی طرح چبھ رہے تھے۔
"ہائے سائرہ ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے۔ تو نے تو اپنی اولاد کا ہی کلیجہ چبا ڈالا۔" وہ بیٹی کو دیکھ کر غرائیں۔
"اماں...... ویسے آپ کی ہمدردی سمجھ میں نہیں آ رہی۔" سائرہ بیگم کو ماں کی منافقت پر ایک دم غصہ آیا، اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتی دلشاد بانو بیٹی کی طرف لپکی۔
"تو جا یہاں سے۔" دلشاد بانو نے بیٹی کے دو ہتر جڑتے ہوئے کمرے سے باہر دھکیلا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کی پول بھی کھل جائے۔ سائرہ بیگم جم کر وہیں کھڑی ہو گئیں مگر کچھ بولنے سے احتراز کیا۔
"تیرے سامنے تو ابھی ساری زندگی پڑی ہے میرے بچے۔" اس کی بھڑاس نکالنے کو وہ پلٹی اور بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"زندگی رہی ہی کہاں ہے نانو؟" فائز خود پر ہنسا اور پھر ماں کو دیکھا، وہ تلملا اٹھیں۔
"کیا آپ کو یہ فائز جلال زندہ لگتا ہے؟" اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر پوچھا۔
"اچھا میرے بچے' ایک بات سن۔ میں بہت جلد تیری شادی ایسی لڑکی سے کرواؤں گی کہ تو دیکھتا رہ جائے گا؟" اور کچھ نہ بن پڑا تو اسے بچوں کی طرح بہلانا چاہا۔
"شادی تو ہو رہی ہے نا وہاں سفینہ کی۔" وہ زخموں سے چور لہجے میں بولا۔
"بیٹا...... اب اس سے تیرا کیا واسطہ تو آگے کے بارے میں سوچ۔" ان کے غمزدہ لہجہ پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔
"ممی...... خوش ہو جائیں میں نے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لیا۔" وہ اٹھ کر ماں کے مقابل کھڑا ہوا۔
"ہم بھی تو سنیں اب صاحب زادے نے کون سے گل کھلانے ہیں۔" وہ بیٹے سے بہت ناراض دکھائی دیں۔
"سفینہ کی شادی کے بعد سے فائز جلال تاعمر کنوارا رہے گا۔" اس نے ہنستے ہوئے مستحکم لہجہ میں کہا۔
"اللہ نہ کرے۔" سائرہ بیگم سینے پر ہاتھ رکھ کر گھبرائیں، اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ رینگ گئی۔
"یہ...... کیا بول رہا ہے؟" دلشاد بانو نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے فائز کا دیوانہ پن دیکھا۔
"ممی اب آپ کا بیٹا تاعمر سوگ منائے گا۔" خود اذیتی سے قہقہہ لگاتے ہوئے وہ مڑا تو گنگ رہ گیا۔
"کیا...... میری سفی کی شادی ہو رہی ہے۔" جلال خان جو فائز کے چیخنے چلانے پر لرزتے ہوئے دیوار پکڑ پکڑ کر چوکھٹ تک آئے تھے سب کو باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"پاپا......" اسے دیوانے پن سے عقل کی سرحد پار کرنے میں لمحہ نہ لگا۔
"مجھے بتایا کیوں نہیں؟" سوالیہ انداز میں پوچھتے ہوئے غمزدہ سے زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔ سب ایک دم ان کی جانب دوڑے۔

☆☆☆......☆☆☆

خوشیوں بھری محفل میں ایک دل جلی بھی سامنے بچھی کرسیوں پر بیٹھی دل ہی دل میں کڑھنے میں مصروف تھی۔
"اور نہیں تو کیا...... یہ مصیبت ان ہی کی تو لائی ہوئی ہے۔" عائشہ بیگم نے جل کر ہنستی مسکراتی اسریٰ کو گھورا۔
"میری حکومت چھیننے تو آ تو رہی ہے مگر دیکھنا میں تجھے کیسا مزہ چکھاتی ہوں۔" سفینہ کو کچا چبا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔

اسریٰ ایک خاص احساس کے تحت مڑیں اور عائشہ بیگم کی نظریں سفینہ پر چپکی دیکھ کر ہول گئیں۔
"اس عورت کی بری نگاہوں سے تو اللہ بچائے آمین۔" وہ ایک دم دعا گو ہوئیں۔
"پتا نہیں دل میں کیسے کیسے وہم آرہے ہیں۔" اسریٰ دل تھام کر رہ گئیں۔ انہیں پہلے دن سے سفینہ سے بہت لگاؤ سا ہوگیا تھا۔
"اللہ تمہاری اور آفاق شاہ کی جوڑی سلامت رکھے آمین۔" رسم کے بعد انہوں نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ بغل میں دبا ہوا پرس کھولا اور سفینہ پر سے ہزار ہزار کے کئی نوٹ وار کے اسی رنگین تخت پوش پر رکھ دیے جس پر اسے لا کر بٹھایا گیا تھا۔
"آفاق بھائی ایک بار ہماری سفینہ کو دیکھ لیں تو نکاح پڑھوانے میں سیکنڈ کی دیر نہ کریں۔" رسم کے بعد ایک کزن نے شرارتی انداز میں اسے چھیڑا تو باقی لڑکیوں نے اس کی تائید میں شور مچا دیا۔
"کہیں سفینہ بھابی کے دل کی بھی تو یہی آرزو نہیں...... لڈو پھوٹنے کی آواز تو یہاں تک آرہی ہے۔" آفاق کی کزن نے جواب میں پھلجھڑی چھوڑی۔ ایک بار پھر قہقہے گونجنے لگے۔
"اُف یہ لڑکیاں بھی......" سفینہ نے گڑبڑا کر سر جھکا لیا۔
"ہماری دلہن تو بہت معصوم ہے۔ یہ تو نوشے میاں کو ہی جلدی پڑی تھی۔" اس کی دوست نے حق دوستی نبھانا چاہی۔
"ارے جایئے صاحب...... بھابی کا بس چلتا تو آج ہی قاضی جی کا انتظام کروا دیتی۔" ایک اور چلبلی کزن نے ہاتھ نچا کر کہا۔
"سنبل اور ثوبیہ یہاں ہوتیں تو ان کو صحیح کا جواب دیتیں۔" سفینہ نے خیالی طور پر دانت پیسے۔
"ہماری بنو...... ایسی نہیں جو اپنی منوائے۔" اس کی ایک سہیلی کو تھوڑا برا لگا منہ بنا کر جواب دیا۔
"اچھا ویسے تو اس شادی میں ہر بات بھابی کی ہی مانی گئی ہے۔" روشنی نے طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جوابی کارروائی کی۔ شکر ہے بات مذاق میں اڑا دی گئی مگر سفینہ کے دل پر ٹھک کر کے لگی تھی۔
"یہ روشنی کیا کہہ رہی ہے۔ کیا اسے جہیز نہ لینے والی بات بری لگی ہے؟" اب لڑکیاں کوئی اور مذاق کوئی اور فقرہ کسنے کی تیاریاں کررہی تھیں مگر وہ ایک نئی فکر میں مبتلا سن سی بیٹھی سوچتی رہ گئی۔

☆☆☆......☆☆☆

سفینہ تخت پر بیٹھی ہاتھ پر لگا ابٹن اتارنے میں مصروف تھی۔ ریحانہ بہزاد فون پر خاموشی سے دوسری طرف کی بات سننے میں مگن تھی اور پھر کچھ ہی دیر میں افسوس بھرے انداز میں سر ہلاتے ہوئے لائن کاٹ دی۔ اپنی جگہ پر ساکن کھڑی وہ سوچ میں گم ہوگئی۔
"کس کا فون تھا؟" سفینہ نے ماں کو گم صم دیکھا تو زرد دوپٹے کو پیچھے کرتے ہوئے سر اٹھا کر پوچھا۔
"فون......!" ریحانہ ایسے بولیں جیسے اپنے حواسوں میں نہ ہوں۔
"ممی...... کیا ہوا؟" سفینہ نے اپنی جگہ سے گھبرا کر کھڑے ہوتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔ تم اندر جا کر تھوڑی دیر لیٹ جاؤ شام میں مہندی لگانے والی آجائے گی تو گھنٹوں بیٹھنا پڑے گا۔" ان کا انداز ٹالنے والا تھا۔
"کیا ہوا ہے پہلے مجھے بتائیں۔" سفینہ نے ماں کے ٹالنے پر زور دے کر پوچھا۔
"فضول کے سوال جواب کرکے تنگ نہ کرو۔" ریحانہ نے جھلا کر ہاتھ لہرایا۔

"اچھا چھوڑیں نہ بتائیں۔" سفینہ نے قمیص کے دامن پر لگے سوکھے ابٹن کو ناخن سے کھرچتے ہوئے کاندھے اچکائے۔ ریحانہ بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے ٹہلنے لگیں۔

"ویسے ممی...... شہانہ خالہ کا کچھ پتا چلا۔" اس نے کچھ دیر بعد دوپٹے کو سر پر جماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ شادی میں شرکت کے لیے نہیں آرہی۔" ریحانہ کے پاس جیسے بولنے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا پھر بھی دکھی آواز میں بتانا پڑا۔

"کیا......! ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟" اس نے غیر یقینی کیفیت میں ماں کو دیکھا۔

"میں اپنی ماں جائی کے بارے میں بھلا ایسا بھونڈا مذاق کرسکتی ہوں، وہ بھی تمہاری شادی پر۔" انہوں نے برامانتے ہوئے اسے دیکھا۔

"چلیں میں خود سنبل کو کال کر کے اس کی کلاس لگاتی ہوں۔" ماں کی خاموشی پر سفینہ نے ان کے ہاتھ میں تھاما ہوا فون اپنی جانب کھینچا۔

"ان لوگوں کو کال نہ کرو۔" ریحانہ نے فون والا ہاتھ پیچھے کیا۔

"کیوں مجھے تو شہانہ خالہ سے لڑائی کرنی ہے اتنی اپنی ہو کر وہ غیروں کا سا سلوک کررہی ہیں۔" اس نے منہ پھلالیا۔

☆☆☆......☆☆☆

"کیسی ہو شرمیلا؟" سائرہ بیگم نے بناوٹی محبت اور فکر سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں خالہ۔" اس نے مختصر جواب دیا اور زینے کی طرف قدم بڑھائے۔

"میں نے چائے پکائی ہے، آجاؤ مل کر پیتے ہیں۔" وہ دعوت دینے کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف بڑھیں۔

"خالہ کو لگتا ہے کوئی خاص بات کرنی ہے۔" اس نے قدم بڑھاتے ہوئے متجسس انداز میں سوچا۔

"شامی کباب کھاؤ گی؟" جاندار مسکراہٹ سجا کر پوچھا۔

"نہیں شکریہ۔" اس نے بے دلی سے سر ہلایا اور اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھنے لگی۔ صاف لگ رہا تھا کہ اس کا دل نہیں ہے بات کرنے کا۔

"ویسے خیر تو ہے اتنی چپ چپ کیوں ہو۔" سائرہ بیگم نے کیتلی میں سے چائے نکال کر کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"جی بس ایسے ہی۔" اس نے چائے کا سپ لیا، بڑی طلب محسوس ہورہی تھی۔

"تم چپ چپ نہ رہا کرو، بس ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہو۔" وہ لگاوٹ بھرے لہجے میں بولیں۔

"یہ خالہ کو کیا ہوگیا ہے۔ بڑی محبت دکھا رہی ہیں۔" وہ حیرت سے دل ہی دل میں بولی اور چائے ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا بیٹا؟" وہ حیرت زدہ ہوگئیں، ابھی تو ان کا مقصد بھی پورا نہیں ہوا تھا۔

"اصل میں ابھی کوچنگ سے لوٹی ہوں اور آپ نے بلالیا، اب اوپر جاؤں گی۔ ورنہ امی پریشان ہوں گی۔" اس نے بات بنائی۔

"بیٹی...... ایک کام ہے تم سے ذرا بیٹھو تو۔" زمانے بھر کی لجاحت لہجے میں سمونے کے بعد اسے اشارے سے بیٹھنے کو کہا، شرمیلا کی ساری حس ایک ساتھ بیدار ہوئیں تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

يايها الذين امنوا
اے ایمان والو!
وہ رات

"بیٹا..... وہ اپنی پریشانی میں ہے۔" ریحانہ نے رسانیت سے سمجھایا۔
"کچھ بھی ہو مگر ان کے لیے میری شادی سے اہم تو کچھ نہیں اور ثوبیہ، سنبل ان سے تو میں تاعمر بات نہیں کروں گی۔" اس کا لہجہ گلوگیر ہوگیا۔
"سفی جان..... سچائی جانے بناء ہم کبھی کبھی اپنوں کی طرف سے بدگمان ہو جاتے ہیں مگر یاد رکھو ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بڑی مشکل سے گزر رہے ہوں۔" ریحانہ نے لرزتے لب کھولے۔
"ایسی کون سی مشکل آپڑی ہے جو....." اس نے چونک کر ماں کو دیکھا جن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔
"وہ سب یہاں آرہے تھے کہ راستے میں اچانک شہانہ کی ساس کی طبیعت خراب ہوگئی۔" ریحانہ نے کپکپاتے ہوئے بتایا۔
"دادی کی طبیعت..... مگر انہیں کیا ہوگیا۔ وہ تو اچھی بھلی تھیں اور فون پر میری شادی پر آنے کا بھی کہہ رہی تھیں۔" اس نے ماں کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پریشانی سے پوچھا۔
"مجھے زیادہ نہیں پتا۔ بس شہانہ نے بہت جلدی میں کال کی اور روتے ہوئے شادی میں شرکت سے معذرت کرلی۔" ان کا لہجہ غمگین ہوگیا۔
"ایسا کیا ہوا کچھ تو بتائیے۔" سفینہ نے ماں کو آرام سے تخت پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔
"خالہ جی کو شاید ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ایمرجنسی میں رکھا ہے، ایسی حالت میں وہ سب یہاں کیسے آسکتے ہیں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔
"ہائے اللہ..... ثوبیہ اور سنبل کے دم سے تو شادی کی رونق ہوتی۔" سفینہ نے اداسی سے سر جھکا لیا۔
"مجھے تو یہ فکر ہے کہ شہانہ کے سسرال میں اب تم پر باتیں نہ بنائی جارہی ہوں۔" وہ سر کو تھام کر بولیں۔
"ہائے میں نے کیا کیا ہے؟" اس کی سنہری حسین آنکھیں حیرت سے بھر گئیں۔
"بیٹی..... وہ لوگ بہت توہم پرست ہیں۔ ہر واقعے کو اچھی بری گھڑی سے منسوب کرتے ہیں۔ اب تمہاری شادی کو اپنی ماں کے لیے منحوس نہ قرار دے دیں۔ کیوں خالہ یہیں آنے کے لیے گھر سے نکلی اور راستے میں طبیعت خراب ہوگئی۔" ریحانہ نے پریشانی سے بتایا۔
"امی آپ چھوڑیں بھی زمین و آسمان کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جو اللہ جی کی قدرت سے باہر ہو پھر اس سفینہ کی کیا اوقات۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں ماں کو سمجھایا تو وہ بھی قائل ہو کر مسکرا دیں۔

☆☆☆......☆☆☆

وقت سب کے لیے بدلتا ہے اور شرمیلا کے لیے بھی بدل گیا تھا۔ کل تک شرمیلا کو برا کہنے والی، آج اسی سے مدد طلب کررہی تھی۔
"تم ذرا نیچے اتر کر فائز سے گپ شپ لگالیا کرو وہ لڑکا تو ایک دم دنیا سے بیزار ہو چلا ہے۔" ان کے لہجے میں آس و امید کے رنگ یکجا ہوئے۔
"میں..... میں کیا کرسکتی ہوں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔
"تم چاہو تو اسے واپس زندگی کی طرف موڑ سکتی ہو۔" وہ ایک دم گڑگڑائیں۔
"وہ ایسا کیا کررہا ہے؟" شرمیلا نے ان کے قریب ہوتے ہوئے پوچھا۔
"میرے گھر کو تو کسی کی نظر لگ گئی ہے، میرا ہنستا کھیلتا بچہ اس منحوس لڑکی کے عشق میں جوگ لے بیٹھا ہے۔" سائرہ

کا لہجہ زہر خند تھا۔

''خالہ...... فائز کے ساتھ بھی تو کچھ اچھا نہیں ہوا۔'' شرمیلا نے انہیں افسوس بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سمجھانا چاہا۔

''اب جو ہونا تھا ہو گیا مگر وہ حقیقت ماننے کو تیار نہیں۔ آفس سے آ کر جو کمرے میں گھستا ہے تو نہ کسی سے بات کرتا ہے نہ ہی کھاتا پیتا ہے۔'' وہ شرمیلا کا ہاتھ پکڑ کر سچ مچ میں رو دیں۔ انہیں شرمیلا ہی آس کا دیا نظر آئی تھی۔

''اوہ......'' اسے ایک دم افسردگی نے گھیر لیا۔

''ایسا کرو تم اسے شام میں زبردستی کہیں باہر لے جایا کرو۔ شاید تھوڑا بہل جائے۔'' وہ بڑی لجاحت سے بولیں۔

''میں بھلا ایسا کیسے کر سکتی ہوں۔ میں تو ایک بدکردار لڑکی ہوں۔'' اس نے بھنویں اچکا کر کبھی کی کہی ان کی بات ان کے منہ پر لوٹائی۔

''خاک پڑے ایسا کہنے والے کے منہ پر۔'' سائرہ نے گھبرا کر اسے چور نگاہوں سے دیکھا اپنی کہی بات یاد آنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

''پتا نہیں خالہ...... مگر کچھ لوگ ایسا سوچتے ہیں۔'' اس کا ذو معنی لہجہ انہیں بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

''چھوڑو بیٹا لوگوں کو باتیں بنانے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں آتا۔'' سائرہ نے بات بدلی۔

''یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ خیر مجھے فائز سے سچ مچ میں ہمدردی ہے مگر جو آپ کہہ رہی ہیں ویسا مجھ سے نہیں ہوگا۔'' اس نے سر ہلا کر ہری جھنڈی دکھائی۔

''ارے بیٹا...... تم کوشش تو کرو۔ ویسے بھی ہونے والی بہو اگر بیٹی بن کر سوچے تو پرائی نہیں رہتی۔'' سائرہ بیگم نے اس کا مرمریں ہاتھ دباتے ہوئے نیا جال پھینکا۔

''بہو...... ! مطلب کیا ہے خالہ؟'' شرمیلا نے سچ مچ برا مانتے ہوئے پوچھا۔

''ارے...... ارے میری بچی یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی تو تم بس فائز کا خیال کرو۔'' وہ واپس مطلب کی بات کی طرف لوٹیں۔

''لو بڑی بی کا کوئی نیا ڈرامہ شروع ہو گیا ہے مگر خیر میں فائز کو اس کے دکھوں سے نکالنے کی کوشش کروں گی۔'' شرمیلا نے کوئی جواب دیئے بنا سیڑھیاں چڑھتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆......☆☆☆

سنبل اور ثوبیہ چند گھنٹوں کے سفر سے تھکی ہاری ابھی خان ہاؤس پہنچیں تھیں کہ اندر لاؤنج میں گھستے ہی ان کی ملاقات سفینہ سے ہوگئی۔ اس کے منہ سے تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وہ بالکل ناامید ہو چکی تھی مگر جانتی نہیں تھی کہ یہ دونوں بلیاں یوں شادی سے ایک دن پہلے ایسا اچھا سرپرائز دینے پہنچ جائیں گی۔

''تم لوگ کیسے آئیں؟'' ریحانہ بھی اچھل پڑیں۔ لاؤنج میں اس وقت ریحانہ اور سفینہ کی چند سہیلیاں بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

''حاظرین محفل کو آداب کے بعد عرض ہے کہ دوپہر کی فلائیٹ سے ہماری سواری باد بہاری یہاں پہنچی ہے۔'' انہوں نے جھک کر مشترکہ سلام کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

''نوازش، کرم شکریہ، مہربانی۔'' سفینہ نے دوڑ کر انہیں گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے ماں باپ نہیں آئے؟'' ریحانہ بھی بھانجیوں کو دیکھ کر نثار ہونے لگیں پُر جوش انداز میں ماتھا چومتے ہوئے

بڑی امید سے پیچھے جھانکا۔

"بس فی الحال تو ہم دونوں ہی دستیاب ہوسکے ہیں۔" ثوبیہ نے ہنستے ہوئے ریحانہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"دادی کیسی ہیں؟" سفینہ نے پوچھا۔

"دادی اماں کی طبیعت بہتر ہوئی تو انہوں نے زبردستی کہہ کر ہماری سیٹیں بک کروا کر ہمیں شادی اٹینڈ کرنے کے لیے بھیج دیا۔" سنبل جو سفینہ سے چپکی ہوئی تھی مسکرا کر جواب دیا۔

"چلو اچھا ہوا۔" ریحانہ کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

"دادی نے تو مما کو بھی بھیجنا چاہا مگر وہ ابھی ہاسپٹل میں ہی ہیں۔ اس لیے انہوں نے منع کردیا۔" دونوں ایک ساتھ بول پڑیں تو سب مسکرا دیئے۔

"کیا ہوا تھا؟" ریحانہ نے ملازمہ سے ان کے بیگ اندر بھجواتے ہوئے پوچھا۔

"ہم سب ائیرپورٹ جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھ چکے تھے کہ دادی کو اچانک دل کا دورہ پڑ گیا۔" ثوبیہ نے افسردگی سے کہا۔

"ہوں...... خیر خالہ جی کی طبیعت اب خطرے سے تو باہر ہے نا؟" انہوں نے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ وہ تو ٹھیک ہیں مگر پھوپو کو فضول کی باتیں بنانے کا موقع مل گیا ہے بس۔"

"ان کو کیا تکلیف ہوئی؟" ریحانہ نے پوچھا۔

"بس کہنے لگیں کہ سفینہ کو تو شادی راس ہی نہیں۔ پہلے نکاح ہورہا تھا تو اس کے دادا گئے۔ اب ہماری اماں بیمار پڑ گئیں۔" سنبل نے تفصیل سے بتانا شروع کیا مگر بہن کے آنکھیں دکھانے پر چپ ہوگئی۔

"جو کہتا ہے کہنے دو۔ ہم ہر ایک کے سوچنے کا انداز تو نہیں بدل سکتے۔" ریحانہ نے بیٹی کا چہرہ سپید پڑتے دیکھا تو بات ٹالی۔

"مما نے بھی اس بات پر خوب جھگڑا کیا۔" سنبل نے سفینہ کا برف پڑتا ہاتھ تھام کر حوصلہ دینا چاہا۔

"تمہاری زبان بہت چلتی ہے منع کیا تھا نا۔" ثوبیہ نے سفینہ کی حالت دیکھی تو بہن کو زوردار ڈانٹ لگائی۔ وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

"مجبوری ایسی آپڑی کہ میں شاہانہ کو کچھ کہہ نہیں سکتی مگر تم دونوں آگئیں ہمارے لیے یہ بھی بہت ہے۔" ریحانہ نے سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کچھ دیر بعد وہ دونوں فرش پر بچھی چاندنی پر بیٹھ کر سب کے حال احوال دریافت کرنے لگیں۔ ریحانہ کچن کے انتظامات دیکھنے کے لیے اٹھ کر اندر کی جانب چل دیں۔

☆☆☆......☆☆☆

آفاق شاہ کی شادی کے انتظامات میں الجھے الجھے اسریٰ کو اپنی تیاری کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ ٹیلر کے پاس سے سوٹ سل کر آیا تو قمیص اتنی تنگ تھی کہ وہ ڈرائیور کے ساتھ اس کو ٹھیک کروانے اس کی شاپ پر جا پہنچیں۔ شام کو ان لوگوں کو بری پہنچانے جانا تھا، انہوں نے روشنی کو کال کرکے ایک دفعہ سامان چیک کرنے کا کہا۔

روشنی گھر کے کپڑوں میں اِدھر سے اُدھر کاموں میں مصروف تھی۔ اسے چائے کی شدت سے طلب محسوس ہوئی تو آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر عائشہ سے چائے لانے کی فرمائش کی اور سر ٹکا کر ریلکس ہونے لگی۔ اچانک اسے اسریٰ کی ہدایت یاد آئی تو دوڑتی ہوئی بھائی کے کمرے میں گئی اور بری کا سوٹ کیس کھول کر ساری چیزیں چیک کیں۔

''اوہ.....خالہ جانی تو زیورات کا ڈبہ رکھنا ہی بھول گئی ہیں۔'' اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔
اس نے موبائل پر کال کر کے انہیں سب بتایا تو اسریٰ نے کہا کہ انہیں مارکیٹ میں دیر ہو جائے گی۔ وہ ڈائریکٹ سفینہ کے گھر پہنچ جائیں گی۔ اب روشنی کو ہی چند رشتے دار خواتین کے ساتھ بری کا سامان لے کر وہاں جانا تھا۔ فون بند کرنے سے پہلے انہوں اسے زیورات حفاظت سے رکھنے کی تاکید کی۔
''یار روشنی تو کہاں پھنس گیا ہے۔'' اس نے اسریٰ کی بتائی ہوئی جگہ سے چابی نکالی اور سیف میں سے زیورات کا باکس نکالتے ہوئے سر کھجایا۔
''یہ کتنا پیارا ہے۔'' ایک چھوٹے باکس میں ماں کی نشانی وہ طلائی جھومر رکھا دکھائی دیا تو اسے چھو کر ماں کا لمس محسوس کرنے لگی۔
''روشنی بیٹا جائے.....'' عائشہ بیگم اسے ڈھونڈتی ہوئی اس طرف چلی آئیں تو ان کی آنکھیں خیراں ہو گئیں۔
''اب بتائیں کیسا لگ رہا ہوں میں؟'' آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا۔
''موٹی بھینس۔'' عشو بیگم نے دل ہی دل میں مذاق اڑایا۔
''عشو اماں.....یہ میرے ماتھے پر کیسا لگ رہا ہے؟'' روشنی نے ماتھے پر جھومر سجاتے ہوئے پوچھا۔
''یہ تو بہت ہی سج رہا ہے۔'' عائشہ بیگم نے بہانے سے جھومر پر جڑے ڈائمنڈز پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔
''یہ میری ماں کی نشانی ہے، جسے میں ہمیشہ سنبھال کر رکھوں گا۔'' اس نے بڑی محبت سے جھومر کو ہتھیلی میں چھپایا۔
''ایک بات کہوں بیٹی؟'' عائشہ بیگم کی ہوس زدہ نگاہیں جھومر پر ٹک گئیں۔
''جی بولیں۔'' روشنی نے احتیاط سے زیور کا ڈبہ سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے کہا۔
''ڈرتی ہوں کہ چھوٹا منہ اور بڑی بات نہ ہو جائے۔'' چال چلتے ہوئے لہجے میں مسکینیت سمیٹ لی۔
''ایسا کیوں سوچ رہی ہیں۔'' وہ سیف لاک کرنے کے بعد مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔
''وہ بات یہ ہے کہ.....'' عشو بیگم نے جھجکتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کر ڈالا اور روشنی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ دونوں فریش ہونے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ سفینہ نے روم کی طرف جاتے ہوئے کھڑکی سے جھانکا تو نیچے کی ویرانی دیکھ کر فائز کی یاد ذہن میں آ گئی۔
''میرا بس چلے تو میں جادو کی چھڑی گھما کر سب کچھ پہلے جیسا کر دوں۔'' ثوبیہ نے دکھ سے سوچا۔
وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئیں تو مانوس سی خوشبو نتھنوں میں پھیل گئی۔ پچھلے سال بھی ان تینوں نے اسی کمرے میں رہتے ہوئے بہت ساری اچھی بری گھڑیاں ایک ساتھ گزاری تھیں۔ کمرے کی سیٹنگ اب بھی بالکل ویسے تھی۔ ایک ڈبل بیڈ جس پر اس کا ٹیڈی رکھا تھا۔ سامنے والی دیوار سے متصل صوفہ رکھا اور کمرے کے ایک کونے میں ڈریسنگ ٹیبل سجی ہوئی تھی ایسا لگتا تھا کہ کچھ بھی نہیں بدلا، اس کے باوجود سب کچھ بدل چکا تھا۔
''تم دونوں نے تو مجھے بھلا دیا۔'' کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سفینہ نے پیار بھرا شکوہ کیا۔
''ایسی بات نہیں ہے نا سفی۔'' سنبل نے پیار سے اس کا گال چوما، ثوبیہ اس بار بھی بس مسکرا دی۔
''آخ تھو.....تھو۔'' اسے چومنے کے بعد سنبل نے منہ نیچے کر کے مصنوعی انداز میں تھوکا۔
''کیا ہوا؟'' وہ دونوں ایک ساتھ پوچھنے لگیں۔
''کیا سفی ایک دم مسالہ جات کی دکان بنی ہوئی ہو۔ ہلدی کا ذائقہ آ گیا منہ میں۔'' وہ شرارت سے بولی تو سفینہ نے

اس کے کان مروڑئے۔

''ابھی تک اپنا سامان نہیں سمیٹا' ہر چیز ویسے کی ویسے پڑی ہے۔'' سنبل نے ٹیڈی کو سینے سے لگاتے ہوئے بیڈ پر لیٹتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں بس دل نہیں چاہا۔ امی نے بھی کہا تو تھا کہ جو ساتھ لے جانا چاہو ایک باکس میں رکھ لو لیکن میں نے منع کردیا۔'' سفینہ نے بھی اس کے برابر میں بیٹھ کر دکھی لہجے میں کہا۔

''وہ کیوں جی؟'' ثوبیہ نے بالوں کا جوڑا باندھتے ہوئے سوال کیا۔

''بس میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں شادی کے بعد یہاں واپس آؤں تو کچھ تو پہلے جیسا پاؤں۔'' اس کے لہجے میں حسرتیں جاگ اٹھیں۔

''ایسا کیسے ممکن ہے بھلا؟'' سنبل نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

''جانتی ہوں مگر بس دل ناداں کو کون سمجھائے۔'' اس نے گھٹنوں میں منہ چھپاتے ہوئے کہا۔

''ایک بات کہوں؟'' ثوبیہ نے جھجکتے ہوئے اسے دیکھا۔

''ہوں۔'' سفینہ نے گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے سر ہلایا۔

''فائز بھائی نے ایسا کیوں کیا؟'' اس کے لہجے میں تجسس تھا۔

''یہ تو فائز ہی بتا سکتے ہیں۔ شاید میری قسمت ہی خراب تھی۔'' وہ ایک دم رو دی۔

''ایسا نہیں سوچتے یار۔'' ثوبیہ کو پچھتاوا ہوا کہ یہ بات کیوں نکالی۔

''میری سفی کی قسمت اچھی ہے جب ہی تو اپنی تائی اماں کے ستم سہنے سے بچ گئی۔'' ثوبیہ نے تسلی دیتے ہوئے اس کے براؤن بالوں میں ہاتھ پھیرا تو وہ مسکرا دی۔

''سب چھوڑیں میں نے اس ٹیڈی کو بھی بہت یاد کیا۔'' سنبل نے ٹیڈی کو چومتے ہوئے بات بدل دی۔

''یہ بھی تمہیں بہت یاد کرتا تھا اور میں بھی۔'' سفینہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جھوٹ مت بولیں...... آپ کو تو اب آفاق بھائی کے علاوہ کچھ سوجھتا نہیں ہوگا۔'' سنبل نے چھیڑا تو سفینہ ہنس دی۔

☆☆☆......☆☆☆

''عشوا اماں...... یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ ان کی خواہش پر ایک دم حواس باختہ ہو کر انہیں تکنے لگی۔

''بس بیٹا...... مجبوری ایسی آن پڑی جو یہ بات کہنی پڑی۔'' وہ فوراً مگر مچھ کے آنسو بہانے پر تل گئی۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے پر میں نے ایسا کیا تو خالہ جانی نے مجھے مار ڈالنا ہے۔'' روشنی کی نگاہوں میں خوف سمٹ آیا۔

''ان کو پتا چلے گا تب نا۔'' اس کے بالوں کو سنوارتے ہوئے مسکرا کر تسلی دی۔

''نہیں...... نہیں...... میں ایسا نہیں کرسکتا۔'' صاف منع کرتے ہوئے روشنی کا دل دکھا مگر کوئی اور چارہ نہ تھا۔

''بیٹا...... صرف لڑکی والوں کو جھومر دکھانا ہی ہوگا۔ شادی ہوتے ہی میں بہو سے لے کر تمہیں واپس کردوں گی۔'' وہ کسی طرح اسے رام کرنے پر تل گئیں۔

''اماں...... یہ کوئی چھوٹی چیز یا پیسے نہیں ہیں کہ میں سب سے چھپ کر آپ کو پکڑا دوں۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

''میں جانتی ہوں بچے مگر کیا کروں مجبوری نہ ہوتی تو ایسا سوچتی بھی نہیں مگر لڑکی والوں کی شرط ہے کہ بری میں قیمتی جھومر چڑھایا جائے اب میری اتنی حیثیت کہاں؟'' عائشہ بیگم کی ایکٹنگ عروج پر تھی۔

''اماں..... آپ سوچیں یہ جھومر مما کی آخری نشانی ہے۔ میں اسے کیسے آپ کو دے سکتی ہوں۔'' اس نے رسانیت سے سمجھایا۔

''بیٹا..... میں کون سا ہمیشہ کے لیے لے رہی ہوں۔ بیٹے کی شادی کے لیے، بس چند دنوں کے لیے مستعار دے دو۔'' وہ ہاتھ ملتے ہوئے بولیں۔

''سوری عائشہ اماں..... میں یہ نہیں کر سکتا۔'' اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور پہلی بار عائشہ بیگم کی کسی بات پر اختلاف کرتی ہوئی باہر بھاگ گئی۔

☆☆☆.....☆☆☆

''تم دونوں آ گئی ہو تو میرے اندر انرجی آ گئی ہے۔'' سفینہ نے بڑی محبت سے ان دونوں کے گرد اپنی بانہیں لپیٹیں۔

''ہم تو خود یہاں آنے کو بے چین تھے۔'' سنبل نے پیار سے کہا۔

''تم دونوں نے سارا کام ٹھیک سے سنبھال لیا ورنہ امی بیچاری لگی رہتیں۔'' اس نے مشکور انداز میں انہیں دیکھا۔

''ہاں تو کیا اب ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے' کیوں ثوبی؟'' سنبل نے سر ہلایا اور بہن کو خیالوں میں گم دیکھ کر کہنی ٹکائی۔

''ہاں..... مگر سچ پوچھو تو میرا دل اداس ہے۔'' ثوبیہ نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''وہ کیوں؟'' سفینہ نے حیرت سے اپنی کزن کو دیکھا۔

''ہمارے ذہن میں بہنوئی کے روپ میں ہمیشہ فائز بھائی کی جھلک ہی ابھری مگر اب.....'' اس نے ہونٹ کاٹے۔

''ایک پرامس کرو تم آج کے بعد کبھی بھی میرے سامنے فائز کا نام نہیں لوگی۔'' سفینہ کے چہرے پر شام کا سرمئی پن اترنے لگا تو اس نے ہاتھ باندھ کر اپنی کزنز سے درخواست کی۔

''ویسے بری بڑی شاندار آئی ہے۔ ان لوگوں کی چوائس زبردست ہے۔'' سنبل نے ماحول کی اداسی کو ختم کرنا چاہا۔

''اچھی کیوں نہ ہوگی۔ سفینہ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ اچھی چیزوں کے قدر دان ہیں۔'' ثوبیہ بھی شرارتی ہوئی تو قہقہہ گونجا۔

''چلو بچیوں..... بہت رات ہو گئی ہے اب سو جاؤ۔'' ریحانہ نے اندر جھانک کر ہدایت دی۔

''ابھی تو جی بھر کر باتیں بھی نہیں کی اور آپ کو سلانے کی پڑ گئی۔'' ثوبیہ نے سستی سے چاندنی پر ہی دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''بیٹا وقت کم ہے اور بہت کام رہتے ہیں۔ کل سفینہ کو پارلر لے جانے کی ذمہ داری تم دونوں کی ہے۔'' ریحانہ نے طمانیت کا مظاہرہ کیا۔

''پارلر..... نہیں۔'' ثوبیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خالہ کو دیکھنے لگی۔

''ثوبی کیا ہوا؟'' سفینہ نے اس کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھے تو نرمی سے پوچھا۔

''نہیں..... اس بار ہم سفی کو پارلر لے کر نہیں جائیں گے۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' ریحانہ بھی بھانجی کے قریب چلی آئیں۔

''خالہ..... ہم نہیں جائیں گے نہ ہی سفی کو جانے دیں گے۔'' وہ بضد ہو کر رونے لگی۔

''کیوں بیٹی..... کیا ہو گیا؟'' ریحانہ نے ملکان ہوتی بھانجی کو سینے سے لگا کر پوچھا۔

''آپ کسی بھی میک اپ آرٹسٹ کو گھر بلوائیں مگر اس بار سفی نکاح سے پہلے باہر نہیں جائے گی۔'' وہ ماضی کی تلخیوں کو یاد کرتے ہوئے ٹھوس انداز میں بولی تو ریحانہ کی نگاہوں میں بھی ماضی کے دکھ بھر گئے۔

"ہاں ٹھیک ہے.....اس بار میک اپ گھر پر ہی کروائیں گے۔" ریحانہ نے اس کا سر تھپکتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اچانک سفینہ کی ہچکیوں کی آواز پر سب نے مڑ کر دیکھا وہ دادا ابا کہتے کہتے غش کھا کر گر گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

سفینہ کی طبیعت خرابی کی خبر جیسے ہی اسریٰ تک پہنچی وہ آفاق شاہ کے ساتھ رات کو ہی خان ہاؤس پہنچ گئیں۔ نزدیکی کلینک میں سفینہ کو ڈرپ لگوائی گئی تھی۔ وہ اس وقت دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی مگر ریحانہ ہونے والے داماد کو یوں رات گئے اپنے گھر دیکھ کر بہت پُرجوش ہو گئیں۔ سنبل اور ثوبیہ کو اچھی سی چائے تیار کرنے کی ہدایت دی اور خود اسریٰ کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

"اس قدر اہتمام کی کیا ضرورت تھی آنٹی۔" آفاق نے لوازمات سے سجی ٹرالی دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس یہ بچیوں نے آپ کی آمد پر تھوڑا بہت تیار کر لیا ہے۔" ریحانہ کے لہجے میں تکلف و پیار کی آمیزش تھی۔

"سفینہ کی اب کیسی طبیعت ہے؟" اسریٰ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تھکن کی وجہ سے طبیعت بگڑ گئی ہے۔" ریحانہ نے جلدی سے بات بنائی، انہیں خدشہ ہوا کہ کوئی الٹی سیدھی بات ان دونوں کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔

"یہ آج کل کی لڑکیاں کھاتی پیتی بھی تو نہیں۔" اسریٰ نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو چائے کا گھونٹ بھرتے آفاق کے لب مسکرائے۔

"جی یہ تو ہے.....ویسے فکر کی بات نہیں صبح تک ٹھیک ہو جائے گی۔" ریحانہ کی بات پر آفاق نے سرشاری محسوس کی۔

"کچھ تو لیں نا۔" سنبل نے آفاق کو خالی چائے پیتے دیکھا تو اصرار کیا۔ دونوں بہنوں کو سفینہ کا ہونے والا دلہا بہت پسند آیا تھا۔

"ڈنر کر چکا ہوں اس لیے کچھ کھانے کا دل نہیں ہے۔" اس نے نرمی سے انکار کیا۔

"اوہ.....کوئی بات نہیں۔" ثوبیہ نے اس کی طرف بڑھائی گئی کیک کی پلیٹ ٹرالی میں واپس رکھ دی۔

"اگر سفینہ ہوتی تو شاید کچھ کھا بھی لیتا مگر اس کی بیماری نے دل اداس کر دیا ہے۔" آفاق کے ذہن پر اس سوچ نے دستک دی۔

"اب چلیں کافی رات ہو گئی ہے۔" آفاق نے خالہ کو یاد دلایا جو ریحانہ کے ساتھ جانے کون کون سی باتوں میں مصروف تھیں۔

"ہاں چلو ویسے بھی صبح بہت کام ہیں۔" اسریٰ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے کل شام سات بجے تک آپ لوگ پہنچ جائیں گے نا؟" ریحانہ نے یقین دہانی چاہی۔

"اگر ہمارا بس چلتا ابھی بارات لے آتے اور اپنی بہو کو لے جاتے۔" اسریٰ نے بھانجے کی طرف دیکھ کر اس کے دل کی بات کہی۔

"ویسے آنٹی.....لگتا ہے کہ آپ کسی کے دل کی ترجمانی کر رہی ہیں۔" سنبل نے آفاق کو دیکھ کر آنکھیں مٹکائیں۔

"بھائی پریشان نہ ہوں سفی کل تک فٹ ہو جائیں گی۔" اس کی پژمردہ مسکراہٹ پر ثوبیہ نے دل جوئی کی۔

"ان شاء اللہ.....میری سفینہ ٹھیک ہو جائے گی۔" دروازے سے باہر نکلتے ہوئے آفاق نے پورے یقین سے ان دونوں کی جانب دیکھ کر کہا۔ بڑی سی چمک دار گاڑی کو جاتا دیکھ کر دونوں بہنیں سفینہ کی اچھی قسمت پر رشک کرنے لگیں۔

"اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" آفاق سے ملنے کے بعد ان کے دل میں سر ابھارتے سارے خدشے نکل گئے وہ شکر

کرتی ہوئی اندر کی جانب چل دیں۔

☆☆☆......☆☆☆

آج نکاح اور ساتھ ہی رخصتی بھی تھی۔ ریحانہ صبح سے اب تک کئی بار اپنی آنکھیں پونچھ چکی تھی۔ آج ان کی لاڈو پری دوسرے گھر جا رہی تھی۔ فرض کی ادائیگی کی خوشی کے ساتھ ساتھ بیٹی کی جدائی کا دکھ...... وہ اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر پا رہی تھیں۔ باہر کے کاموں میں مصروف بہزاد جب اندر آتے تو کسی نہ کسی بہانے سے بیٹی کی ایک جھلک دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے۔ وہ تو شکر ہوا کہ سنبل اور ثوبیہ کے آنے کی وجہ سے سفینہ ان دونوں کے ساتھ مصروف ہوگئی ورنہ والدین کی اتری صورت دیکھ کر اس کا دل ہولنے لگتا۔

"اری کیا سوچ رہی ہو؟" اشرفی بوا نے سوچوں میں گم کھڑی ریحانہ کا کاندھا ہلایا۔

"بس خالہ...... سفینہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" وہ ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بولیں۔

"تو...... تو ہمیشہ اس کی شادی کے لیے پریشان رہتی تھی، اب قسمت سے خوشی کی گھڑی آئی تو منہ لٹکایا ہوا ہے۔" اشرفی بوا نے اپنائیت سے ڈانٹ لگائی۔

"کاش ہمارے اختیار میں ہوتا تو اکلوتی بیٹی کو کبھی خود سے جدا نہ کرتے مگر......" ریحانہ کو احساس ہوا کہ وہ کیا بول گئی ہیں تو ایک دم چپ ہوگئیں۔

"اے بٹی میری اتنی عمر ہوگئی ہے۔ گھر گھر جاتی ہوں پر کسی لڑکی کو باپ کی چوکھٹ بیٹھا دیکھ کر جی خوش نہ ہوا۔ یہ تو اپنے اپنے گھروں میں ہنستی بستی اچھی لگے ہیں۔" بولتے بولتے وہ بھی جذباتی ہوگئیں۔

"جی بوا...... حق بات کہی آپ نے......" ریحانہ بیگم نے حسرت سے سر ہلایا۔

"چل اٹھ جا کپڑے بدل لے۔ بارات پہنچنے والی ہوگی۔" اشرفی بوا نے ان کا بازو تھام کر اٹھایا۔

"جی میں تیار ہونے جا رہی ہوں۔" ریحانہ نے اثبات میں سر ہلایا اور استری اسٹینڈ سے اپنے کپڑے اٹھائے۔

"بیٹا میں باہر کے انتظام دیکھ لوں ذرا۔" وہ بڑی محبت سے بولتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھیں۔

"بوا...... آپ سفینہ کے ابو کو بھی تیار ہونے کا بول دیں۔ بیچارے اکیلے ساری ذمہ داری اپنے کاندھے پر اٹھائے صبح سے انتظامات دیکھنے میں مصروف ہیں۔" ریحانہ نے کپڑے اٹھا کر واش روم میں گھستے ہوئے تاکید کی تو بوا نے سر ہلایا۔

☆☆☆......☆☆☆

"تم؟" فائز جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا تو شرمیلا کو میگزین پڑھتا دیکھ کر چونکا۔

"جی میں...... شرمیلا نام ہے میرا۔" اس سے پہلے کہ فائز کچھ پوچھتا اس نے بن کر بولنا شروع کردیا۔

"یہ کیسا بے ہودہ مذاق ہے؟" تیز لہجے میں بول کر وہ چپ ہوگیا۔

"ظاہر ہے جب آپ دوستی کا دعویٰ کر کے بدل گئے تو تعارف کرانا ضروری ہوگیا۔"

"بس یار...... اب تو ہر رشتے پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔" شرمیلا اس کی بات سن کر الجھ گئی۔

"اچھا ابھی ان باتوں کو چھوڑیں اور میرے ساتھ ذرا ایک کپ کافی کا پینے چلیں......" اس نے بڑے مان سے کہا۔

"اوہ...... نہیں یار بالکل موڈ نہیں ہے اس وقت۔" فائز نے سستی سے جمائی لی اور نفی میں سر ہلایا۔

"یہ کیا بات ہوئی، کسی کے خلوص کی خاطر بھی انسان موڈ نہ بدلے تو پھر ایسی دوستی کا کیا فائدہ؟" اس نے باقاعدہ ناراضگی کا اظہار کر ڈالا۔

"مجھے ہر شے سے وحشت ہونے لگی ہے اب تو۔" اس نے بالوں کو مٹھی میں جکڑتے ہوئے کہا۔

''چلیں نا...... آپ کو یہ سوچیں بیمار نا کر دیں کہیں۔'' شرمیلا صوفے سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب کھڑی ہوگئی۔
''نہیں جانا بس۔'' وہ ضدی ہوا۔
''اچھا میں بھی دیکھتی ہوں کہ کیسے نہیں جاتے۔ پورے گھر کو پریشان کر کے رکھا ہوا ہے۔'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تو فائز چونکا۔
''یہ اچانک تمہیں مجھے باہر نکالنے کی فکر کیسے ہوگئی؟'' فائز کے ماتھے پر پڑی تیوریاں واضح ہونے لگی تھیں۔
''کیوں کیا ہم باہر نہیں جاسکتے؟'' وہ گڑبڑا کر پوچھنے لگی۔
''ایک منٹ...... سچ بتاؤ نا نو یا ممی نے تو میرے حوالے سے تم سے کچھ نہیں کہا؟'' فائز کا لہجہ کافی سرد تھا۔
''وہ دراصل انہیں تو آپ کی فکر ہے مگر میں خود بھی......'' اس نے صفائی دینا چاہی۔
فائز نے مزید کوئی سوال نہ کیا بلکہ چپ ہوگیا۔ اسے یقین تھا کہ سائرہ بیگم کوئی نہ کوئی گڑبڑ کرنے والی ہیں لیکن فی الحال چپ رہنا ہی مناسب تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

مختصر مہمانوں پر مشتمل چھوٹا سا قافلہ بڑی شان سے خان ہاؤس کے دروازے تک پہنچا تو ان کا پُرزور استقبال کیا گیا۔ صرف سات آٹھ کاروں پر مشتمل بارات میں آفاق شاہ کے قریبی عزیز، چند دوست اور اپنی فیملی کے لوگ شامل تھے۔ آفاق بلیک پھولوں سے سجی کار سے اترا تو سب کی نگاہیں اس پر جم گئیں۔ سرخ وسفید رنگت والے لمبے چوڑے آفاق شاہ کے چہرے پر خوشیوں کے رنگ نمایاں تھے۔ سیاہ شیروانی میں ان کی سج دھج ہی غضب کی لگ رہی تھی۔ بھانجے کا بازو تھامے کھڑی اسریٰ کی آنکھیں مرحومہ بہن بہنوئی کو یاد کرتے ہوئے نم ہوئی جارہی تھیں۔ روشنی بھی بھائی کے برابر میں کھڑی بہت مسرور دکھائی دے رہی تھی۔ لان میں باراتیوں کو بٹھایا گیا اور مشروبات سے تواضع کی گئی۔ قاضی صاحب کی آمد پر نکاح کا شور اٹھا اور نکاح نامے پر دستخط کروائے گئے سفینہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے سائن کیے اور پھر ایسے پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ سب کو رلا دیا۔ سنبل اور ثوبیہ اسے سنبھالنے میں لگ گئیں۔ اس کے بعد لذیذ کھانا سرو کیا گیا۔ بہزاد خان خود ہر چیز کی نگرانی کر رہے تھے۔ سارے کام بڑی روانی سے ہوتے چلے گئے۔ اس کے باوجود ریحانہ کو دھڑکے لگے ہوئے تھے۔
کھانے کے بعد سنبل اور ثوبیہ کی ہمراہی میں سجی سنوری سفینہ کو باہر لایا گیا۔ وہ جیسے ہی اصلی پھولوں سے بنائے گئے اسٹیج کی طرف بڑھی تو آفاق شاہ نے بے اختیار کھڑے ہوکر اپنی دلہن کا استقبال کیا۔ اس بات پر زوردار تالیاں بجیں تو وہ جھینپ گئے۔ سنبل نے سفینہ کا سر پڑتا ہاتھ تھام کر دلہا کے برابر بٹھایا تو آفاق اپنے پہلو میں اسے بیٹھا دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ ان پر اب تک بے یقینی کی کیفیت طاری تھی۔ سفینہ بھی سر جھکائے بیٹھی عجیب سی کیفیات کا شکار ہو رہی تھی۔ ریحانہ اور بہزاد نے اسٹیج پر آکر بیٹی داماد کے ساتھ تصاویر بنوائیں۔ بہزاد نے بیٹی کا ماتھا چوما اور پھر تیزی سے نیچے اتر گئے۔

☆☆☆......☆☆☆

''تم شرمیلا کے ساتھ باہر نہیں گئے؟'' سائرہ بیگم نے فائز کو کرسی پر دراز دیکھا تو بے چینی سے پوچھا۔
''یہ آپ کیا محلے بھر سے میرے لیے ہمدردی بٹورتی پھر رہی ہیں؟'' اس نے الٹا غصے میں ماں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''میں نے کیا کیا؟'' انہوں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔
''کیوں کیا شرمیلا کو آپ نے میرے پیچھے نہیں لگایا؟'' اس نے بیٹھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔

"فائز...... میری جان میں چاہتی ہوں کہ تم زندگی کی طرف لوٹو۔" سائرہ کا لہجہ منت بھرا ہوا۔
"زندگی چھین کر کہتی ہیں زندگی کی جانب لوٹو۔" اس کا لہجہ مزید زہر خند ہوا۔
"اوہو...." سائرہ بیگم جھلائیں۔
"ممی...... سفینہ کے بعد میں اپنی زندگی کے سارے باب بند کر چکا ہوں۔"
"اے لڑکے پاگل تو نہیں ہو گیا ہے۔ ایک پر دنیا ختم نہیں ہوتی۔" دلشاد بانو کمر پر ہاتھ رکھے اپنے پرانے انداز میں بولیں۔
"میری تو ختم ہو گئی۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔
"اللہ نہ کرے۔ کیسی بدفالیں منہ سے نکال رہا ہے۔" دلشاد بانو نے دہل کر کہا۔
"اماں...... نہ بولیں' یہ بہت بڑا ہو گیا ہے' ہم سے بھی بڑا...... تو فائز میاں جیسی آپ کی مرضی......" سائرہ بیگم نے جلبلا کر بیٹے کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔
"آپ لوگوں نے جو کیا ہے اس کے بعد میرے ردعمل کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے تھا۔" فائز پُرسکون انداز میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔
"فائز......!" سائرہ بیگم کا انداز تنبیہی ہوا۔ دلشاد بانو منہ بناتی ہوئی وضو کرنے چل دیں۔

☆☆☆......☆☆☆

سفینہ یوں سر جھکائے بیٹھی تھی کہ آفاق کو اس کی ہلکی سی جھلک ہی دکھائی دے رہی تھی، اس نے بے چینی سے پہلو بدلا تو سنبل زور سے ہنس دی۔
"سالی صاحبہ...... رحم فرمایئے۔" آفاق کے شرارتی منت بھرے انداز پر اس نے زبان چڑائی۔
"بہنوئی صاحب...... آپ بھی کیا یاد کریں گے۔" ثوبیہ نے سامنے سے آ کر سفینہ کا چہرہ اوپر کیا۔
"بڑی مہربانی۔" دلہن کا حسن ہوش ربا، وہ شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرائے۔
"کیسی لگی ہماری بہن؟" سنبل نے سرگوشی میں پوچھا تو آفاق کی آنکھیں اپنی دلہن پر جم گئیں۔
"آخر اپنی منزل کو پا لیا......" یہ سوچ ہی آفاق کو سرشار کرنے کے لیے کافی تھی۔
نرم و نازک سی سفینہ کے سنہری ملائم چہرے پر چھائے چندن روپ نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیے تھے۔ ڈیپ ریڈ بھاری کامدار جوڑے، نفیس قیمتی زیورات اور مہارت سے کیے گئے میک اپ میں آج اس کا حسن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ جس نے دیکھا سراہے بنا نہیں رہ پایا۔ انہوں نے قدرے جھک کر کئی بار اپنی دلہن کو دیکھا تو ثوبیہ اور سنبل نے خوب ریکارڈ لگایا مگر وہ بڑی ڈھٹائی سے ہنستے رہے اور صوفے پر مزید پھیل کر بیٹھ گئے تاہم سفینہ ایک دم شرما گئی اور کھسکنے کی کوشش کرنے لگی مگر آفاق شاہ نے نرمی سے اس کا حنائی ہاتھ تھام کر کوشش کو ناکام بنا دیا۔ وہ مشرقی باحیا لڑکیوں کی طرح پلکیں جھکا کر بیٹھ گئی۔ آفاق شاہ اس کے چہرے پر بکھرے حیا کے رنگ دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔
سب نے دلہن کے ساتھ ساتھ عروسی لباس کی بہت تعریف کی تو اسریٰ نے بڑی فاتحانہ نگاہوں سے بھانجی کو دیکھا۔ روشنی ایک دم جھینپ کے رہ گئی دراصل اس شرارے کی خریداری کے وقت خالہ اور بھانجی میں کافی بحث ہو چکی تھی۔ روشنی کو بھابی کے لیے رسٹ کلر کا شرارہ پسند آیا تھا مگر اسریٰ کا کہنا تھا کہ دلہن پر تو سرخ رنگ ہی جچتا ہے۔ کافی دیر تک ان دونوں کے بیچ یہ مسئلہ چلتا رہا۔ آخر آفاق کو ریفری بنانے کے خیال سے کال ملائی گئی اور اس کی رائے طلب کی گئی تو اس نے بھی سرخ رنگ کو ویٹو کر دیا۔ یوں جیت اسریٰ کی ہوئی اور سرخ رنگ کا بھاری مگر نفاست سے کیے گئے کام والا عروسی لباس لے

لیا گیا جس کو پہن کر سفینہ واقعی بے انتہا خوب صورت لگ رہی تھی اور دلہناپے کا روپ بھی بڑھ چڑھ کر اپنا رنگ دکھا رہا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

"ممی...... میں سونے جا رہا ہوں کیوں کہ صبح میرا ایک جگہ انٹرویو ہے۔" وہ بتاتا ہوا جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"انٹرویو؟" وہ چونکیں۔

"ہاں میں نے کافی دن پہلے شاہ انڈسٹریز میں اپلائی کیا تھا، اتفاق سے وہاں سے بلاوا آ گیا ہے۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"شاہ انڈسٹریز یہ نام تو کچھ سنا ہوا لگتا ہے۔" سائرہ نے ذہن پر زور دینا چاہا۔

"اخبارات میں پڑھا ہوگا شہر کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔ میرا دوست عاصم وہاں کافی عرصے سے جاب کر رہا ہے، اس نے ہی میرے لیے کوشش کی ہے۔" فائز نے لاپروائی سے گریبان کے بٹن بند کرتے ہوئے بتایا۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔" سائرہ نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں، پلیز کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے جتایا۔

"تھوڑی دیر اور بیٹھ جاؤ نا۔" وہ عاجزی سے بولیں تو ناچار فائز کو دوبارہ بیٹھنا پڑا۔

"تمہارے اوپر سفینہ کے علاوہ کچھ اور لوگوں کا بھی حق ہے جو اتفاق سے تمہارے ماں باپ لگتے ہیں۔" سائرہ نے اس کا پھولا منہ دیکھا تو طنز کیا۔

"آپ نے اسی موضوع پر بحث کرنے کے لیے روکا ہے تو سوری مجھے اب اس معاملے پر کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ ترشی سے گویا ہوا۔

"نہیں بلکہ مجھے یہ بتانا تھا کہ تمہارے باپ نے جب سے سفینہ کی شادی کا سنا ہے دوائیں تک کھانا چھوڑ دیں ہیں۔ میری ایک نہیں سن رہے ایسا کرو کل ٹائم نکال کر انہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔" سائرہ نے ہونٹ چباتے ہوئے بتایا۔

"آپ نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی۔" فائز ایک دم کھڑا ہوا اور بے قراری سے جلال خان کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

تھوڑی دیر پہلے اسریٰ اسے اس کمرے میں بٹھا کر گئی تھیں۔ لمبے چوڑے بیڈ پر اپنا خوب صورت شرارہ پھیلائے وہ سر جھکا کر بیٹھی رہی۔ انتظار کے کچھ اور پل سمٹے اور آفاق شاہ آہستہ سے پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوئے سیاہ کامدار شیروانی اور سفید شلوار میں ان کی دراز قامت شخصیت بے حد نکھری ہوئی لگ رہی تھی۔ سفینہ نے گھونگھٹ کی آڑ سے دیکھا تو صاف رنگت، بڑی بڑی آنکھیں، کھڑی ناک وہ خوش شکل تو تھے مگر دلہا بننے کے بعد مردانہ وجاہت نمایاں ہوگئی تھی۔ ان کے کمرے میں قدم رکھتے ہی تازہ گلابوں کی مہک پھیل گئی تھی۔ سفینہ کی دھڑکنوں میں طلاطم برپا ہونے لگا تھا۔

آفاق شاہ بھاری شیروانی وارڈروب میں ہینگ کرنے کے بعد اس کی جانب بڑھے۔ بیڈ کی سائیڈ دراز سے جھک کر ٹٹول کر کچھ نکالا۔ جگ رکھا دیکھا تو خود میں حوصلہ پیدا کرنے کے لیے اس میں سے ایک گلاس پانی کا نکالا اور ایک ہی سانس میں پی گئے۔ سفینہ گھونگھٹ کی آڑ سے چپکے چپکے ان کی حرکتوں کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ وہ ہاتھ میں سیاہ مخملی گفٹ باکس تھامے بیڈ پر اپنی دلہن کے نزدیک بیٹھ گئے۔ سفینہ کسمسا کر تھوڑا پیچھے ہوئی۔ ان کے لبوں پر ایک پیاری سی مسکان جھانکنے لگی۔ سفینہ کی پلکوں پر سنہری خواب اترنے لگے۔ اس نے دوپٹہ ٹھیک کیا تو چہرہ بالکل ہی چھپ گیا۔

"السلام علیکم مسز آفاق شاہ۔" کھنکھارنے کے بعد بڑے استحقاق سے پکارا۔

"وعلیکم السلام!" سفینہ نے دھیرے سے لب کھولے۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا چہرہ مزید جھکالیا۔
"تو آخرکار پرنسز میری بن گئیں۔" آفاق شاہ نے ایک ہاتھ سے اس کا چہرہ اوپر کیا اور دوسرے سے نرم حنائی ہاتھ تھام لیا۔ سفینہ کے ہوش وحواس منتشر ہونے لگے تھے۔
"یہ میری محبت کا پہلا تحفہ۔" آفاق نے اس کی گھبراہٹ سے حظ اٹھاتے ہوئے رونمائی کا گفٹ پیش کیا۔ وہ نظریں جھکائے بیٹھی رہی، دیکھا بھی نہیں۔
"لگتا ہے، آپ کو یہ گفٹ پسند نہیں آیا۔" انہوں نے باکس کھول کر ڈائمنڈ کی خوب صورت جیولری اس کے سامنے کرتے ہوئے شرارت آمیز انداز اپنایا۔
"جی...... نہیں تو......" سفینہ کی دھڑکن تیز ہوگئی، اس نے پلکیں اُٹھا کر آفاق کو دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ لمحہ بھر کو نظروں کا تصادم ہوا۔ سفینہ نے شرم سے نظریں دوبارہ جھکالیں۔ کچھ لمحے یوں ہی دھڑکتے دل کے ساتھ گزر گئے۔ پھر اسے شرارت سوجھی۔
"سنا ہے آپ کسی کی محبت میں برسوں سے مبتلا رہی ہیں۔" آفاق نے رکا منہ بنا کر پوچھا اور سفینہ سچ سمجھ کر خوف میں مبتلا ہوگئی۔ زرد پڑتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی۔
"میں نے سوچا اس شخصیت کو بھی ساتھ لے آؤں۔" وہ ایک شاپر میں سے ٹیڈی کو نکالتے ہوئے بولے جو سنبل نے رخصتی کے وقت ان کو دیا تھا۔
"یہ لیں آپ کی پہلی محبت مگر پلیز مجھے دوسری محبت ہونے کا شرف بخشیں گی نا......" وہ اسے ٹیڈی دیتے ہوئے عاجزی بھری شرارت سے بولا۔
"میرا ٹیڈی......" ٹیڈی کو تھامتے ہوئے ماضی ایک دم ذہن کے پردے پر لہرانے لگا۔
"سب کچھ کیسے بدل گیا؟" اس کی آنکھوں میں ایک خوف سمٹ آیا۔ وہ ایک ٹک ٹیڈی کو دیکھنے لگی۔
"پرنسز...... کیا بات ہے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" اس کی زرد پڑتی رنگت دیکھ آفاق نے کاندھا ہلاتے ہوئے پریشانی سے سوال کیا۔
"نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔" سفینہ نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا اور ٹیڈی کو ایک طرف رکھتے ہوئے اپنی انگلیوں کو بے دردی سے مسلنے لگی۔
"اچانک کیا ہوگیا؟" وہ پریشانی سے جھک کر اسے دیکھنے لگے مگر وہ ایسے ہی سن سی بیٹھی رہی۔
"پانی چاہیے؟" اس نے بڑی فکرمندی و محبت سے پوچھا۔
"نو تھینکس۔" سفینہ پر اچانک بے حسی طاری ہونے لگی، اس ماحول سے فرار چاہنے لگی۔
"ہماری شرارت بری لگی ہے یا کوئی اور بات ہے؟" وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔
"کوئی خاص بات نہیں بس سر میں ہلکا سا درد محسوس ہو رہا ہے اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو سو جاؤں۔" اس نے سرد سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔
"او کے شیور۔" آفاق کو یہ انداز تھوڑا برا محسوس ہوا، اس لیے روڈ ہوتے ہوئے بیڈ سے اتر گئے۔
"سوری مگر پتا نہیں کیوں اچانک کمزوری فیل ہو رہی ہے۔" وہ بیڈ کے ایک سائیڈ پر سکڑ کر لیٹ گئی اور صفائی کے ساتھ ٹیڈی کو خود سے چپکاتے ہوئے فوراً ہی آنکھیں بند کرلیں۔
آفاق اضطرابی کیفیت کا شکار ہوئے۔ پہلی رات ہی اپنی بیوی کا بے تاثر چہرہ اور ٹھنڈا ٹھار لب ولہجہ انہیں پریشان

کرنے لگا کچھ اور سمجھ میں نہ آیا تو دھیرے سے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے لاؤنج میں نکل آئے۔
''ارے واہ...... دلہنیا پہلی رات ہی دلہا کو کمرے سے باہر کر دیا۔'' عائشہ بیگم جو گھر کی لائٹس بند کرتی پھر رہی تھی۔
لاؤنج میں آفاق کو سر تھامے بیٹھا دیکھا تو اس کا دل خوشی کے مارے جھوم اٹھا۔

☆☆☆......☆☆☆

شرمیلا بکتی جھکتی چھٹی والے دن صبح صبح کوچنگ پہنچی اور اپنے ایڈمنسٹریٹر کو کوسنے لگی۔ وہ اپنے یہاں کام کرنے والوں کو اپنا غلام سمجھتا تھا۔ اب ایک دن کے نوٹس پر اکاؤنٹس کا حساب کتاب مانگ لیا۔ اس لیے وہ سینٹر پہنچتے ہی کام میں جت گئی۔ کمرے کا دروازہ جس قدر تیزی سے کھلا تھا' اسی قدر زور سے بند کر دیا گیا۔ شرمیلا کی کی بورڈ پر تھرکتی انگلیاں تھم گئیں۔ اتنی تیز رفتاری سے کس کی آمد ہوئی وہ چونکی۔
''اسلام علیکم!'' ایک لوچ دار نسوانی آواز کانوں سے ٹکرائی۔
''وعلیکم اسلام۔'' دھیمے لہجے میں جواب دیتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے بڑی سی چادر میں منہ چھپائے ایک لڑکی کھڑی دکھائی دی۔
''آج کوچنگ بند ہے، میں تو اکاؤنٹس کا کام کرنے آئی ہوں۔ آپ ایسا کریں کل تشریف لائیں۔'' وہ سمجھی کوئی ایڈمیشن ہے، اس لیے پیشہ ورانہ مستعدی سے تفصیل بتائی۔
''مگر مجھے تو آپ سے کام ہے۔'' لڑکی نے منہ سے چادر ہٹاتے ہوئے جتایا اور سامنے رکھی کرسی پر ٹک گئی۔ شرمیلا کو جانے کیوں وہ کچھ جانی پہچانی سی لگی، جیسے اس کے ذہن میں اس لڑکی کی شبیہ پہلے سے موجود ہو۔
''اوکے...... آپ کو جو کہنا ہے جلدی سے کہہ دیں۔'' اس کے ایک ٹک گھورنے پر وہ تھوڑا روڈ ہو کر بولی اور پین منہ میں دبا لیا۔
''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔'' وہ طنز سے مسکرائی۔
''پلیز...... میں ذرا مصروف ہوں۔'' اسے الجھن سی ہوئی، جواب دے کر کمپیوٹر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔
''شاید میری بات سننے کے بعد آپ کے سارے ضروری کام رک جائیں۔'' خاص انداز میں بولتے ہوئے اس نے شرمیلا کو الجھایا۔
''ایسی کون سی بات ہو سکتی ہے؟'' شرمیلا کے بڑبڑانے پر وہ طنز سے مسکرائی۔
''ویسے کیا میں آپ کا نام جان سکتی ہوں؟'' شرمیلا نے کرسی کی چوڑی پشت سے کمر ٹکاتے ہوئے پوچھا۔
''کیوں نہیں...... مجھے مومل کہتے ہیں۔'' اس لڑکی نے اپنا تعارف کروایا۔
''مومل...... یہ نام تو سنا ہوا لگتا ہے۔'' شرمیلا نے دماغ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
''نبیل کے منہ سے کئی بار سنا ہوگا۔'' وہ کرسی سے اٹھ کر قریب آئی، میز پر دونوں ہاتھ ٹکا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔
''آپ...... مومل...... نبیل ہیں؟'' شرمیلا کی نگاہوں میں حیرت وخوف کے رنگ ابھرے۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ نہا دھو کر واش روم سے باہر نکلی تو آفاق شاہ باہر جا چکے تھے کمرہ خالی تھا۔ وہ صبح اذانوں کے وقت اندر آ کر بیڈ کے کونے پر سمٹ کر سو گئے تھے۔ تنہائی میں سفینہ اطمینان سے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ جہازی سائز قیمتی لکڑی سے بنائے گئے بیڈ پر سنہری مخملی چادر پر نرم فوم کے تکیے سجے تھے، جس پر اس کا ٹیڈی رکھا ہوا تھا۔ ساتھ میں میچنگ کے کشن' پائنتی پر

قیمتی نرم وملائم بلنکٹ‘ بیڈ کے دونوں طرف رکھی گئی سائیڈ ٹیبل پر دو بلوریں ٹیبل لیمپس‘ ایک دیوار کے ساتھ صوفہ دوسری جانب دو بڑی سنہری جال والی کرسیاں‘ درمیان میں گول گلاس ٹاپ ٹیبل‘ جس پر دھرا گلدان گلاب کے تازہ پھولوں سے سجے ہوا تھا‘ ان کی موجودگی نے کمرے کی فضاء کو معطر کردیا تھا۔

کھڑکیوں پر نفیس میرون ریشمی پردے‘ سامنے دیوار پر سنہری جال والی ڈریسنگ ٹیبل فکس تھی‘ جس کے اوپر بے شمار مردانہ پرفیومز سجائے گئے تھے‘ جو آفاق کے اعلیٰ ذوق کے آئینہ دار تھے۔ سفینہ خواب ناک نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی‘ اس کے تصور میں بھی ایسی خواب گاہ نہیں تھی۔

”شاہ جی نے میری خوشی کے لیے اتنا کچھ کیا اور میں.....“ سفینہ نے تولیے سے بالوں کو جھاڑتے ہوئے اپنے رات کے رویے پر خود کو سرزنش کی۔

”اب سے میری زندگی کا ایک ایک پل میرے شوہر کے نام ہوگا۔“ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے عہد کیا اور ٹیڈی کو اٹھا کر وارڈ روب کے ایک دراز میں رکھ کر لاک کردیا‘ یوں جیسے اپنے ماضی کو دفن کردیا ہو۔

”میں اتنی خوب صورت کیسے ہوگئی ہوں؟“ میک اپ کرتے ہوئے اس نے آئینے میں خود کو بہت توجہ سے دیکھا۔ گلابی ستاروں بھری ساڑھی پہننے کے بعد اس کا خود کو پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔

”اپنا عکس غلط جگہ دیکھ رہی ہیں پرنسز۔“ آفاق کی شرارت بھری آواز عقب سے اُبھری تو وہ چونک گئی۔

”پھر کہاں دیکھوں؟“ آئینے میں آفاق کو دیکھتے ہوئے اس نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ فوراً سوال کیا۔

”یہاں آیئے اور میری آنکھوں سے دل میں جھانک کر دیکھیں۔“ آفاق نے اسے کاندھے سے تھام کر اپنے مقابل کھڑا کیا۔

”میرے دل میں آپ کو صرف اپنی صورت ہی دکھائی دے گی۔“ سفینہ کی سنہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کا ایک ہاتھ سینے پر دل کے مقام پر رکھتے ہوئے مخمور لہجے میں سرگوشی کی۔

☆☆☆......☆☆☆

شرمیلا کے چہرہ ہی زہر خند نہیں ہوا بلکہ حلق بھی تلخی کے باعث خشک ہوگیا تھا‘ دل تو چاہا تڑخ کر کہے۔ ”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی چلی جاؤ یہاں سے۔“ مگر وہ کچھ سوچ کر خاموش رہی تھی۔

”پوچھ سکتی ہوں کہ نبیل سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟“ کمر پہ دونوں ہاتھ لڑاکا انداز میں ٹکائے موِل نے اپنی تفتیش کا آغاز کیا۔

”میں کسی نبیل کو نہیں جانتی.....“ اس نے مصلحتاً غلط بیانی سے کام لیا۔

”مکار عورت مجھ سے جھوٹ بولتی ہے۔“ موِل نے آنکھیں دکھائیں۔

”آپ اپنی حد میں رہ کر بات کریں محترمہ۔“ شرمیلا کے لہجے میں بھی تلخی سمٹ آئی۔

”حد کی ایسی کی تیسی۔ سیدھے طریقے سے بتادو۔“ نخوت زدہ تاثرات کے ساتھ شرمیلا کا جائزہ لیا پھر رعونت زدہ انداز میں بولی۔

”آپ کیا پوچھنا چاہتی ہیں۔“ اس نے زچ ہوکر تیز لہجہ اپنایا۔

”وہ یار ہے نا تمہارا۔“ بری طرح سے غرائی۔

”آپ کا دماغ تو خراب نہیں.....؟“ اس کی پیشانی عرق ریز ہوگئی‘ آنکھیں جلنے لگی‘ دل چاہا سامنے کھڑی نبیل کی بیوی کو کس کر ایک تھپڑ رسید کردے۔

”اچھا بڑی معصوم بنتی ہو.....تو پھر کیا وہ تمہارا خصم لگتا ہے جو اس سے تعلق جوڑ رکھا ہے۔“ نہایت سطحی انداز تھا اور شرمیلا کے صبر کی انتہا ہوگئی تھی۔

”اپنی بکواس بند کریں اور نکلیں یہاں سے ورنہ.....“ اس نے بھی لحاظ کو ایک طرف رکھتے ہوئے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

”ورنہ.....کیا؟“ موحِل کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی، کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے بے خوفی سے دیکھا۔

☆☆☆......☆☆☆

”شاہ جی.....“ گلابی ساڑھی میں اس کی رنگت گلابی پڑ گئی دل دھک دھک کرنے لگا تو انہوں نے ہاتھ چھوڑا۔

”واہ.....“ اس کا ”شاہ جی“ کہنا آفاق کو مزہ دے گیا۔ وہ شرما کر نگاہیں جھکائے کھڑی رہی تو انہوں نے اس کی تیاری کا بھرپور جائزہ لیا۔

”ویسے پرنسز.....آپ نے ہمارا دیا ہوا تحفہ قبول نہیں کیا۔“ ان کی نگاہ سفینہ کے خالی کان اور گلے پر پڑی تو منہ بنایا۔

”شاہ جی وہ.....“ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی صفائی میں کیا کہے۔ بھول تو ہوئی تھی مگر دھیان اس طرف گیا ہی نہیں۔

”شاید ہماری پسند بھائی نہیں.....خیر کوئی بات نہیں ہم آپ کو آپ کی مرضی کا گفٹ بعد میں دلوا دیں گے۔“ وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے مخملی ڈبے کو دیکھ کر نرمی سے بولے۔

”جناب ایسی کوئی بات نہیں.....آخر آپ کی پسند کی فہرست میں سب سے اوپر میرا نام لکھا ہے۔“ سفینہ نے طمانیت سے جواب دیا اور دو قدم چل کر وہ باکس اٹھایا اور کھول کر کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس پہنے اور گلے میں گولڈ کی چین پہننی چاہی جس کا ہارٹ شیپ کا ڈائمنڈ بالوں میں پھنس گیا تھا۔ وہ ان سے الجھنے لگی اور آفاق شاہ کی نگاہیں اس سے.....

”ایک منٹ پرنسز.....“ آفاق نے قریب ہوتے ہوئے اسے ہاتھ بڑھا کر روکا۔

"دیکھا ہمارا دل آپ کی گھنی زلفوں میں کیسے الجھ گیا۔" نرمی سے دل کی شیپ والا لاکٹ نکالتے ہوئے کانوں میں سرگوشی کی۔ سفینہ کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔ آفاق نے بیوی کے لبوں پر کھلتی ہوئی صاف وشفاف ہنسی دیکھی تو رات والی کلفت بھول گئے اور خود بھی ہنس پڑے۔ جانے کیا ہوا دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے چلے گئے۔

"پرنسز..... آپ بہت اچھی ہیں۔" آفاق نے ہنسی کو قابو کرتے اچانک اعتراف کیا۔

"شاہ جی..... پلیز آپ نہیں تم۔" سفینہ نے بڑی نرمی سے تصیح کرنا چاہی اور یہ انداز آفاق کے دل کو چھو گیا۔

"پرنسز..... تم بہت حسین بھی ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے شرارت سے بولے تو ان دونوں کو ایک بار پھر سے ہنسی آ گئی۔

عائشہ بیگم نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی جواب نہ ملنے پر بناء سوچے سمجھے ایک دم سے ان کے کمرے میں داخل ہوگئی۔ دونوں میاں بیوی کو یوں ہنستا کھلکھلاتا دیکھا تو من ہی من میں جل سڑ گئیں۔ وہ تو رات کے بعد سے ایک نئے تماشے کی متلاشی تھیں مگر یہاں تو سب ٹھیک چل رہا تھا۔

"عشو یوا..... آپ.....؟" آفاق نے مڑ کر انہیں دیکھا تو سنبھل گیا۔

"وہ..... جی سب آپ دونوں کا ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں۔" عائشہ بیگم نے گڑبڑا کر کہا۔

"اماں..... آج سے میرے کمرے میں دستک دے کر آیا کریں۔" اس نے سخت نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جتایا تو سفینہ گھبرا گئی۔

"جی اماں..... آپ چلیں ہم آتے ہیں۔" اس نے جلدی سے سر ہلا کر کہا اور آفاق کے بازو کو تھام کر باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

"سفینہ..... سر پر آنچل ڈال لو۔" عائشہ بیگم کی تنقیدی نگاہوں نے جائزہ لیا اور وہ بے ساختہ بول پڑیں۔

"اوہ سوری۔" اس نے اپنی بھول پر خود کو کوسا اور جلدی سے ساڑھی کا آنچل سر پر ٹکایا۔

"عشو اماں..... یہ اس گھر کی مالکن ہیں۔ آپ کی بی بی جی۔" آفاق شاہ کے تیوری پر بل پڑے گئے، بڑی تہذیب سے جتایا۔

"جی ٹھیک ہے۔" عشو بیگم نے آفاق کا اشارہ سمجھ کر سر ہلایا اور باہر نکل گئی۔

"چلیں پرنسز۔" آفاق نے اس کا بازو تھام کر کہا تو سفینہ کا چہرہ چمکنے لگا۔

"دیکھنا بی بی جی تمہارے چہرے کی چمک اور ہونٹوں کی ہنسی میں کیسے چھینتی ہوں۔" وہ مڑ کر انہیں دیکھتے ہوئے من میں بولیں۔

☆☆☆......☆☆☆

"میں آپ کو یہاں سے دھکے دے کر نکالنے کا اختیار بھی رکھتی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شرمیلا نے بے خوفی سے کہا۔

"کیوں کیا اس کوچنگ کا مالک بھی تمہارا....." موتل تحقیر سے بولی تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"شٹ اپ..... جسٹ شٹ اپ۔" وہ چلائی۔

"تم جیسی بے حیا اور ڈھیٹ لڑکی میں نے نہیں دیکھی پہلے میرے شوہر سے ساز باز کرتی رہی اور اب الٹا شرمندہ ہونے کی جگہ مجھ پر غصہ دکھا رہی ہو۔" موتل نے چبا چبا کر کہا۔

"آپ کو کوئی حق نہیں کہ مجھ سے اس لہجے میں بات کریں؟" اس کی بدتمیزی پہ شرمیلا شعلہ جوالہ بن گئی۔

"مجھے نہ سکھاؤ۔ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ تم جیسی بدکردار لڑکیوں سے کیسے نمٹتے ہیں۔" موتل حلق
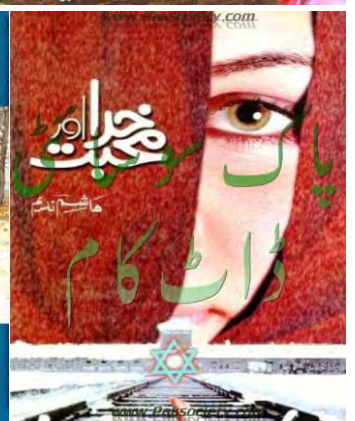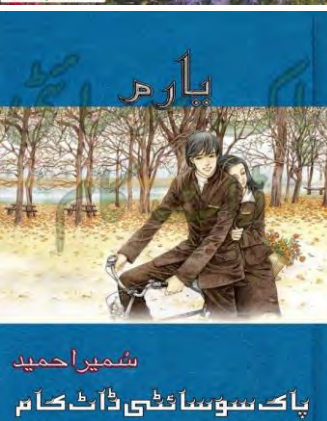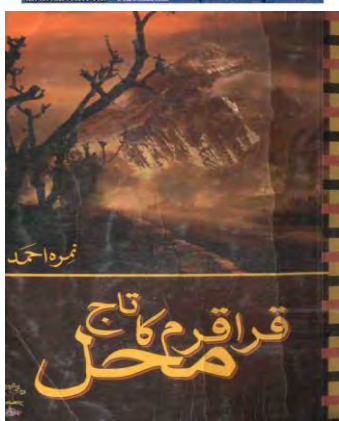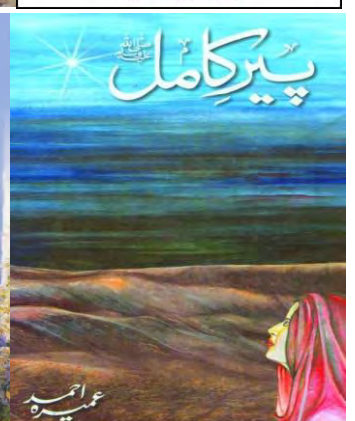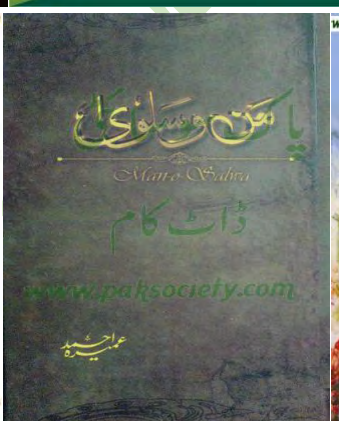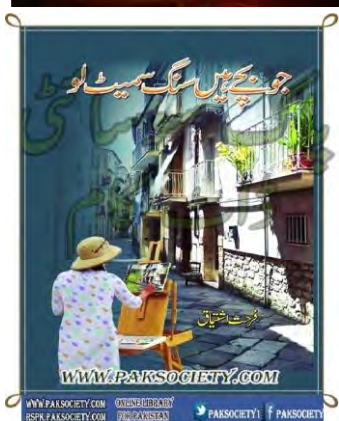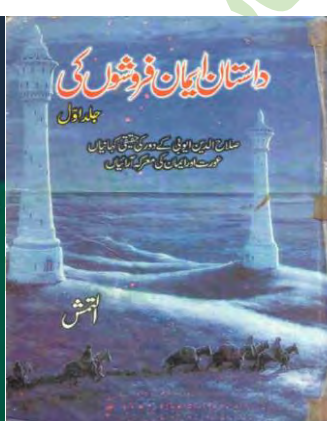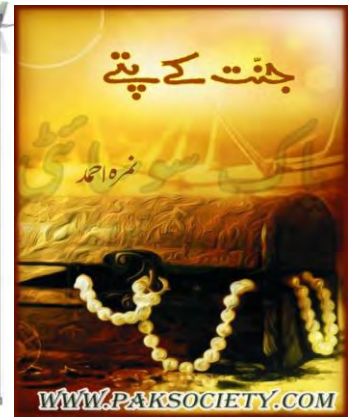
کے بل چلائی۔

"میرے کردار پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لیں۔ آپ میں ہی کوئی تو کمی ہوگی جو یوں چل کر مجھ سے بات کرنے آئی ہیں۔" اس نے بڑے اطمینان سے تاک کر وار کیا۔

"پیسے کے حصول کے لیے مردوں سے یاریاں لگاتی پھرتی ہو اور مجھ میں کمی ڈھونڈ رہی ہو۔" اس نے ہتک آمیز انداز میں بولتے ہوئے چٹکی بجائی۔

"آپ جاتی ہیں یہاں سے یا میں گارڈ کو بلاؤں۔" ایک دم ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب تک اسے کیوں برداشت کر رہی تھی۔ وہ بے اختیار سیٹ چھوڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"جانا تو مجھے ہے ہی مگر ایک بات تمہارے دماغ میں بٹھا کر جاؤں گی۔"

"ایک بات میں بھی کہہ دوں اگر آپ کا اپنا کھوٹا مضبوط ہو تو کوئی دوسرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ اس لیے پہلے اپنے گھر کی خبر لیں۔" شرمیلا کے حسین لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"بی بی...... مجھے نہ سکھاؤ خود سمجھ لو کہ تم نے میرے شوہر کے ساتھ عاشقی کا جتنا کھیل کھیلنا تھا کھیل لیا اب اور نہیں۔" موبل نے انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دی۔ شرمیلا کی آنکھیں نم ہوتی چلی گئیں۔ ایسی تذلیل کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"آپ جا کر اپنے شوہر کو روکیں۔ ویسے بھی میں کبھی اس شخص کے پیچھے نہیں گئی۔" اس نے اپنا بھرم رکھنا چاہا۔

"چوہدریوں کی تو عادت ہے ادھر ادھر جھانکنے کی مگر تم خود کون سا پارسا ہو۔" موبل نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔ ایسا رکیک الزام۔ شرمیلا کے پاس کہنے کو کچھ نہ بچا، وہ لال انگارہ آنکھوں سے اسے گھورتی چلی گئی۔

"سنو لڑکی اگر آئندہ میرے شوہر کے آس پاس بھی نظر آئی تو تمہارے حسین چہرے پر تیزاب پھنکوانے میں دیر نہیں کروں گی آئی سمجھ۔" موبل نے دھمکی دی۔

موبل کی دھمکی نہیں صور اسرافیل تھا جو اس کے کانوں کے پردے پھاڑ کر اعصاب کو مفلوج کرتا چلا گیا۔

"اچھا اگر وہ خود میرے پیچھے آیا تو پھر کیا کرو گی؟" شرمیلا نے خود پر قابو پایا اور بولی اس کے سوال پر موبل نے مڑ کر دیکھا اور جواب دیے بنا چادر سے منہ ڈھانپ کر بڑی سرعت سے باہر نکل گئی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

سباس گل

دیکھی کہاں تھی ایسی محبت میں بے بسی
اوقات جس میں یار کی دو کوڑی کی ہوگئی

"کیا بنا؟" سدرہ نے علی سے پوچھا۔

"مقبرہ بنتے بنتے رہ گیا۔" قاسم نے جواب دیا جبکہ علی کا منہ لٹکا ہوا تھا۔

"کیوں کیا بولی وہ؟" سدرہ نے ان دونوں کو دیکھا۔

"بولی مائی فٹ۔"

"اوہ...... پھر۔"

"شکر کرو منہ سے مائی فٹ بولی تھی منہ پہ فٹ نہیں دے مارا اس کے۔" قاسم نے علی کی طرف افسوس بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"منہ پہ تو ہاتھ ہی دھر دیا سیدھا سیدھا۔"

"کیا...... !صوفیہ نے یہ کیا کیا؟" سدرہ کو جھٹکا لگا۔ حیرت سے علی کی شکل دیکھی۔

"جی ہاں۔" قاسم بولا۔

"اس نے اچھا نہیں کیا۔" سدرہ افسوس بھرے لہجے میں بولی۔

"ہاں تو دیکھو نا' ہم نے اسے پھول دیا اور اس نے تھپڑ جڑ دیا گال پر' کوئی ایسا کرتا ہے چاہنے والوں کے ساتھ۔" علی نے بے بسی سے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔

"غلطی تمہاری ہے چاہت کا اظہار کرنے کا یہ طریقہ بہت آؤٹ ڈیٹ اور اولڈ فیشن ہوچکا ہے پھول دینے والا۔" سدرہ نے اسے دیکھتے ہوئے تیزی سے کہا تو وہ چڑ کر بولا۔

"اچھا...... تو کیا آج کل پورا باغ دیا جاتا ہے؟"

"نہیں پھول کے ساتھ پورا گملا بھی پیش کیا جاتا ہے۔" سدرہ نے بھی فٹ سے جواب دیا۔

"لو اور سنو' گملا ساتھ میں ہوتا تو اس کا سر پھٹ چکا ہوتا اور یہ اس وقت یہاں نہیں ٹہل رہا ہوتا ہاسپٹل میں مرہم پٹی کروا رہا ہوتا۔" قاسم ان کا کزن اور دوست بھی تھا اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"پورے بدھو ہو تم۔" سدرہ نے علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو کسی کام میں تو پورا ہوں' تم کو تو پورا بھی کم پڑ جاتا ہے۔" علی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"اچھا اب میرے منہ نہ لگو۔"

"اتنا بے شرم نہیں ہوں میں بےفکر رہو ویسے بھی یہ منہ اور مسور کی دال...... ہنہہ۔" علی نے تمسخرانہ انداز میں کہا تو وہ بھی غصے میں آتے ہوئے بولی۔

"تو جس منہ پہ مسور کی دال چڑھانے گئے تھے وہاں کون سا گل گئی تمہاری دال...... آئے بڑے مجھے یہ بھرم دکھانے کی ضرورت نہیں سمجھے' سب پتا ہے مجھے کتنے پانی میں ہو تم۔"

"اچھا...... کتنے پانی میں ہوں میں؟"

"اتنے میں کہ تمہاری مسور کی دال نہیں گلنے والی اس دیگچی جیسے منہ والی پہ۔" وہ ہنس کر بولی۔

"دیکھو...... دیکھو زبان سنبھال کر بات کرو اس کے بارے میں کچھ بھی کہتے ہوئے۔" وہ شہادت کی انگلی اٹھا کر لڑنے والے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"سنو...... سنو...... تم بھی دل سنبھال کے بات کرو اس کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے ایسا نہ ہو کہ بعد میں دل کی زبان اور دماغ کو بھی منہ کی کھانی پڑے اور شرمندگی اٹھانا پڑے۔" سدرہ نے بھی کمر پہ ہاتھ رکھ کر لڑنے والے انداز میں کہا۔ قاسم ان دونوں کی بحث سن اور تیور دیکھ رہا اور

انجوائے کررہا تھا۔ وہ دنوں ہمیشہ اسی طرح جھگڑا کرتے تھے بچوں کی طرح۔

"تمہیں بہت شوق ہے کہ میں ناکامی کا منہ دیکھوں۔"

"تم جو چاہے دیکھو نہ تم میں اور نہ اس میں...... مجھے کوئی شوق نہیں ہے کچھ بھی دیکھنے کا اور مجھے تمہاری کامیابی یا ناکامی سے کوئی سروکار نہیں آئی سمجھ۔" سدرہ نے تنک کر جواب دیا۔

"وہ پتہ نہیں کب سمجھے گی۔" علی نے خودکلامی کی۔

"وہ اگر تمہیں کچھ سمجھتی تو تمہاری بات بھی سمجھ گئی ہوتی اب تک مگر اس نے تو تمہیں تھپڑ جڑ کر ساری بات ہی سمجھادی پر تم نہ پہلے سمجھے تھے نہ اب سمجھے ہو نہ سمجھو گے کوئی بات۔ لگے رہو سراب کے پیچھے ہمارا کیا جاتا ہے بھئی تمہارا تھپڑ سے جی نہیں بھرا تو چپل سینڈل سے طبیعت ہری کردے گی وہ بس مرہم پٹی اور دوا کا بندوبست کرلینا عین وقت پہ کون میڈیکل اسٹور اور اسپتال کے چکر لگاتا پھرے گا۔" علی کو اس کی بے نیازی اور لاپروائی پر شدید غصہ آرہا تھا۔

"بہت ہی بے حس اور جذبات سے عاری لڑکی ہو تم...... تم سے تو دل کی بات کہنا ہی فضول ہے۔" علی نے جل کر کہا تو وہ اسے مزید تپتے ہوئے بولی۔

"ہاں تو نہ کہو دل کی بات میں نے تھوڑی منت کی تھی تمہاری کہ اپنے دل کی بات مجھے بتاؤ جس سے دل لگایا ہے نا دل کی بات بھی اسی کو سناؤ جاکے اگر جوتے کھانے کا حوصلہ ہے تم میں پھول دینے پر تو تھپڑ جڑ دیا اس نے۔"

"ہاں...... ہاں کہہ دوں گا اس سے بھی اور دیکھ لینا کیسی دھوم دھام وشان سے اس کو بیاہ کر لاؤں گا میں۔" علی نے اتراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

"محبت کا جنازہ ذرا دھوم سے ہی نکلتا ہے کزن...... فکر نہ کرو کندھا دینے والے غمگسار رشتے دار دوست یار ضرور مل جائیں گے تمہیں۔"

"تم جلتی ہو میری محبت صوفیہ سے۔" علی بولا۔

"وہ کوئی صوفیہ لورین ہے جو میں اس سے جلوں گی؟ اگر ہوتی تب بھی نہ جلتی چٹی چمڑی پر ماڈرن لک والی مغرور حسینہ سے کم از کم میں تو نہیں جلنے والی تم جیسے بیوقوف اس کے اس مصنوعی پن کو دیکھ کر کھنچے چلے جاتے ہیں۔"

"تم دونوں کبھی آرام سکون پیار سے بھی بات کرسکتے ہو کہ نہیں؟" سدرہ کی امی عظمیٰ نے باورچی خانے سے باہر آتے ہوئے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

"امی پیار سے بات ان سے کی جاتی ہے جن سے پیار ہوتا ہے۔" سدرہ دھیمی آواز میں بولی۔

"ہاں اور تم دونوں میں تو نجانے کیسا اللہ واسطے کا بیر ہے۔" عظمیٰ نے دونوں کو ناراض نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"چچی...... میں کب لڑتا ہوں یہی ہر وقت مرچیں چباتی رہتی ہے۔" علی نے معصومیت سے سارا الزام سدرہ کے سر دھر دیا۔

"ہاں تم تو جیسے گڑ کی ڈلی منہ میں دبائے رہتے ہو شہد گھلا ہوتا ہے تمہارے لہجے میں۔" سدرہ اسے گھورتے

ہوئے بولی تو عظمیٰ کے ساتھ قاسم نے بھی کانوں کو ہاتھ لگائے اور باہر چلا گیا۔

''یا اللہ...... میں کیا کروں ان دونوں کا؟'' عظمیٰ سر پکڑ کر بے بسی سے بولیں۔

''بیاہ کردیں چچی جان اس کا آپ کی دردسری بھی ختم ہوجائے گی اور میری بھی۔''

''دردسری تو ختم ہوجائے گی' پر خیال رکھنا کہیں دردِ دل نہ ہوا رہے پھر روؤ گے سر پکڑ اور دل تھام کے۔'' سدرہ نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

❁......☆......❁
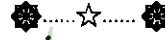
رفیع اللہ ہمدانی اور سمیع اللہ ہمدانی دو بھائی تھے۔ سمیع اللہ تین برس بڑے تھے رفیع اللہ سے ان کے دو بیٹے تھے علی اللہ اور عزیز اللہ...... علی اپنے چچا رفیع اللہ کے گھر رہتا تھا اپنی یونیورسٹی کی تعلیم کے سلسلے میں' سمیع اللہ بہاول پور میں رہائش پذیر تھے اور رفیع اللہ لاہور میں رہتے تھے۔ سرکاری ملازمت تھی ان کی۔ علی پنجاب یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا اس کا آخری سال تھا اور سدرہ کا پہلا سال تھا ماس کمیونی کیشن کے شعبے میں' قاسم بھی علی کا کلاس فیلو تھا۔ صوفیہ انگلش ڈیپارٹمنٹ کی اسٹوڈنٹ تھی۔ بہت مغرور تھی وہ دولت اور اپنے حسن کا بہت غرور تھا اسے۔ اس کے حلقہ احباب میں لڑکیاں کم تھیں لڑکے زیادہ تھے جو اس کی اداؤں پر فدا رہتے اور وہ اپنے اردگرد تعریف کرنے والوں کا جمگھٹا لگا کر بہت خوش رہتی تھی۔ اترایا کرتی تھی' علی بھی اسے پسند کرنے لگا تھا۔ صوفیہ نے اس سے دو چار بار بات کیا کرلی تھی وہ اسے محبت سمجھنے لگا اور آج اسی محبت کے اظہار کے طور پر اسے سرخ گلاب دینے گیا اور جواباً گال پر طمانچہ کھا کے لوٹا تھا اور جو اس نے زبانی بے عزتی کی وہ الگ تھی۔

''اپنی اوقات دیکھی ہے تم نے؟ تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم مجھے ایک سرخ گلاب دو گے اور میں تم سے محبت کرنے لگوں گی مائی فٹ۔'' علی کے لیے صوفیہ کے یہ الفاظ جگر چھلنی کرنے کا کام کررہے تھے۔

❁......☆......❁

رفیع اللہ اور عظمیٰ کے دو ہی بچے تھے' بیٹا عبیداللہ جو میڈیکل کے آخری سال میں تھا اور بیٹی سدرہ یونیورسٹی میں تھی۔

قاسم ان کا محلے دار تھا اور سدرہ کی سگی خالہ کا بیٹا بھی تھا۔ وہ دل ہی دل میں سدرہ کو پسند کرتا تھا جبکہ سدرہ دل ہی دل میں علی سے محبت کرنے لگی تھی اور علی کی بے خبری' بے اعتنائی اسے ہمیشہ دکھ ہی دیا کرتی تھی' وہ سامنے موجود محبت کو چھوڑ کر ایک سراب کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ وہ اس کی محبت کی انتہا کو چھو رہی تھی اور وہ کتنا بے خبر' بے پروا تھا کہ اس کے دل تک اس کی محبت کی ہلکی سی آنچ بھی نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ کہیں اور محبت کے نام پر خوار ہورہا تھا۔ اس کے خوابوں میں زردیاں گھول رہا تھا۔ سدرہ اپنے کمرے میں بیٹھی علی کی بے خبری و بے نیازی پر آنسو بہا رہی تھی۔ عظمیٰ وہیں چلی آئیں اور اسے دیکھتے ہوئے تاسف بھرے لہجے میں بولیں۔

''برابر تو جواب دے رہی تھی علی کو پھر اب رو کیوں رہی ہو؟''

''پتھر سے سر پھوڑوں گی تو روؤں گی ہی نا۔'' وہ ہاتھوں سے اپنے اشک صاف کرتے ہوئے بولی۔

''پھولوں کی کمی نہیں ہے تیرے واسطے۔'' عظمیٰ بولیں۔

''پھولوں کی چاہ بھی تو نہیں ہے دل کو' دل تو پتھر سے ہی پیار کر بیٹھا ہے' اسی کو سب کچھ مان لیا ہے دل نے۔'' سدرہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں بڑے جذب سے کہا۔

''دل کی مانے گی تو رل جائے گی' رک جا' سنبھل جا' سمجھ جا۔''

''دل کے معاملے میں سمجھنے' رکنے' سنبھلنے کا موقع کہاں ملتا ہے؟''

''سدرہ...... تُو سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔'' عظمیٰ نے احساس دلانا چاہا ماں تھیں بیٹی کے دل کا حال جانتی تھیں مگر علی کے مزاج' خیال اور پسند سے بھی واقف

تھیں۔ جبھی سدرہ کے لیے فکرمند تھیں۔

"وہ بھی تو سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔" وہ بولی۔

"تو تُو کیا اس کی واپسی کا انتظار کرے گی؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ کہتے ہیں ناں کہ...... پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ"

"وہ تیری بہار نہیں ہے اور نہ ہی صبح کا بھولا جو گھر لوٹ آئے گا۔ وہ سب سمجھتا ہے جانتا ہے کہ وہ کیا چاہ رہا ہے اور کیا کررہا ہے؟ تو ایسے شخص کی چاہ کررہی ہے جسے تیری چاہ ہی نہیں۔" عظمیٰ نے اسے دیکھتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی۔

"وہ بھی تو یہی کررہا ہے۔" سدرہ مدھم لہجے میں بولی۔

"اچھا اگر وہ تیری طرف لوٹ کے آ بھی جاتا ہے تو کیا یہ بات تو جھٹلا دے گی' بھلا دے گی کہ وہ کسی دوسری لڑکی کے عشق میں خوار تھا اور وہاں سے ناکام ہوکے تیرے پاس آیا ہے۔ اس لڑکی نے اسے گھاس نہیں ڈالی تو وہ تجھے مہہ پارہ سمجھنے لگا ہے۔" عظمیٰ نے رسانیت سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"امی عشق ناکام نہیں ہوتا' مجھے یقین ہے کہ وہ غلط رستے پہ ہے مگر وہ سمجھ نہیں رہا اسی لیے اس کی غلطی' بے رخی اور لاپروائی معافی کے لائق ہے۔ دل لگی یا وقت گزاری کررہا ہوتا' جان بوجھ کر اس لڑکی کے ساتھ ہوتا تو اس صورت میں اس کی یہ حرکت قابل معافی نہیں تھی۔" سدرہ نے سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

❁......☆......❁
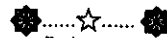
صوفیہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں بیٹھی تھی' علی اس کے پاس چلا آیا۔

"ہیلو صوفیہ...... کیسی ہو؟" مغربی لباس میں سجی سنوری صوفیہ کو دیکھتے ہوئے علی نے اسے مخاطب کیا۔

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

صوفیہ اپنا شولڈر بیگ اٹھا کر کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔
"تمہارے رویے نے مجھے پریشان کردیا ہے صوفیہ.....تم میرے ساتھ ایسا کیوں کررہی ہو؟"
"کیسا کررہی ہوں؟" اس نے بھنویں سکیڑ کر اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھا۔
"تم جانتی ہو میں تمہیں پسند کرتا ہوں' تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" علی نے اس کے میک اپ زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔
"تو.....میں کیا کروں؟ یہ تمہارا مسئلہ ہے میرا نہیں۔ مجھے تو سیکڑوں لڑکے پسند کرتے ہیں' مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں.....اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں ہر کتے' بلے کا پرپوزل قبول کرلوں.....تم صوفیہ کا اسٹینڈر نہیں ہو مسٹر علی' میرے پیچھے تو تم جیسے بہت سے دم ہلاتے پھرتے ہیں نہ تو وہ سب کے سب وفادار ہیں اور نہ ہی میں ہر ایرے غیرے کو ہڈی ڈالنا پسند کرتی ہوں سمجھے۔" صوفیہ نے بہت بدتمیز اور رعونت بھرے لہجے میں اسے جواب دیا اور وہاں سے چلی گئی۔ علی احساس توہین اور ذلت میں گھرا وہاں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس قدر ذلت وتوہین کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ جسے وہ محبت سمجھ رہا تھا وہ تو نری ذلت تھی' بربادی اور تمسخر تھی اسے اپنی اس حماقت پر شدید غصہ آرہا تھا.....سدرہ کتنا سمجھاتی تھی اسے لیکن وہ اس کا مذاق اڑایا کرتا تھا' وہ یہ کیوں بھول گیا تھا کہ صوفیہ کی دوستی کئی لڑکوں کے ساتھ تھی' وہ آئے دن لڑکوں کے ساتھ گھومتی پھرتی تھی۔ کبھی کینٹین پر تو کبھی کیفے میں' کلاس روم سے لے کر گھر ڈراپ کرنے تک وہ نئے نئے لڑکوں کے ساتھ نظر آیا کرتی تھی۔ بھلا اس لڑکی کی نگاہ میں محبت اور عزت کی قدر کیوں ہونے لگی۔ وہ ایسی لڑکی سے محبت کرنے کی حماقت کر بھی کیسے سکتا تھا۔ اسے اب اپنی محبت.....ایک حماقت لگ رہی تھی سراسر ایک حماقت اور بس.....

٭.....☆.....٭

"چپ چپ بیٹھے ہو ضرور کوئی بات ہے
کچھ تو نئی بات ہے جی کچھ تو نئی بات ہے"
سدرہ گم صم' افسردہ بیٹھے علی کو دیکھتے ہوئے شرارت بھرے انداز میں گنگنائی تو اس نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔
"چپ کر جاؤ۔" وہ غصے سے بولا۔
"رونی صورت تم نے بنا رکھی ہے' رو تم رہے ہو تو میں کیوں چپ کر جاؤں؟" وہ اس کے سامنے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے پر چھائی افسردگی کو دیکھتے ہوئے بولی تو وہ بیزاری سے بولا۔
"ٹھیک ہے کیے جاؤ بک بک۔"
"شکل پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں' ہوا کیا ہے؟" سدرہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"تمہارا کہا پورا ہوگیا....." وہ افسردگی' شرمندگی کے ملے جلے احساسات لیے مدھم آواز میں بولا۔
"کیا صوفیہ نے پھر تو تھپڑ نہیں مار دیا تمہیں؟"
"ہاں ایسا ہی سمجھ لو' اس بار تو ایسا تھپڑ مارا ہے کہ مجھ سمیت اپنے آس پاس منڈلانے والے سارے لڑکوں کو منہ کے بل گرا دیا ہے۔" علی نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔
"اوہ.....سیڈ.....گویا اب تمہارے سر سے صوفیہ کی محبت کا بھوت اتر گیا ہے۔" سدرہ نے اسے افسردہ دیکھ کر اپنا لہجہ نارمل رکھتے ہوئے استفسار کیا۔
"محبت کا بھوت نہیں تھا وہ صرف بھوت تھا جو آج اترا.....محبت کے لائق نہیں تھی وہ یہ بات میں نے آج سمجھی۔ وہ تو وقت گزاری کا مشغلہ ہے سب کے لیے اور سب لڑکے اس کے لیے.....ایسی لڑکیاں نہ محبت کرسکتی ہیں' نہ ہی دوسروں کو محبت دے سکتی ہیں نہ ہی کسی کی محبت کی قدر کرنا جانتی ہیں.....مغرور' خود پرست اور مادر پدر آزاد لڑکی' مرد کو بھاتی ضرور ہے اٹریکٹ بھی کرتی ہے لیکن دل میں محبت بن کر نہیں جی سکتی۔" علی کھوئے ہوئے پُرسوچ اور سنجیدہ لہجے میں بولتا رہا۔
"اچھا تو کیسی لڑکی دل میں محبت بن کر جی سکتی ہے؟"

''جس کے پیچھے نہ جانا پڑے' جو خود بخود دل میں آن بسے' بنا ادا دکھائے' کوشش کیے بغیر..... اپنی سادگی' معصومیت اور کھرے پن کے ساتھ چپکے سے دل کو اچھی لگنے لگے' آنکھوں میں سپنے بننے لگے' روح میں سکون بن کر اتر جائے۔''

''واہ بھئی' تم تو ایک ہی ٹھوکر کھا کر محبت' عشق کی گہرائی اور سچائی کا سبق سیکھ گئے علی ہمدانی۔''

''محبت کے لیے بس ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے' اور اک کا ایک لمحہ جو ساری عمر کے لاعلم لمحوں سے افضل ہوتا ہے۔'' علی نے سنجیدگی سے کہا اور اٹھ کر تھکے تھکے قدموں سے زینہ چڑھنے لگا۔

''دھیرے دھیرے تم میری محبت کے زینے پر قدم رکھنے لگو گے علی ہمدانی..... مجھے یقین ہے کہ بہت جلد ایسا ضرور ہوگا۔'' اسے زینہ چڑھتے دیکھ کر وہ دل میں سوچ رہی تھی۔

''سدرہ..... تیری خالہ نے قاسم کے لیے تیرے رشتے کی بات چھیڑی ہے ابھی تو میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ سدرہ کے فائنل امتحان ہو جائیں تب اس کی شادی کا سوچیں گے لیکن مجھے تو یہ رشتہ بہت مناسب لگتا ہے تیرے لیے۔'' عظمیٰ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بتایا۔

''امی..... آپ جانتی ہیں ناں میں علی کا انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ بے کلی سے بولی۔

''کب تک انتظار کرو گی اس کا؟''

''جب تک وہ میرے پاس آ کر مجھ سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کر دیتا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اور ایسا کب ہوگا؟''

''بہت جلد ہوگا آپ دیکھیے گا۔''

''مرد اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتا بچی۔''

''صوفیہ اس کی محبت نہیں تھی امی وہ اس کی بھول تھی پہلی محبت' پہلا پیار اولین عشق تو اسے ابھی ہونا ہے اور مجھ سے ہونا ہے مجھے یقین ہے' جس آگ میں' میں دن رات جلی ہوں وہ آگ اس کے اندر بھی جلے گی اور ایسی جلے گی کہ بجھائے نہ بجھے گی۔'' سدرہ نے گہرے لہجے میں کہا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

''پتا نہیں تو کیا کہہ رہی ہے؟ مجھے تو آثار نظر نہیں آتے علی اپنے ماں باپ کو لے کر آئے رشتے کی بات کرے تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تو ہم زبردستی تو اسے تم سے شادی کے لیے مجبور نہیں کر سکتے ناں۔''

''کوئی زبردستی نہیں کرے گا امی۔ بس آپ فی الحال میری شادی کا قصہ نہ چھیڑیں۔'' سدرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''تیری خالہ تو یہ قصہ اٹھتے بیٹھتے چھیڑیں گی اب' پہلے تو وہ یوں خاموش رہیں کہ شاید ہم علی کے ساتھ تمہاری شادی کرنا چاہتے ہوں اور علی کی بھی یہی مرضی ہوگی..... لیکن جب اتنے سالوں میں تم دونوں کی کوئی بات طے نہیں ہوئی تو انہوں نے قاسم کے لیے تمہارا ہاتھ مانگنے کی خواہش کا اظہار کر دیا..... مجھے تو یہ رشتہ نہایت مناسب لگتا ہے تمہارے لیے..... قاسم ماشاء اللہ خوبرو ہے' اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہے' دیکھا بھالا' نیک شریف لڑکا ہے اور تو اور دو بڑی بیاہی بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے خیر سے دس مرلے کا ڈبل اسٹوری مکان ہے ان کا' چاہنے والے خالہ خالو ہیں اور قاسم بھی تجھے پسند کرتا ہے۔ اس کی نوکری کی بھی ٹینشن نہیں ہے کسی کو کیونکہ دکانوں کا کرایہ ٹھیک ٹھاک آ رہا ہے اور ہاشم بھائی صاحب کی کپڑے کی دکان بھی خوب چلتی ہے..... اور کیا چاہیے تجھے؟ اتنی خوش حال اور محبت کرنے والی سسرال مل رہی ہے کفران نعمت نہ کر سدرہ۔ میری مان قاسم کے لیے مان جا' تیرے ابو کو بھی اس رشتے پہ کوئی اعتراض نہیں ہے' تجھے شادی کے بعد زیادہ دور جانا نہیں پڑے گا' ایک ہی محلے میں ہوں گے تو جب دل چاہا ملنے چلی آنا۔'' عظمیٰ جب بولنا شروع ہوئیں تو نان اسٹاپ بولتی ہی چلی گئیں۔

''امی..... امی پلیز بس کریں' کوئی فل اسٹاپ' کومہ لگا لیں' سانس تو لے لیں آپ تو ایک ہی سانس

میں داستان امیر حمزہ سنانے لگیں۔'' سدرہ نے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر انہیں دیکھتے ہوئے قدرے حیرت اور بیزاری سے کہا۔

''اے لو یہ امیر حمزہ کہاں سے بیچ میں آگئے؟ میں تو قاسم کی بات کررہی تھی' سوچ لے یہ نہ ہو کہ من کی چاہ کے پیچھے کسی کی سچی چاہت سے ہاتھ دھو بیٹھے' چاہنے والا اور قدر کرنے والا شریک حیات قسمت والیوں کو ملتا ہے اور یوں بھی سیانے اور بزرگ کہتے ہیں کہ رشتہ ہمیشہ اس انسان کے ساتھ جوڑو جو تمہیں چاہتا ہے' تم سے پیار کرتا ہے نہ کہ اس سے' جس کو تم چاہتے ہو۔ جانتی ہے ایسا کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ جو تمہیں چاہے گا ناوہ تمہارا ہر طرح سے خیال رکھے گا اپنی چاہت کو پانے کے بعد اسے ہر لحاظ سے خوش رکھنے کی کوشش کرے گا' قدر کرے گا۔'' عظمیٰ نے تیزی سے اپنی طویل بات کو اس کی سماعتوں کا حصہ بناتے ہوئے کہا تو وہ کہنے لگی۔

''ہمیشہ ایسا تو نہیں ہوتا امی' کچھ لوگ من چاہی چیز کو حاصل کرنے کے بعد اس کو گھر کے کسی کونے میں رکھ کے بھول جاتے ہیں' لاپرواہو جاتے ہیں' اس کی قدر و قیمت و اہمیت ان کی نظر میں صرف حاصل کرنے سے پہلے ہوتی ہے حاصل کرنے کے بعد اس چیز یا انسان کی اہمیت قدر و قیمت کم یا بعض اوقات ختم ہو جاتی ہے' پہلے سی کشش یا چاہ نہیں رہتی۔''

''ہاں پر اپنا قاسم ایسے لوگوں میں سے نہیں ہے' میں برسوں سے اس کی آنکھوں میں تیرے لیے پیار دیکھ رہی ہوں اور میاں بیوی کا رشتہ ایسا نہیں ہوتا کہ شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو گھر کے کسی کونے میں رکھ کے بھول جائے...... یہ رشتہ تو دونوں کے ساتھ چلنے' خلوص و محبت سے پروان چڑھتا ہے' قاسم پہ خاندان بھر کی نظریں ہیں ماشاء اللہ اتنا قابل ہے اکلوتا بیٹا ہے' بیٹیوں والے تو اسے اپنا داماد بنانے کو بے کل ہیں اور وہ ہے کہ تیرے لیے آس لگائے بیٹھا ہے۔'' عظمیٰ نے تیزی سے کہا تو وہ بولی۔

''اس نے مجھ سے تو کبھی اپنے پیار کا اظہار نہیں کیا۔''

''اسی سے تو اس کی شرافت کا اندازہ لگالے' شریفانہ طریقے سے رشتہ بھیجا ہے جیسے بھیجنا چاہیے اور تجھے بھی اس کی آنکھوں میں اپنے لیے پیار نظر نہیں آیا؟''

''نہیں...... مجھے تو نظر نہیں آیا۔''

''بالکل اسی طرح' جس طرح علی کو تیری آنکھوں میں اپنے لیے پیار نظر نہیں آیا اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ پیار نہیں ہے' یہ تو دیکھنے والے کی نگاہ پہ ہے اور ہر چاہنے والا نظر شناس نہیں ہوا کرتا۔'' عظمیٰ نے اسے سنجیدگی سے سمجھایا۔

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میں علی سے پیار کرتی ہوں اس لیے میں نے کبھی قاسم کو غور سے دیکھا ہی نہیں' اس کی آنکھوں کو پڑھا ہی نہیں' بعض دفعہ ہم اپنی محبت میں اتنے مگن ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کی محبت کو دیکھ ہی نہیں پاتے' محسوس ہی نہیں کرتے' ہر کسی کے لیے اپنی محبت اہم' خالص اور سچی ہوتی ہے' دوسرے کی محبت پر ہمیں یقین ہی نہیں آتا۔ اپنا عشق' سچا اوروں کا جھوٹا دھوکا' فریب اور مذاق لگتا ہے ہمیں۔'' سدرہ نے سنجیدگی سے کہا اور اپنی کتاب کھول کر بیٹھ گئی۔

علی اور قاسم کے سالانہ امتحان ختم ہوئے تو علی جو صوفیہ کے رویے کی وجہ سے بہت دلبرداشتہ اور آزردہ تھا اگلے دن ہی واپس بہاولپور چلا گیا' سدرہ کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ آنکھیں اشک بار تھیں' عجیب طرح کی بے کلی اور بے قراری تھی جس نے اس کی روح کو گھیر لیا تھا۔

''علی کو میری محبت نظر کیوں نہیں آتی؟ میرا عشق اسے محسوس کیوں نہیں ہوتا؟ میرا پیار اس کے دل کو کیوں نہیں چھوتا؟ کتنے آرام' بے فکری سے وہ چلا بھی گیا' اتنے برس یہاں رہنے کے باوجود وہ ایسے گیا ہے جیسے کوئی مہمان دو چار دن کو آئے اور چلا جائے۔'' سدرہ یہ سب سوچتے ہوئے ہلکان ہو رہی تھی۔ آنکھیں سمندر بنی ہوئی تھیں' اسی وقت قاسم وہاں چلا آیا۔

''بھئی اتنی خاموشی' سناٹا' ہو کا عالم وہ بھی سدرہ کے گھر میں کیا جنگ ختم ہوگئی؟ ہتھیار کس نے ڈالے؟''

"وہ میدان چھوڑ کے ہی بھاگ گیا پھر کیسی جنگ؟" سدرہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

"تو تم اس لیے رو رہی تھیں کہ اب تمہارے ساتھ لڑنے والا کوئی نہیں...... پاگل لڑکی میں ہوں ناں۔"

"تم لڑو گے شکل دیکھی ہے اپنی۔" سدرہ نے اس کا مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تو وہ شوخ لہجے میں بولا۔

"اپنی شکل کون کمبخت دیکھتا ہے یہاں ہم تو آپ کی شکل دیکھ دیکھ کے جیتے ہیں کزن۔"

"او ہیلو...... سنبھل کر۔" سدرہ نے اسے تنبیہی انداز میں دایاں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"سنبھل کر ہی چل رہا ہوں آج تک' پھسل تو بہت پہلے گیا تھا۔" قاسم نے معنی خیز جواب دیا اور وہ اس کی بات کا مطلب بھی سمجھ گئی تھی۔

"علی کے جاتے ہی تم نے پر پرزے نہیں نکال لیے؟"

"میدان خالی دیکھ کر سوچا میں بھی قسمت آزمائی کرلوں۔" قاسم خجل سا ہوگیا اور سر کھجاتے ہوئے بولا۔

"یعنی مقابلہ کرنے کی ہمت' جرأت نہیں ہے تم میں' تم صرف خالی میدان میں ہی شمشیر زنی کرسکتے ہو اکیلئے بنا کسی حریف کے۔" سدرہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ایسی بات نہیں ہے' میں صرف تمہیں جیت کی خوشی مناتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم کیا سمجھتے تھے میری جیت کس میں ہے؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی اور سیڑھیوں سے اٹھ کر ایک قدم نیچے اتری' پاؤں میں اچانک موچ آئی اور اس کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"کیا ہوا سدرہ؟" قاسم بے کل ہوکر آگے بڑھتے ہوئے بے قراری سے بولا تو اسے بھی اپنے آنسوؤں کا بھرم رکھنے کے لیے معقول بہانہ مل گیا۔ کراہتے ہوئے بولی۔

"موچ آ گئی تھی پاؤں سلپ ہونے سے' جبھی یہاں بیٹھی رو رہی تھی تم نے آ کر باتوں میں لگایا اور مجھے دھیان ہی نہیں رہا کہ میں یہاں کیوں بیٹھی تھی؟"

"اوہ...... یہ وجہ تھی۔" وہ شرمندہ ہونے کے ساتھ ساتھ مطمئن بھی ہوگیا تھا کہ وہ علی کے لیے نہیں رو رہی تھی۔

"اور تم کیا سمجھے تھے کہ میں اس کھڑوس علی کے لیے رو رہی تھی؟" وہ غصے سے بولی۔

"نہیں وہ......"

"وہ اتنا اہم نہیں ہے میرے لیے کہ میں اس کے لیے آنسو بہاؤں' شکر ہے چلا گیا ہر وقت لڑ لڑ کے میرا دماغ کھا جاتا تھا اب میں سکون سے اپنے پیپرز کی تیاری کرسکوں گی۔" سدرہ نے اپنے مخصوص لاپروا اور نارمل انداز میں اس کی بات کاٹ کر کہا تو وہ مسکرانے لگا۔

"آؤ تمہیں تمہارے کمرے تک لے جاؤں پھر دوا لاکر لگا دیتا ہوں۔" قاسم نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر کہا۔

"میں خود چلی جاؤں گی کمرے تک۔" سدرہ نے اس کے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تو اس نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

❁......☆......❁

علی واپس اپنے گھر لوٹ آیا تھا مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنا دل' اپنی روح سدرہ کے گھر میں ہی چھوڑ آیا ہے' عجیب دن تھے سکون تھا نہ قرار...... اندر بہت کچھ' بہت بے کلی نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ کئی دنوں سے اس کے ساتھ یہی ہو رہا تھا کہ وہ آنکھیں بند کرتا اور سدرہ کا ہنستا مسکراتا چہرہ اس کی بند آنکھوں کے پردوں پر نمودار ہو جاتا' آنکھیں کھولتا تو اس کی ہنسی کی پازیب کانوں میں چھن چھن کرنے لگتی' کھانا کھانے لگتا تو وہ اسے اپنے سامنے بیٹھی منہ چڑا کر دکھا دکھا کر مرغ روسٹ کھاتی دکھائی دیتی' کوئی کتاب کھولتا' اخبار پڑھتا تو اس میں بھی سدرہ ہی ہنستی مسکراتی' بولتی دکھائی دینے لگتی اور وہ گھبرا کر کتاب' اخبار بند کردیتا۔

''کیا مصیبت ہے؟ میلوں دور چھوڑ آیا ہوں پھر بھی میری جان نہیں چھوڑ رہی۔'' وہ اپنے آپ سے الجھتے ہوئے بولا۔

''وہ تمہاری جان چھوڑے گی بھی نہیں کیونکہ وہ تمہاری جان بن چکی ہے تمہیں اس سے عشق ہوگیا ہے علی ہمدانی۔'' اس کے دل سے آواز آئی تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ خود سے سوال جواب کررہا تھا۔

''یہ دنیا ہے یہاں ہر بات ممکن ہے۔'' دل گنگنایا۔

''مگر سدرہ سے ہی کیوں؟ میں تو کئی سال اس کے گھر میں رہا' اس سے لڑتا جھگڑتا' باتیں کرتا' کھانا پینا ساتھ تھا' باہر آنا جانا اکھٹا تھا' پھر...... مجھے احساس کیوں نہیں ہوا کہ وہ میرے دل میں آن بسی ہے......؟ وہ میرے قریب رہ کر مجھے قریب محسوس نہیں ہوئی اور اب...... جبکہ میں اس کا گھر' شہر چھوڑ آیا ہوں تو وہ کسی بلا و چڑیل کی طرح میری ذات' میری روح' میرے وجود سے' کسی آسیب کی طرح چمٹ گئی ہے مجھ سے...... میں جسے خاطر میں نہ لاتا تھا' آج اس کی خاطر میرا یہ حال ہے کہ پل بھر کو قرار نہیں...... میں جس کی بات نہیں سنتا تھا آج اس کی سوچ میں گم ہوں' جس کا خیال نہیں کیا کبھی' اب اسی کے خیال میں جی رہا ہوں' جس کی آواز سے نالاں رہتا تھا آج اسی کی آواز سننے کے لیے تڑپ رہا ہوں ترس رہا ہوں' کیسا یہ عشق ہے؟'' علی کمرے میں ٹہلتے ہوئے خود سے سوال جواب کررہا تھا۔

✿......☆......✿
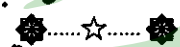
سدرہ کے موبائل پر علی کی کال آرہی تھی۔ اس کا نام اپنے موبائل کی اسکرین پر جگمگاتا دیکھ کر سدرہ کے دل کی دھڑکنیں ایک دم سے تیز ہوگئیں۔ چہرہ آپ ہی آپ ان دیکھی آگ میں سلگ کر سرخ ہوگیا تھا۔ یہ محبت کے احساس کا اثر تھا وہ جانتی تھی۔

''ہیلو!'' سدرہ نے کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم ڈیئر کزن' کیسی ہو؟'' علی نے بہت دوستانہ لہجے میں پوچھا تو وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

''بہت اچھی ہوں اور بہت مزے میں ہوں تمہاری روز روز کی بک بک اور چیخ چیخ سے جان جو چھوٹ گئی ہے میری۔''

''لیکن میری جان تو نہیں چھوٹ رہی تم سے۔'' وہ معنی خیز جملہ بولا تو اس نے چونک کر پوچھا۔

''کیا مطلب؟''

''جب سے واپس آیا ہوں کچھ عجیب حال ہے میرا' آنکھیں بند کرتا ہوں تو ایک ہی چہرہ دکھائی دیتا ہے' کھولوں تو وہی ہر طرف نظر آتا ہے' جیسے آنکھوں میں بینائی بن کر سما گیا ہو' کتاب میں' اخبار میں' ٹی وی میں' حد یہ ہے کہ سالن کی پلیٹ میں' مسجد میں' نماز میں وہی چہرہ' وہی خیال' وہی آواز' وہی سوچ' وہی صبح' وہی شام' وہی دن' وہی رات بن کے میرے وجود کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے میری حیرت بھی حیرت زدہ ہے کہ یہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے؟''

''تمہیں عشق ہوا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تو یہ پیار' محبت' عشق کی علامات ہیں ساری؟''

''ہاں بالکل' اب جلدی سے بتاؤ کس کا ہے وہ چاند سا چہرہ' کون ہے وہ لکی گرل؟'' سدرہ نے دل پہ ہاتھ رکھ کر لہجے کو شوخ بناتے ہوئے پوچھا۔

''تم ہو۔'' وہ بے ساختہ بولا۔

''میں...... میں تو لکی گرل نہیں ہوں۔'' وہ دل پر قابو پاتے ہوئے اپنی خوشی کو ضبط کا تالا لگاتے ہوئے بولی۔

''اب نخرے مت دکھاؤ' مجھے نہیں سمجھ تھی تم تو بتاسکتی تھیں نا' میں جانتا ہوں تم بھی مجھے چاہتی ہو' میں مان گیا ہوں تو تم بھی اس حقیقت کا اعتراف کرلو نا' اس سچ کا اقرار کرلو' مان جاؤ تم بھی' میں پاگل' بیوقوف تھا جو سراب اور جھوٹ کو حقیقت سمجھتا رہا' سچ گردانتا رہا اور محبت کے دھوکے میں ذلت کا طوق اپنے گلے میں ڈال بیٹھا۔''

''پتا نہیں انسان اپنے قریب کے رشتے' خوشیاں' محبتیں کیوں نہیں دیکھ پاتا' محسوس کیوں نہیں کرتا ٹھوکر لگے بنا اسے احساس ہوتا ہے اور نہ سمجھ آتی ہے اور جب احساس ہوتا ہے' سمجھ آتی ہے تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی

ہے‘ جیسے تمہیں ہوگئی دیر۔“ سدرہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور کال منقطع کردی..... علی ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔

عشق ناکام نہیں
عشق یوں عام نہیں
کرکے دیکھو تو ذرا
پل بھر آرام نہیں
ہجر جب تک نہ سہے
عشق کو دوام نہیں
وصل نہ بھی ہو اگر
عشق ناکام نہیں
عشق ناکام نہیں“

سدرہ کی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ رہے تھے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی رینگ رہی تھی۔ دل بیک وقت خوشی اور غم کے احساس میں ڈوبا ہوا تھا۔ دماغ فیصلہ کرچکا تھا‘ چمپئی رنگت‘ گھنے سلکی ڈارک براؤن بالوں کے ساتھ دلکش‘ نین نقش کی مالکہ سدرہ رفیع چاہے اور سراہے جانے کے لائق تھی۔ یہ احساس بھی علی کو دیر سے ہوا تھا شاید اور سدرہ کو اس دن والی بات یاد آرہی تھی قاسم نے جب اسے سیڑھیوں پر پاؤں میں موچ آنے پر اپنا ہاتھ سہارا دینے کے لیے آگے بڑھایا تھا اور اس نے انکار کردیا تھا۔

”میرا ہاتھ پکڑلو۔“ قاسم نے کہا تھا۔

”تمہارا ہاتھ پکڑلوں اور تم بیچ راستے میں چھوڑ گئے تو میں کیسے جاؤں گی؟“

”میں تمہارا ہاتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا‘ مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا۔ ایک بار میرا یقین کرکے یہ ہاتھ تھام کر تو دیکھو۔“ قاسم نے محبت بھری نظروں سے سدرہ کے چہرے کو دیکھتے دل سے کہا تھا اور سدرہ نے اپنے دل پر پاؤں رکھ کر قاسم کا محبت سے بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا تھا۔

❁......☆......❁

”رشتہ ہمیشہ اس انسان سے جوڑو جو تمہیں چاہتا ہے‘ تم سے پیار کرتا ہے نہ کہ اس سے جس کو تم چاہتے ہو۔“ اس نے عظمیٰ کی اس بات پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا‘ کس دل سے کیا تھا یہ وہی جانتی تھی۔

پھر آناً فاناً سدرہ اور قاسم کا نکاح طے پاگیا۔ سمیع اللہ کے گھر نکاح میں شرکت کا پیغام پہنچا تو علی کی تو جیسے سانسیں تھم سی گئی تھیں۔ اس نے فوراً سدرہ کو فون کیا‘ بار بار کیا مگر سدرہ نے اس کا فون اٹینڈ نہیں کیا۔ اسے میسجز کیے ان کا بھی ریپلائی نہیں آیا تو وہ رونے والا ہوگیا تھا۔ سمیع اللہ اور بیگم سمیع اللہ کو بھی سدرہ کے نکاح کی خبر نے اداس کردیا تھا کیونکہ وہ بھی اسے اپنی بہو بنانے کے خواہش مند تھے۔ نکاح میں شرکت کے لیے تو انہیں جانا ہی تھا لیکن علی بے کلی اور بے قراری میں ان سے پہلے ہی لاہور کے لیے نکل گیا تھا اور تمام راستے وقفے وقفے سے سدرہ کو کال اور میسج کرتا رہا تھا۔

نظم

میری آنکھیں خرید و گئی
بہت مجبور حالات میں مجھے نیلام کرنی ہیں
کوئی مجھ سے نقد لے لے
میں تھوڑے دام لے لوں گا
جو دے دے پہلی بولی تو اسی کے نام کردوں گا
مجھے بازار والے کہہ رہے ہیں کم عقل تاجر
سنو لوگو......
نہیں ہوں میں کوئی حرص کا خواہاں
نفع نقصان کی شطرنج نہیں میں کھیلنے آیا
بڑی محبوب ہیں مجھ کو
یہ میری نیم تر آنکھیں
مگر اب بیچتا ہوں کہ
میں نے اک خواب دیکھا تھا
اسے اپنا بنانے کا
اسے دل میں بسانے کا
مجھے دیکھے ہوئے اس خواب کا تاوان بھرنا ہے
انہیں نیلام کرنا ہے
انہیں نیلام کرنا ہے

نادیہ یٰسین......ساہیوال

"سدرہ..... تُو علی کے فون کا جواب کیوں نہیں دے رہی؟"

"امی..... جواب نہ دینے کا مطلب بھی تو صاف جواب دینا ہی ہوتا ہے۔" سدرہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

❁......☆......❁

"سدرہ..... تم ایسا نہیں کرسکتیں اپنے اور میرے ساتھ' تم ایسا نہیں کرسکتیں' میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" علی اس کے سامنے کھڑا تھا' اجڑا اجڑا' بجھا بجھا سا' پریشان اور بے چین سا' اور اس کے وجود میں سدرہ کو اپنے لیے محبت' بے قراری' لگن' خلوص' سچائی سبھی کچھ دکھائی دے رہا تھا۔

"بہت دیر کردی تم نے یہ کہنے میں۔" سدرہ بولی۔

"ابھی دیر نہیں ہوئی سدرہ۔ میں چچا اور چچی سے بات کرتا ہوں....." علی بے قراری سے بولا۔

"میری اور قاسم کی بات طے ہوچکی ہے دو دن بعد ہمارا نکاح ہے یہ انگوٹھی دیکھ رہے ہو۔" سدرہ نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں چمکتی سونے کی انگوٹھی اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ قاسم نے مجھے پہنائی ہے آج میرے ہاتھ میں اس کے نام کی انگوٹھی ہے' کل میری ذات اس کے نام سے پہچانی جائے گی۔"

"پلیز..... یہ مت کرو منگنی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی' اصل چیز تو نکاح ہوتا ہے جو کے ابھی نہیں ہوا..... تم انکار کردو اس رشتے سے..... مجھے عشق ہوگیا ہے تم سے' ہم دونوں شادی کرلیں گے۔" علی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بے قراری سے کہا۔

"تمہاری نظر میں کسی کی محبت' عزت کی کوئی اہمیت ہے علی' اس رشتے سے میرے ماں باپ' قاسم اور قاسم کے گھر والے سب بہت خوش ہیں' میں کیسے ان سب کی خوشی خاک میں ملادوں؟ تمہیں دیر سے احساس ہوا ہے اس جذبے کا تو میں اس کی سزا ان سب کو کیوں دوں جو اس رشتے سے خوش ہیں۔ تمہارا دل بسانے کے لیے میں کسی اور کا دل توڑ دوں؟ تمہیں عشق ہوا ہے تو چلے آئے ہو اپنی بات منوانے..... جب میں اس آگ میں جل رہی تھی تب تم کسی اور کی جانب متوجہ تھے۔ وقت وقت کی بات ہے علی ہمدانی..... اور وقت ہمیشہ مہربان نہیں ہوتا۔ کل وقت مہربان تھا تو تمہیں احساس نہیں تھا..... آج وقت اپنی چال چل گیا تو تم رہو ہاتھ ملتے۔" سدرہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے ہٹا کر اس کے چہرے پر پھیلی بے کلی کو دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"پلیز..... ایسا مت کرو....." وہ ملتجی لہجے میں بولا۔

"میرے نکاح میں ضرور شریک ہونا بلکہ گواہ رہنا کہ عشق ایثار کرنا جانتا ہے اور سولی پہ چڑھنا بھی....."

"سدرہ....." وہ تڑپ کر بولا۔

"جاؤ علی ہمدانی..... اس سے پہلے کہ ضبط کھو جائے چلے جاؤ' شاید چند روز بعد تمہیں یہ محبت بھی اپنی حماقت لگنے لگے۔" سدرہ نے سنجیدہ اور دلگیر لہجے میں کہا۔

"ہر بار ایسا نہیں ہوتا' منزل کے قریب پہنچ کر منزل کھو جائے تو مسافر تمام عمر بھٹکتا رہتا ہے اسے کہیں امان نہیں ملتا۔" علی نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"محبت بھی تو ہر کسی کو نہیں ملتی' اگر ملتی ہے تو بھی اس کی نہیں ملتی جس سے محبت ہو..... قسمت اور محبت کی آپس میں نہیں بنتی' محبت مل جائے تو قسمت ساتھ نہیں دیتی اور اگر قسمت ساتھ دے تو محبت ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہے یہی المیہ ہے محبت کا' کسی کو درد دیتی ہے' کسی کا درد لیتی ہے۔" سدرہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کرب سے کہا۔ آنکھوں کی جھیل میں اشکوں کی طغیانی تھی مگر وہ کمال ضبط سے اس کو بھی آزما رہی تھی اور اپنے اشکوں کو بھی جھیل کے کناروں سے باہر نکلنے سے روک رہی تھی۔

"ابھی وقت ہے ذرا سوچ لو۔" علی دکھ سے بولا۔

"زیادہ سوچنے سے ارادے کمزور ہوجاتے ہیں' فیصلے مشکوک اور ہمت جواب دینے لگتی ہے لہٰذا جو ہو رہا ہے وہ ہونے دو' محبت کو دو گھڑی رونے دو پھر سکون ہی سکون ہوگا' خاموشی ہی خاموشی ہوگی' خالی پن کا احساس تو ہوگا لیکن یاد رکھنا عشق ایثار مانگتا ہے' بے صبری نہیں' صبر چاہتا ہے عشق ناکام نہیں' بس انسان ہی ضبط میں ناکام ہوجاتا ہے اور

عشق کی اصل روح سے محروم ہو جاتا ہے۔" سدرہ نے اپنے ہاتھ میں چمکتی قاسم کے نام کی انگوٹھی پر انگلی پھیرتے ہوئے گہرے لہجے میں کہا۔

"سدرہ....." وہ تڑپ کر بے قرار لہجے میں بولا۔

"جاؤ علی! اپنا خیال رکھنا' اللہ حافظ۔" سدرہ نے اس کے بے بس اور کرب سے ستے چہرے پر الوداعی نگاہ ڈالتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ علی کی نگاہوں کے سامنے دروازے پر پڑا پردہ ہل رہا تھا اور سینے میں اس کا دل مچل رہا تھا' چیخ رہا تھا' رو رہا تھا' وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی زندگی کو جاتا دیکھ رہا تھا' اپنے ہی ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھامنے سے قاصر تھا' بے بس تھا۔

"سدرہ..... یہ کیا کیا تُو نے' علی آیا تھا تو کیوں لوٹا دیا اس کو؟ وہ تو تیری محبت تھا پھر کیوں ناکام لوٹا دیا اسے؟" عظمیٰ نے سدرہ کو دیکھتے ہوئے حیرت پُر لہجے میں پوچھا۔

"تاکہ اسے بھی مجھ سے ویسا ہی پیار ہو جیسا مجھے اس سے ہے اسے بھی تو محسوس ہو کہ پیار ہوتا کیا ہے' میں نے اس سے اتنے سال کیسا عشق کیا ہے' اس کی بے نیازی' بے پروائی کو کیسے سہا ہے؟ کیسے دل پر پتھر رکھ کر کانٹوں بھرا رستہ چنا ہے دل کیسے تڑپا ہے؟ رویا ہے اس کے لیے...... یہ درد اس کے دل میں بھی جاگے گا تب ہی وہ جان پائے گا کہ پیار وہ نہیں تھا جس کے پیچھے وہ خوار اور پاگل' دیوانہ ہوا تھا...... پیار تو یہ ہے جس کے ہجر نے اسے بے کل و بے تاب کر دیا ہے' درد سے بھر دیا ہے' میں نے سہہ لیا اب وہ سہے گا تو ہمارا پیار' ہمارا عشق امر ہو جائے گا' پیار زندہ رہے گا۔" سدرہ نے پُرنم لہجے میں جواب دیا تو عظمیٰ بولیں۔

"عورت ہمیشہ سہتی ہے' جیسے دکھ سہتی ہے ویسے ہی وہ پیار کو بھی سہتی ہے۔"

"آج کے بعد میں پیار سہوں گی نہیں' پیار جیوں گی اس خیال اور احساس کے ساتھ' خوشی کے ساتھ کہ اب وہ بھی مجھ سے پیار کرتا ہے جسے میں نے چاہا وہ میرے عشق میں مبتلا ہے اب' اور میرے لیے یہ احساس ہی بہت ہے' پھر چاہے کسی کے نام سے بھی دنیا والے مجھے پہچانیں' جانیں' دل کی دنیا پر تو اسی کا راج' اسی کی حکومت ہوگی جو آج سے میرے لیے تڑپے گا' روئے گا' سہے گا' اپنے آپ پر کڑھے گا' غصہ کرے گا' پچھتائے گا اس لمحے کو جب وہ سراب کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور میں اس کے لوٹ آنے کے انتظار میں تھک رہی تھی' ٹوٹ رہی تھی' بکھر رہی تھی' میرا عشق ناکام نہیں ہوا امی' وہ بھی میرے عشق میں مبتلا ہے اب یہی میرے پیار کی جیت ہے' میری خوشی اور زندگی کے لیے کافی ہے اور امی آپ ہی تو کہتی ہیں کہ زندگی اس انسان کے ساتھ گزارنی چاہیے جو آپ سے محبت کرتا ہو' قاسم بھی تو چاہتا ہے مجھے...... دیکھ لیں امی...... عشق ناکام نہیں ہوا اس کا بھی...... ایک چاہنے والے دل کو خوشی دینا بھی تو عبادت ہے نا۔" سدرہ نے سنجیدگی سے کہا اور مسکراتے ہوئے اپنے آنسو صاف کر لیے اور اپنا دلہن کا کام والا دوپٹہ اٹھا کر اپنے سر پر اوڑھ لیا' آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا عکس دیکھا تو آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے بہنے لگے یوں کہ جیسے دوبارہ کبھی انہیں بہنے کا موقع اور راستہ نہیں ملے گا۔

عشق ناکام نہیں
عشق یوں عام نہیں
کر کے دیکھو تو ذرا
پل بھر آرام نہیں
ہجر جب تک نہ سہے
عشق کو دوام نہیں
وصل نہ بھی ہوا گر
عشق ناکام نہیں
عشق ناکام نہیں!

ایک حرف معتبر ہے محبت

فضہ ہاشمی

عجب دور آیا تھا زندگی میں ایک تو وہ پہلے ہی الجھی ہوئی تھی اور مزید الجھ گئی تھی۔ الجھتی الجھتی خود الجھن بن چکی تھی کیسا رنگ دکھایا تھا زندگی نے۔ وہ خود حیران رہ گئی وہ جو کل تک اس شخص کے سامنے آنے پر اس کو نہ بلانے کا عہد کر چکی تھی۔ اس نے خود سے سو عہد باندھے تھے کہ سامنے آیا تو کبھی بلائے گی نہیں بلکہ منہ پھیر کر چلی جائے گی۔ یہ عہد اس کا نہیں تھا اسے یہ عہد کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور مجبور کرنے والا یہ شخص تھا، کتنا مکروہ تھا اور کتنی تحقیر تھی اس کے لہجے میں کس قدر شعلہ فشاں تھا اس دن یہ شخص اور آج نشان عبرت بنا اس کے سامنے تھا۔ تکبر کتنی جلدی پکڑا جاتا ہے اللہ کے حضور۔

واقعی ہر تکبر اور ہر بڑائی اسی کے لیے ہے جو انسان کا خالق و مالک ہے انسان جو طاقت اور مستی کے سرور میں بڑے بڑے بول بولتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ کب اس کی گرفت میں آ جائے جس کے سامنے سب کو پیش ہونا ہے۔ کتنا غرور تھا اس آدمی کو خود پر اپنی طاقت کے نشے میں چور کسی کو کچھ نہیں سمجھتا تھا۔ اور آج آئی سی یو میں پڑا اپنی آخری سانسیں گننے کی کوشش کر رہا تھا مدھم پڑتی اور کبھی بڑھتی ہوئی دھڑکن نے ڈاکٹروں کو مشکل میں ڈالا ہوا تھا۔ آس و نراس کی کیفیت تھی اگر اس کی جوانی دیکھی جاتی تو منہ کو کلیجا آتا تھا موت برحق ہے مگر اسے مرنا نہیں چاہیے اور آج بارہ گھنٹے ہو چکے تھے بے یار و مددگار ڈاکٹروں کے رحم و کرم پر پڑا تھا تمام خون بہہ چکا تھا جس نے ڈاکٹروں کی جان پر بنا رکھی تھی۔ یک دم ایمرجنسی کا دروازہ کھلا وہ دوڑ کے آگے بڑھی۔

"میڈم پلیز خون کا انتظام کر دیں۔"

"ڈاکٹر میرا خون چیک کریں۔"

"آئیں میرے ساتھ۔" تھوڑی دیر میں اس کا خون اس کے وجود میں داخل کر دیا گیا چکر پر چکر آ رہے تھے تاہم اس کا خون اس ظالم کے وجود میں زندگی بن کر دوڑ رہا تھا۔ تبھی اس کی مدھم پڑتی دھڑکن معمول پر آنا شروع ہو گئی تھی۔

مزاج کا کمینہ، خمیر کا حقیر، احساس کا غریب اور اخلاق کا دیوالیہ شخص۔ انسانیت سے بے بہرہ اس کے الفاظ اس کی ذات پر نہیں رہے تھے۔ فلک ناز کا مضحکہ اڑا رہے تھے اور تم نے کیا کیا۔ اس کو اپنا خون دے دیا وہ خون جو احساس کی دولت سے مالا مال تھا۔ انسانیت کی قدر جاننے والا اخلاق کا خوگر ایک ایسے شخص کو خون دے دیا جو اس قابل نہیں تھا کہ اس کا لہو اس کے وجود میں زندگی بن کر دوڑے۔ ٹانگیں ٹوٹیں اس کی ہڈیوں کا چورا ہوتا بلکہ اس کو اذیت دے کر مارا جاتا اس کے اندر تڑپتی ہوئی انا نے چلا کر کہا جب کہ خودداری کا پرندہ الگ کرلا رہا تھا' اس شخص نے دو کوڑی کی کر دی تھی اس کی ذات وہ جو محبت بھرا دل رکھتی تھی۔ نرم احساسات کی مالک تھی اور احترام انسانیت کی قائل، کاش اس کی زندگی میں وہ لمحے نہ آئے ہوتے جب اس نے چند لفظ کہہ کر اس کو نہ بجھنے والے الاؤ کی زد میں جھونک دیا تھا۔ جب بھی اس کے الفاظ یاد آتے اس کے سینے میں ایک الاؤ جل اٹھتا جس کی زد میں اس کی پوری ہستی آ جاتی پھر نئے سرے سے احساس تحقیر سے اس کی ہستی جل کر خاکستر ہو جاتی۔ کیا اس کو خون دینے میں کوئی جذبہ کارفرما تھا۔ دماغ نے سوال کیا، نہیں وہ چیخ اٹھی تو پھر کیا وجہ تھی اس کے کہے گئے الفاظ مسکرائے۔

"نہیں......نہیں۔" وہ اذیت سے تکیے پر سر پٹخ رہی تھی لیکن اسے کسی پل قرار نہیں تھا۔

❁......❁......❁......❁

پندرہ دن کے بعد اس کی آنکھ کی ساکت پتلی کچھ ہلی تو

ڈاکٹرز میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اتنے میں وہ کراہا ڈاکٹرز فوراً اس کی طرف لپکے۔

''میں کہاں ہوں؟'' اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

''ارے..... ارے لیٹے رہو۔''

''کیا ہوا مجھے؟'' یک دم گھبرا گیا۔

''ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔''

''یہ میری ٹانگیں۔'' اس نے پٹیوں میں جکڑی ٹانگوں کی طرف اشارہ کیا لیکن ڈاکٹر نے توجہ نہ دی۔

''فوراً انہیں وارڈ میں شفٹ کریں۔''

''یس سر۔''

''میں کب سے یہاں ہوں؟''

''تقریباً پندرہ دن ہوچکے ہیں آپ کو۔'' نرس نے غذائی چارٹ چیک کرتے ہوئے کہا۔

''جب سے آپ آئے ہیں آپ کے پیچھے اب تک کوئی بھی نہیں آیا۔ ہم تو آپ کو بے یار و مددگار سمجھ رہے تھے۔''

''اوہ میرے اللہ.....'' اس نے گہرا سانس لیا وہ اپنے ہی شہر و لوگوں میں اب تک تن تنہا موت و زندگی کی کشمکش میں رہا تھا اور کسی کو اس کی پرواہ ہی نہیں تھی۔

سب سے زیادہ غصہ اسے اس پر آیا تھا جس کو بڑی چاہت سے اپنایا تھا کیا یہ تھی اس کی محبت۔ اسے اس بات کی فکر ہی نہیں تھی کہ اس کا شریک حیات اب تک کہاں تھا۔ ایک درد تھا جو پورے رگ و پے میں سرایت کرچکا تھا ایک اذیت تھی جو روح میں اتر چکی تھی۔

''مجھے یہاں کون لایا تھا؟'' آخری کوشش کے طور پر پوچھا۔ شاید وہ اپنی آس کے دیئے کو بجھتے نہیں دیکھ سکتا تھا اس لیے بڑی امید سے نرس کو دیکھا۔

''ایک لڑکی تھی۔ اس نے اپنا نام پتہ نہیں بتایا۔'' یہ کہہ کر نرس ٹک ٹک کرتی یہ جا وہ جا۔

''کون ہوسکتا ہے جو مجھے اس کٹھن صورت حال میں یہاں لایا تھا۔''

''کہیں وہ تو نہیں.....'' یک دم اس کے ذہن میں دھماکہ ہوا اور وہ چونک اٹھا۔

❁......❁......❁......❁

''میرا موبائل۔'' اس نے نرس سے پوچھا۔

''آپ کے پاس کچھ نہیں تھا۔''

''وہ لڑکی لے گئی ہوگی۔''

''وہ ایسی ہرگز نہیں.....'' وہ چپ ہوگیا ویسے بھی کتنی گھٹیا بات تھی جس کا خون آپ کے وجود میں زندگی بن کر دوڑے آپ اسی پر الزام لگائیں دل نے سرزنش کی اس نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا اس کی سانپوں جیسی فطرت بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہوئی۔

''اس نے تم پر احسان کیا مدد کی اور تم.....'' دل نے تاسف سے کہا۔ ویسے بھی احسان فراموش انسان انسانیت کے درجے سے بہت نیچے ہوتا ہے حیوان سے بھی کم تر۔

''کال کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور۔'' اس نے نمبر بتایا تو نرس نے اپنا موبائل اس کے کان سے لگادیا۔ چند منٹ بعد کال ریسیو کرلی گئی۔

''ہیلو کون؟'' ادھر انجان پن کی انتہا تھی وہ جو اسے زندگی کہتا تھا اور وہ اس سے یوں دور تھی جیسے صدیوں کے فاصلے پر ازل سے دونوں کھڑے ہوں۔

''کون ہے؟'' ماں کی فریش سی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''پتہ نہیں۔'' ایک بار پھر اس کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوگیا۔

''کہ وہ اسے لاکھوں کے ہجوم میں سے ڈھونڈ سکتی ہے اس کی آواز کو پہچان سکتی ہے۔'' اس نے ہولے سے کال کاٹ دی۔ سب ایک دوسرے کے ساتھ نہیں بول رہے تھے گویا اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا سب کے لیے۔ کسی کو پرواہ ہی نہیں تھی کہ وہ پندرہ دن سے کہاں ہے زندہ ہے یا مر گیا سب اپنی اپنی بولی بول رہے تھے اور ایک وہ تھی جو اس کی کچھ نہیں لگتی تھی لیکن اپنے خون اور نئی زندگی کا مقروض کرگئی تھی۔

نہیں وہ ایسا نہیں کرسکتی۔ اس نے بری طرح سر جھٹکا لیکن دل اس کی انسانیت پسندی کا قائل تھا مگر اس کے اپنے، جن کے لیے اس نے زندگی کا سب سے بڑا زہریلا اور کڑوا گھونٹ بھرا تھا وہ آج اس سے یوں بیگانے تھے۔ اذیت سے سر پٹخا۔ جوں جوں وہ سوچتا جارہا تھا حیران ہورہا تھا۔ ویسے تمہارے ساتھ ہونا تو ایسے ہی چاہیے؟ دل مسکرایا تو دماغ نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

"کیا مطلب؟" دل مسکایا۔

"جیسی کرنی ویسی بھرنی یاد کرو تم۔" اچانک آنسوؤں سے بھری آنکھیں سامنے آگئیں کس قدر نرم دل تھی، محبت کرنے والی، ہنستی مسکراتی لڑکی، کس قدر کڑوا لہجہ اختیار کیا تھا پل میں عرش سے کھینچ کر پاتال کی گہرائیوں میں اتار دیا تھا، وہ کتنا پست نکلا تھا اور وہی اس پر احسان کرے گی۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو آنسوؤں سے بھری آنکھیں سامنے آگئیں۔ کیسا سلوک کیا تھا اس نے۔

"کیا ہوا زیادہ طبیعت خراب ہے؟" نرس اس کا چہرہ پڑھ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں...... ایک اور نمبر ٹرائی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا اور نرس نے نمبر ملا کر موبائل اس کے کان سے لگادیا۔ تھوڑی دیر بعد مودت موجود تھا۔

اس نے دوڑ دھوپ کرکے اس کے لیے پرائیویٹ روم کا انتظام کروایا تھا جہاں اب وہ ایزی فیل کررہا تھا اس کے منع کرنے کے باوجود مودت نے خود جاکر گھر والوں کو اس کے بارے میں اطلاع دی تھی سب دوڑے چلے آئے تھے سوائے اس کے جس کا وہ منتظر تھا۔

"کب کیسے کیوں؟" جیسے کتنے ہی سوال تھے سب کے لبوں پر مگر اس کی ایک ہی چپ تھی۔ مودت ہی سب کو جواب دے رہا تھا۔

"تم کچھ بولتے کیوں نہیں۔" ماں نے آگے بڑھ کر شانہ ہلایا۔

"اگر بولا تو سن پائیں گی۔" وہ تلخ ہوا۔

"تم اتنے اکھڑے ہوئے کیوں ہو؟"

"اپنوں کی بے حسی دیکھ کر تو کوئی بھی اکھڑ سکتا ہے، بچہ گھر نہ آئے یا بیمار ہو تو ماں کو نیند نہیں آتی ساری رات اس کی سلامتی کے لیے دعائیں کرتی ہے آپ کیسی ماں ہیں بیٹا پندرہ دن سے اپنے ہی شہر میں، اپنے لوگوں کے درمیان بے وارثوں اور لاچاروں کی طرح پڑا رہا آپ کو پتہ ہی نہیں۔" وہ استہزائیہ ہنسا۔

"تم پہلے بھی تو بتائے بغیر بتائیں کئی کئی دن گھر سے غائب رہتے ہو اس لیے ہم سمجھے......" کوئی بات بن نہ پڑ رہی تھی۔

"اوہ...... اب سمجھا کہ آپ سب کو مجھ سے ملنے والی آسائشات نے دنیاداری نبھانے پر مجبور کردیا۔"

"مہو کہاں ہے آپ کی؟"

"وہ گھر پر ہے۔"

"اسے معلوم ہے تو پھر......"

"بس بچی کے ساتھ مصروف تھی۔" آنکھیں چرائیں۔ سب واپس جاچکے تھے۔ مسز بلال نے رکنا بھی چاہا تھا لیکن اس نے مودت سے کہہ کر انہیں بھی گھر بھیج دیا تھا۔

سب کے جانے کے بعد اس نے ہولے سے آنکھیں موند لیں۔ جسے وہ زندگی کہتا ہی نہیں سمجھتا بھی تھا اس کا رویہ اسے کھل رہا تھا۔ بچی کے ساتھ مصروف تھی گویا میرا ہونا یا نہ ہونا اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آسائشات مہیا کرنے کا ذریعہ تھا دل نے فوراً تائید کی۔

"نہ اسے محبت ہے نہ لگاؤ نہ انسیت صرف ضرورت کا رشتہ جیسے دو اجنبی اپنی ضرورت کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ سمجھوتہ کرتے ہیں......"

"لیکن اسے تو مجھ سے محبت تھی، اس نے تو میرے بنا نہ جینے کا عہد کیا تھا، وہ تو کہتی تھی کہ تم میری آنکھوں کی روشنی ہو۔ جب تک تمہیں نہ دیکھوں مجھے دن کا یقین نہیں آتا، وہ جو کہتی تھی کہ میرے بغیر زندگی یونہی ہے جیسے بغیر سانسوں کے مورتی، جیسے بغیر مورتی کے مندر جیسے بغیر پجاری کے دیوتا۔ اسے تو اڑ کے آنا چاہیے تھا اور وہ سن کے

بھی نہیں آئی۔ تو وہ سب کیا تھا محض ایک ڈرامہ ڈھکوسلہ یا پھر مسکہ بازی۔" اس نے خود سے سوال کیا؟ اس کے لیے ضرورت کا کھیل تھا اور وہ بڑی کامیابی سے یہ کھیل کھیل رہی تھی۔ اور حد تو یہ ہے کہ وہ تلخی سے بڑبڑایا۔

"میں نے کہا نا سو جاؤ......" مودت نے ڈانٹا۔

"یار نیند نہیں آ رہی۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"مجھے معلوم ہے تجھے بھابی کا رویہ دکھ دے رہا ہے لیکن ہوسکتا ہے وہ واقعی مصروف ہوں آ جائیں گی صبح ہوتے ہی۔ آخر وہ تم سے محبت کرتی ہیں......" نجانے کیوں وہ محبت کے نام پر آنکھیں موند گیا تھا۔

"ڈاکٹر کب تک مجھے ڈسچارج کیا جائے گا۔" چیک اپ کے لیے آئے ڈاکٹر سے اس نے پوچھا۔

"جیسے ہی پٹی کھلے گی آپ ڈسچارج کر دیئے جائیں گے۔"

"لیکن میں ابھی ڈسچارج ہونا چاہتا ہوں۔ میرا یہاں دل گھبراتا ہے یوں لگتا ہے جیسے میں کسی قبرستان میں پڑا ہوں جہاں ہر طرف سفید کفنوں میں لپٹے ہوئے مردے پڑے ہیں اور میں ان کے درمیان نیم مردہ ہوں جو نہ تو زندوں میں ہوں اور نہ مردوں میں۔"

"فکر نہ کریں آپ جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔" ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں تسلی دی اور آگے بڑھ گیا اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے کسی نہ کسی طرح یہاں سے نکلنا ہے۔

اس نے مودت سے بات کی تو وہ ہتھے سے اکھڑ گیا لیکن اس کی ضد منت سماجت سے ہار کر بمشکل ڈسچارج سلپ بنوا کر لایا تھا۔

"اب کہاں جانا ہے۔" اسے گاڑی میں بٹھا کر مودت نے پوچھا۔

"تمہارے گھر......"

"میرے گھر...... مگر کیوں؟" اس نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تم لے کر چلتے ہو تو ٹھیک ورنہ مجھے یہیں اتار کر جا سکتے ہو۔" تیزی سے ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"یار یہ کیا ضد ہے۔" وہ جھلایا۔ اس نے گیئر بدلا تھوڑی دیر میں وہ مودت کے گھر موجود تھے۔

❀......❀......❀......❀

"حیرت ہے کہ تمہارا شوہر اسپتال میں ہے اور تمہیں اتنی فرصت نہیں کہ اسے جا کے دیکھ آؤ۔" آج اپنی بہو کو گھیرا۔

"میں اس کو سنبھالوں کہ اسپتال کے چکر لگاؤں۔"

"بچی کو میں دیکھ لوں گی تم جاؤ۔ ورنہ تمہیں پتہ ہے نا......"

"لیکن مجھے اسپتال نہیں جانا۔" ادویات کی بو سے مجھے الرجی ہے اور وہاں تو......"

"گویا اسپتال جانا ہی نہیں چاہتی۔" وہ خاموش رہی لیکن انہیں یہ ڈور ساتھ نبھاتی نظر نہیں آ رہی تھی یک دم کسی سوچ نے سر اٹھایا مگر انہوں نے سر جھٹکا گویا اس سوچ کو جھٹکنے کی کوشش کی شاید اب انہیں مکافات عمل کا سامنا کرنا تھا۔ شام کو اسپتال گئی تو وہ غائب تھا۔

"نرس یہاں کا مریض کہاں ہے؟"

"وہ کل ہی ڈسچارج ہو گیا تھا۔"

"کیا پٹی کھل چکی تھی؟"

"نہیں۔"

"تو پھر اسے ڈسچارج کیوں کیا گیا؟"

"ڈاکٹر تو راضی نہیں تھے لیکن مریض نے بہت اصرار کیا تھا اس لیے مجبوراً انہیں ڈسچارج کرنا پڑا۔"

❀......❀......❀......❀

"یار یہ کیا بیوقوفی ہے۔"

"کون سی والی؟" سمجھ کر بھی انجان بنا۔

"زبردستی ڈسچارج ہو کر تم مودت کے گھر جا بیٹھے ہو ابھی پٹی کھلنے میں اتنے دن پڑے ہیں۔"

"جب کسی کو میری پروا ہی نہیں تو پھر میں اسپتال میں پڑا رہوں یا کسی کے گھر کیا فرق پڑتا ہے۔"

"سب کو تو ہے تمہاری پروا۔ آج امی گئی تو تھیں

اسپتال۔“ اس نے کڑے انداز میں کہا۔

”لیکن تم تو نہیں آئی نہ۔“ وہ بھی شکوہ کرنے سے باز نہ آیا۔

”میرے آنے نہ آنے سے آپ کو کیا فرق پڑتا تھا۔“ یہ سن کر نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں بھر آئیں اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

❁.......❁.......❁.......❁

”مجھے آج ذرا شہر سے باہر جانا ہے اس لیے شام کو لیٹ آؤں گا۔ مالی بابا ہیں یہاں جس چیز کی ضرورت ہو انہیں بتا دینا۔“ مودت نے کہا۔

صبح سے شام اور پھر رات ہوگئی۔ مودت کو نہ آنا تھا نہ آیا۔ مالی بابا صبح سے شام تک تین چار مرتبہ کھانے کا پوچھ چکے تھے لیکن اس نے ہر دفعہ کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ رات کے دس بج رہے تھے کمرے میں وہ اکیلا تھا اور اس کے ساتھ اس کی زہریلی سوچیں۔

کیا وہ اتنی بے حس ہوگئی تھی کہ میرے ساتھ انسانیت کا رشتہ بھی ختم کر لیا۔ مجھے اس نے چیونٹی سے بھی زیادہ حقیر سمجھا۔ جس کا مرنا نہ مرنا انسان کے لیے برابر ہو۔ میں نے کتنے قیمتی پل اور بے لاگ جذبے اس پر لٹائے اور اس نے میرے جذبوں کا خون کر دیا‘ وہ تو مجھے بدلے ہوئے مقدر کا نام دیتی تھی‘ اس نے تو میرے ساتھ ہر کٹھن وقت نبھانے کا عہد کیا تھا‘ کیا اس کے عہد میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ کیا وہ اپنے مسیحا کو بھول چکی ہے۔ حالانکہ اسے اچھی طرح پتہ ہے کہ اس وقت میں مودت کی طرف ہوں مگر اس نے خود آنا تو درکنار مجھے گھر آنے کے لیے بھی نہیں کہا۔

”تم اسے محبت بھرا گھر کہتے ہو مجھے تو ہر طرف غرض ہی غرض نظر آرہی ہے۔ غرض بھرے رویے‘ غرض بھری چاہتیں‘ طلب ہی طلب ہے ہر طرف‘ یہاں پر بندہ انسان کو انسانیت کے پلڑے میں نہیں تولتا بلکہ انسانیت کی پیمائش غرض کے پلڑے میں رکھ کر کی جاتی ہے۔ غرض کا پلڑا جھک جاتا ہے اور غرض کو اللہ مان لیا جاتا ہے۔ محبتیں ہم جیسے لوگوں کو کہاں نصیب۔ وہ گھر جنت ہے جہاں محبت اپنا ڈیرہ جماتی ہے۔ اس جنت نما گھر میں رہنے والے لوگ فرشتے ہیں۔“

تب یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی تب وہ خود کب انسان تھا۔ وہ غرض کا بندہ تھا اور آج جب انا کا بت چور چور ہوا تو وہ تجھے نظر آنے لگی۔ ضمیر نے اسے کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔

”جب وہ تیرے گھر آئی تھی تب تُو نے اسے اس کی نگاہوں میں حقیر کر دیا۔ اپنی ذات کی ساری کثافت اس پر انڈیل دی۔ تُو نے اس معصوم کا دل دکھایا‘ کوئی غیر تو نہیں تھی تیرا اپنا خون تھی۔ بچپن اور جوانی اکٹھے گزری تھی‘ وہ ایک پل میں جان گئی اور تُو نے اپنے ہی لوگوں کو جاننے کے لیے اتنے سال لگا دیئے۔“ گویا اس نے ضمیر کی آواز کو دبانے کی کوشش کی۔

”ابھی تک مودت نہیں آیا۔“ گھڑی کی طرف دیکھا جو رات کے بارہ بجا رہی تھی۔ دن اور شام تو مختلف سوچوں کی نذر ہوگئے مگر اب گہری تاریکی نے اپنے پر پھیلائے تنہائی اور اداسی جان کو آگئیں۔ تبھی مالی بابا کھانا لے کر اندر داخل ہوئے تھوڑا سا کھانا زہر مار کیا اس کے بعد گرم قہوہ پیا۔

”تم کہاں جا رہے ہو؟“

”صاحب برتن رکھ آؤں پھر یہیں آ کر لیٹ جاتا ہوں۔“ تھوڑی دیر میں مالی بابا واپس آ گئے۔

”یہاں سو جاؤ۔“ اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں صاحب ہم غریبوں کے لیے زمین ہی بہتر ہے۔“ آرام سے میٹرس بچھایا اور ڈھیر ہوگیا۔ پتہ نہیں باتیں کرتے کرتے کتنا ٹائم گزر گیا۔ مالی بابا ہوں ہاں کرکے لحموں میں غافل ہوگئے۔

پیاس لگی تھی۔ اس نے ایک دو دفعہ مالی بابا کو آواز بھی دی لیکن وہ تو بے خبر سو رہے تھے۔ پیاس تھی کہ برداشت سے باہر تھی۔ آخر خود ہی اس نے ہمت کرنے کی کوشش کی۔ دو تین ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ تپائی پر جگ اور گلاس رکھا ہوا تھا۔ گھسیٹ گھسیٹ کر بیڈ کی پٹی تک آیا۔ اتنی سی جدوجہد نے اس کا پسینے سے برا حال کر دیا تھا۔ درد کی ایک شدید لہر

اٹھی اور پورے جسم میں پھیل گئی۔ ہاتھ بڑھا کر گلاس پکڑا اور بائیں ہاتھ سے جگ سے پانی انڈیلنا چاہا مارے درد کے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا جگ گلاس دونوں چھوٹ کر زمین پر جا گرے اور چکنا چور ہو گئے وہ جو خود کو سنبھالنے کے چکروں میں تھا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ دھڑام سے زمین پر گر گیا۔ شیشہ اس کے ہاتھ میں گڑھ گیا اور ہتھیلی لہولہان ہو گئی جبکہ سر میز کے پائے سے ٹکرانے کی وجہ سے ہزار ٹکڑوں میں تبدیل ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ لمحوں میں اس کے محسوسات نے خاموشی کی چادر اوڑھ لی۔ جب کہ فرش پر جا بجا خون کی لکیریں بکھرنے لگیں تھیں۔ مالی بابا شور کی آواز پر گھبرا کر اٹھے اور باہر کی جانب گئے۔

''بیگم صاحبہ۔'' وہ چلایا۔

''کیا ہوا؟''

''وہ جی چھوٹے سرکار کے دوست گر گئے ہیں اور ان کی ہتھیلیاں اور سر بری طرح زخمی ہے۔''

''ڈرائیور جلدی سے گاڑی نکالو۔'' اور خود مردان خانے کی طرف دوڑیں جہاں حسن زخمی حالت میں بے ہوش پڑا تھا۔

❁......❁......❁......❁
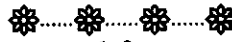
درد کی وجہ سے اس کا سارا جسم اکڑا ہوا تھا۔ منہ کے بل گرنے کی وجہ سے زخموں کے منہ کھل گئے تھے۔ سر اور جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہے تھے ڈاکٹرز نے اس کی ہتھیلیوں سے شیشے کے ٹکڑے چن چن کر نکالے اتنے میں مودت بھی آ گیا تھا وہ گھر پہنچا ہی تھا جب اسے اطلاع ملی تھی۔ اور اب وہ مسز ذوالفقار کے روبرو تھا۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر ڈسچارج کروانے کی؟''

''وہ یہاں رکنے پر بھی تو تیار نہیں تھا۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''اگر اسے گھر جانا ہی تھا تو اپنے گھر جاتا۔'' وہ چپ ہی رہا۔ لیکن جب حسن کی حالت دیکھی تو اسے واقعی اپنے اقدام پر پچھتاوا ہوا۔

❁......❁......❁......❁

''تم یہاں رکو میں ابھی آتی ہوں۔'' مودت کی والدہ نے ڈرائیور کو باہر ہی کھڑے رہنے کو کہا۔

''جی بیگم صاحبہ۔'' شرف الدین نے حکم کی تعمیل کی۔ سفید گیٹ پر آ کر انہوں نے بیل بجائی۔

''جی کس سے ملنا ہے؟'' ایک چھوٹے بچے نے دروازہ کھول کر پوچھا۔

''حسن کی والدہ سے۔'' وہ گڈو کی راہنمائی میں لاؤنج میں آئیں۔ تو ایک پل کو حیرت زدہ رہ گئیں' لاؤنج میں تو رنگوں کا میلا اترا ہوا تھا۔ ڈیک فل آواز میں بج رہا تھا کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

''لگتا ہے کسی کو یہاں معلوم ہی نہیں اس کے بارے میں۔'' سوچ کر رہ گئیں۔

ماں بھی انہی ہنگاموں کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ جب ان پر نظر پڑی تو سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دعا سلام کے بعد وہ صوفے پر جا ٹکیں۔

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟''

''آپ ہی سے۔''

''کہیے؟''

''میں آپ کو اطلاع دینے آئی تھی کہ آپ کا بیٹا انتہائی شدید تکلیف کی حالت میں اسپتال میں زیر علاج ہے۔''

''جی ہمیں معلوم ہے۔'' مسز ذوالفقار ماں اور بیوی کے اطمینان پر حیرت زدہ ہوئیں۔

''تو پھر یہ بے حسی کیوں۔''

''کون سی؟'' انجان پن سے پوچھا۔

''یہ بے حسی نہیں تو اور کیا ہے جوان بیٹا بستر مرگ پر پڑا ہے بیوی اور ماں کو خبر ہی نہیں۔ بجائے اس کے کہ گھر میں محفل قرآن خوانی کا اہتمام ہو۔ یہاں فل آواز میں ڈیک بجائے جا رہے ہیں۔''

''وہ زندہ ہے ابھی مر نہیں گیا کہ ہم اس کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام کریں۔'' ایک منہ چڑھی لڑکی جھٹ سے بولی۔

"قرآن شفاء ہے، مردوں کی بخشش کرواتا ہے اور زندوں کو شفاء دیتا ہے۔لیکن اس کی اہمیت سے بے بہرہ لوگ اس کی اہمیت کیا جانیں۔" وہ بھی تلخ ہوئیں۔
"بہرحال میرے بیٹے نے دوستی کا حق نبھاتے ہوئے کافی حق ادا کیا ہے اب آگے کی ذمہ داری آپ کی ہے۔یہی کہنے آئی تھی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں ان لوگوں کی بے حسی نے انہیں بہت دکھ دیا تھا۔

آخر دنیا دکھاوے کے طور پر اس نے بھی اسپتال میں قدم رکھ دیا۔جونہی حسن کی نظر اس پر پڑی اس نے منہ پھیر لیا۔دکھ اور کرب کی ایک لہر تھی جو پورے وجود میں سرایت کر گئی لیکن وہ آگے بڑھ کر خیریت دریافت کرنے کے بجائے دس منٹ رک کر واپس چلی گئی۔ایک دفعہ پھر احساس تذلیل نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔احساس زیاں عود کر آیا کہ ایک لفظ بھی منہ سے نکالنا گوارہ نہ کیا۔ شوہر کے سر میں درد ہو تو بیوی تڑپ اٹھتی ہے اور یہاں پورا جسم زخموں سے چور اور درد سے بے حال تھا اور بیوی کو اس کی پروا نہیں تھی اسے اب یہ ضرورت کا رشتہ بھی ختم ہوتا نظر آرہا تھا۔

❁......❁......❁......❁
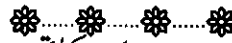
آج پورے دو ماہ بعد اس کی پٹی کھلی تھی۔حسن کو اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔
"ڈاکٹر صاحب کوئی خطرے والی بات تو نہیں۔" مودت نے ڈاکٹر سے پوچھا۔
"بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ گرنے کی وجہ سے دائیں ٹانگ پر زیادہ دباؤ آ گیا تھا جس کی وجہ سے ہڈی اپنی جگہ سے کھسک چکی ہے اور جوڑ غلط بیٹھ گیا۔البتہ بائیں ٹانگ بالکل ٹھیک ہے۔"
"اب کیا ہو سکتا ہے۔" وہ فکر مندی سے گویا ہوا۔
"آخری حل یہی ہے کہ ان کا دوبارہ آپریشن کیا جائے اور ہڈی سے جوڑ ملایا جائے مگر.....؟"
"مگر کیا.....؟"
"بلڈ کا انتظام آپ کو خود کرنا پڑے گا۔"

"انتظام ہو جائے گا۔" لیکن مودت کی بھاگ دوڑ کا نتیجہ صفر رہا۔
"یار تمہارا اور بھابی کا بلڈ گروپ تو ایک ہے۔"
"لیکن....."
لیکن کیا یار....."
"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔"
"کرلو۔" وہ ہار کر بولا۔مودت نے فون کیا۔بہو کو لے کر اسپتال پہنچیں۔مارے باندھے اسے بھی اسپتال آنا پڑا۔
"بھابی حسن کو بلڈ کی ضرورت ہے۔کیونکہ ہڈی غلط بیٹھنے کی وجہ سے دوبارہ آپریشن ہوگا۔میں نے بہت زیادہ بھاگ دوڑ کی مگر....." بڑی آس سے اسے دیکھا۔"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ کا بلڈ اس سے میچ کرتا ہے۔"
"لیکن میں حسن کو اپنا خون نہیں دے رہی۔" اس کا رویہ بیگانہ اور لہجہ تلخ تھا۔
"لیکن کیوں؟ آپ نے اس سے محبت کی تھی۔"
"یہی تو سب سے بڑی بھول ہوئی مجھ سے.....بس مودت....." اس کے کچھ کہنے کو پھڑ پھڑاتے لب دیکھ کر حسن نے اسے چپ کرا دیا۔ڈاکٹر اور مودت کی ہر کوشش ناکام ہوتی چلی گئی۔
وہ خود پر نازاں تھا۔جو خود کو پتھریلی چٹان سمجھتا تھا۔ جسے اپنی تیز رفتاری پر ناز تھا آج وہیل چیئر کا محتاج ہو گیا تھا۔اس کے لہو کی گرمی شاید ایکسیڈنٹ کے ساتھ ہی بہہ گئی تھی۔شاید اس کا امتحان شروع ہو چکا تھا، جس میں وہ اکیلا تھا ہر کوئی اسے چھوڑ چکا تھا، درد کے موسم میں ہمیشہ اپنے یاد آتے ہیں۔کیا وہ اس کے خون میں سرایت کر گئی تھی۔وہ لہو جو سڑک کے کنارے بکھر گیا تھا یا پھر وہ لہو جو اس کے جسم میں دوڑ رہا تھا۔وہ واقعی اس کے لہو میں سرایت کر گئی تھی۔ بہرحال اس حادثے نے اس سے اپنے چھین لیے تھے۔ صرف دو چیزیں عطا کی تھیں۔ایک معذوری اور دوسری وہ جسے وہ چاہ کر بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا لیکن سوچ رہا تھا، ہر پل ہر لمحہ۔جب بھی زندگی کوئی نیا چرکہ لگاتی وہ اسے بری

طرح یاد آتی۔ اتنا کہ وہ اذیت سے سر پٹخنے لگ جاتا۔

❀......❀......❀......❀

اب اس معذوری کے ہمراہ ایک تلخ زندگی اس کی منتظر تھی جہاں اپنوں میں رہ کر بھی کوئی اس کا اپنا نہ تھا۔ ناشتہ لا کر اس کے سامنے رکھا۔ ایک جلا ہوا توس اور آدھا گلاس دودھ۔ غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گیا۔ کہا تو صرف اتنا کہ
''واپس لے جاؤ۔''
''اب کھا کیوں نہیں رہے۔''
''مجھے بھوک نہیں ہے۔''
''آنکھ کھلنے کے ساتھ ہی شور مچایا ہوا تھا۔ ناشتہ ناشتہ اب لے کر آئی ہوں تو صاحب بہادر کے مزاج نہیں مل رہے۔''
''تب سے اب تک کا ٹائم نوٹ کرلو۔ صبح سات بجے کا کہا ہوا ہے اب بارہ بج رہے ہیں۔''
''کیا کروں' بچی سنبھالوں' گھر دیکھوں یا مریض۔''
''صبح جلدی اٹھ جایا کرو۔'' وہ رسان سے گویا ہوا۔
''دس بجے تو اٹھ گئی تھی اور کتنی جلدی اٹھوں۔'' وہ اکتائی۔
''سارا دن ویسے بھی نیند پوری نہیں ہوتی۔''
''رات کو ٹی وی کم دیکھا کرو۔''
''اب تمہاری وجہ سے اپنی عادتیں تو بدلنے سے رہی۔''
''کوشش کروگی تو......''
''ناشتہ کرنا ہے تو کرو۔ وعظ نہیں۔'' ٹرے اٹھائی اور کچن میں لا کر پٹخ دی۔ جلا ہوا توس اٹھایا اور منہ میں ڈال لیا۔ زمانے بھر کی کڑواہٹ حلق میں اتر گئی۔
''آخ تھوں۔'' باقی توس ایک طرف کیا اور دودھ کا گلاس منہ کو لگایا۔ بچی اٹھائی اور لاؤنج میں گھس گئی۔
''سارا دن بھوکا رہا تھا۔ رات کو ساڑھے دس بجے کے قریب بیڈ روم میں آیا لیکن بھوک کے مارے نیند آ کے نہیں دے رہی تھی۔ دوسرے بے ہنگم میوزک نے ناک میں دم کردیا تھا۔
''بند کرو یہ شور شرابا سونا ہے مجھے۔'' وہ چلایا۔
''کروٹ بدلو اور سو جاؤ روکا کس نے ہے۔'' اس نے رکھائی سے کہا۔
''اچھا اگر اسے بند نہیں کرنا تو کم از کم آواز ہی آہستہ کرلو۔ تھوڑی دیر کے لیے لائیٹ آف کردو۔ جب میں سو جاؤں تو آن کرلینا۔'' لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آخر اس نے خود ہی کروٹ بدلی لیکن شور شرابے نے نیند آنے نہ دی۔
''اب بس کرو سو جاؤ صبح تم سے اٹھا نہیں جائے گا۔'' وہ جھنجھلایا۔
''نہ اٹھا جائے میں نے کوئی ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا صبح جلدی اٹھنے کا۔''
''اپنا نہیں تو کم سے کم میرا ہی خیال کرلو۔ مریض ہوں میں۔''
''تو میں کیا کروں۔'' اس کا جی اکتانے لگا تھا اس زندگی سے۔ وہ تو ہنگامہ خیز زندگی کا عادی تھا۔ زندگی تو اس کے پیچھے پیچھے دوڑا کرتی تھی اور وہ شہزادوں کی طرح بڑی آن بان سے کھیلتا آیا تھا۔ زندگی کے ہنگاموں کا دل دادہ تھا۔
زندگی کی شدت پسندی کا تو اندازہ ہی نہیں تھا۔ کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو کیا خبر کہ ڈوبنے والے پر کیا گزری ہے بالکل اسی طرح جیسے خزاں رسیدہ پتے کے درخت سے بچھڑنے کے غم سے بعد میں پھوٹنے والی کونپل انجان ہوتی ہے۔ کبھی بھی خیال نہیں آیا تھا کہ جن حادثوں کو وہ انجوائے کرنے کا عادی ہے وہ اسے بے بس و لاچار بنا دیں گے۔ مگر اب زندگی نے ہر حقیقت کھول کر رکھ دی تھی۔ ماں نے صرف اذیت سہی تھی جنم دینے کی۔ پھر وہ بھول گئی کہ گوشت کا وہ لوتھڑا جو اس کے جسم سے جدا ہوا تھا وہ صرف لوتھڑا نہیں تھا بلکہ زندہ وجاوید احساسات کا مالک تھا۔
بھائی تو وہ تھا جو بستر مرگ پر پڑے بھائی کو کھڑے کھڑے دیکھنے نہیں آیا تھا۔ بہنیں مجبور تھیں کیونکہ دوسروں

کے رحم وکرم پر تھیں۔ کچھ خود ان کی تربیت ہی ایسے ہوئی انسان کے بچوں کو پتھر بن کر جینے کی تربیت۔

❀......❀......❀......❀

''یہ کیا ہے؟'' اس نے سامنے بڑے کاغذات کو دیکھا۔

''تقرری کے آرڈر مبارک ہوں۔ ٹیچر سے پروفیسر بن چکی ہے میری بہن لیکن......''

''لیکن کیا؟''

''یہ تقرری کہاں ہوئی ہے یعنی عارف والا سے ساہیوال۔'' علی چہکا۔

''مگر میں ساہیوال نہیں جارہی۔''

''یار یہ تو تمہارا خواب ہے۔ اب کیوں اس سے دست بردار ہورہی ہو۔''

''میں بھی تم سے اتنی دور نہیں رہ رہی ہوں۔''

''کوئی دوری نہیں یہ ذرا سا فاصلہ ہے۔ عارف والا اور ساہیوال کا۔'' شام تک پورے گھر میں خبر پھیل چکی تھی کہ جوائننگ نہیں کرنا چاہ رہی۔ ہر کوئی اسے سمجھا رہا تھا۔

''ابھی پانچ دن ہیں جوائننگ میں۔ تم اچھی طرح سوچ لو جو تم چاہو گی وہی ہوگا۔'' بابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ خاموش ہوگئی۔ کتنا انتظار کیا تھا اس نے اس وقت کا اور آج جب یہ موقع آیا تو وہ اس کو رد کررہی تھی۔ لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو اس شہر اور اس کے مکینوں سے بے انتہا نفرت کرتا تھا۔ اس شہر سے بڑا دھچکا لگا تھا۔ کتنے ظالم تھے اس کے رہنے والے۔

وہاں اس کو بازاری ٹائپ لڑکی سمجھا گیا تھا۔ جس گھر میں تقریباً اس کا آدھے سے زیادہ بچپن اور جوانی کے حسین لمحے بڑی خوشی کے عالم میں گزرے تھے۔ وہاں ہی اس کے دل کے ٹکڑے کردیے گئے تھے۔ وہ رشتے کا کیا پاس رکھتا۔ اس نے تو انسانیت کا پاس بھی نہیں رکھا تھا۔ کیا کسی کا چند لمحوں کا ساتھ کسی کی بیس سالہ رفاقت پر بھاری ہوسکتا ہے یا خون کو پانی میں تبدیل کرسکتا ہے۔ اس کی بے اعتنائی کا تو دکھ تھا دل پر کاری وار لگا تھا۔ لیکن ایک شخص کی وجہ سے وہ اتنے سارے لوگوں کو کس بل بوتے پر خوشی سے محروم کرتی' یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس مقام تک پہنچنے کے لیے اس سے بڑھ کر اس کا ساتھ دیا تھا۔ وہ تو محض کام کرتی۔ وہ اس کے لیے دعائیں کرتے' چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے' اس نے فیصلے پر پہنچ کر دم لیا۔

''میں جوائن کروں گی۔'' صبح اٹھتے ہی یہ کہہ کر اس نے پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑا دی۔

''کل جوائن کرنا ہے......اس لیے سب تیاری میں میری مدد کریں۔''

''یاہو۔'' سب ہی اس کی مدد کے لیے تیار تھے۔

''آج ہم سب ہی اس کے کمرے میں سوئیں گے۔''

''اچھا جب تک تم نہا لو میں چائے لے آؤں۔'' کچن میں گھس گئی۔ جب تک وہ نہا کر باہر نکلی تو شرمین چائے کے ساتھ پکوڑوں کا انتظام بھی کررہی تھی۔ شرمین نے مگ اور پکوڑوں بھری پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ تو وہ خاموشی سے لے کر سیڑھیوں پر جا بیٹھی جہاں نرم دھوپ جسم کو گدگدا رہی تھی۔

❀......❀......❀......❀

گاڑی ساہیوال کے اڈے پر رکی تو اذیت کی ایک لہر اس کے رگ وپے میں سرایت کرگئی۔ زہر اس کی نس نس میں اترنے لگا تھا جب ہی اس کی نگاہ بائیں طرف اٹھی تو قیامت ہوگئی۔ یک دم اس نے نگاہ پھیر لی تھی۔ پھر بے ساختہ اس کی گاڑی کو زن سے نکلتے دیکھا تھا۔

''الٰہی خیر۔'' دل پر ہاتھ رکھا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد گاڑی اڈے سے نکلی اور جائے حادثے پر جا پہنچی۔ مسافروں کی دیکھا دیکھی وہ بھی بس سے نیچے اتر آئی۔ کوئی نوجوان تھا جو زخمی حالت میں خون میں لت پت پڑا تھا۔ کوئی بھی اس کا پرسان حال نہ تھا۔ انسانیت اتنی ارزاں تھی کہ کوئی بھی اس کی مدد کو نہیں آرہا تھا۔ آخر انسانی ہمدردی کے تحت وہ ہی آگے بڑھی۔ کچھ لوگ بھی آگے بڑھے مشکل سے سیدھا کیا تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس کی شوویدہ سری رنگ لے آئی

تھی، باقی یہ سب کیسے ہوا وہ انجان تھی کوئی غیبی طاقت تھی جس نے ہمت کرنے پر مجبور کیا تھا۔ نجانے کیوں وہ اس ظالم شخص کو لے کر اسپتال دوڑی خون دیا اور باہر نکل آئی۔

❁.......❁.......❁.......❁

وہ وسیع و عریض کالج میں کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میڈم بھی آگئیں۔

''آیئے میں آپ کو اسٹاف سے ملواؤں۔'' وہ ان کے ہم قدم ہولی۔

''ڈیئر پروفیسرز یہ ہماری کالج کی نئی پروفیسر ہیں۔ فلک ناز صاحبہ۔ امید ہے کہ ہمارا ٹیم ورک پہلے سے بہتر ہوگا اور ہمیں ان کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔'' سارے اسٹاف نے کھلے دل سے اس کا استقبال کیا۔

''آپ کو فی الحال اپنی رہائش گاہ کا انتظام کرنا ہوگا کیونکہ تین چار ماہ کے لیے تعمیراتی کام چل رہا ہے کالج میں پلیز۔'' اس کے کچھ کہنے کو پھڑ پھڑاتے لب دیکھ کر میڈم بولی۔

''جب تک تعمیرات کام چل رہا ہے میرا گھر حاضر ہے۔'' میڈم زریاب آفندی انتہائی خلوص سے بولیں۔ اجنبی لوگوں میں وہ متامل ہوئی۔ اچھا یہی تھا گھر سے کسی کو لے کر آجاتی۔ لیکن کس کو؟ سب تو مصروف تھے ویسے بھی یہ اس کا اپنا ماننا تھا کہ ہر بندہ اپنی راہ خود منتخب کرے اور خود ہی جدوجہد کرے۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' اس کے فون پر زلیخا پریشان سی ہوگئیں تو اس نے تمام صورت حال سے انہیں آگاہ کردیا۔

''میرا خیال ہے میڈم کا گھر رہنے دو اور ماموں کی طرف چلی جاؤ۔''

''لیکن امی......'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔ دو تین ماہ کی بات ہے، مجبوری ہے سمجھوتہ کرلو۔ میں تمہاری مامی کو فون کردیتی ہوں۔'' انہوں نے بغیر کچھ کہے فون بند کردیا تھا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی دس منٹ بعد مامی بمع ڈرائیور موجود تھیں۔

میڈم بھی مطمئن ہوچکی تھی لیکن اس کے اندر کا اضطراب بڑھ گیا تھا۔ اس نے اس گھر سے نکلتے وقت قسم کھائی تھی کبھی بھی کسی بھی مجبوری کے تحت اس در پر نہیں آئے گی لیکن ہر بار کی طرح اس کے ساتھ الٹ ہوا اور آج وہ اس دہلیز پر کھڑی تھی جس پر کبھی نہ آنے کا عہد کرچکی تھی۔

''ارے باجی آپ۔'' اس پر نظر پڑتے ہی گڈو کھل اٹھا وہ بھی اوپری دل سے مسکرائی۔ ایک اوپری مسکراہٹ مجبوری کا سودا کتنا ناگزیر ہوجاتا ہے بعض اوقات۔

''یہ تمہارا کمرہ۔'' سیڑھیاں چڑھ کر سب سے پہلے کمرے کا دروازہ کھولا۔ بو کا ایک ناگوار سا جھونکا ناک سے ٹکرایا۔ بے اختیار سانس روک لی۔ اسے یوں لگا جیسے زمانے بھر کی غلاظت سانسوں میں اتر گئی ہو۔

''ابھی باہر آجاؤ۔ تازہ ہوا اندر جائے گی تو ماحول کچھ بہتر ہوجائے گا۔'' شرمندگی مٹانے کو بولی۔

''یہ تمہاری ماں کیا ایروں غیروں کو گھر میں گھسائے جارہی ہے یہ میرا گھر ہے کوئی سرائے نہیں۔ ہر ایک منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔'' ابھی وہ کمرہ صاف کرکے ہی ہٹی تھی جب اس نے شور سنا۔

❁.......❁.......❁.......❁

آج چھٹی کا دن تھا۔ دیر سے اس کی آنکھ کھلی تھی اب سر بھاری ہورہا تھا۔ کسلمندی کے مارے اٹھا نہیں جارہا تھا۔ رات بھی وہ دیر سے سوئی تھی۔ گھڑی کی طرف دیکھا تو نو بج رہے تھے بامشکل آنکھیں جھپکتی اٹھی۔ کیتلی میں پانی ڈالا اور اسٹوو کے پاس آگئی۔ تیلی جلائی تو ٹھس ہوگئی کیونکہ گیس ختم ہوچکی تھی۔

''گڈو سے گرم گرم چائے منگواتی ہوں۔'' یہی سوچ کر وہ نیچے اتر آئی۔ وہ سامنے صحن میں بیٹھا ناشتہ کررہا تھا۔ یک دم شرمندہ ہوگیا۔ جلدی سے جلا ہوا توس منہ میں رکھا اور گرم چائے کا زہر بھرا گھونٹ لیا۔ وہ تنفر سے سر جھٹک کر رہ گئی۔ یہ اس شخص کا بویا ہوا تھا جو اس کے آگے آرہا تھا۔

''سلام باجی......'' گڈو نے خوش دلی سے سلام

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

جھاڑا۔

"میرا ایک کام کردو۔" وہ سلام کا جواب دیتی ہوئی کہنے لگی۔

"کیا باجی؟"

"ذرا اچھی سی چائے تو......"

"یہ میرا ملازم ہے تمہارا نہیں۔" وہ بھونچکا رہ گئی۔

"بے شک یہ تمہارا ملازم ہے۔ مگر میں تمہاری ملازمہ نہیں۔ اس لیے مجھ سے مخاطب ہونے سے پہلے اپنے لہجے کو نارمل رکھا کرو۔"

"واہ...... میرے گھر میں مجھ پر حکمرانی۔" تیکھے چتونوں سے گھورا۔

"یہ گھر تمہارا صرف اس وجہ سے ہے کہ تم یہاں ایک شخص کی بیوی ہو باقی کوئی خونی رشتہ نہیں۔ میں اس گھر کی بیٹی کی بیٹی ہوں۔ میری ماں بھی اس گھر کی حصہ دار ہے۔ میں اپنی ماں کے حصے میں رہتی ہوں۔ اس لیے تمہیں پیٹ میں مروڑ نہیں اٹھنے چاہیے۔" بڑا نپا تلا جواب تھا وہ تلملا کر رہ گئی۔

"مسٹر گڈو تم میرا کام کرنا پسند کرو گے یا نہیں۔"

"لایئے میں چائے لا دیتا ہوں۔" اس نے پیسے پکڑاتے دیکھا۔

"تم نے دیکھا اس کا احساس ملکیت۔" وہ سلگی۔

"جیسا تم نے کیا ویسے تمہیں جواب مل گیا زرینہ بیگم میں کیا کرسکتا ہوں۔"

"اس سے کہو یہاں سے چلی جائے۔"

"سنا نہیں وہ کیا کہہ رہی تھی۔"

"اگر تم نہیں نکال سکتے تو میں یہ کام کردیتی ہوں۔"

"پھر جو کچھ تمہیں سننا اور سہنا پڑے وہ تمہاری برداشت حد سے باہر ہوگا۔ کیونکہ وہ مزاج کی کھری زبان کی کھردری اور ہاتھ کی خاصی ہتھ چھٹ ہے اور میں تمہارا ساتھ ہرگز نہیں دوں گا۔" وہ چپ رہ گئی جانتی تھی کہ اس گھر کا اصل مالک کون ہے۔
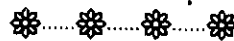
ناشتہ کھانا ٹائم پر اور متوازن نہ ہونے کی وجہ سے اس کی صحت تباہ ہو کر رہ گئی تھی۔ دوسرے خود سے لاپروائی برتنے پر رنگت میں سیاہی گھلتی جارہی تھی۔ وہ جو کپڑے پر معمولی شکن برداشت نہیں کرتا تھا اب کپڑوں کا ہوش نہیں تھا۔ کھانا مل گیا تو کھالیا ورنہ سارا دن بھوک کی نذر ہوجاتا۔ منہ سے کچھ نہیں کہتا تھا' سب کو اس کی حالت نظر آرہی تھی۔ کسی کو اس کی پروا نہیں تھی۔ اسے احساس ہورہا تھا کہ احساس ہی تکمیل انسانیت ہے جس کے اندر احساس نہ ہو اس میں زبردستی احساس پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو خود سے پیدا ہونے والا جذبہ ہے۔ نرم نرم کومل احساسات خریدے یا بیچے نہیں جاسکتے یہ تو عطیہ خداوندی ہیں۔ کھٹکے کی آواز پر سر اٹھایا۔

"یہ کیا تمہاری آنکھوں میں آنسو......" مودت نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں۔"

"یہ تمہارا حلیہ......!" لباس پر نظر پڑی تو جھٹکا لگا۔

"تمہاری حالت اور آنکھوں کی گم ہوتی چمک۔ یہ کیا ہے سب کچھ بھابی کہاں ہیں' کیا انہیں یہ سب نظر نہیں آتا؟ کیا اس کا نام محبت ہے۔ اگر انہیں خود احساس نہیں تو کیا تم بھی نہیں کہہ سکتے۔"

"یہ زبردستی کا سودا تھوڑی ہے۔"

"تف ہے ایسی محبت پر، بھابی کیا یہ صلہ ہے میرے دوست کی محبت کا۔ آج اسے ضرورت ہے تو آپ......" شدت غیض سے مودت سے بولا ہی نہ گیا۔

"کیا یہ وہی شخص ہے جسے اپنے لباس پر ایک معمولی سی شکن پسند نہیں تھی اور آج اس کا یہ لباس جیسے ہفتوں سے تبدیل ہی نہیں کیا ہو۔ کیا یہ رنگت ایسی تھی' کیا یہ کمزور وجود اس کا ہے' کیا آپ ایک اچھی بیوی اور جان سے زیادہ پیاری محبوبہ ہونے کا حق ادا کررہی ہیں۔ ذرا جواب دیجیے؟" ایک پل کو تو وہ بھونچکا رہ گئی مگر پھر جو بولی مودت تو مودت اس کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔

"اپنے دوست سے کہو یہ ڈرامہ بازی چھوڑو۔ میں

نے اس سے شادی اس لیے نہیں کی تھی کہ فاقے میرا مقدر بنیں۔ بہت سہہ لی میں نے بھوک۔ بہت برداشت کر لیے فاقے زدہ دن اب فقط فیصلہ ہوگا۔ تو جو وہ محبت تھی وہ صرف جذباتیت تھی۔ وہ سب ایک ڈرامہ تھا اسے حاصل کرنے کا۔ ورنہ میرے چاہنے والے بہت تھے۔" ذرا حیاء نہیں تھی انداز میں۔

"اس میں ایسی کیا خوبی تھی۔" مودت نے طنزیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"وہ خوبی....." اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ چلا اٹھا۔

"مجھے میری نظروں میں مت گراؤ کہ مجھے خود پر افسوس ہونے لگے اس سے پہلے کہ میں کچھ کر بیٹھوں میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔" وہ پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ وہ ابھی کالج سے لوٹی تھی ادھر ادھر دیکھے بغیر سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"یار بھابی کے علاوہ دوسرا زنانہ وجود کون ہے گھر میں؟" مودت جو باہر دیکھ رہا تھا ماحول بدلنے کو شرارت سے مسکرا کر گویا ہوا۔

"کوئی بھی نہیں۔"

"تمہیں پتہ ہے ناں لڑکیوں کے معاملے میں میری ناک بڑی حساس ہے۔ دور سے ہی ان کی خوشبو سونگھ لیتی ہے۔" "لیکن وہ جوں کا توں بیٹھا تھا۔" چلو چھوڑو کھانا کھاتے ہیں ٹھہرو میں پلیٹس لاتا ہوں۔" کچن میں آیا تو جی مکدر ہو کر رہ گیا۔ جگہ جگہ مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ مصالحوں کے ڈبے کھلے پڑے تھے۔ سنک برتنوں سے اٹا ہوا تھا۔ چولہے پر چائے دودھ کے دھبوں اور لال بیگ نے گند مچایا ہوا تھا۔ اس کا جی متلانے لگا۔ اس نے جلدی سے ریک سے صاف پلیٹیں اٹھائیں اور کمرے میں آ گیا۔

"یار بھابی سے بہتر تھا تو مجھ سے شادی کر لیتا۔ کم از کم یہ دن تو نہ دیکھنے پڑتے۔ مگر انسان کو عقل کب ہوتی ہے۔" روٹیاں پلیٹ میں رکھیں۔ دوسری پلیٹ میں سالن نکالا۔ بڑے دنوں بعد عمدہ کھانا دیکھا تو بھوک چمک اٹھی۔ جی بھر کے کھانا کھایا تو احساس تشکر سے آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ "اب یہ ٹسوے بازی بند کرو اور برتن اٹھوا لینا کہیں ایسا نہ ہو کہ اگلے دن جب آؤں تو یہ یہاں پڑے ہوئے ملیں۔"

❁.......❁.......❁.......❁
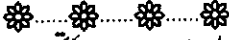
کھانا کھا لینے کے بعد ایسے سوئی تھی کہ جیسے اٹھنے کا ارادہ ہی نہ ہو۔ چیخ و پکار اور شور شرابے سے اس کی نیند خراب ہوئی تھی۔ عصر کا ٹائم ہو رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ریلنگ پر آ گئی صحن میں چھل پہل نظر آئی اتنے میں گڈو بھی آ گیا تھا۔

"باجی صاحب کہہ رہے ہیں آپ نے نیچے نہیں آنا۔ ان کے مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

"میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر اور تمہارے مہمانوں پر۔" کہہ کر کمرے میں چلی آئی۔

آج اس کی رہی سہی امید بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ جو ساس کو امید کی کرن سمجھتا تھا کہ شاید وہی اپنی بیٹی کو سمجھا دیں لیکن اس وقت اس کے گمان کی عمارت اس پر آن پڑی۔ ساس صاحبہ معمول کے مطابق ماتھا اور سر چومنے کی بجائے بڑی بے مروتی سے پاس کرسی پر ٹک گئی۔ ماں کو دیکھ کر اس نے رونا شروع کر دیا۔

"ہائے کملا کر رہ گئی میری بچی۔ اتنی سی عمر میں کیا کیا دکھ دیکھ لیے۔ کیا ملا تجھے منہ زوری دکھا کے۔ کیا ایک سے ایک شاندار رشتہ آیا تھا لیکن تو نے چنا تو یہ ٹٹ پونجیا۔ یہ قابل ہے تیرے۔ اب جب تجھے کھلانے پلانے کا وقت آیا تو ٹانگیں تڑوا کر اپاہج بن بیٹھا۔ سنبھال اس اپاہج کو تمام عمر۔ پس حالات کی چکی میں۔ گزار فاقوں میں زندگی۔" وہ باقاعدہ سینہ کوبی پر اتر آئیں تھیں۔

"بس اماں میں اب ستم برداشت نہیں کرو مجھے نہیں گزارنی یہ مجبور زندگی۔ نکال لیجیے مجھے اس جہنم سے ورنہ ان در و دیوار سے ٹکرا کر میں مر جاؤں گی۔"

"اس لیے تو آئی ہوں۔"

"بڑی اچھی چال چلی ہے تو نے اور تیری بیٹی نے

جب یہ صحیح سلامت تھا اپنی بیٹی کو تر نوالہ بنا کر پیش کردیا۔ بے غیرتی کی ہر حد پھلانگی۔ آج جب اس پر وقت آن پڑا ہے تو نشتر چلانے چلی آئیں اور تو......'' اب ان کی توپوں کا رخ بہو کی طرف تھا۔

''کتنی ذلیل ہے گھر سے بھاگ کر ڈنکے کی چوٹ پر شادی کی۔ اس کا ظرف دیکھ ایک گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کو پناہ دعزت دی، محبوبہ بنایا، بیوی کا رتبہ دیا لیکن تجھے عزت، یہ رتبہ راس نہیں آیا۔ نفس پرستی نے ستایا تو تُو نے اپنا آپ پیش کردیا۔ خود کو اس کے پاؤں کی جوتی بنالیا۔''

''اے زبان کو لگام دے ورنہ......'' سالا چلایا۔

''بس بس میں اپنی بیٹی کو لینے آئی ہوں۔''

''کیوں؟'' حسن نے مصالحت کی کوشش کی مگر وہ علیحدگی کا سوچ کر آئے تھے۔

''بہت کرلیے اس نے فاقے اس گھر میں۔ میں اپنی بچی کو مزید بھوک سے بلکتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔''

''کیا تکلیف ہے اسے یہاں؟'' تیکھے چتونوں سے گھورا۔

''کوئی ایک ہو تو بتاؤں۔ دیکھو کیا حالت ہوگئی ہے میری بچی کی۔ میں اسے ہمیشہ کے لیے لے جانے آئی ہوں۔''

''جب بیٹی بیاہی تھی تب یہ نہیں سوچا تھا کہ کبھی ایسا وقت بھی آسکتا ہے۔''

''میں نے تو بہت کہا تھا مگر یہ مانتی تب ناں۔ اس کے سر پر تو عشق کا بھوت سوار تھا۔ مزید اولاد پیدا کرلی۔ کتنا روکا تھا میں نے کہا تھا تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو مگر......''

''گھر ایک بار بنتے ہیں بار بار نہیں۔'' ہولے سے بولا شاید وہ آخری حد تک مصالحت کی راہ اپنانا چاہتا تھا۔

''بہت پرانا ہوچکا ہے یہ جملہ۔'' ساس بھنائی۔

''یہ کیوں نہیں کہتی کہ نیا شکار پھانس لیا ہے۔''

''ایسا ہے تو ایسا ہی سہی تمہارے بیٹے سے لاکھ درجے بہتر ہے میرا ہونے والا داماد۔ یہاں سے طلاق دلوا کر وہاں کروں گی۔ وہ بڑی دیر سے طلب گار ہے۔ یہ تو تیرا منحوس بیٹا بیچ میں کود پڑا ورنہ تو آج میری بیٹی وہاں راج کررہی ہوتی۔''

''تو اور کیا اماں میری بے وقوفی نے ہی یہ دن دکھائے ہیں۔ ورنہ آج حالات مختلف ہوتے۔'' دونوں ماں بیٹی نے شرم وحیا گھول کر پی لی تھی۔

''میری بیٹی کو طلاق دے۔''

''میں محمد حسن بن بلال محمد زرینہ بنت مظہر کو بقائمی ہوش وحواس طلاق دیتا ہوں۔ نکل جاؤ میرے گھر سے۔''

''ایسے کیسے نکل جائیں تمہارے گھر سے۔ نواسی کو بھی لے کر جارہی ہوں۔'' آگے بڑھ کر بچی کو اٹھالیا۔

پھر وقت کی گرد نے بہت کچھ ڈھانپ لیا وہ جو بیٹی کو اپنی حیات کا سرمایہ سمجھتا تھا وہ بھی ساتھ چلی گئی۔ آخری وقت پیار کرنا چاہا تو معذوری آڑے آگئی۔ بھاگ کر اپنی بیٹی کو پیار بھی نہیں کرسکا۔ جی چاہتا تھا ساری دنیا کو تہس نہس کردے۔ مار مار کر حلیہ بگاڑ لے خود کا۔ وہ خود کو عقل کل سمجھتا آرہا تھا۔ لیکن ہوا کیا وقت نے بہت بڑی شکست اس کے مقدر میں لکھ دی۔ کیسا خود غرض تھا ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھ لینے والا۔ لیکن آج ثابت ہوا تھا کہ اللہ جوڑے خود بناتا ہے جیسا مرد ویسی عورت۔ خود کی مثال اس کے سامنے تھی۔ وہ خود غرض تھا تو وہ اس سے بڑھ کر خود غرض نکلی تھی۔ غرض کا چہرہ بڑا بے رحم ہے۔ کیسا پتھر مارا تھا اس نے محبت کے نام پر اور وہ اپنی عقل فہم وفراست پر بہت ناز تھا، وہ خود کو کھرے کھوٹے کا معیار سمجھتا تھا۔ اس کا خود ساختہ زعم ختم ہوچکا تھا۔ معیار کا بت چکنا چور ہوچکا تھا۔

''بہت جلد تجھے پہچان ہوگی کھرے کھوٹے کی۔''

لیکن وقت اتنی جلدی پانسہ پلٹے گا حیران رہ گیا تھا۔ شام تک ہر بندے نے افسوس کیا پھر اس نے فون اٹھانا ہی چھوڑ دیا آخر بج بج کر بند ہوتا رہا۔

''تم کچھ نہیں کہوگی۔'' فلک ناز بھی سارے معاملے سے آگاہ تھی مگر خاموش تھی یک دم چونکی۔

''کس بارے میں۔''

”اس بارے میں۔“

”اوہ۔“ گہرا سانس بھرا۔

”نہیں۔“

”کیونکہ جس رشتے کی بنیاد غرض ہو وہ کبھی پروان نہیں چڑھتا‘ ایک نہ ایک دن ٹوٹ ہی جاتا ہے۔ فریق اول کہاں تک خود کو سنبھالا دے‘ جب کہ فریق ثانی اس کو کھینچ رہا ہو اور صورت حال یہ ہو کہ رسی اب ٹوٹی کے تب۔ رسی کو تو آخر ٹوٹنا ہی پڑتا ہے۔“ مودت کو معلوم ہوا تو دوڑا چلا آیا۔

”یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ کیا یہ سچ ہے؟“

”بالکل میں نے ہوش وحواس میں طلاق دی ہے۔“

”کیوں؟“

”اب تک کے سارے حالات تمہارے سامنے ہیں۔“

”کہنے سننے کو بچا ہی کیا تھا ویسے بھی کہا وہاں جاتا ہے جہاں کوئی رشتہ باقی ہو ہمارا رشتہ تو اس دن ٹوٹ گیا تھا جس دن میں نے بے یارو مددگار پہلا دن اسپتال میں گزارا تھا۔“

”تف ہے تجھ پر..... وہ ایک گھٹیا اور خودغرض.....“

”بس بس میں خود بھی تو گھٹیا اور خودغرض ہوں اس گھٹیا پن اور غرض نے ایسا پتھر مارا ہے کہ میرے چودہ طبق روشن ہوگئے ہیں۔“

❁......❁......❁......❁

”صاحب کیا سوچ رہے ہیں؟“ گڈو کے پوچھنے پہ بغور اسے دیکھا۔

”یار یہ دنیا اتنی خودغرض کیوں ہے؟“ جواب دینے کے بجائے الٹا پوچھا۔

”دنیا ہے ہی ایسی خودغرض‘ مطلب پرست‘ دوسروں کو کچلنے والی اور چھین لینے والی‘ دکھ دینے والی۔“ حیرت کی انتہا نہ رہی ایک بارہ سال کا بچہ دنیا کی حقیقت کو جان گیا تھا وہ تیس برس میں نہ جان سکا تھا۔ واقعی مشاہدہ اور تجربہ سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ گڈو یتیم تھا ساری حقیقتیں جان چکا تھا‘ واقعی زندگی ایسی ہی تھی چھین لینے والی۔ دکھ دینے والی مطلب پرست۔

اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا اس کا اعتماد چھینا جا چکا تھا۔ بہت بڑا دکھ ملا تھا۔ اپنی پرکھ کے معیار کے جھوٹے ہونے پر۔ مطلب پرستی کی انتہا ہوگئی جب تک سب کچھ ملنے کی امید رہی تب تک وہ ساتھ تھی جب غرض ختم ہوگئی تو وہ خودغرض بن گئی۔ اس کی غرض نے اسے عورت کے عظیم مرتبے سے ہٹا کر حسن کی نگاہ میں گالی بنا دیا تھا۔ کچلنے والی حقیقتاً اس کا وجود کچلا گیا تھا۔

”صاحب بڑا دکھ ہو رہا ہے بیگم صاحبہ کے جانے پر؟“ نفی میں سر ہلانا چاہا مگر بے اختیار ہاں میں ہل گیا۔

”صاحب دکھ اس بات پر ہوتا ہے جس کا ہمیں پتہ ہی نہ ہو جس کا پتہ ہو کہ ایسا ہو کر رہے گا اس پر تو دکھ عبث ہے۔“ وہ بھونچکارہ گیا جب کہ گڈو اس سے بے نیاز تھا۔

”کتنی گہری باتیں کرتا ہے تو کس نے سکھائیں۔“

”حالات نے۔“ گڈو کے بجائے جواب اس کی طرف سے آیا۔ بے اختیار نظریں اٹھائیں۔

”السلام علیکم!“ ہشاش بشاش لہجے میں سلام جھاڑا۔

”خیر تو ہے باجی بڑی خوش لگ رہی ہو۔“

”مانا کہ خوشی کے لیے خیر کا ہونا ضروری ہے مگر یہ بھی تو سوچو خوشی دل کی کیفیت کا نام بھی ہے‘ میرا دل خوش ہے تو میں بھی خوش ہوں اس خوشی میں میرا دل چاہتا ہے کہ چائے پی جائے۔“

”بالکل.....“ گڈو نے اتفاق کیا۔

وہ کچن میں چلی آئی اور چائے کے ساتھ پکوڑے بھی تیار کرنے لگی۔ آج اسے یہ کام اچھے لگ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد گڈو آیا تو اس نے پکوڑے نکال کر پلیٹ میں ڈالے۔

”یہ لو اور اپنے صاحب کو دے آؤ۔“

”کس نے بھجوائے ہیں؟“ نجانے کیا سننا چاہتا تھا۔

”میں لے کر آیا ہوں۔“ وہ کہہ کر بھاگ گیا۔ تبھی مودت چلا آیا۔

”چائے پکوڑے.....“ دور ہی سے چلایا۔

''تم بھی لو۔'' اس نے پلیٹ کھسکائی۔
''آج تو مزہ آ گیا۔ آج پہلی دفعہ تمہارے گھر میں مزیدار چائے پینے کو ملی ہے کس نے پکائی؟''
''تو آم کھا پیڑ گننے کی کوشش مت کر۔'' حسن نے اسے گھورا۔

❀.......❀.......❀.......❀

اس کے کپڑے کئی دنوں سے میلے پڑے تھے گھر میں الگ گرد وغبار نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ جگہ جگہ دیواروں پر جالے لگے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی قبرستان میں ہو۔ جہاں کوئی اس کا پرسان حال نہ تھا۔ گڈو کو شام کو آنا تھا۔ وہ تو اس کے پاس رکنے کے لیے تیار تھا مگر اس نے منع کر دیا تھا وہ خود ہی اپنی بے بسی کا تماشا دیکھنا چاہتا تھا آج اس نے خود ہی فون ملایا۔ بھابی نے ریسیو کیا تھا۔
''بھابی آج علی اور فروا کو میرے پاس بھجوا دیں بہت تنہائی محسوس کر رہا ہوں ذرا دل بہل جائے گا۔''
''نا بابا بچے دو بجے اسکول سے تھکے ہارے آتے ہیں۔ ایسے میں ان کو تمہارے پاس نہیں بھیج سکتی۔ اب تک تو تمہیں تنہائی کا عادی ہو جانا چاہیے تھا کب تک یوں لوگوں کو بلواتے رہو گے اپنے آپ کو عادی بناؤ اس تنہائی کا۔'' کہہ کر کھٹ سے فون رکھ دیا۔
''صاحب یہ آپ کی بڑی بری عادت ہے کہ پاس پڑی چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیتے اور دور کی چیزوں کی طرف لپکتے ہیں حالانکہ دور کی چیزوں سے زیادہ پاس کی چیزیں زیادہ فائدہ دیتی ہیں۔'' گڈو اس کے چہرے پر رقم شکستگی حرف بحرف پڑھ چکا تھا۔
''دروازے پر بیل ہو رہی ہے دیکھو۔''
''باجی ہوں گی اس وقت..... صبر کر لو باجی۔'' مسلسل بیل ہونے پر جھنجھلایا۔
''ایں..... یہ آپ کو کیا ہوا؟'' اس کے پاؤں پر بندھی پٹی دیکھ کر پوچھا۔
''چوٹ لگ گئی۔''
''کیسے؟''
''افوہ..... پہلے مجھے اندر تو لے کر چلو۔'' وہ جھنجھلائی۔
''کالج سے نکلی تو نجانے کہاں سے تیز رفتار موٹر سائیکل آ کر میرے پاؤں پر چڑھ گی اور میں سڑک پر گر گئی۔ وہ تو شکر ہے کہ میڈم میرے ساتھ ہی نکلی تھیں پٹی کروا کر یہاں چھوڑ گئیں۔ اس ہوائی سواری پر چڑھ کے خود کو سکندر اعظم سمجھتے ہیں۔''
''مطلب آپ دس بارہ دن تک گھر پر ہیں۔''
''تمہارے منہ میں خاک۔'' وہ بھنبھنائی۔
''خاک کا تو پتہ نہیں البتہ اس وقت منہ میں چیونگم ہے۔ مجھ سے ایک مریض سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا اب تو دو دو ہو گئے ہیں۔ اللہ کیا بنے گا میرا۔'' گڈو کی بیچارگی پر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

❀.......❀.......❀.......❀

آج دوسرا دن تھا۔ یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ مامی صرف بطور مہمان یہاں رہ رہی تھیں صرف رات کو سونے کے لیے گھر آتیں۔ نہ اس کے کھانے کی پروا تھی اور نہ ہی ذاتی ضروریات کی فکر۔ وہ بیمار تھا لیکن کسی کو اس سے سروکار نہیں تھا۔ ملگجا حلیہ بڑھی ہوئی شیو گردن سے نیچے تک آتے بال۔ مناسب غذا نہ ملنے کی بنا پر کمزور ہوتا وجود اور مدھم پڑتی رنگت نجانے اس کو کیوں دکھ ہوا تھا حالانکہ وہ کافی دنوں سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن جو اندر تھا اس نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ تبھی وہ آج مامی سے الجھ پڑی۔
''یہ کیا طریقہ ہے آپ کا؟ سارا سارا دن گھر سے باہر رہتی ہیں نہ گھر کی پروا ہے نہ اپنے بیٹے کی۔ اسے ناشتہ وقت پر ملتا ہے نہ کھانا۔ حلیہ دیکھیں اس کا۔ اس حالت میں جب کہ معذوری کی زندگی گزار رہا ہے اور اس کا گھر بھی برباد ہو چکا ہے کیسی ماں ہیں آپ؟ بیٹے کی بربادی اور معذوری کسی بھی چیز کا آپ کو دکھ نہیں۔ اس حالت میں تو پرائے بھی کام آ جاتے ہیں۔ یہ تو آپ کا بیٹا ہے۔ مانا کہ باقیوں کو فرصت نہیں ملتی لیکن آپ تو ماں ہیں اسے زندگی کی طرف لاسکتی ہیں' سارا دن وہ خالی کمرے میں بغیر کچھ

کھائے پیے پڑا رہتا ہے۔ اللہ کے لیے اس کی طرف توجہ دیں ورنہ وہ پاگل ہوجائے گا۔ وہ ذہنی طور پر اس نہج کو پہنچ چکا ہے یا خود مر جائے گا یا دوسروں کو مار دے گا۔''

''ہر انسان اپنی ذات میں آزاد ہے۔ وہ کچھ بھی کرسکتا ہے مجھ بڈھی میں اتنا دم نہیں کہ بڑھاپے میں ہڈیاں چٹخاتی پھروں۔'' وہ ان کی بے بسی دیکھ کر چپ ہوگئی۔ رات میں کافی دیر تک وہ مامی کے رویے پر غور کرتی رہی۔ مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا وہ مختلف سوچوں میں گھری نیند کی وادی میں اتر گئی۔

❀.......❀.......❀.......❀

صبح ہی صبح اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے کہنے کے مطابق گڈو صبح ہی صبح آ گیا تھا۔ وہ گڈو کے سہارے نیچے اتر آئی وہ اس کو کچن میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ کچن میں ہونے والی کھٹ پٹ سے حسن بھی جاگ گیا تھا۔

''تمہارے صاحب اٹھ چکے ہیں جاؤ سلام کرآؤ۔''

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! تم؟''

''صبح صبح باجی نے بلوایا تھا۔'' وہ چپ ہوگیا۔

''گڈو جلدی آؤ۔'' اس نے چائے بنا کر تھرماس میں ڈالی۔ گرم گرم آلو والے پراٹھے ہوٹ پوٹ میں رکھے۔

''یہ لے جاؤ اپنے صاحب کے پاس۔''

''صاحب ناشتہ۔''

''کس نے بنایا؟'' حیرانگی نے پوچھا۔

''باجی نے۔''

''لے جاؤ مجھے نہیں کرنا ناشتہ۔'' وہ دھاڑا۔ گڈو ٹرے واپس لے آیا۔

''یہ کیا؟''

''وہ صاحب نے ناشتہ کرنے سے انکار کردیا ہے۔''

''واپس چلو۔''

''باجی...... صاحب بڑے غصہ میں ہیں ڈانٹیں گے۔''

''تمہارے صاحب کی ایسی کی تیسی۔ میں دیکھتی ہوں آؤ تم۔''

''لیکن وہ......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔'' وہ مرے مرے قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا۔

''تم پھر ناشتہ لے آئے۔'' اس نے گھورا۔

''وہ جی باجی......'' وہ بولا۔

''ختم کرو یہ خود ترسی کا تماشہ۔ ہوش میں آؤ اپنے آپ کو سنبھالو۔ یہ جو تم لوگوں کا دکھ دل کو لگائے بیٹھے ہو۔ یہ تمہارے کبھی تھے ہی نہیں' ہر ایک کی ضرورت تم سے جڑی تھی جب تم ان کی ضرورتیں پوری کرنے کے قابل نہیں رہے تو انہوں نے تمہیں چھوڑ دیا۔''

''لیکن میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ وہ میرے اپنے ہیں۔''

''کب تک خود فریبی میں الجھائے رکھو گے خود کو۔ سوائے پچھتاوے کے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اس لیے یہ ناشتہ کرو اور مجھے تنگ مت کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ رات کا غصہ تم پر نکل جائے اور تم جانتے ہو ناں کہ میں لڑائی میں کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ گڈو میرا ناشتہ بھی یہیں لے آؤ۔''

''تم وہیں ناشتہ کرلو۔'' وہ گھبرایا۔

''ہرگز نہیں' تم میرے سامنے ناشتہ کرو۔'' وہ بوتل کے جن کی طرح ناشتہ لے آیا۔

''چلو شروع کرو...... مجھے اور بھی کام ہیں۔''

''اس سے پہلے کہ میں بچپن والی فلک ناز بن جاؤں بہتر ہے کہ تم ناشتہ شروع کرو۔'' اس نے دھمکی دی۔ نجانے لہجے کا اثر تھا یا پراٹھوں سے اٹھتی خوشبو کا کمال وہ کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ بمشکل ایک پراٹھا کھایا کہ ہاتھ اٹھالیا۔

''بس......''

''یہ دوسرا پراٹھا بھی ختم کرو۔'' چپ چاپ دوسرا پراٹھا کھالیا۔ ناشتے کے بعد فلک نے گڈو کے ساتھ مل کر سب سے پہلے رگڑ رگڑ کر برتن دھوئے پھر کیبنٹ صاف کیے اس کے بعد وہ گھر کی صفائی میں لگ گئی تھی۔

"ویسے ایک بات تو ماننے والی ہے صاحب باجی کے ہاتھ میں ذائقہ بڑا ہے۔" گڈو دوپہر کے کھانے کے طور پر حسن کے لیے سوپ کے ساتھ دوسرے لوازمات لایا تو وہ کہنے لگا' دل سے تو وہ بھی معترف تھا مگر زبان سے کچھ نہ بولا۔

گڈو کھانا کھانے کے بعد اپنے گھر روانہ ہو گیا تھا۔ تب فلک کچن میں آکر چائے پکانے لگی' وہ اپنے گھر میں بھی کبھی فارغ نہیں بیٹھتی تھی اور پھر یہاں روک ٹوک بھی نہیں تھی۔ نانا' نانی کی وفات سے پہلے وہ امی کے ساتھ سال یا چھ مہینے میں ضرور یہاں آتی تھی اور ان کے انتقال کے بعد سے ہی اس گھر سے رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔

"کچھ کھانا ہو تو بتا دینا۔ میں بنا دوں گی۔" اپنا کپ لے کر آہستہ آہستہ اوپر چلی آئی۔ چائے پی کر اسے خمار سا چڑھ گیا جو سویا تو پھر مودت کے آنے پر ہی جاگا۔

"آج تو حالت پہلے سے بہتر ہے۔"

"میں کھانا لایا تھا تیرے لیے جونہی کھانا کھانے بیٹھا تیری یاد آ گئی پھر ایک نوالہ حلق سے نہیں اترا۔ اٹھو میں پلیٹیں لے کر آتا ہوں۔" اس کی آواز پر وہ چپ چاپ اٹھ بیٹھا۔

"یار یقین نہیں ہوتا کہ تمہارے گھر کا کچن اتنا صاف ستھرا ہو سکتا ہے۔ میں تو حیران ہوں لش پش کرتا کچن کسی نفیس طبع وجود کی نشاندہی کر رہا ہے۔"

"تو آم کھا گٹھلیاں مت گن۔" بڑی دیر بعد پرانا جملہ منہ سے نکلا تو مودت کو گونا گوں خوشی ہوئی۔

"چائے لاؤں تمہارے لیے۔"

"نہیں اپنے لیے لے آؤ۔"

"لگتا ہے کہ کھانا کھا کے چائے پی چکے ہو۔" پاس پڑے کپ کو دیکھا۔

کیسی زیرک نگاہ ہے مودت کی فوراً پہچان گیا اگر کسی عورت کے سلیقے کی پہچان کرنی ہو تو اس کا کچن دیکھو آج اس گھر کا کچن کسی کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ گویا سلیقہ شعاری کوٹ کوٹ کر بھری تھی اس وجود میں۔ لیکن آج سے پہلے یہ وجود کہاں تھا۔ اس سے پہلے مزید کچھ سوچتا گھبرا کر ٹی وی کا والیوم فل کر دیا گویا سوچ کے اس پہلو پر قدغن لگائی ہو جیسے۔

❁......❁......❁......❁

آج کا دن اس نے صفائی کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ سو صبح اٹھتے ہی اس نے چائے پکائی۔ آج گڈو نہیں آیا تھا اس لیے اس نے حسن کو نہیں جگایا تھا۔ ماں کو چائے دے کر اس نے سب سے پہلے اوپر والی منزل صاف کی۔ اپنے کمرے کی سیٹنگ چینج کی اور پھر ساتھ والے کمرے سے کاٹھ کباڑ نکال کر کشادگی پیدا کی۔

"سلام باجی۔"

"ارے تم آ گئے۔" وہ سلام کا جواب دیتی حیرت سے گویا ہوئی۔

"جی اسکول سے سیدھا یہاں آیا ہوں۔"

"چلو تو پھر یہ پردے اٹھا کر نیچے لے چلو اور کھانا کھاؤ پھر کام کرتے ہیں۔"

"ابھی تک صاحب نہیں اٹھے کیا؟"

"خود دیکھ لو میں فارغ نہیں ہوں ویسے بھی تمہارے صاحب آج کل بات بات پر کھانے کو دوڑتے ہیں۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" تبھی وہ دھاڑا۔ گڈو کی تو گھگھی بندھ گئی۔

"اندھے ہو کیا نظر نہیں آتا۔" وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

"ایک تو خدمت کرو اور صاحب کے مزاج نہیں ملتے۔"

"تمہیں یہ سب کرنے کے لیے کس نے کہا؟" اسے گھورا۔

"کہنے کی ضرورت ہے' میں اندھی ہوں۔" وہ ٹھنکی۔

"کب تک کرو گی؟"

"جب تک میرا دل چاہے گا۔"

"تم کس وجہ سے گھر کو صاف کر رہی ہو۔ کیا یہ تمہارا گھر ہے؟"

"میرے ماموں کا گھر ہے اور آدھا حصہ میری ماں کا ہے اتنا تو تم جانتے ہی ہو بس اسی ناتے سے۔" اس کے طنز

کا جواب انتہائی ٹھنڈے لہجے سے دیا۔ اس کے بیڈروم کی صفائی کرتے ہوئے چکرا کر رہ گئی۔ الماری کھولی تو بدبودار گیلے سوکھے کپڑے اس پر آن گرے سنگھار میز کے آئینے پر جگہ جگہ داغ۔ جن پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں روم فریج کھولا تو اسے ابکائی آئی نجانے کب کا سڑا ہوا کھانا پڑا تھا چکناہٹ سے بھرا فرش باتھ روم کی حالت تو سب سے زیادہ خراب تھی پتہ نہیں کب سے نہیں دھلا تھا اسے یک دم غصہ آ گیا۔

''یہ تمہارا بیڈروم ہے یا جانوروں کا ڈربا۔ غضب اللہ کا دونوں میاں بیوی اتنی گندگی میں کیسے رہتے رہے ہو۔''

گڈو بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ہنسی تو حسن کو بھی بہت آئی مگر ضبط کر گیا۔ اس نے اور گڈو نے دل لگا کر صفائی کی شام تک اس کا بیڈروم چمک رہا تھا۔

''اب ہمارا ایک کام رہ گیا ہے اور وہ ہے کپڑوں کی دھلائی۔''

''دیکھو تم حد سے بڑھ رہی ہو۔''

''ابھی میں حد میں ہی ہوں۔ اگر حد سے بڑھ گئی تو سوچو کیا بنے گا تمہارا۔ کھانا کھالو ورنہ......'' کھانا لا کر ٹیبل پر سیٹ کیا جب تک وہ کھانے سے فارغ ہوا تب تک وہ گرما گرم کافی بنا کر لے آئی اور اپنا کپ لے کر سیڑھیاں چڑھ گئی۔

❋......❋......❋......❋

رات بھر اسے نیند نہیں آئی تھی کیا یہ احساس تھا، کسی سے اس کی بقا کے لیے لڑنا۔ وہ ان دنوں میں احساس کے بہت سے رنگ دیکھ چکا تھا۔ وہ اس کے گھر میں رہ کر اس کی بقا کے لیے اس سے لڑتی تھی۔ کتنی بار اس کے برے رویے نے اسے دلبرداشتہ کیا تھا لیکن وہ ہر بار نئے انداز سے اس کے سامنے آئی تھی۔ اٹھتے ہی اس نے نماز کے بعد چنے ابلنے کے لیے چڑھا دیئے۔ خود میدہ گوندھا اور اب حلوہ بنا رہی تھی۔ پورے گھر میں حلوہ پوری کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ مامی بھی جلدی اٹھ گئیں۔

''لڑکی تمہیں چین نہیں ہے پاؤں کا حشر دیکھو اور حرکتیں دیکھو آرام بھی کر لیا کرو۔ ویسے خوشبو تو بڑی زبردست ہے کب تک ملے گا ناشتہ۔''

''آپ صاحب بہادر کو اٹھالیں۔'' وہ جو ابھی تک ان کی گفتگو سن رہا تھا چونک اٹھا۔ ابھی تک ویسے کی ویسی ہے ذرا جو بدلی ہو۔

''اچھا۔'' بادل نخواستہ اٹھیں۔ لیکن حسن انہیں دیکھ کر سوتا بن گیا۔

''لگتا ہے صاحب بہادر اٹھے نہیں ابھی تک۔'' انہیں الٹے قدموں واپس آتے دیکھ کر پوچھا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یہ لیں۔'' جلدی سے پوری پلیٹ میں رکھی چائے چھانی اور ٹرے ان کی طرف بڑھائی وہ دل سے اس کی ہنر مندی کی قائل ہوگئیں۔

''واقعی زلیخا کی بیٹیاں صورت وسیرت میں یکتا نہیں تو کم بھی نہیں تھیں پڑھی لکھی ہنر مند ادب و آداب کی قائل...... یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔'' یک دم جھٹکا لگا۔

''نرا سلیقہ کسی نے چاٹنا ہے اب تک بیاہی تو گئیں نہیں نخرہ دیکھو آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔''

''آپ کی سوچ کا عکس آپ کے چہرے پر دیکھ چکی ہوں میں۔''

''نن...... نہیں تو......'' گھبرا کر رہ گئیں۔

''نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے دیکھنے والی نگاہ سچی ہونی چاہیے اور دوں......''

''ہٹو میں خود لے لیتی ہوں آخر یہ میرے بیٹے کا گھر ہے۔''

''شکر ہے آپ کو احساس تو ہوا چاہے کھانے کے معاملے میں ہی سہی۔''

''باجی میں آ گیا۔''

''ارے یہ منحوس کہاں سے آٹپکا؟'' منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔

''بری بات آپ کے بیٹے کی محبت میں آتا ہے ورنہ اسے کیا پڑی ہے۔'' اس نے انہیں ٹوکا۔

''لڑکی میرے سامنے زبان مت چلایا کر۔''

''آپ غلط بات نہ سوچا کریں۔''

''اوہو......ایک تو یہ تقریر۔'' وہ جھنجھلائی۔ لیکن کہا کچھ نہیں پتہ تھا اگلا بندہ چکنا گھڑا ہے۔

''معدہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ میاں جلدی سے حلوہ پوری پر ٹوٹ پڑو۔''

''بہت چٹخارے بھرتی ہے تیری زبان۔ باپ کی کمائی ہے کیا؟...... واہ میرے بیٹے کی کمائی سے عیش کررہے ہیں۔''

''یہ آپ کے بیٹے کی کمائی نہیں ہے بلکہ میں لائی ہوں خالصتاً اپنی کمائی سے۔ یقین نہیں آتا تو اپنے بیٹے سے پوچھ لیں۔ میرے سامنے کسی نے گڈو کو ٹوکا تو میں برداشت نہیں کروں گی۔'' اسے گڈو کے دھواں دھواں چہرے نے تکلیف دی تھی جو وہ دو دھاری بن گئی۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ سب کچھ تم لائی ہو ورنہ......''

''میں ابھی بھی نہ بتاتی لیکن......''

''آپ نے میری خاطر اتنا کچھ کیا۔'' احساس سے گڈو کی آنکھیں بھر آئیں۔

''تم اہم ہو پیسہ نہیں۔ ویسے بھی میں اتنا کماتی ہوں اگر میں نے تمہارے لیے کچھ کرلیا تو کیا ہوا۔ تم بالکل میرے بھائی جیسے ہو۔''

''سچی باجی آپ تو فرشتہ ہیں۔''

''بند کرو یہ مسکہ بازی اور ناشتہ شروع کرو۔''

''لیکن صاحب جی......''

''چھوڑو اسے جیسی ماں ویسا بیٹا۔'' تنفر سے سر جھٹکا۔

''بری بات باجی۔''

''تمہیں شوق ہے جھڑکیاں کھانے کا۔ اگر اس نے ایسا ویسا کچھ کہہ دیا تو میں اس کا سر پھاڑ دوں گی۔'' گڈو چپ ہوگیا۔

''ایک بات تو بتائیں باجی؟''

''پوچھو؟''

''آپ مجھ سے اتنی محبت کیوں کرتی ہیں؟''

''تم میرے بھائی جیسے ہو۔'' بھائی کے ذکر پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''آپ رونے لگیں۔'' وہ گھبرایا۔

''ارے نہیں یہ تو محبت ہے جو آنسو بن کر بہہ رہی ہے۔ میرا بھائی میرا فخر میرا مان ہے۔ ہم سب بہن بھائی خوب ہنستے ہیں، خوب لڑتے ہیں، ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی ہیں، جب ہمارے گھر میں لڑائی شروع ہوتی ہے حملہ کسی طرف سے بھی ہو لیکن سارے لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اتنا ہنگامہ اتنی محبت تم دیکھو تو حیران رہ جاؤ۔''

''واقعی باجی۔'' گڈو کا اشتیاق قابل دید تھا۔

''اور اب آخری کام۔'' اس نے موضوع تبدیل کیا۔

''وہ کیا ہے باجی۔''

''محلے سے کسی باربر کو بلا کر لاؤ۔''

''وہ کیا ہوتا ہے؟''

''ارے بابا حجام۔''

''وہ کیا کرے گا؟''

''کچھ نہ کچھ تو کرے گا۔ تم بلا کر تو لاؤ۔''

''جی اچھا۔''

''یہ تم نے حجام کو کیوں بلوایا ہے۔'' مامی کے لیے چپ رہنا مشکل تھا۔

''جب آئے گا تو پتہ چل جائے گا۔'' تھوڑی دیر میں گڈو حجام سمیت حاضر تھا۔

''جی بی بی؟''

''بھائی صاحب یہ جو تمہیں چھ فٹ کا انسان نظر آرہا ہے۔ اس کی ذرا کانٹ چھانٹ کردو۔'' حسن جو ابھی نیند سے اٹھا تھا بوکھلا گیا۔ اس نے حجام کو کام سمجھا دیا اور اپنی نگرانی میں اس کی حجامت بنوانے لگی تھی جبکہ وہ اب صرف باہر سے آئے شخص کی وجہ سے خاموش تھا اور اس کے جاتے ہی پھٹ پڑا۔

''دفعہ ہوجاؤ تم دونوں یہاں سے ورنہ میں تمہارا گلہ دبا دوں گا۔'' حلق کے بل چلایا۔

''آواز کا والیوم کم رکھو۔ گلا دبانا تو دور کی بات ہے تم

ہمیں بھاگ کر پکڑ لو تو منہ مانگا انعام، لیکن پہلے نہالو۔“

”نہیں نہانا مجھے۔“ شدت غیض سے مٹھیاں بھینچیں۔

”جب بال چبھیں گے تو خود ہی ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔“ آگے پیچھے دونوں باہر نکل آئے۔ غصہ کا گراف بڑھتا جا رہا تھا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ ادھر ادھر وہیل چیئر گھما کر ساری چیزیں توڑ کر رکھ دیں۔ ستیاناس کر دیا تھا اس نے ساری محنت کا۔ پھر بھی آگ میں جلتا رہا لیکن کسی پل بھی قرار نہیں تھا۔

”ارے یہ کون ہے؟“ مودت جو ملنے کی غرض سے آیا تھا۔ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”چلو تمہاری کسر باقی تھی۔“ وہ بھنایا۔

”یہ کٹنگ یہ صفائی ستھرائی سب کیسے؟“ ایک ہی نظر میں بھرپور جائزہ لیا۔

”سلام مودت صاحب۔“ اتنے میں گڈو نے آواز نکالی۔

”وعلیکم السلام جیتے رہو۔ تمہارے صاحب کا حشر نشر کس نے کیا؟“

”باجی نے۔“ تحیر سے آنکھیں پھیلائیں۔

”یہ باجی کون سی ہیں؟“ اتنے میں کھٹکا ہوا۔ حیران ہو کر اس نے سر اٹھایا تو ایک خوش شکل، بااعتماد لڑکی پر نظر پڑی۔ ایک پل کو وہ بھونچکا رہ گیا۔

”صاحب ہوش میں آیئے یہی فلک باجی ہیں۔“

”فلک......“ زیرلب دہرایا۔

”جی بالکل یہی نام ہے میرا اور آپ؟“

”جی مجھے مودت کہتے ہیں۔“

”کس سے مودت ہے آپ کو؟“

”فی الحال تو اپنے دوست سے ہے۔ یقیناً میرے دوست کی یہ درگت آپ نے بنائی ہے۔“

”حضور یہ اس بندی کا کارنامہ ہے۔“ خوش دلی سے بولی۔

”لیکن تھوڑی آپ کی مدد درکار ہے۔“

”حاضر ہوں مدد کو دل و جان سے
کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا“

لہک کر شعر پڑھا۔

”ذرا اپنے دوست کی نہانے میں مدد کریں۔“

”کیوں نہیں صاحب کے کپڑے لاؤ۔“ اور مودت نے نہانے میں اس کی مدد کی۔

”اب دیکھو اپنی شکل۔“ مودت نے اسے آئینہ دکھایا۔

❀......❀......❀......❀

وہ کالج سے نکل کر چند قدم چلی تھی کہ اس کے قریب گاڑی کے ٹائر چرچرائے وہ چونک کر رک گئی اور گاڑی کو دیکھنے لگی۔

”آیئے میڈم۔“ اس کی اسٹوڈنٹ عالیہ تھی۔

”آپ جائیں۔“ اس نے انکار کیا۔ تبھی فرنٹ ڈور کھلا۔

”آ جایئے اگر بچی کہہ رہی ہے تو۔“ مودت باہر نکلا۔

”اوہ آپ؟“

”جی میں حسینوں کا خادم اعلیٰ۔“

”شکریہ کسی حسین بندے کو ڈھونڈیئے میں اس قابل کہاں۔“ شائستگی سے انکار کر دیا۔

”آپ تو برا مان گئیں۔ میرا ارادہ بالکل بھی مذاق کرنے کا نہیں تھا۔ لیکن نجانے کیوں دل کرتا ہے آپ کو بہن بنالوں۔“

”شکریہ اس ذرہ نوازی کا۔“ وہ آگے بڑھی۔

”یہ کیا بھائی بھی مانا اور گاڑی میں بیٹھنے سے انکار۔“

”میں پوائنٹ سے جاتی ہوں۔ اس لیے معذرت خواہ ہوں۔“ مودت نے کچھ کہنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی وہ پوائنٹ میں سوار ہوگئی۔

”بھائی آپ کیسے جانتے ہیں میری ٹیچر کو؟“

”حسن کی کزن ہے۔“

”واقعی۔“

”ہوں۔“ اثبات میں سر ہلایا۔

”کیسی ہیں تمہاری ٹیچر؟“

"بہت اچھی۔"

"گویا میری بہن کو اپنا ناکارہ دماغ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"بہت برے ہیں بھائی آپ۔"

"اوہ سوری۔" مودت مسکرادیا۔

بہرحال اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ اس کی ذات میں کچھ کر لینے کا عزم تھا۔ اس کے چہرے پر مروت وخلوص اور رویے میں رکھ رکھاؤ کی سادگی تھی۔ جس نے اس کے اندر نئی سوچ کو جنم دیا تھا۔ وہ بہت کچھ سوچنے لگا کسی کے حال و مستقبل کو بہتر بنانے کی سوچ۔

"مودت صاحب کیسے ہیں؟" شام میں اس نے گڈو سے پوچھا۔

"بہت اچھے آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"بس یونہی۔" یہاں رہنا اس کی مجبوری تھی کیونکہ تاحال ہاسٹل کی عمارت نامکمل تھی مگر وہ مزید یہاں نہیں رہنا چاہتی تھی لیکن جب تک یہاں تھی چاہتی تھی کہ سب سے مل کر رہے۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام کیا سوچ رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں۔"

"اگر میں کہوں کہ آپ جھوٹ بول رہی ہیں تو برا نہ مانیے گا۔ کیونکہ میں آپ کے چہرے پر سوچ کے زاویے دیکھ چکا ہوں۔ جو اس بات کی غمازی کررہے ہیں کہ آپ......"

"بس...... بس۔" اس نے ٹوکا۔ مودت خاموش ہوگیا۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔" اس نے پھر بولنا چاہا لیکن وہ نظرانداز کرتی اوپر کمرے میں چلی آئی۔ وہ بھی حسن کے کمرے میں گھس گیا۔

"تم۔" آہٹ پر سر اٹھایا۔

"یار میں آج تم سے صاف صاف بات کرنے آیا ہوں۔"

"کہو۔" حسن اس کے انداز پہ کچھ کھٹکا۔

"کب تک معذوری کا ڈرامہ رچانے کے لیے یونہی پڑے رہو گے۔ تیری بیوی تجھے چھوڑ چکی ہے۔ بہن بھائیوں نے پلٹ کر خبر نہیں لی۔ میری مانو تو ابھی بھی اتنا وقت نہیں گزرا کہ بہتری کی امید ختم ہوجائے۔"

"کس لیے کروں' کون ہے میرا سب تو مجھے چھوڑ چکے ہیں۔" انتہائی یاسیت تھی اس کے لہجے میں۔ مودت کا دل غم سے پھٹنے لگا۔

"لیکن یار زندگی......"

"گولی مارو زندگی کو۔"

"جب تمہیں ہی پروا نہیں تو پھر کب تک دوسروں کے محتاج رہو گے۔ ابھی تو وہ لڑکی ہے یہاں' گڈو ہے' میں ہوں لیکن کب تک۔"

"ہاں کہہ دو تم بھی میرا ساتھ نہیں دے سکتے۔ نہیں ہے مجھے کسی کی ضرورت نہ گڈو کی نہ تمہاری اور نہ ہی کسی اور کی۔ چھوڑ دو سب مجھے میرے حال پر مرنے دو اکیلا سسکنے دو۔"

مودت بھونچکا رہ گیا۔ گڈو الگ آنسو بہا رہا تھا۔ وہ جو چائے لارہی تھی اس کے الفاظ پر ششدر رہ گئی۔ کتنے محبت کرنے والوں کو یہ شخص اذیت دے رہا تھا۔

"مرجانے دو' چھوڑ دو اسے اس کے حال پر۔ منانے دو اس کو اپنوں کا غم' تڑپنے دو اس کو چھوڑ کر جانے والی بیوی کے غم میں' آپ میں یا گڈو کون ہوتے ہیں۔ اسے زندگی کی طرف لانے والے۔ رچانے دیں اسے خودغرضی کے ڈرامے۔ جب انسان کو خود اپنی پروا نہ ہو تو میں یا آپ کیا کرسکتے ہیں؟"

"لیکن میں اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تو پھر سہتے رہیے الفاظ کی سنگ باری اور جو تم اپنے صاحب کی محبت میں آنسو بہا بہا کر بے حال ہو رہے ہو۔ یہ شخص اس قابل نہیں کہ اس کے لیے ایک قطرہ بہایا جائے۔ تف ہے ایسی محبت پر۔" اس نے گڈو کو گھورا۔

"میں چلتا ہوں۔" اچانک پھیکی سی ہنسی لبوں پر سجا کر مودت بولا۔

''یہ کیا کردیا میں نے۔'' اسے اب افسوس ہونے لگا۔

''میرا تو بھلا ہی چاہ رہا تھا' مجھے اس خلوص بھرے شخص کی محبت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے یہی ایک وجود تو میری زندگی میں بہار کا جھونکا بن کر آتا ہے۔''

''باجی اب کیا صاحب ہمیشہ معذوری کی زندگی بسر کریں گے۔''

''مجھے نہیں معلوم۔'' وہ بےزاری سے گویا ہوئی۔

''اگر ایسا ہوا تو بہت غلط ہوگا۔'' اس نے خود کلامی کی۔

''ہم تو غلط نہیں کررہے اس کے ساتھ۔ کوئی خود اپنے ساتھ غلط کررہا ہے۔''

''باجی کیا کوئی ایسا طریقہ ہوسکتا ہے کہ صاحب مان جائیں۔''

''مان تو اس کے بڑے بھی جائیں گے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''کیا کہا؟'' گڈو نے اس کی طرف دیکھا۔

''تیرا صاحب کڑوا کریلا ہے وہ بھی نیم چڑھا۔''

''تو آپ ہی کچھ کیجیے۔''

''میری جوتی کرتی ہے سب کچھ۔ پڑا رہے معذور بن کر تمام عمر خود ہی ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔''

''ایسے تو نہ کہیں۔''

''ایسے نہ کہیں۔'' اس نے منہ بنا کر نقل اتاری۔

''جسے اچھے برے کی تمیز نہیں۔ کچھ فطرت ہی ڈنک مارنے والی ہے ہمیشہ محبت کرنے والوں کو سزا دیتا ہے۔''

❀......❀......❀......❀

''آپ سے مودت صاحب ملنا چاہتے ہیں۔'' جونہی اسٹاف روم سے باہر قدم رکھا پیون نے اطلاع دی۔

''خیریت۔'' اس کے چہرے پر نظر پڑی تو وہ پریشان ہوگئی۔

''خیریت ہے ہرگز پریشان نہ ہوں۔''

''لیکن آپ اور یہاں.....؟'' اسے حیرانگی نے آلیا۔

''گھبرائیے مت پرنسپل صاحبہ میری خالہ جان کے عہدے پر فائز ہیں۔'' بیگم زریاب کی طرف اشارہ کیا۔

''بات کرنا چاہتا تھا میں آپ سے۔'' اس کی سوالیہ نگاہوں کا مفہوم پڑھ کر بولا۔

''کس سلسلے میں؟''

''حسن کے بارے میں۔''

''حالانکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں' ویسے مجھے حیرت ہے کہ آپ اس کے دوست ہیں۔''

''کیا کروں وہ اس دنیا میں میرا واحد بھائی جیسا دوست ہے۔ گھر والوں سے نالاں' بیوی کی جدائی میں تڑپتا ہوا زندگی سے مایوس۔''

''تو پھر میں کیا کروں۔ جب وہ خود ہی نہیں چاہتا۔'' وہ بےبسی سے بولی۔

''لیکن میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر کام کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے اگر آپ اسے آمادہ کریں تو ہوسکتا ہے.....''

''لیکن میں.....''

''پلیز۔'' وہ ملتجی ہوا۔

''اگر وہ نا مانا؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کرلیں ایک کوشش اگر ایک زندگی محفوظ ہوسکتی ہے تو.....'' اس نے مودت کی طرف دیکھا جو بڑی امید سے اسے ہی دیکھ رہا تھا' اس شخص کو مایوس کرنا اسے اچھا نہیں لگا۔ کالج سے واپسی پر اس نے بات کرنے کی ٹھان لی۔ گڈو بھی جاچکا تھا اور مامی کی آمد کے دور دور تک آثار نہیں تھے۔ موقع بالکل صحیح تھا جب ہی چلی آئی۔ حسن نے حیرت سے اسے دیکھا' اس نے ایک دو بار کے علاوہ کبھی اس کے بیڈروم میں قدم نہیں رکھا تھا۔

''میں تم سے صاف بات کرنے آئی ہوں۔ گھر کے سارے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ یہاں سارے ہی غرض کے بندے ہیں۔ جنہیں جیتے جاگتے سانس لیتے انسانوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ.....''

''میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلی جاؤ اور آئندہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔'' وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی چلایا۔ معذوری اور تنہائی نے اسے تلخ کردیا تھا۔ اس کا دماغ بھی گرم ہوگیا۔

''چلا چلا کر تم اوروں کو دبا سکتے ہو مگر فلک ناز کو نہیں۔ حد ہوتی ہے خودسری اور خودغرضی کی۔ ایک تو تمہارے لیے سوچو کچھ کرو اور تمہارے نخرے سہو۔ اگر ہم بحیثیت انسان تمہارا احساس کرتے ہیں تو یہ ہماری مجبوری ہے کہ ہماری ماؤں نے ہمیں خلوص و محبت اور انسان پرستی جیسی خصوصیات کے ساتھ پروان چڑھایا ہے۔ تمہاری طرح جانوروں میں ہمارا شمار نہیں ہوتا اگر کوئی تم سے محبت کرتا ہے تمہارے غم میں دکھی ہے۔ تو اس محبت و خلوص کو اپنے لیے قیمتی سرمایہ سمجھو۔ ایسا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ سب تم سے منہ موڑ جائیں اور تم اندھیروں کی نذر ہو جاؤ۔ یہ جو چند لوگ تمہارے ساتھ ہیں دکھ درد میں شریک تو صرف اپنے خلوص اور مروت کی وجہ سے ورنہ تمہیں سرخاب کے پر نہیں لگے جو ہر ایک کا دل دکھانا فرض عین سمجھتے ہو۔ مجھے تو لگتا ہے کسی کا دل دکھانے کی سزا تمہیں......'' بے اختیار منہ سے نکلا۔ جونہی جملوں کی سنگینی کا احساس ہوا ہونٹ بھینچ لیے اور باہر نکل گئی۔

کیا یہ کسی کا دل دکھانے کی سزا تھی جو وہ اس حال کو پہنچا اور آج وہ اسی کے زیرِ سایہ تھا۔ اپنوں کی محبت میں اس نے سب کچھ کیا تھا وہ اس کا ساتھ چھوڑ گئے بلکہ اسے مرا ہوا سمجھ لیا۔ لیکن وہ کسی کے سامنے اس بات کا شکوہ نہیں کرسکتا تھا۔

❀......❀......❀......❀

دوسرے دن کالج میں سب سے پہلا ٹکراؤ مودت سے ہوا۔

''کیا بنا؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''فی الحال تو کسی اینگل سے قابو نہیں آرہا۔''

''اوہ......'' یک دم ایک گہری سانس مودت کے لبوں سے خارج ہوئی۔

''مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''تو پھر کیا کروں؟''

''ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لی ہوئی ہے کل شام تک اگر حسن کو چیک نہیں کروایا تو پھر سمجھو کہ ایک مہینہ تک بالکل ٹائم نہیں ملے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہڈی مضبوط ہو رہی ہے۔''

''ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے۔'' وہ گہری سوچ کے تحت بولی۔

''کیا؟''

''ایسے کرنا پڑے گا کہ کل صبح گاڑی لے آیئے گا بس۔'' دوسرے دن وہ روٹین کے کام نمٹا کر مودت کا انتظار کرنے لگی تھی۔ آج اس نے حسن کی وجہ سے کالج سے آف کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ حسن کسی طور ڈاکٹر کے پاس نہیں جائے گا اس لیے وہ گڈو کو بھی اپنا ہم راز بنا چکی تھی۔

''جاؤ دروازہ کھولو مودت بھائی ہوں گے۔'' اسے گہرا اطمینان ہوا گویا مودت اس سے ناراض نہیں تھا۔

''چلو اٹھو۔'' مودت نے اسے اٹھایا۔

''میں نے کہا نا مجھے کہیں نہیں جانا۔''

''نہیں تو نا سہی۔'' وہ اس پر جھکا۔

''ارے یہ کیا کررہے ہو۔'' حسن نے مودت کو روکنے کی اپنی سی کوشش کی جس پر وہ مدد طلب نظروں سے گڈو اور فلک ناز کو دیکھنے لگا۔

''میری مدد کرو۔'' اس نے کہا تو گڈو اور فلک ناز تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے ساتھ مل کر حسن کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگے پھر اسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ حسن کا تو مارے غصہ کے برا حال تھا ہاتھ پاؤں بندھے ہونے کی وجہ سے بری طرح اچھل رہا تھا۔ گڈو کا اطمینان قابل دید تھا۔

پندرہ منٹ بعد گاڑی اسپتال کے احاطے میں تھی مودت پہلے ہی ڈاکٹر سے بات کرچکا تھا اس لیے حسن کو اسپتال لاتے ہی ڈاکٹر نے بے ہوشی کا انجیکشن لگا دیا تھا حسن کی ہر کوشش ناکام ٹھہری تھی اس کے غنودگی میں جاتے ہی تمام ٹیسٹ ہوئے تھے۔

''کیا رپورٹ ہے سر؟'' مودت نے بڑی امید سے پوچھا۔

''آپریشن ہوگا۔''

''کب؟''

"آج اوراسی وقت۔"

"لیکن......"

"لیکن کیا آپ کوخون کاانتظام کرنا ہوگا ابھی۔"

"لیکن ہمارے پاس بلڈ او نیگیٹو نہیں ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں میں انتظام کرلوں گی۔"

"مگر کیسے؟"

"میں اپنا بلڈ ڈونیٹ کردوں گی۔"

"کیا آپ کا بلڈ......"

"جی......" حسن کی محبت جو لہو کے ساتھ دل کی دھڑکن میں بسی تھی وہ کیسے انکار کرتی۔ مودت بھی خاموش ہوگیا۔

ایک دفعہ پھر اس کا خون اس کے وجود میں داخل ہوکر زندگی کی جدوجہد میں مصروف ہو چکا تھا۔ ضمیر اس کے روبرو تھا کیا ملے گا اس بے مہر خودغرض بندے کو خون دے کرالٹا تجھ پر ہی قہر توڑے گا۔ تو کیا کرتی تماشہ دیکھنے والوں میں شامل ہوجاتی۔ جہاں اتنے سارے لوگ تماشہ دیکھ رہے تھے تم بھی دیکھ لیتی تو کیا فرق پڑتا۔ ضمیر نے گھر کا فرق پڑتا ہے۔ میں بھی بے حسوں کی لسٹ میں شامل ہوجاتی۔ انسان کی جیسی فطرت ہو ویسی ہی رہتی ہے۔ جیسی میری فطرت ہے میں نے ویسا ہی کیا۔ اس کی جیسی ہے وہ ویسا ہی کرے گا۔

خود کو تیار کرلو نئے امتحان کے لیے۔ یہ گھرانہ ہمیشہ نیکی کا جواب بدی سے دیتا ہے۔ کیا ملا تمہاری ماں کو نیکیاں کرکے اور تمہیں کیا ملے گا۔ میں نے کسی صلے کی توقع میں اپنا خون نہیں دیا۔ ضمیر کی اس پوچھ گچھ پر وہ بھی گھبرا گئی۔

"سائن کردیں۔" ڈاکٹر نے ایک پرچہ اس کی طرف بڑھایا۔ خاموشی سے تھام لیا۔

"آپ کیا لگتی ہیں مریض کی؟"

"کچھ نہیں۔" فوراً سے بیشتر کہا۔

"سائن کس حیثیت سے کریں گی؟"

"ہمدرد ہونے کی حیثیت سے۔" ڈاکٹر کچھ مشکوک ہوا۔

"یہ حسن کی کزن ہیں۔" مودت نے مشکل آسان کردی اور ڈاکٹر نے گہری سانس لی۔ تین گھنٹے کے میجر آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے خوش خبری سنائی تھی۔ تینوں وہیں سجدہ ریز ہوگئے تھے۔

"تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے مالک تو نے اپنا رحم کردیا۔ واقعی بندوں پر تیرا بڑا کرم رہتا ہے۔" ان کا رواں رواں دعا بن چکا تھا۔ تو مالک نے بھی دینے میں کنجوسی نہیں کی تھی اک زندگی بخش دی تھی۔ وہ جتنا بھی شکرادا کرتی کم تھا۔

❀......❀......❀......❀

تین دن سے وہ مسلسل جاگ رہی تھی۔ گڈو بچہ تھا وہ بھی سو جاتا تھا اور مودت بھی رات کو گھر چلا جاتا۔ صرف وہی تھی جو مسلسل بےآرام تھی۔ سب ہی اس دھان پان سی لڑکی کی ہمت کی داد دے رہے تھے۔ کس طرح اس نے ایک بھرپور توانا مرد کو سنبھالا تھا۔

"ڈاکٹر اسے کب ہوش آئے گا۔"

"ان شاء اللہ آج شام تک۔" ڈاکٹر نے کہا تو وہ مطمئن سی ہوگئی۔

شام تک وہ کتنے ہی چکر اس کے روم کے لگا چکی تھی۔ گڈو بھی اس کے ساتھ تھا۔ مودت نے کئی بار اسے گھر جانے کو کہا تھا لیکن وہ ٹال گئی تھی۔

"باجی...... باجی صاحب کو ہوش آرہا ہے۔" گڈو خوشی سے چلایا۔ تو وہ تیزی سے اس کے روم کی طرف بڑھی۔

"میں کہاں ہوں۔"

"صاحب آپ اسپتال میں ہیں۔ مبارک ہو آپ کا آپریشن کامیاب ہوگیا۔" جونہی آپریشن کا نام سنا اسے سب یاد آ گیا۔

"جب میں نے کہا بھی تھا کہ مجھے آپریشن نہیں کروانا تو پھر کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی۔"

"ارے...... ارے یہ کیا کررہے ہو۔" وہ اس کی طرف بڑھی جو اٹھنے کی تگ ودو کررہا تھا۔

"پلیز حسن ایسا مت کرو۔" وہ پریشان ہوگئی۔

"حسن......" مگر اس نے ڈرپ کا کلپ کھینچ کر دور

پھینک دیا۔

سارا خون زمین پر بہنے لگا۔ فلک ناز کا یک دم ہاتھ اٹھا اور حسن کے گال پر نشان ثبت کرگیا۔ وہ حیران سا اسے دیکھنے لگا عمر میں اس سے بڑا ہی تھا لیکن کچھ کہنے کی ہمت اس میں نہیں تھی اور نہ ہی یہ تربیت کہ تھپڑ کھانے کے بعد دوسرا تھپڑ فلک ناز کے رخسار پر ثبت کرتا۔

''یہ کیا بد معاشی ہے۔ ہمارا حلق سوکھ گیا دعائیں کرکر کے اور تم......'' فلک ناز طیش کے عالم میں بولتی گئی خون کا بہنا اسے سخت تکلیف دے رہا تھا۔ ''ہر بات میں خود پسندی' خود نمائی' خود اذیتی اور خود ترسی تمہیں انسان کہنا اور انسان سمجھ کر انسانیت کے ناطے ہمدردی کرنا گناہ ٹھہرا۔ حد ہوتی ہے ڈرامہ بازی کی یہ جو خون بہہ رہا ہے اس کی قیمت لاکھوں کروڑوں میں ہے لیکن تم کیا جانو تمہیں کیا معلوم۔'' اسے چکر آ گیا۔

''سنبھالو اسے۔'' نرس نے آگے بڑھ کر سنبھالا دیا۔

''افسوس ہے تم پر۔ تین دن سے یہ بچی ایک ٹانگ پر کھڑی ہے اور تم نے یہ صلہ دیا...... ارے ایسی بیوی تو قسمت والوں کو ملتی ہے۔ خوش اخلاق' محبت کرنے والی۔ سب سے بڑھ کر خیال رکھنے والی۔ اگر کوئی اور ہوتی تو کب کا چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔ لیکن کمال حوصلہ ہے اس بچی کا۔ جس نے نہ صرف دن رات تمہاری خدمت کی ہے بلکہ تمہیں اپنا خون بھی دیا......'' کچھ دیر قبل آنے والی نرس فلک ناز کی تقریباً تمام باتیں سن چکی تھی اس لیے اپنے طور پر حسن کو سمجھانے لگی۔

''ہٹو پیچھے۔'' ایک بوڑھی نرس آگے بڑھی۔

''نرس جلدی کرو اسے دیکھو۔'' وہ نرس جو فلک ناز کو سنبھالے کھڑی تھی دوسری نرس کو متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

''اسے کچھ نہیں ہوا کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی ہے۔'' نرس نے فلک ناز کی نبض چیک کی۔

''ارے یہ تو وہی ہے جس نے تمہیں خون دیا تھا۔'' نرس کے انکشاف سے اس کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔

کبھی کبھار ذہن میں کلبلاتے شک کو ہمیشہ وہ جھٹلاتا رہا تھا۔ لیکن اس کا گمان حقیقت کا وجود اوڑھ کر سامنے آ گیا گویا تقدیر یا سے فلک ناز کا پہلے ہی مقروض کر چکی تھی۔

❁......❁......❁......❁

یہ اس دھان پان سی لڑکی کی جدوجہد تھی جو آج وہ تندرست ہو کر گھر لوٹ رہا تھا۔ سارا اسپتال اسے مبارک باد دے رہا تھا۔ وہ جو روٹھی روٹھی سی کھڑی تھی حسن اسے دیکھ کر رک گیا تھا۔ واقعی کمال کا حوصلہ تھا اس نازک سے وجود کا۔ وہ دل سے اس کے خلوص کا قائل تھا جب سب نے اسے تنہا چھوڑ دیا تھا یہ تو وہی تھی جو اس کا ساتھ اب تک دیتی آ رہی تھی۔ محبت نے کہیں آس پاس انگڑائی لی تھی مگر وہ آنکھیں چراتا مودت کا سہارا لے کر آگے بڑھ گیا تھا۔ فلک ناز جو کافی دیر سے منتظر تھی کہ وہ کچھ کہے گا لیکن وہ کچھ کہے بغیر آگے بڑھا۔

''صاحب مبارک ہو نئی زندگی۔'' خوشی کے مارے گڈو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

❁......❁......❁......❁

کمرے کی ڈیکوریشن دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ سارا کمرہ سرخ گلابوں سے مہک رہا تھا۔

''باجی آج میں گھر جاؤں گا بڑے دن ہوئے اماں اور مینا سے ملے ہوئے۔''

''مگر گڈو رات کو تمہارے صاحب جی کے پاس کون ہوگا۔''

''مودت صاحب ہیں ناں۔''

''اچھا۔'' فلک ناز خاموش ہوگئی۔

شام ڈھل رہی تھی' تھکن اتنی تھی کہ اس کا کھانا پکانے کا دل چاہ رہا تھا نہ کھانے کو۔ جی چاہ رہا تھا کہ سو جائے۔

''آپ کہاں......'' فلک ناز کے لب ہلے۔

''میں یہیں سوؤں گا۔ بس ذرا کھانے کا انتظام کرلوں۔'' وہ نہانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی نہا کے نکلی تو باہر کی بیل کی آواز پر گیٹ کھولا۔

''بی بی جی مودت صاحب نے بھجوایا ہے۔'' محلے کا

کوئی بچہ تھا۔
"خود کہاں ہیں؟" اسے حیرت کے ساتھ تشویش ہوئی۔
"پتہ نہیں۔"
"کھانا کھالو۔" ٹرے حسن کے سامنے رکھی۔ وہ جب سے آیا تھا اس کا ایک ایک انداز نوٹ کررہا تھا۔
"تم نہیں کھاؤ گی۔"
"نہیں۔" مختصراً کہا۔
"کیوں؟ کھالو ورنہ آدھی رات کو چیخو گی۔"
"اب میں پہلے والی فلک ناز نہیں۔"
"کیوں اب کون سے سُرخاب کے پر لگ گئے ہیں تمہیں۔"
"شکر ہے سُرخاب کے پر نہیں لگے ورنہ تمہارے جیسی ہوتی۔" وہ مسکرادیا ایک شفاف سی ہنسی۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"چلو پھر کھانے میں مدد کرو۔"
"ٹانگوں پہ پٹی ہے ہاتھوں پہ نہیں۔" بے اختیار ایک قہقہہ اس کے حلق سے برآمد ہوا۔ ایک گھنٹہ دو گھنٹہ لیکن مودت کو نہ آنا تھا نہ آیا۔
"تم مودت کو فون کرلو۔ میں اب سونے جارہی ہوں۔" وہ اس کی بے چینی سمجھ رہا تھا۔
"وہ نہیں آئے گا کیونکہ میں نے اسے بھیجا ہے۔"
"اب تمہارے پاس کون رکے گا؟"
"تم ہونا میری کیئرٹیکر۔"
"لیکن یہ میری ذمہ داری نہیں کہ راتوں کو بھی میں تمہیں سنبھالوں۔"
"اب تو یہ ہوگیا بلکہ اب تک تو وہ سو بھی چکا ہوگا اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ اکثر مجھے رات کو پیاس لگتی ہے۔ آج کل میں مریض ہوں اس لیے پلیز تم یہیں......"
"لیکن میں اس طرح ایک نامحرم کے کمرے میں......؟"
"نامحرم کہاں...... ہم ساتھ پلے بڑھے ہیں۔ اکٹھے کھیلے......"
"یہ رشتے بہت پہلے ختم ہوچکے......"
"چلو ایک مریض سمجھ کر ہی سہی۔" وہ خاموش سی ہوگئی کیونکہ اوپر والی منزل پر بنے کمرے کو اس نے ہسپتال جانے سے پہلے خود تالا لگایا تھا۔ چابی گم نہ ہوجائے اس خیال سے گڈو کو پکڑادی تھی۔ سردی کا آغاز ہوچکا تھا وہ کرسی پہ ڈھیر ہوگئی۔
"نیچے قالین پہ گدا بچھا کر میرے لیے ایڈجسٹ کردو، خود بیڈ پہ سوجاؤ۔"
"میں ٹھیک ہوں۔" وہ پچھلے تین دن سے جاگ رہی تھی اس لیے لمحوں میں کرسی پر بیٹھی بیٹھی ہی غافل ہوگئی وہ اسے یک ٹک دیکھتا رہ گیا۔
نیند آنکے ہی نہیں دے رہی تھی مزید سامنے موجود وجود نے ہلچل مچائی ہوئی تھی۔ بڑی باہمت ہے تیری بیوی، بڑی نیک فطرت ہے بچی، کوئی اور ہوتی تو کب کا چھوڑ کر جاچکی ہوتی۔ چھوڑ کر جاچکی تھی...... اسے چھوڑ کر جانے والی۔ خود غرض، ہوس پرست، نفس کی ماری ہوئی جب تک اس کے نفس کی تسکین کا سامان میسر رہا اس نے ساتھ دیا لیکن جونہی وہ سب کرنے سے قاصر ہوا وہ اسے چھوڑ گئی۔
کرسی پر ہونے کے باعث وہ کروٹ نہ بدل سکی، مگر دوپٹہ ڈھلک کر نیچے جاگرا تھا۔ وہ جو دل کی بغاوت سے گھبرایا ہوا تھا اور گھبرا گیا، سوچوں کا دربند ہوچکا تھا دل کی طلب پہ تھرا کر رہ گیا۔
"پانی...... پانی......" چلا اٹھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔
پہلا خیال ڈوپٹے کا آیا، شانے پر ہاتھ پڑتے ہی نظر زمین پر گئی تھی جھک کر ڈوپٹہ اٹھایا اور سامنے میز پر رکھا جگ اٹھا کر گلاس میں پانی نکالا۔
"یہ لو پانی۔" گلاس بھر کر اس کے ہونٹوں سے لگایا لیکن اس نے پرے کردیا۔
"اگر پینا نہیں تھا تو چلائے کیوں تھے؟"
"روح کی پیاس پانی سے تھوڑی بجھتی ہے۔"
"پینا ہے تو پیو ورنہ میں اس وقت تمہارے لیے روح

افزا کہاں سے لاؤں۔" تیکھے چتونوں سے اسے گھورا۔
"میری روح افزا تم ہو جی میں آیا کہہ دے مگر کہہ نہ سکا کیونکہ جانتا تھا کہ بڑی اٹی کھوپڑی کی تھی جہاں سوئی ایک دفعہ اٹک گئی وہاں سے آگے چلنا محال تھی وہ پھر غافل ہوگئی تھی۔" حسن نے بڑی مشکل سے گھسیٹ کر پاس پڑا کمبل اس پہ ڈالا جو آدھا اس پر اور آدھا زمین پہ تھا۔
صبح اس کی آنکھ بمشکل کھل پائی تھی۔ وہ بھی حسن کے آوازیں دینے پر۔
"لگتا ہے میرے بیڈ روم کو اپنی ملکیت سمجھ لیا ہے جو اب تک دھرنا دیئے پڑی ہو۔" وہ مسکرایا۔
"مسٹر منہ سنبھال کر بات کرو مجھے اترن استعمال کرنے کی عادت نہیں۔" وہ بولی تو لہجے میں بلا کی تلخی تھی۔
"تم لوگوں کے ساتھ نیکی کا الٹا اجر ملتا ہے۔ لیکن میں نے پھر نیکی کردی ہے باقی اللہ تعالیٰ مجھے ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھنے کا انتظام بہت پہلے کر چکا ہے۔"
"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے جواب نہیں دیا۔
اتنے میں گڈو چلا آیا۔ پیچھے پیچھے مودت بھی تھا۔
"کیا حال چال ہے رات خیریت سے گزری۔" جھک کر رازداری سے پوچھا۔
"یار رات ہی تو خیریت سے نہیں گزری۔ وہ وہاں پڑی دنیا و مافیہا سے بے خبر...... جبکہ میں......"
"پھر تو نے حال دل کہا کیوں نہیں؟"
"یار سمجھا کر میں معذور بندہ تھا دوسرے مجھے سہارے کی ضرورت تھی۔ تمہیں پتہ ہے کہ وہ کتنی جی دار ہے بھرے اسپتال میں جو مجھے تھپڑ مار سکتی ہے اکیلے میں اس سے زیادہ پٹائی لگانا یقینی بات تھی۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات نکل جاتی منہ سے سوچو کیا ہوتا۔"
"وہی ہوتا جو منظور خدا ہوتا۔"
"یار اپنی باجی سے کہہ ایک کپ چائے تو لا کر دیں۔" مودت گڈو سے بولا۔
"باجی۔ صاحب جی چائے مانگ رہے ہیں۔" پیغام پہنچایا۔

"خود لے جاؤ تمہارے کون سے ہاتھ ٹوٹے ہیں۔" وہ چلائی۔ گڈو روہانسا ہو گیا۔
"صاحب جی باجی چائے نہیں پکار رہیں۔" گڈو نے آ کر کہا تو مودت کے ساتھ وہ بھی مسکرا دیا۔ کچھ دیر بعد ہی فلک ناز نے گڈو کو آواز دی۔
"آیا باجی۔"
"سوری میں نے صبح صبح تمہیں ڈانٹا۔"
"کوئی بات نہیں کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے۔ میں نے برا نہیں منایا۔"
"یہ چائے لے جاؤ اپنے صاحب کے لیے۔"
"آپ خود لے جاتی تو زیادہ اچھا تھا۔"
"میں صبح صبح ہی تیرے صاحب کی بری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ جل کر بولی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

❀......❀......❀......❀

اس کا حوصلہ تھا جو اپنی ڈھیر ساری مصروفیت کے باوجود پھرکی کی طرح گھوم رہی تھی۔ صبح اٹھتے ہی اسے گرم دودھ دیتی اور خود نماز پڑھتی جب تک نماز سے فارغ ہوتی تب تک گڈو آ جاتا تب ناشتہ تیار کرتی، وہ دونوں ناشتہ کرتے تب تک وہ تیار ہو کر کالج چلی جاتی۔ اس کے سلسلے میں ڈھیر سارے کام کا بوجھ آ پڑا تھا اس پہ لیکن وہ تھی کہ خوش اسلوبی سے ہر کام انجام دیئے جا رہی تھی۔ اس دوران وہ گھر ایک بار بھی نہیں جا سکی تھی۔ آج اس کا پکا ارادہ تھا عارف والا جانے کا۔
"باجی کہاں کی تیاری ہے؟" تیزی سے بیگ میں کپڑے رکھتے دیکھ کر گڈو نے پوچھا۔
"واپس گھر۔"
"کیا......؟" گڈو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"آپ نہ جائیں۔"
"میں کون سا بہت دنوں کے لیے جا رہی ہوں۔ پرسوں شام کو واپس آ جاؤں گی۔ سنو میں نے تمہارے صاحب کے لیے سوپ بنا دیا ہے سالن بھی پکا دیا ہے اور

شامی کباب، تازہ روٹیاں تندور سے منگوا لینا اور ہاں......" جاتے جاتے مڑی۔ "پیچھے سے صفائی ضرور کرنا، تمہارے لیے کیا لاؤں؟"

"کچھ نہیں، دو چار کہانیوں کی کتابیں، زیادہ دن مت لگایئے گا میں آپ کے بنا اداس ہو جاؤں گا۔" وہ جو بغور سن رہا تھا چونک اٹھا کیونکہ گڈو نے اس کے دل کی بات کی تھی۔

"مجھے اڈے تک چھوڑ آؤ۔"

"چلیں۔" خوشی خوشی ساتھ ہولیا۔ "صاحب کو اللہ حافظ نہیں کہیں گی۔"

"اوہ...... مارے خوشی کے یاد ہی نہیں رہا ویسے اللہ حافظ کہنے سے تمہارے صاحب کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑنے والا، لیکن پھر بھی اگر تم اصرار کر رہے ہو تو میں اللہ حافظ کہہ دیتی ہوں، کیا یاد کرو گے۔" احسان جتایا۔

"اللہ حافظ۔" اس کی طرف دیکھا جو نہایت بے تابی سے اس کا منتظر تھا۔

"جلدی آنا۔" نجانے کیوں زبان پھسل گئی، لیکن وہ تو جانے کی خوشی میں سن ہی نہیں پائی تھی۔

❋......❋......❋......❋
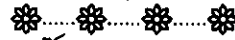
گھر آ کر اسے لگا جیسے وہ نجانے کتنی صدیوں کی بچھڑی ہوئی ہو۔ امی اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ وہ بے اختیار ان کے سینے سے جا لگی۔

"ماشاء اللہ...... اللہ نظر بد سے بچائے۔" زلیخا بیگم نے بیٹی کی بلائیں لیں۔

"بابا......" وہ بھاگ کر محمود صاب کے گلے جا لگی۔

"کیسی ہے میری بیٹی، میری جان؟"

"ایک دم فرسٹ کلاس۔"

"وہ تو چہرے سے ہی نظر آ رہا ہے۔" اس کے پُراعتماد اور خوش باش چہرے کو دیکھا۔

"باقی سب کہاں ہیں؟" گھر میں چھائی خاموشی محسوس کر کے پوچھا۔

"آج سب اداس ہو رہی تھیں۔ فراز انہیں آئس کریم کھلانے لے گیا ہے۔" تبھی وہ ادھم مچاتی آ گئیں۔ گل بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔

"آپی تم آ گئی۔" حنا بھی اس سے لپٹ گئی۔

"کیسا ہے میرا بچہ۔"

"بل تل اچھا۔" توتلی زبان میں کہا۔

"صدقے جاؤں......" منہ چوم کر سینے سے لگایا۔

"بڑی بے مروت ہو کہاں جانے کے نام سے گھبراتی تھی اب فون بھی کریں تو اٹھانے کی فرصت نہیں محترمہ کے پاس۔" آپا نے ایک دھپ رسید کی۔

"یار بڑی مصروفیت تھی، تابندہ کہاں ہے؟"

"وہ تو کالج میں ہے اس وقت۔ آج کل اس پہ بی ایس سی کا بوجھ پڑا ہے، شرمین اور رین وہ دونوں اپنی کسی سہیلی کی طرف چلی گئیں۔ زوار کے ساتھ آئیں گی۔"

"اماں بہت زیادہ بھوک لگی ہے۔"

"مجھے پتہ تھا آج تو آئے گی اس لیے تمہاری پسند کا کھانا پکایا ہے۔"

"جیو اماں......" اماں منہ چوما۔

"اماں شیطان کو یاد کیا شیطان حاضر۔" زوار کی اس پہ نظر پڑی تو دور سے ہی چلایا اور بانہیں پھیلا دیں۔ وہ بھاگ کر بھائی کے کشادہ سینے میں سما گئی۔ بڑے دن بعد ملاقات ہوئی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے بھری چھاؤں میں آ گئی ہو اتنی ٹھنڈک، اتنا سکون یہ محبت بھرے انداز وہاں کہاں تھے وہاں مصنوعی رویے اور مصنوعی چہرے تھے۔ اپنوں میں اس قدر اجنبیت تھی کہ غیریت مات پڑ گئی تھی۔

"اے کہاں گم ہو؟"

"کک...... کہیں نہیں۔"

"پھر میری گردن چھوڑو اور ان کی دبوچو۔" زوار نے اسے شرمین اور رین کی طرف متوجہ کیا۔

"شکر ہے اپنی باری بھی آ ئی ورنہ یوٹیلٹی اسٹور کی طرح یہاں بھی لائن میں لگنا پڑتا۔" شرمین نے دانت نکوسے۔

"کتنے دن کی چھٹی لے کر آئی ہو؟"

"پرسوں صبح واپسی۔"

''چلو اللہ خیر کرے۔''

''شرمین تیرے ہاتھ کے مچھلی کے پکوڑے' آپا کے ہاتھ کی بریانی اور زوار کی جیب سے لی گئی کولڈ ڈرنگ بہت یاد آتے ہیں۔''

''وہاں تو فاقے کرتی رہی تھی' ندیدی۔'' زوار نے چڑایا۔

''حالات ہی کچھ ایسے تھے۔'' پھر ان سب نے مل کر وہ ہنگامہ مچایا کہ حد نہیں۔ شام کو پارک کی سیر کی گئی۔ رستے میں ہنستے گاتے وقت کتنی تیزی سے گزرا پتہ ہی نہیں چلا۔

''بس اب سب سو جاؤ۔'' زلیخا بیگم نے سب کو ڈانٹا تو وہ منہ بسورتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''فلک سب کیسے ہیں وہاں؟'' عجیب سی حسرت تھی لہجے میں۔

''اماں جب کسی کے گھر میں مکرو فریب' ریا کاری' جھوٹ' انا اور ضد رچ بس جائے تو اس گھر کا شیرازہ بکھر جاتا ہے وہاں سب کچھ بکھر چکا ہے' تنکا تنکا بھی اکٹھا کریں تو ایک نہیں ہوسکتا۔ یہ تو شکر ہے کہ ہم ان سے الگ ہوگئے ورنہ ہمارا حال بھی ان جیسا ہوتا۔''

''چلو چھوڑو یہ بتاؤ حسن کیسا ہے؟''

''ان کے جیسا ہے' خود غرض' مطلب پرست' دوسروں کو جوتی کی نوک پہ رکھنے والا......''

''میں نے تو بہت کچھ سوچا تھا مگر شاید قدرت کو منظور ہی نہیں تھا۔'' اس نے ساری رام کہانی سنائی۔ زلیخا بیگم انگشت بدنداں تھیں۔

''اماں وہ گھر نہیں سرائے ہے جہاں لوگوں کا دل چاہے تو آئیں ورنہ نا سہی۔'' میکہ اجڑنے کا غم زلیخا بیگم کو تھا مگر زلیخا بیگم کیا کرسکتی تھیں جب کوئی سدھرنے والا ہی نہ ہو۔

❁......❁......❁......❁

آج جب وہ بیدار ہوا تو معمول کی چہل پہل نہیں تھی گھر میں جو کہ ان پانچ چھ ماہ میں اس گھر کا حصہ بن چکی تھی۔ زندگی سے کتنا بھرپور ہے اس کا وجود' ہر دم متحرک' ہر

محبت ہمسفر میری

کٹھن ہے زندگی کتنی\
سفر دشوار کتنا ہے\
کبھی پاؤں نہیں چلتے\
کبھی رستہ نہیں ملتا\
ہمارا ساتھ دے پائے\
کوئی ایسا نہیں ملتا\
فقط ایسے گزاروں تو یہ\
روز و شب نہیں کٹتے\
مجھے پھر بھی میرے مالک\
کوئی شکوہ نہیں تجھ سے\
میں جاں پر کھیل سکتا ہوں\
میں ہر دکھ جھیل سکتا ہوں\
اگر تو آج ہی کر دے\
محبت ہمسفر میری\
محبت ہمسفر میری

رخسانہ اسماعیل......تونسہ شریف

دم کچھ کر لینے کا عزم' ہر دن کا ہمت سے مقابلہ کرنے کی جرأت۔ ان مہینوں میں گھر کی شکل نکل آئی تھی۔ صحن ایسے چمک رہا تھا جیسے ابھی نیا بنوایا ہو۔ دیوار اور چھتوں سے جالے غائب' ہر کمرہ ترتیب شدہ تھا ہر ایک چیز اپنے ٹھکانے پر۔ کچن کی صفائی کا تو خاص خیال رکھتی۔ صفائی ستھرائی میں ملکہ حاصل تھا تو کھانا اتنا کمال پکاتی کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ جاتے۔ وہ اکثر بھوک سے زیادہ کھاجاتا جس کی بدولت اس کی صحت پہلے سے بہت بہتر تھی۔ لان کی کانٹ چھانٹ ہوچکی تھی' پرانے پودوں کی جگہ نئے پودے لہرا رہے تھے۔ یہ کسی کی محنت کا نتیجہ تھا۔ سچ ہے سلیقہ مند عورت گھر اور مرد دونوں کا سنگھار ہوتی ہے۔ نفیس طبع تھی یہ لڑکی۔ ہر چیز میں ترتیب و توازن پیدا کرلیتی تھی۔ اس ترتیب و توازن اور نخصی رکھ رکھاؤ نے اسے دوسروں سے ہٹ کر سوچنے پہ مجبور کردیا تھا۔ بڑا قسمت والا ہوگا وہ

شخص جس کے گھر فلک ناز جیسی لڑکی جائے گی۔

''یہ لڑکی تیرا بھی مقدر بن سکتی تھی لیکن تُو نے کیا' کیا اس کے ساتھ۔ ہنسی کا غرور چھین لیا بے بنیاد الزامات لگا کر۔''

''دراصل بدگمانی اور دولت کی چکاچوند نے مجھے بے حس بنا ڈالا تھا۔'' دل کے مضحکہ اڑانے پہ بے بسی سے بولا۔

''تیری ہستی کے گرد غرض کی بڑی بڑی اور اندھی دیواریں قائم تھیں جن کے اس پار تمہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا' تا بھی کیسے خود سے پست کو دیکھنے کی تربیت ہی نہیں کی تھی ماں نے۔''

سچ مچ بچے کی شخصیت پر ماں کا اثر ہوتا ہے۔ اس کی ماں بھی تو اس جیسی تھی۔ خود غرض' نفس پرست اس سے بڑھ کر خود غرضی کیا ہو سکتی ہے کہ جوان بیٹا بستر مرگ پر زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا اور ماں نے پلٹ کر خبر بھی نہیں لی تھی' یہ ماں کا روپ تو کیا' حیوان کا روپ بھی نہیں تھا۔ حیوان بھی اپنے بچوں کی خبر لے لیتے ہیں مگر اس کی ماں نہیں...... اس نے ماں کے کہنے میں آ کر اس لڑکی پہ الزام لگایا جو ایک سچا شفاف موتی جیسا دل رکھتی تھی۔ کیا قصور تھا زلیخا پھوپو کا کہ انہیں اس کے بھائی کے گھر سے نکالا جاتا' کیا ان کی حقیقت پسندی اور خیر خواہی کا یہ صلہ تھا کہ ان سے ہر تعلق ہی ختم کر لیا جاتا...... ہرگز نہیں سچ اور جھوٹ میں بڑا فرق ہوتا ہے اس کو جنم دینے والی جھوٹی تھی پھوپو کے سامنے کردار میں بھی وقار میں بھی۔

''تم کیسے انسان ہو نہ صرف پھوپو کی حق تلفی کی بلکہ اس کی بیٹی پہ بدکرداری کا الزام بھی لگایا۔'' جس کے کردار کی گواہی پہ خود اس کا دل گواہ تھا۔ کس بے دردی سے اس نے ہر رشتہ ختم کیا تھا۔

''اور پھر تمہیں سزا ملی۔'' دماغ اچانک بولا۔ ''بالکل سزا ہی ہے یہ معذوری۔''

''اس کا ظرف دیکھو دونوں دفعہ تمہیں اسپتال میں ایڈمٹ کروایا' دونوں دفعہ ہی خون دیا۔'' بڑی مالا مال تھی اس کی ذات۔ اس کی ہستی کی دیواریں ہلا ڈالی تھیں اس کے اچھے کردار اور جی داری نے دل کو نئے انداز میں دھڑکنا سکھا دیا تھا۔ دل غالب تھا اور مطلوب بھی' جوں جوں دن گزر رہے تھے دل کے تقاضے شدت اختیار کرتے جا رہے تھے اور اس کی ذات یوں تھی جیسے صحرا میں بکھری تپتی ہوئی ریت جو ہوا کی زد پہ دائیں بائیں اڑ رہی تھی۔ کبھی آگے' کبھی پیچھے' جیسے جیسے وہ جتا رہا تھا اور انداز واضح ہو کر محبت کی شدت کو اور بڑھاتا جا رہا تھا۔ من میں چاہت کے نئے شگوفے پھوٹتے تو من میں جلترنگ بج اٹھتے' دل شاد تھا تو دماغ سرور' تقاضہ ہائے محبت بڑھاتو وہ چلا اٹھا۔

''گڈو ناشتہ لاؤ۔''

''ابھی لایا صاحب۔'' تھوڑی دیر میں وہ ٹرے میں ناشتہ لے کر آ گیا۔

❋......❋......❋......❋
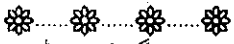
دو دن اماں کے پاس گزار کر وہ روٹین لائف میں واپس آ گئی تھی اور جیسا اس نے گڈو سے کہا تھا کہ پہلے کالج جاؤں گی اور پھر گھر تو وہ ایسے ہی سارے کام ترتیب دے رہی تھی۔ پریڈ پہ پریڈ لے کر وہ تھک کے نڈھال ہو چکی تھی۔

''جانا نہیں کیا؟'' اسے صوفے سے سر ٹکائے دیکھ کر اس کی کولیگ نے پوچھا۔

''چلنا ہے یار بس تھکن سی ہو رہی ہے۔'' وہ کالج سے نکل کر چند قدم ہی چلی تھی کہ اچانک مودت گاڑی لے کر آ گیا پیچھے محترم گڈو صاحب بھی بیٹھے تھے۔ آج دیر ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنا پوائنٹ بھی مس کر چکی تھی اس لیے کوئی بہانا بھی نہیں تھا۔

''آ جائیں۔'' وہ چپ چاپ پیچھے آ بیٹھی۔

''آپ دونوں؟''

''ہم دونوں آپ ہی کو لینے جا رہے تھے۔''

''سب ٹھیک ہے ناں؟''

''ہاں جی......بس آپ کے جانے سے سارا گھر اداس

ویران ہو چکا ہے۔ سوچا جا کے لے آئیں۔"

"بہت شکریہ اس محبت کا۔" ممنون ہوئی گھر آ کے زور سے سلام کیا گویا خشک دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ یہاں وہاں تک ایک روشنی سی بھر گئی تھی۔

"شکر ہے تیرے چہرے پہ بھی رونق آئی۔" حسن کے چمکتے چہرے کو دیکھا وہ جو اس خیال سے اوپر چڑھ آئی تھی کہ جاتے ہی پڑ کے سو جائے گی مگر اتنی فرصت ہی نہ ملی۔ گڈو چلا آیا۔

"باجی جی صاحب چائے کا کہہ رہے ہیں۔"

"میں انتہائی تھک چکی ہوں لیکن صاحب......؟"

بڑبڑاتی ہوئی نیچے چلی آئی۔ جونہی کچن میں گھسی گندی بو کے بھبکے ناک میں گھسے۔

"انتہائی نکمے ہو اور تمہارا صاحب......" چائے ابلنے کی وجہ سے سارا چولہا خراب ہو چکا تھا۔ سنک الگ برتنوں سے اٹا پڑا تھا۔ وہ کچن کے دروازے پر آ کر اسے دیکھنے لگا، چہرے سے تھکاوٹ صاف ظاہر تھی دل تو چاہا کہ چائے کے لیے منع کر دے لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش رہا اور اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔

"یار ابھی تک چائے نہیں آئی۔" مودت نے چینل سرچ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نفیس طبیعت کے باعث پہلے کچن صاف کرے گی پھر کچھ اور کام کرے گی ابھی اسے ایک ڈیڑھ گھنٹہ بھی لگ سکتا ہے۔" پھر واقعی ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ چاولوں بھری ڈش کے ساتھ نمودار ہوئی۔

"بلے بھئی مزاج شناساں۔" مودت نے توصیفی انداز سے کہا۔

"یہ ہے خاتون خانہ کا خالص پن، پتا نہیں تیری عقل کیوں گھاس چرنے چلی گئی تھی گل کو چھوڑ کر خار سے الجھ بیٹھا۔" اسے لتاڑا۔

"قسمت کہتے ہیں اسے۔"

"قسمت بنانے سے بنتی ہے میرے یار، جب ڈھب قسمت سنوارنے والے نہ ہوں تو......!"

"میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ اس لڑکی کے لچھن گھر بسانے والے نہیں مگر......"

"یار چمکتی چیز کو سونا سمجھ بیٹھا مت ماری گئی تھی میری نجانے کیا فن تھا اس کے پاس کہ میرے ہوش و حواس ہی قائم نہ رہے۔"

"اب بھی وقت ہے کر لے کچھ...... گھر آئی نعمت کو ٹھکرانا کفران نعمت سے کم نہ ہو گا۔" تبھی گڈو ڈش لے کر آ گیا سامنے چاولوں کی بھری ڈش پر نگاہ گئی تو اس کی بھوک چمک اٹھی۔

ڈاکٹر نے پرسوں تک پٹی کھلنے کی نوید سنا دی تھی۔ اسے کسی حد تک سکون مل گیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اک دھڑکا بھی تھا کہ اگر کوئی مسئلہ ہوا...... اس سے آگے سوچنا ہی محال تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اس کے چہرے پر سوچ کے دھارے پڑھ کر پوچھا۔

"بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ تم پھر چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔" وہ چپ سا ہو گیا۔ کتنی مخلص تھی اس کے ساتھ اور وہ کتنا گھٹیا تھا کتنا گر گیا تھا اپنی سطح سے، بہت چھوٹا محسوس کر رہا تھا وہ اپنے آپ کو۔

"باجی کیا بتایا ڈاکٹر صاحب نے؟" گڈو نے بھی اسے دیکھ کر پوچھا۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں کہ پرسوں تک پٹی کھل جائے گی، تمہارے صاحب پھر سے چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گے۔"

"شکر ہے میرے اللہ کا یک گونا اطمینان ہوا۔"

(جاری ہے)

قسط نمبر 3

نائلہ طارق

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

عرش دن کے اجالے میں اس لڑکی کے سامنے آتا ہے تو وہ عرش کے بدلے انداز دیکھ کر حیران ہوتی اسے ایک بار پھر راہ بدلنے کا کہتی ہے جس پر عرش اسے اپنی ماں کی خواہش کا بتا کر اسپتال چلنے کا کہتا ہے۔ صبغہ (زرکاش کی ماں) زرکاش کو دراج اور رائمہ سے دور رہنے کا کہتی ان کے کسی بھی معاملے میں پڑنے سے منع کرتی ہے، جس پر زرکاش انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسری طرف رائمہ کی شادی ہوجاتی ہے اور دراج کو زرکاش ہاسٹل شفٹ کردیتا ہے جہاں دراج کی طبیعت بگڑ جاتی ہے اور وہ رائمہ کے گھر آجاتی ہے یہ بات زرکاش کو پسند نہیں آتی اور وہ دراج کو سمجھا کر واپس ہاسٹل لے آتا ہے جبکہ رائمہ کے ساتھ اسد (رائمہ کا شوہر) بھی دراج کو اپنے گھر میں رکھنا چاہتا تھا۔ رجاب کو خطرے کا احساس ہوتا ہے حاذق اس کی نظروں کے سامنے ایک لڑکے سے مسلسل الجھ رہا ہوتا ہے تب رجاب گاڑی سے باہر نکلتی ہے اور دہشت گردوں کے عتاب کا شکار ہوجاتی ہے حاذق اسے بچانے کے لیے آگے بڑھتا ہے مگر دہشت گرد اسے پستول کے زور سے وہاں سے بھاگنے پر مجبور کردیتے ہیں جبکہ رجاب بے یارومددگار وہیں سڑک پر بے ہوش پڑی رہتی ہے۔ زرق کو رجاب کے زیورات سے غرض ہوتی ہے اس لیے وہ زخمی رجاب کے ہاتھ' کان سے سونے کے زیورات اتارتا ہے لیکن جانے سے پہلے رجاب کے گھر فون کرنے کا کہہ کر جاتا ہے۔ عرش کو اس لڑکی سے محبت ہوجاتی ہے اور اب عرش اسے سوچنے کے ساتھ اس کا انتظار بھی کرنے لگتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

دوپہر ڈھل چکی تھی' وسیع وعریض لان میں وہ تینوں ماں بیٹیاں موجود تھیں۔

''شکر ہے ہمارا گھر مکمل سیٹ ہوچکا ہے' اب بس اگلے ہفتے گھر کی خوشی میں قرآن خوانی اور دعوت کا اہتمام کرنے کی تیاری کرو۔'' صبغہ بولیں۔

''اف امی...... ابھی تو شفٹنگ اور گھر سیٹ کرنے کی تھکن بھی نہیں اتری۔'' شیزا کے چہرے سے بیزاری طاری تھی۔

''تم اور شیزا تو بس اپنے اپنے کمرے ڈیکوریٹ کرنے میں لگے رہے تھے' تھکن کا اظہار تو مجھے اور زرکاش بھائی کو کرنا چاہیے' اپنی مصروفیت کے باوجود انہوں نے میری اتنی مدد کی ہے۔'' شیزا کو خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے شذرا نے جتایا۔

''آج چھٹی کے دن بھی زرکاش کے کام نہیں ختم ہوئے' ہے کہاں ذرا پتہ تو کرو فون پر۔'' صبغہ بولیں۔

''امی...... زرکاش بھائی نے اپنے جن دوستوں کے ساتھ مل کر یہاں بزنس شروع کیا ہے وہ دونوں دوست یورپ ہی میں ہیں مگر بزنس میٹنگ کے سلسلے میں کل ہی یہاں پہنچے ہیں' ان کا قیام ہوٹل میں ہے۔ بھائی کو آج ان کے ساتھ ہی لنچ کرنا تھا تو ظاہر ہے اس وقت تو ان کو وہاں ہونا ہے۔'' شذرا نے تفصیل بتائی۔

''ہاں' مجھے بتایا تھا زرکاش نے مگر مجھے نہیں سمجھ آتیں یہ کاروباری باتیں...... تم اسے فون کرکے پوچھو کہ وہ کب تک

گھر آئے گا۔" صبغہ کوفت سے بولیں۔
"تھوڑا انتظار کرلیتے ہیں پھر کال کرتی ہوں ویسے آپ کو ان کے ساتھ کہیں جانا تھا کیا؟" شنذرا نے پوچھا۔
"ہاں..... تمہاری شادی کے لیے..... بس اب زیور کی خریداری ہی باقی رہ گئی ہے زرکاش آج ہی یہ کام کرنا چاہ رہا تھا مگر اب خود غائب ہے۔" صبغہ بولیں جبکہ شنذرا گھر کی ملازمہ کی طرف متوجہ ہوگئی تھی جو چائے کی ٹرالی کے ہمراہ وہاں آرہی تھی۔
"یہ لڑکا آخر کتنے پنجرے تیار کرے گا پرندوں کے لیے۔" صبغہ کے اشارے پر شنذرا بھی اس جانب متوجہ ہوئی تھی جہاں شیراز پنجرے ترتیب دینے میں مگن تھا۔
"اب اس گھر میں تو اسے اپنا شوق پورا کرنے دیں یہاں جگہ کی کمی تھوڑی ہی ہے۔" شنذرا نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر شیراز کو آواز دی تب ہی مانوس ہارن کی آواز پر شنزا سرعت سے گیٹ کی سمت دوڑی۔
"امی بھائی مجھ سے کہہ رہے تھے کہ نئے گھر کی خوشی میں جو دعوت ہوگی اس میں رائمہ کے سسرال والوں کو بھی شرکت کی دعوت دینی ہے آپ کے سامنے بھی ذکر کریں تو بس خاموشی سے سن لیجیے گا۔" پورچ کی طرف ایک نگاہ ڈال کر شنذرا نے عجلت میں ماں کو سمجھایا۔
"رائمہ یا اس کے سسرال والوں سے ہمارا کیا لینا دینا ان دونوں بہنوں میں سے کوئی قدم بھی نہ رکھے اس گھر میں ورنہ میں خاموش نہیں رہوں گا بھائی کے سامنے۔" شیراز نے شدید ناگواری سے کہا۔
"تو کون انہیں دعوت دینے جارہا ہے اب خاموش رہو۔" صبغہ اسے گھرک کر زرکاش کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں جو شنزا کو ساتھ لگائے اس سے کوئی بات کرتا آرہا تھا۔
"زرکاش بھائی..... آپ کے لیے گڈ نیوز آج میں نے ڈرائنگ روم بھی سیٹ کردیا سب کچھ کلیئر ہے چمک رہا ہے گھر۔"
"شکر ہے اللہ کا..... اب تم بھی سکون کی سانس لوگی اور میں بھی۔" جواباً اس نے مسکراتے ہوئے شنذرا سے کہا۔
"بھائی یہ لوگ اسی طرح بازاروں کے چکر میں بندے کو گھن چکر بنادیتی ہیں آپ کو اب اندازہ ہوا ہوگا میں تو شروع سے بھگت رہا ہوں۔" شیراز نے کہا۔
"ہاں جیسے ہمیں اور کوئی کام ہی نہیں تھا تمہیں گھن چکر بنانے کے سوا۔" شنذرا نے گھور کر کہا۔
"امی..... اپیا کی طرح آپ شنزا کا سسرال بھی دوسرے شہر میں ڈھونڈیے گا سکون ہی سکون ہوگا ہر طرف۔" شیراز نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔
"ہرگز نہیں احمر شنذرا کو اس شہر سے ہی لے جانے میں کامیاب ہوگیا مگر شنزا کو میں ہرگز ہرگز اتنی دور نہیں جانے دوں گا۔" زرکاش نے قطعی انداز میں فیصلہ سنایا۔
"اس کے نصیب میں جہاں جانا ہے یہ شادی ہوکر وہیں جائے گی احمر بھی تو یہاں سے اچانک اسلام آباد چلا گیا اپنی جاب کی وجہ سے ورنہ اس کے باقی گھر والے تو اسی شہر میں ہیں۔" صبغہ نے مسکراتے ہوئے یاد دلایا۔
"زرکاش بھائی آپ ابھی چائے لیں گے؟" شنذرا نے پوچھا۔
"نہیں فریش ہونے کے بعد تھکن محسوس ہورہی ہے کچھ۔"
"تھک گئے ہو تو اب گھر پر ہی آرام کرو اتنا وقت لگا کر آئے ہو تمہیں تو یاد بھی نہیں ہوگا کہ تمہارے ساتھ مجھے کہیں جانا تھا۔" صبغہ بولیں۔

''مجھے بالکل یاد ہے یہ کام تو آج ہی کرنا ہے ورنہ آپ بلاوجہ فکر کرتی رہیں گی کہ شادی کے لیے جیولری ابھی تک نہیں آئی......گھر کے لیے بھی آپ فکر میں مبتلا رہیں اب دیکھیں ماموں جان کے بالکل برابر میں گھر مل گیا تھوڑا صبر کرنے سے۔'' زرکاش نے کہا۔

''ہاں اللہ کا شکر ہے میری تو دلی خواہش پوری ہوگئی ماشاء اللہ سے بھرا پرا گھر ہے بھائی جان کا بڑا سہارا ہوگا مجھے۔'' صبغہ بولیں۔

''چلیں آپ خوش ہیں میرے لیے یہ زیادہ خوشی کی بات ہے۔''

''تمہیں تو ہمیشہ سب سے زیادہ میری خوشی کا خیال رہتا ہے میں تو دن رات تمہاری کامیابیوں اور خوشیوں کے لیے دعا کرتی ہوں۔ اللہ میرے چاروں بچوں کو شاد و آباد رکھے آمین۔'' صبغہ پُرشفقت نظروں سے ان چاروں کو دیکھتی دعا گو ہوئیں۔

''زرکاش......شنذرا کے رخصت ہونے کے بعد میں بالکل دیر نہیں کروں گی تمہاری شادی کے لیے۔'' صبغہ کے قطعی انداز پر وہ حیران ہوا۔

''امی بہتر تو یہ ہے کہ شنذرا کے بعد آپ شزا کی شادی کی تیاریاں شروع کریں میرے پاس کم از کم تین چار سال تک شادی کے لیے سوچنے کا بھی وقت نہیں ابھی میں نے بزنس اسٹارٹ کیا ہے میرا سارا وقت ابھی اپنے کام کے لیے ہے۔''

''زرکاش بھائی......تین چار سال تو بہت طویل عرصہ ہے۔ آپ شیراز پر اپنی کچھ ذمہ داری ڈالیں تاکہ آپ کو اپنی زندگی کے لیے بھی وقت ملے۔'' شنذرا بولی۔

''شیراز کو ابھی اپنی اسٹڈیز مکمل کرنی ہیں ویسے میں چاہتا ہوں یہ باہر جا کر اپنی اسٹڈیز مکمل کرے......وقت سے پہلے میں اس پر کام کا بوجھ نہیں ڈالوں گا۔'' زرکاش فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''امی......آپ نے میرے پاس صدقے اور خیرات کرنے کے لیے رقم رکھوائی تھی اس کا کیا کرنا ہے؟'' شنذرا نے اچانک یاد آنے پر پوچھا۔

''کرنا کیا ہے ظاہر ہے کسی مستحق کو ہی دینا ہے۔'' صبغہ بولیں۔

''امی......وہ رقم اس مفت خور کو پہنچا دیں جو آج بھائی کی بدولت ہاسٹل کی چھت تلے بیٹھی ہے ورنہ کرتوت تو اس کے سڑک پر بیٹھنے والے ہیں۔'' شیراز کے طنزیہ لہجے پر زرکاش کے تاثرات بدلے۔

''کوئی ضرورت نہیں وہ ہماری زکوٰۃ خیرات کے بھی قابل نہیں۔'' شزا ناگواری سے بولی۔

''اس طرح نہیں کہتے یہاں بات قابل ہونے کی نہیں مستحق ہونے کی ہے۔'' زرکاش گہری سنجیدگی سے بولا۔

''بھائی آپ اسے ہاسٹل تک پہنچا کر اسے اس کی اوقات سے زیادہ دے چکے ہیں۔ بہتر ہے کہ اب اس سے جان چھڑائیں۔'' شیراز بولا۔

''میرا خیال ہے اس بات کو یہیں ختم کر دینا چاہیے میں چینج کر کے آتا ہوں۔'' زرکاش نے وہاں سے اٹھ جانے میں دیر نہیں لگائی۔

''اچھا خاصا ماحول خراب کرنا کوئی تم سے سیکھے۔'' شنذرا نے ناگواری سے شیراز کو دیکھا۔

''شیراز نے ایسا کچھ غلط نہیں کہا ہے۔'' صبغہ نے اس سے زیادہ ناگواری سے شنذرا سے کہا۔

ہاتھ لے کر وہ واش روم سے باہر آیا تھا کہ فون پر آنے والی کال نے متوجہ کر لیا دوسری جانب سے جو کچھ کہا گیا وہ سن کر ہی زرکاش کے تاثرات بدل گئے تھے۔ لاؤنج میں موجود شزا نے حیرت سے اسے دیکھا جو سلیوز کے بٹن بند کرتا

تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

''آپ پھر کہیں جارہے ہیں؟'' شزا سوال کرتی اس کے پیچھے آئی۔

''امی کہاں ہیں شزا؟''

''وہ نماز پڑھ رہی ہیں مگر آپ کہاں جارہے ہیں؟'' جواب دے کر شزا نے پھر سوال دہرایا۔

''ایک دوست کی کال آئی ہے' میرا ابھی اس کے پاس جانا بہت ضروری ہے' امی سے کہنا کہ ہمیں جہاں جانا تھا وہاں کل ضرور چلیں گے۔'' عجلت میں اسے ہدایت دے کر وہ تیزی سے پورچ کی سمت بڑھ گیا۔

○......❀......○
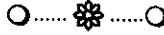
شدید نقاہت سے کراہتی وہ وہیں واش روم کے دروازے کے پاس نڈھال ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھائے جارہا تھا' طبیعت کل شام سے گڑبڑ تھی' اس نے زیادہ توجہ نہیں دی مگر رات میں تیز بخار اور وومیٹنگ نے اس کی حالت بگاڑ دی تھی' پانی کے دو گھونٹ بھی معدہ قبول نہیں کررہا تھا۔ صبح تک ہلدی کی طرح زرد ہوتی وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں غافل رہی تھی' باہر سے ابھرتی زرکاش کی بلند غصیلی آواز اسے سنائی دے رہی تھی' وہ وارڈن وغیرہ کی بے خبری اور لاپروائی پر برس رہا تھا۔ وارڈن نے اپنی صفائی میں کیا کہا' اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا' چکراتے سر کے ساتھ کچھ بھی سننا سمجھنا اس کے لیے ناممکن تھا' زرکاش ہاسٹل کی انتظامیہ پر برس سکتا تھا کیونکہ دراج کے یہاں قدم رکھنے سے پہلے ہی وہ ہاسٹل کو ڈونیشن کے نام پر ایک خطیر رقم دے چکا تھا اور آگے بھی دیتے رہنے کا وعدہ کیا تھا' صرف اس لیے کہ دراج کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہو اور اس کا خاص خیال رکھا جائے۔ کمرے میں آکر زرکاش نے وقت مزید ضائع نہیں کیا اور اسے ہاسٹل لے آیا تھا۔

ایک پرائیویٹ ہاسپٹل میں ملنے والے بہترین ٹریٹمنٹ کے بعد اس کا بخار اتر گیا تھا جس کے بعد اسے ڈرپ لگادی گئی تھی اور زرکاش کی جان میں جان آئی تھی ورنہ ہاسٹل میں اس کی حالت دیکھ کر وہ خود ہل گیا تھا۔ رائمہ کو اس نے کچھ دیر پہلے ہی کال کر کے ہاسپٹل پہنچنے کا کہا تھا۔ فوری طور پر اس لیے اطلاع نہ دی کہ کہیں وہ زیادہ گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار نہ ہوجائے۔ روم میں وہ اردگرد سے غافل دراج کے پاس تھا کہ امان کی کال آگئی تھی جسے ریسیو کرتا وہ روم سے باہر آگیا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے دراج کی اب؟''

''اب تو بہتر ہے' بس ڈرپ ختم ہوجائے اور ڈاکٹر دوبارہ اسے چیک کرلیں تو پھر نکلنا ہوگا یہاں سے۔''

''رائمہ اور اسد نکل چکے ہیں ہاسپٹل کے لیے' بہت پریشان تھی رائمہ۔'' امان نے بتایا۔

''میں نے سمجھایا بھی تھا کہ پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں' اپنے ساتھ ساتھ اس نے اسد کو بھی پریشان کیا ہوگا۔''

''وہ بہن ہے پریشان تو ہوگی' دراج اگر رات میں ہی رائمہ کو فون کردیتی تو تمہیں اس طرح پریشان نہ ہونا پڑتا۔'' امان نے کہا۔

''اس کی اسی حرکت پر غصہ آرہا ہے مجھے' ابھی سوئی ہوئی ہے' رائمہ کو آنے دو یہاں' اس کے سامنے ہی خبر لیتا ہوں۔''

''تم اسے ڈانٹنے کا ارادہ رکھتے ہو؟'' امان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ظاہر ہے' اس لاپروائی پر اسے میڈل تو نہیں دے سکتا' عجیب بے تکی بات کررہے ہو۔'' زرکاش کے خفگی بھرے لہجے پر امان ہنسا۔

''میں بے تکی نہیں ہانک رہا' میں بس یہ سن کر حیران ہوں کہ تم اسے ڈانٹ بھی سکتے ہو جبکہ مجھے یقین ہے کہ تم سختی

سے کوئی باز پرس بھی اس سے نہیں کرسکو گے۔ اتنی محبت کرنے والی لڑکی کے ساتھ تم سختی سے کیسے پیش آسکتے ہو۔'' امان مسکراتے لہجے میں بولا۔

''بہت شکریہ اس نئی اطلاع کے لیے۔'' زرکاش نے کوفت سے کہا۔

واپس روم میں آتے ہوئے اس نے بغور دراج کی بند آنکھوں کی لرزتی پلکوں کو دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بیڈ کے کنارے پر ہی بیٹھ گیا۔

''اس طرح آنکھیں بند رکھنے سے تم میری ناراضی سے نہیں بچ سکتی' حد ہوتی ہے دراج' کم از کم مجھے تو ایک کال کرنی چاہیے تھی' یہ ٹریٹمنٹ اگر وقت پر تمہیں مل جاتا تو اتنی حالت نہ بگڑتی تمہاری' اب آرہی ہے رائمہ' اسد کے ساتھ' کیا جواب دوں گا اسے؟ مجھے اسد کے سامنے کوتاہی نہ ہونے کے باوجود شرمندہ ہونا پڑے گا۔''

''مجھے معاف کردیں' میری وجہ سے آپ کو اتنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔

''اس سے زیادہ فضول بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔'' زرکاش نے ناراضی سے اسے دیکھا مگر پھر اس کی پیشانی پر نرمی سے ہاتھ رکھ دیا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میرے لیے اور رائمہ کے لیے تم کتنی اہم ہو...... تمہاری ذرا سی تکلیف بھی ہمارے لیے کتنی پریشان کن ہوسکتی ہے' مجھے کتنی امیدیں ہیں تم سے' مجھے مایوس کرنا اچھا لگے گا تمہیں؟''

''کبھی بھی نہیں' مجھے آپ کی بہت پروا ہے' اس لیے میں آپ کی ہر بات پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔'' وہ کمزور آواز میں بولی۔

''تو پھر یاد رکھو' میری پروا ہے تو آئندہ کبھی اپنی صحت کی طرف سے ایسی غفلت کا مظاہرہ مت کرنا۔'' اس نے تاکید کی۔

''زرکاش...... آپ میری ایک بات مانیں گے؟'' دراج کا کمزور لہجہ متذبذب تھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے' لیکن اگر تمہاری بات تمہارے حق میں بہتر ہوئی تو ہی مانوں گا ورنہ نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''مجھے یہ سب نہیں پتہ' بس آپ مجھ سے شادی کرلیں۔'' اس کے قطعی انداز نے زرکاش کو دنگ کردیا تھا' فوری طور پر وہ کچھ بول ہی نہیں سکا تھا۔

''مجھے پتہ تھا' کوئی جواب نہیں ہوگا آپ کے پاس' میں آپ کی ہر بات مانتی ہوں مگر آپ......'' گہری سانس بھر کر زرکاش نے اسے دیکھا جو آنکھوں پر ہاتھ رکھے سسک رہی تھی۔

''دراج پھر طبیعت خراب ہوجائے گی' اس طرح نہیں روتے ڈول......''

''میں کوئی ڈول شول نہیں ہوں۔'' وہ زرکاش کا ہاتھ جھٹک گئی' زرکاش اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکا تھا۔

''چڑیل کہوں گا تو بھی غصہ کرو گی' اچھا بات تو سنو' رونا بند کرو پہلے۔'' زبردستی اس کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر اس کے آنسو صاف کیے۔

''تمہیں کس نے کہا کہ میرے پاس کوئی جواب نہیں......؟ دراصل زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی نے مجھے یوں پرپوز کیا ہے اسی لیے میں کچھ دیر کے لیے مسمرائز ہوگیا تھا۔''

''زرکاش جو کام میرے اختیار میں نہیں اسے میں کوشش کے باوجود بھی نہیں کرسکتی' میں آپ کے ساتھ ایک گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔'' زرکاش کی بات کاٹتی وہ بھرائے لہجے میں بولی۔

''پہلی بات تو یہ کہ شادی ضرور ہوگی' وہ تو ایک دن ہونی ہی ہے' تب تک تم خود کو اس حد تک تو کوالیفائڈ کرلو کہ میں فخر

سے سب کو بتاسکوں کہ میری بیوی میرے شانہ بشانہ چلنے کی قابلیت رکھتی ہے.....''

''میں شادی کے بعد بھی تو پڑھ سکتی ہوں' آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی مجھ سے.....'' وہ زرکاش کی بات سمجھنے کے موڈ میں ہی نہیں تھی۔

''میرے اللہ' تمہیں سمجھانا کس قدر مشکل ہے دراج' دیکھو تمہیں ابھی اسٹڈیز مکمل کرنی ہیں اور مجھے فی الحال اپنے بزنس کو وقت دینا ہے اور بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں مجھ پر میری خاطر تمہیں صحیح وقت کا انتظار کرنا پڑے گا بس اب اس معاملے میں کوئی بحث میں نہیں کرنا چاہتا۔'' اس کے حتمی انداز پر دراج سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی جو بیڈ سے اٹھ کر کرسی پر براجمان ہوگیا تھا۔ لب بھینچے وہ اس کی جانب سے چہرہ پھیر گئی تھی تب ہی روم میں رائمہ اور اسد کی آمد ہوئی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ ہم دراج کو یہیں سے گھر لے چلتے ہیں' وہاں تم اس کے قریب رہوگی' ایسی طبیعت میں اس کا ہاسٹل میں رہنا ٹھیک نہیں۔'' اسد نے رائمہ سے کہا۔

''آپ کا کیا خیال ہے زرکاش بھائی؟'' رائمہ نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

''ان سے کیا پوچھ رہی ہیں..... طبیعت میری خراب ہے مجھ سے پوچھیں کہ میں کہاں جانا چاہتی ہوں۔'' زرکاش کے کچھ کہنے سے پہلے ہی دراج بگڑ کر بولی' جبکہ رائمہ نے بری طرح گڑبڑا کر زرکاش کے سنجیدہ ہوتے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہے جو مناسب لگے تمہیں مگر خیال رکھنا اس کی کلاسز ابھی شروع ہوئی ہیں زیادہ چھٹیاں نہ ہوں کالج کی۔'' زرکاش نے تاکید کی۔

''میں یہاں مر رہی ہوں اور آپ کو کالج کی پڑی ہے۔'' دراج سلگ کر بولی۔

''کس طرح بات کررہی ہو' تمیز تہذیب سب بھول گئی ہو کیا.....؟'' رائمہ نے غصے میں اسے ڈانٹا۔

''کوئی بات نہیں رائمہ' کچھ مت کہو اسے جاتے ہوئے ڈاکٹر سے اس کو ضرور چیک کروالینا بس' ڈیوز میں نے سارے کلیئر کردیئے تھے' میں چلتا ہوں پھر' تم گھر پہنچ کر مجھے کال کردینا۔'' زرکاش نے کہا' اسد سے الوداعی کلمات کہتے اس نے ایک نگاہ دراج پر ڈالی جو اس کی طرف شاید دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''احسان کرکے جتانے کی عادت خاندانی ہے' بتانا ضروری تھا کہ ہاسپٹل کے ڈیوز کلیئر کردیئے۔'' زرکاش کے جاتے ہی وہ ناگواری سے بولتی اسد کو مسکرانے پر مجبور کرگئی تھی۔

''تم بھی ان کے ہی خاندان سے ہو' اب منہ بند رکھنا۔'' اسد کی موجودگی میں اس کی چلتی زبان پر رائمہ نے گھرک کر اسے چپ کرایا۔

○...... ✿ ......○
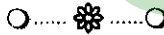
زمین آسمان تماشائی تھے' سڑک پر راج کرتے ہولناک سکوت کو اس کی کربناک کراہیں بھی نہیں توڑ پارہی تھیں' اس کا چہرہ ہی نہیں آہستہ آہستہ سارا وجود چھری چاقو کی دھاروں سے ادھڑتا جارہا تھا' اذیت سے اس کی کراہیں بھی بمشکل حلق سے کبھی آزاد ہوتیں تو کبھی حلق میں ہی گھٹ رہی تھیں..... مفلوج اعضاء کے ساتھ ٹائر سے سر ٹکائے نیم وا آنکھوں سے دور تاریکی میں وہ کچھ جانوروں کی حرکات وسکنات دیکھ رہی تھی' جس اذیت میں وہ سانس لے رہی تھی اس میں وہ کسی خطرے اور خوف کو محسوس کرنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ بھیانک رات قیامت کی تھی' ایک ایک بھاری لمحہ اس کی حسیات کو کچلتا چیونٹی کی رفتار سے گزر رہا تھا۔

کانپتی سانسوں کو کھینچتی وہ ان جانوروں کو اسٹریٹ لائٹ میں دیکھ سکتی تھی جو تاریکی سے نکل کر آگے پیچھے سڑک پر

آتے جارہے تھے‘ ان کے بھونکنے کی آوازیں کریہہ تھیں‘ تعداد میں وہ سات تھے‘ کبھی بھونک کر کبھی دم ہلا کر وہ آگے بڑھتے پھر پیچھے ہٹ جاتے‘ کبھی ادھر ادھر ہوتے اور کبھی ایسے تکتے جو پیر پھیلائے بے حس و حرکت بکھرے وجود کے ساتھ بیٹھی تھی‘ اس کی ساری جان بس آنکھوں تک محدود رہ گئی تھی‘ ہوش و حواس مکمل ساتھ نہ ہونے کے باوجود اذیتوں کے جہنم میں جھلستے ہوئے بھی اسے یاد آنے لگا تھا کہ ان ناپاک جانوروں کو اپنے قریب نہیں آنے دینا..... لرزتے ہاتھ سے اس نے ٹٹولا تھا‘ قریب رکھے پتھروں کے ڈھیر سے ایک پتھر اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا‘ بمشکل پتھر اٹھا کر اس نے ان جانوروں کی طرف پھینکا مگر اس میں اتنی قوت نہیں تھی کہ پتھر آگے تک جاتا‘ وہ پتھر وہیں اس کے پیر کے پاس گر گیا تھا لیکن یہ ضرور ہوا تھا کہ وہ سب جانور بھونکتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے مگر وہاں سے بھاگے نہیں‘ مزید ایک اور پتھر ٹٹولتے ہوئے اس پر غشی طاری ہونے لگی تھی‘ اس سے پہلے کہ دماغ تاریکی میں ڈوب کر اذیت کی شدت سے نجات پالیتا‘ کہ یک لخت اس کی آنکھیں کھلی تھیں‘ وہ سب اس کے بے حد نزدیک آچکے تھے‘ ان میں سے ایک اس کے پیروں کے قریب کچھ سونگھتا منہ مار رہا تھا‘ تڑپ کر پیر سمیٹتے ہوئے اس کے حلق سے آزاد ہوتیں فلک شگاف چیخیں آسمان تک جا پہنچی تھیں‘ وہ سب جانور ایک بار پھر بدک کر دور ہوتے چلے گئے تھے‘ چیخنے سے زخموں کی اذیت بڑھتی چلی گئی تھی‘ جیسے ان پر نمک مرچ چھڑک دیا گیا ہو‘ اس کی چیخیں تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں‘ جانے کب تک وہ ایڑیاں رگڑتی سرکی پشت ٹائر سے ٹکراتی رہی تھی‘ مگر کب تک..... آہستہ آہستہ اس کی چیخیں معدوم ہوتیں پھر آہوں‘ کراہوں میں بدلنے لگی تھیں‘ کھلتے زخموں سے سرخ سیال دوبارہ رفتار پکڑ چکا تھا۔

''گھبراؤ مت میں تمہارے ساتھ ہوں.....'' دور کہیں سے ایک مانوس سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ آوازوں کی بازگشت اسے کچھ یاد دلا رہی تھی‘ دور رکے وہ جانور بھی اب خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ تیز تیز چلتی سانسوں کے درمیان ٹائر کا سہارا لے کر اپنے بے جان قدموں پر کھڑے ہونے کی کوشش میں وہ جانے کتنی بار ناکام ہوئی تھی۔

سڑک پر دور سے آتی ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس اسے دکھائی دے رہی تھیں۔ گاڑی کے سہارے وہ اپنا توازن بمشکل قائم رکھے ہوئے تھی‘ وہ ایک کار تھی جو قریب آتی جارہی تھی‘ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے اس نے ہاتھ سے کار کو رکنے کا اشارہ دیا تھا‘ اس کار میں ایک فیملی تھی‘ کار کی اسپیڈ کم ہوگئی تھی‘ مگر پھر یک دم کار میں موجود بچوں اور عورت کی چیخیں اس کے لہولہان چہرے اور لباس کو دیکھ کر بلند ہوئی تھیں‘ ان سب کے لیے یہ ایک ہولناک منظر تھا‘ ڈرائیو کرتے مرد نے گھبرا کر کار کی اسپیڈ بڑھا کر اس طرح اندھا دھند بھگائی کہ اس کا لاغر لڑکھڑاتا وجود کار کی زد میں آتا دھپ سے منہ کے بل گرا تھا‘ کوئی چیخ‘ کوئی کراہ اس کے حلق سے برآمد نہ ہوئی تھی‘ سڑک پر دوبارہ سیاہ پر پھیلاتا سکوت آہستہ آہستہ اس کے بے جان وجود کو نگلتا جارہا تھا‘ وہ سب جانور اس کے گرد گھیرا باندھ کر کھڑے ہوگئے تھے‘ نیم بے ہوشی میں اسے کسی گاڑی کے بریکس اور ٹائرز کی چنگھاڑ سنائی دی تھی‘ کوئی چیختا ہوا اس کی سمت آرہا تھا‘ دو ہاتھوں نے اسے سیدھا کیا تھا‘ اگلے ہی پل وہ شخص اسے بازوؤں میں جکڑے حلق کے بل چیختا اسے پکار رہا تھا‘ اس کا نام لے رہا تھا‘ اس شخص کو اس کی آواز کو وہ بند آنکھوں سے بھی پہچان سکتی تھی‘ وہ راسب تھے‘ جن کی زندگی اس کے وجود میں قید تھی‘ اب اگر ان مہربان بازوؤں میں وہ دم بھی توڑ دیتی تو کوئی غم نہ ہوتا‘ بہت پرسکون ہو کر اس نے تاریکیوں میں خود کو اتر نے دیا تھا۔

○.....❁.....○
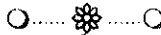
ہاسپٹل کے بیچ بستہ خاموش ماحول میں آتے ہی اسے کچھ گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی‘ ماربل کے صاف ستھرے چمکتے ہوئے چکنے فرش پر سنبھل سنبھل کر چلتی وہ حیران بھی تھی‘ اس نے تو ہمیشہ سرکاری ہسپتالوں کا شور و غل اور گندگی میں لتھڑے فرش ہی دیکھے تھے‘ جبکہ ایسے ہسپتال میں تو کبھی اس کی رسائی نہیں ہوسکتی تھی‘ ڈاکٹرز‘ نرسز یہاں تک کہ اس

ہاسپٹل میں آتے جاتے عام لوگ بھی اسے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہے تھے سیڑھیاں چڑھتی وہ اوپر آئی تھی' سامنے پھیلے روشن' ہوادار کاریڈور میں اسے مطلوبہ روم نظر آ گیا تھا دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ایک پل کو رک کر اندر کمرے میں جھانکا تھا' خنک سی خاموشی میں وہ بیڈ پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھیں' اپنا اعتماد بحال کرتی وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی بیڈ کے قریب پہنچ گئی تھی' ان کی آنکھیں بند تھیں' اور ان کے گرد سیاہ حلقے نمایاں تھے ان کے چہرے کے گرد نور کا ہالہ سا تھا مگر چہرے سے ان کی بیماری کی طوالت' اس کی اذیت اور کمزوری کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا' روشن' روشن سے نقش میں اسے کسی کا چہرہ نظر آیا تھا' وہ اسے بالکل بھی اجنبی نہیں لگ رہی تھیں' وقت اور بیماری نے مل کر ان کے چہرے کی روشنی کو ماند ضرور کر دیا تھا مگر مٹا نہیں سکے تھے' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ان کے جاگنے کا انتظار کرے یا پھر ان کو اپنی موجودگی کا احساس دلائے...... ابھی وہ اسی تذبذب میں تھی کہ ان کی کھلتی آنکھوں نے اسے ساکت کر دیا تھا۔ شہد رنگ آنکھوں میں اسے دیکھ کر حیرانی ابھری تھی مگر پھر ان کے خشک ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

''تم عرش کے ساتھ آئی ہو؟'' کمزور مگر خوشی سے بھرپور لہجے میں وہ بغور اسے دیکھ رہی تھیں' نیلے رنگ کی پھول دار چادر میں اس کے سادہ سے چہرے پر شازمہ کو پاکیزگی کی چمک نظر آ رہی تھی۔

''نہیں' میں خود ہی آئی ہوں' عرش کو میرے یہاں آنے کا پتہ بھی نہیں ہے۔'' وہ جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔ جبکہ شازمہ بمشکل خود کو کھینچ کر سیدھا کرنے کی کوشش کرنے میں لگی تھیں' اس نے فوراً ان کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھائے تھے۔

''یہاں بیٹھ جاؤ' میرے قریب۔'' شازمہ کے محبت بھرے لہجے پر وہ ان کے سامنے ہی بیڈ کے کنارے ٹک گئی تھی۔

''آرام سے بیٹھو اتنی جلدی نہیں جانے دوں گی تمہیں...... بہت دل تھا میرا کہ تم سے ملوں' تمہیں دیکھوں' تم سے باتیں کروں' عرش تمہارا بہت ذکر کرتا ہے' اس نے کبھی مجھ سے اپنے کسی دوست کے بارے میں بات نہیں کی اور لڑکی کے بارے میں تو کبھی بھی نہیں۔'' شازمہ بڑی محبت سے اس کا ہاتھ پکڑے بتا رہی تھیں۔

''عرش کے پاس اپنے لیے وقت بھی تو نہیں ہوتا...... پھر دوست کیسے بنا سکتا ہے' میری وجہ سے اسے دن رات بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔'' شازمہ کا لہجہ بجھ سا گیا تھا۔

''وہ آپ کا بیٹا ہے' آپ کے لیے جتنا کرے کم ہے اور پھر سب ہی مرد روپے کماتے ہیں۔'' وہ تسلی دینے والے انداز میں بولی۔

''مگر اس کی عمر ابھی پڑھنے لکھنے کی ہے' ذمہ داریوں کا بوجھ تو اس پر بہت کم عمری میں آن پڑا تھا' عرش نے تو تمہیں بتایا ہی ہوگا۔ اس کے پاپا کی بہت آرزو تھی کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے مگر......'' شازمہ ایک پل کو خاموش سی ہو گئی تھیں۔

''عرش نے مجھے بتایا تھا کہ تم بہت باہمت اور بہادر لڑکی ہو' اپنی ماں کے لیے بہت محنت کرتی ہو' ان کا خیال رکھتی ہو' کیسی طبیعت ہے اب تمہاری امی کی......؟''

''بہتر ہیں وہ...... میرا اور عرش کی زندگی کا بھی اہم مقصد یہی ایک ہے کہ ہماری مائیں سلامت رہیں اور ہمارے قریب رہیں اسی لیے ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں۔'' وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''مائیں بھی تو ہمیشہ اپنی اولاد کو خوش اور کامیاب دیکھنا چاہتی ہیں مگر...... میری وجہ سے عرش کی زندگی بہت مشکل ہو چکی ہے۔'' شازمہ کے لہجے میں رنجیدگی در آئی تھی۔

''ایسا مت کہیں' آپ ہی تو اس کی زندگی ہیں' آپ ہیں تو سب کچھ ہے' اس کے لیے آپ سے بڑھ کر قیمتی کچھ بھی نہیں' بہت جلد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا' وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔'' وہ بولی۔

''ہاں بہت جلد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' شازمہ زیر لب عجیب لہجے میں بولی تھیں۔ ''تم عرش سے کہاں ملی تھیں

پہلی بار؟'' شازمہ نے اچانک ہی پوچھا۔
''عرش نے آپ کو نہیں بتایا؟'' وہ گڑبڑائی۔
''نہیں' میں اس سے زیادہ سوال نہیں کرپاتی' بس اسے دیکھتی رہتی ہوں' اسے سنتی رہتی ہوں' جب جب وہ سامنے آتا ہے میرے دل کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ پتہ نہیں اسے دوبارہ دیکھ سکوں گی بھی یا نہیں......''
''ابھی آپ کو اس کی بہت خوشیاں اور کامیابیاں دیکھنی ہیں' اس لیے سارے اندیشے دل سے نکال دیں۔'' اس نے حوصلہ دیا۔
''تم نے بتایا نہیں' عرش سے کہاں ملاقات ہوئی تھی تمہاری؟'' شازمہ نے سوال دہرایا۔
''وہ...... جہاں گیراج میں عرش کام کرتا ہے' میرا گھر بھی وہیں قریب ہے' امی کو ہاسپٹل لے جانے میں عرش نے میری مدد کی تھی۔'' فوری طور پر یہی اس کے ذہن میں آیا تھا۔
''کیا ہوا تھا تمہاری امی کو' کیا تمہارے گھر میں اور کوئی نہیں؟''
''جی بس اچانک طبیعت بگڑ گئی تھی' بھائی ہے ایک میرا لیکن اس دن وہ گھر پر نہیں تھا' عرش جانتا ہے میرے بھائی کو۔'' وہ بولی۔
''اچھا' کیا کرتا ہے تمہارا بھائی...... پڑھتا ہے؟''
''نہیں وہ کام کی تلاش میں ہے۔''
''تم عرش سے کہو' اپنے گیراج میں تمہارے بھائی کو کام دلوائے عرش اسے کام سکھا بھی دے گا' بہت ماہر ہے وہ گاڑیوں کے کام میں' اس کا خواب ہے اپنا ایک بڑا سا گیراج بنانے کا۔''
شازمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''جی ضرور' میں اپنے بھائی سے کہوں گی وہ خود عرش سے بات کرلے گا کام کے سلسلے میں۔''
''ماں اور گھر کی ذمہ داریوں میں تم بھی پڑھائی نہیں کرسکی ہوگی۔'' شازمہ نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
''حالات ہی کچھ ایسے رہے کہ بہت مشکل سے دسویں کا امتحان دے پائی تھی۔'' وہ نادم سے انداز میں بتارہی تھی۔
''اس میں تمہارا قصور نہیں ہے بیٹا' زندگی میں موقع ملے تو پڑھائی کا سلسلہ پھر سے شروع کرنا' عرش نے تو مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اپنے پاپا کا خواب پورا کرے گا۔''
''میں ضرور آپ کی اس نصیحت پر عمل کروں گی۔'' وہ بولی۔
''ایک بات کہوں تم سے؟'' شازمہ بولیں۔
''جی ضرور۔''
''زندگی اور موت کا کوئی بھروسہ نہیں' میں جب تک ہوں' تب تک ہوں' اللہ تمہاری اور عرش کی عمر دراز کرے' بس تم عرش کی ہمیشہ خبر رکھنا' اسے یہ احساس رہے گا کہ کوئی ہے اس کی فکر کرنے والا' وہ تنہائی سے بہت گھبراتا ہے' وہ اپنے پاپا کے بہت قریب تھا' ان کے جانے کے بعد سے بہت حساس ہوچکا ہے' میرے بعد تو وہ بالکل......'' شازمہ بات مکمل نہ کرسکی تھیں۔
''ایسا مت سوچیں کہ عرش کو آپ کے بغیر رہنا پڑے گا' آپ ٹھیک ہوکر بہت جلد اپنے گھر جائیں گی' بےفکر رہیں' نہ آپ اس سے دور جارہی ہیں نہ میں کہیں جارہی ہوں' ہم دونوں عرش کی زندگی میں اس کے ساتھ ہیں اور رہیں گے۔ میں ہمیشہ عرش کی ہی نہیں آپ کی بھی خبر رکھوں گی' آپ سے ملنے آپ کے گھر بھی آتی رہوں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے

یقین دلا رہی تھی۔

''تم بہت اچھی ہو اس سے کہیں زیادہ اچھی جتنا کہ عرش نے بتایا تھا۔'' شازمہ کے پُرشفقت لہجے پر وہ جھینپ کر مسکرائی۔

''آپ نے مجھے پہچان کیسے لیا تھا؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''میں بہت دن سے تمہاری منتظر تھی اس لیے جب تم آئیں تو پہچاننے میں کوئی وقت نہیں ہوئی...... میں بہت خوش ہوں تم نے یہاں آ کر میری خواہش کو پورا کر دیا ورنہ میں نے جب جب عرش سے تمہارے آنے کا پوچھا وہ ٹال دیتا تھا' اچھا ہوا جو تم عرش کے ساتھ نہیں آئیں ورنہ پھر وہی بولتا رہتا اور ہم دونوں اتنی باتیں نہیں کر پاتے۔'' شازمہ کے لہجے میں عرش کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

''میں تو بھول گئی' میں آپ کے لیے کچھ لائی تھی۔'' اپنی بھول پر شرمندہ سی ہوتی وہ اپنا بیگ کھولنے لگی۔

''مجھے کچھ اور سمجھ نہیں آ رہا تھا' یہ شال مجھے اچھی لگی آپ کے لیے سو یہی لے آئی۔''

''تم نے اس کی زحمت کیوں کی' تمہارا آنا ہی میرے لیے بہت تھا' واقعی یہ شال بہت پیاری ہے' میں اسے ضرور پہنوں گی۔'' شال ہاتھوں میں لے کر شازمہ نے دل سے تعریف کی تھی' شال بہت نفیس اور نرم و ملائم تھی اس پر اونی دھاگوں سے بنے نقش و نگار بھی بہت جاذب نظر تھے۔

''میرے پاس اس وقت تمہیں دینے کے لیے صرف پیار اور بہت سی دعائیں ہیں۔'' محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے شازمہ بولیں۔

ونڈو کے قریب رکے عرش نے ایک بار پھر اندر جھانکا تھا' جو منظر نظر آ رہا تھا وہ اس پر سے نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا' اندر شازمہ اس کی پیشانی بہت محبت سے چوم کر اسے گلے لگا رہی تھیں' عرش کی آنکھوں میں یہ منظر جذب ہوتا ٹھہر گیا تھا' محبت اور اپنائیت کے سارے رنگ تھے اس منظر میں غم اور خوشی کے درمیان سانس لیتیں مسکراہٹیں' امیدیں تھیں' کہیں کوئی کمی نہ تھی' سب کچھ مکمل تھا اس منظر میں۔ وہ الوداعی کلمات کہتی رخصت ہونے کے لیے اٹھ چکی تھی' عرش اس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا' لہٰذا اس کے چلے جانے کا یقین ہونے کے بعد ہی وہ کمرے میں آیا تھا۔ شازمہ اسے دیکھ کر حیران نہیں ہوئی تھیں' خوشی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ شازمہ نے اس کا ماتھا چوما تھا۔

''اب تمہیں اندازہ ہوا کہ مجھے اس کا کتنا انتظار تھا' میرے انتظار کی شدت اسے کھینچ لائی۔''

''آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''انجان مت بنو میں جانتی ہوں کہ تم کافی دیر سے باہر ہی کھڑے تھے۔'' شازمہ کے پیار سے ڈپٹنے پر اس نے گہری سانس لی۔

''ماما...... آپ کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ میں ہاسپٹل میں قدم رکھ چکا ہوں۔''

''تم میرے ہی وجود کا حصہ ہو' تمہاری خوشبو تم سے پہلے ہی مجھ تک آ جاتی ہے' اس لیے مجھ سے چھپنے کی کوشش نہ کیا کرو۔''

''میں آپ کی نظروں سے چھپنے کی کوشش کروں گا بھی کیوں' میں تو اس بے وقوف لڑکی کی وجہ سے اندر نہیں آیا...... شاید وہ مجھے اچانک یہ اطلاع دینا چاہتی ہوگی کہ وہ آپ سے ملنے یہاں آئی تھی' اس لیے میں نے اس کا سرپرائز خراب کرنا ٹھیک نہیں سمجھا۔'' وہ بولا۔

''ہاں' ٹھیک کیا تم نے' شاید تمہاری موجودگی میں وہ مجھ سے کھل کر بات نہ کر پاتی...... اور تم نے اسے بے وقوف

کیوں کہا.....؟ بہت سمجھدار لڑکی ہے وہ میں بہت خوش ہوں اس سے مل کر..... دیکھو کتنی خوب صورت شال لے کر آئی ہے وہ میرے لیے۔'' شازمہ نے مسکراتے ہوئے شال اسے دکھائی۔

''اچھا یہ بتائیں کیسی لگی وہ آپ کو؟'' مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ تمہاری دوست ہے اچھی تو ہوگی اور بہت پیاری بھی۔''

''جو بھی ہے آپ کے لیے وہ مجھ سے زیادہ اچھی اور پیاری نہیں ہوسکتی۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا۔

''تمہارا کسی سے کوئی مقابلہ نہیں' تم میرے بیٹے ہو تم سے زیادہ اچھا اور پیارا میرے لیے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔'' شازمہ نے پیار سے اس کے چہرے کو چھوا۔

''میرے لیے بھی آپ سے بڑھ کر کچھ نہیں۔'' ان کے ہاتھ چومتا وہ بولا۔

''عرش..... ڈاکٹر سے بات کرو میں اب گھر جانا چاہتی ہوں بیٹا' اب برداشت نہیں ہوتا' بہت دل گھبراتا ہے یہاں میرا۔'' شازمہ کے بے بس لہجے نے اسے سنجیدہ کردیا تھا۔

''ماما..... یہاں ڈاکٹرز کی نگرانی میں جتنی دیکھ بھال ہوتی ہے' وہ گھر پر ممکن نہیں' بس کچھ دن اور ٹھہر جائیں پھر ہمیں گھر ہی تو جانا ہے۔'' اس کے سمجھانے والے انداز پر شازمہ غائب دماغی سے سرہلاتیں خاموش رہی تھیں۔

○......✿......○

بیڈ پر نیم دراز وہ ایک میگزین کی ورق گردانی کررہی تھی جب رائمہ کمرے میں آئی۔

''دراج..... ڈرائنگ روم میں آؤ' زرکاش بھائی آئے ہیں۔''

''تو میں کیا کروں..... جا کر ان کو اکیس توپوں کی سلامی دوں؟ آپ کافی ہیں ان کے آگے پیچھے ہونے کے لیے' نہیں آتی میں۔'' وہ اکھڑ کر بولتی دوبارہ میگزین کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے.....؟ پچھلے چار دن سے وہ تمہاری فکر میں صبح شام فون کرتے رہے ہیں اور آج تمہارے لیے یہاں آئے ہیں' اس طرح کسی کے خلوص کا جواب نہیں دیا جاتا' تم ان کو یہ سوچنے پر مجبور مت کرو کہ ان کے گھر والے تمہارے لیے جس غلط بیانی سے کام لیتے ہیں وہ ٹھیک ہے۔'' اسے گھرکتے ہوئے رائمہ نے سمجھایا۔

''ٹھیک ہے وہ تمہارے بارے میں پوچھیں گے تو ان کو یہیں بھیج دوں گی۔'' اس کی ڈھٹائی پر رائمہ پیر پٹختی ہوئی چلی گئی۔ جبکہ وہ میگزین پٹختی ناگواری سے بڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

ہاسپٹل سے وہ رائمہ کے ساتھ گھر آ گئی تھی مگر یہاں آنے کے بعد نہ اس نے زرکاش کو کال کی تھی نہ ہی اس کی کالز ریسیو کی تھیں' اسے پوری امید تھی کہ زرکاش اس کی ناراضی پر دوسرے ہی دن رائمہ کی طرف آئے گا اور سچ تو یہ تھا کہ وہ رائمہ سے کہہ دینا چاہتی تھی کہ اسے زرکاش سے ملنا تو در کنار وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ یہ شخص چکنا گھڑا ثابت ہوا تھا جس پر کوئی چیز اثر ہی نہیں کرتی تھی زبان اور جذبات کے ذریعے وہ جس حد تک کھل کر اظہار کرسکتی تھی اس سے اپنی محبت کا' وہ کرچکی تھی' اپنی باتوں اور عمل سے بھی تمام حربے آزما چکی تھی مگر وہ کسی طور قابو میں نہیں آرہا تھا' وہ بیزار ضرور ہوگئی تھی مگر اس کے باوجود اپنے مقاصد میں ناکام نہیں ہونا چاہتی تھی۔ ہلکی سی دستک کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے زرکاش نے بغور اس کے تاثرات دیکھے تھے جو اسے دیکھ کر فوراً سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

''کیا بات ہے بھئی' سلام دعا کچھ نہیں.....'' کچھ فاصلے پر رکتے زرکاش نے مصنوعی حیرت سے پوچھا مگر جواباً اس کے منہ پھیرنے پر وہ دھیرے سے مسکراتا اس کے سامنے براجمان ہوگیا۔

''اچھا یہ تو بتادو اب طبیعت کیسی ہے؟''

''آپ کو اس سے کیا غرض' میں جیوں یا مروں۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ تلخی سے بولی۔

''لگتا ہے ٹھیک ٹھاک ناراض ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ زیادہ دیر تم مجھ سے ناراض نہیں رہ سکتیں۔''

''آپ کو مجھ پر یہ یقین اس لیے ہے کہ یہ یقین میں نے ہی آپ کو دیا ہے...... مگر آپ مجھے کوئی یقین' کوئی بھروسہ نہیں دے سکے ہیں۔'' وہ سلگ کر تیز لہجے میں بولی۔

''دراج...... جن کی عزت کی جاتی ہے ان کی ہر بات کو اہمیت دی جاتی ہے۔''

''اور آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نہ میں آپ کی عزت کرتی ہوں نہ ہی آپ کی بات کو اہمیت دیتی ہوں؟'' وہ تیزی سے بات کاٹ گئی۔

''تم عزت کرنا اور کروانا جانتی ہو' بات کو سنتی بھی ہو مگر نہ اس پر غور کرتی ہو کہ وہ تمہارے حق میں کتنی بہتر ہے' نہ ہی اسے سمجھنے کی کوشش کرتی ہو ورنہ تمہیں یہ یقین ضرور ہوتا مجھ پر کہ مجھے تم سے زیادہ تمہارے مستقبل کی فکر ہے۔''

''میں اس وقت بھی آپ کی کوئی بات نہیں سمجھنا چاہتی' بہتر ہے کہ آپ مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔'' وہ بری طرح جھلائے انداز میں بیڈ سے اتر رہی تھی کہ زرکاش نے اس کا ہاتھ پکڑ کے روکا۔

''کیوں اتنا غصہ کر رہی ہو' میری پوری بات تو سن لو۔'' زرکاش کا انداز صلح جو تھا۔

''میں کہہ چکی ہوں کہ مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی...... آپ کے گھر میں اگر کوئی آپ کی نہیں سنتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ مجھے تختہ مشق ہی بنالیں' اپنے مشاہدات اور زندگی کے سیاق و سباق آپ اپنے تک محدود رکھیں' مجھے مت سمجھائیں۔'' اس کا ہاتھ جھٹکتی وہ غصے میں جیسے پھٹ پڑی تھی' زرکاش ایک پل کو دنگ رہ گیا تھا مگر اگلے ہی پل سرخ چہرے کے ساتھ خاموشی سے اٹھتا کمرے سے نکلتا چلا گیا' بند دروازے کو سلگتی نظروں سے دیکھتی وہ سر جھٹک کر رہ گئی تھی لیکن دل کی بھڑاس نکل جانے کے بعد دماغ نے سرزنش کرنی شروع کر دی تھی۔ اس طرح کھری کھری سنا کر وہ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہی تھی' زرکاش کو کیا پڑی ہے کہ وہ اپنی انسلٹ کروانے بار بار اس کے پاس آتا...... اسے تو اپنی فرماں برداری' محبت اور جذبات سے زرکاش کو گرویدہ رکھنا تھا' وہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ اگر بدظن ہو کر زرکاش نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تو...... اس کے سارے مقاصد خاک میں مل جانے ہیں' اس کا دل ہولنے لگا تھا۔

''دراج...... کہاں گم ہو؟'' رائمہ کی آواز نے اسے چونکایا۔

''کچھ نہیں بجیا...... سوچ رہی ہوں ہاسٹل چلی جاؤں کل کالج بھی جانا ہے اتنے دن سے کتابیں کھول کر بھی نہیں دیکھیں۔''

''مگر تم اچانک جانے کی بات کیوں کر رہی ہو؟ زرکاش بھائی نے کچھ کہا ہے؟'' رائمہ نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں وہ کیا کہیں گے' میں کوئی ان کے حکم کی غلام تو ہوں نہیں بس اب جانا چاہتی ہوں۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

''میں تمہاری طبیعت کی وجہ سے ابھی تمہیں بھیجنا نہیں چاہتی' دو چار دن اور رک جاؤ......''

''میں اب ٹھیک ہوں' طبیعت گڑبڑ محسوس ہوئی تو واپس آجاؤں گی مگر مجھے آج ہی ہاسٹل جانا ہے۔'' وہ قطعی انداز میں بولی۔

ہاسٹل پہنچ کر اس نے صبح کالج جانے کے لیے اپنی تیاری مکمل کی اور پھر اپنے نوٹس مکمل کرتے ہوئے زرکاش کی کال کا انتظار بھی شروع کر دیا تھا' پچھلے چار دنوں سے وہ اس کی کالز اگنور کر رہی تھی اور اب جب اسے شدت سے انتظار تھا تو وقت تھا کہ گزر ہی نہیں رہا تھا' گیارہ بجنے میں کچھ وقت باقی تھا جب تھکن سی محسوس ہونے پر اس نے کتابیں سمیٹ کر

تکیہ سنبھال لیا تھا۔ زرکاش سے بات کیے بغیر وہ سونا نہیں چاہتی تھی نہ ارادہ تھا مگر یہ دواؤں کا ہی اثر تھا کہ غنودگی کب طاری ہوئی اسے پتہ بھی نہیں چلا‘ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اچانک آنکھ کھلنے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس نے فون چیک کیا مگر کوئی کال کوئی میسج تک زرکاش کا نظر نہیں آیا تھا‘ بلاسوچے سمجھے اس نے اسی وقت زرکاش کو کال کی۔

’’دراج...... سب خیریت تو ہے؟‘‘ اس کی خاموشی پر وہ تشویش میں مبتلا ہوا۔

’’مجھے آپ سے معافی مانگنی تھی اس لیے کال کی۔‘‘

’’کیا......؟‘‘ زرکاش کو اپنی سماعتوں پر شبہ ہوا۔

’’مجھے معاف کردیں‘ مجھے آپ سے اتنے غلط طریقے سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔‘‘ وہ خفیف سے لہجے میں بولی۔

’’دراج...... رات کے تین بجے تم نے صرف یہ کہنے کے لیے مجھے کال کی ہے؟‘‘

’’نہیں...... آپ کو یہ بھی بتانا تھا کہ میں آپ کی ناراضگی بالکل برداشت نہیں کرسکتی‘ غلطی میری تھی اس لیے بہت گلٹی فیل ہورہا تھا سو اس وقت آپ کی نیند ڈسٹرب کرنے پر مجبور ہوگئی۔ آپ کے ناراض ہونے سے لگ رہا ہے ساری دنیا مجھ سے خفا ہوگئی ہے۔‘‘ وہ ندامت سے چور لہجے میں بولی۔

’’میں بس تھوڑا سا ناراض ہوا تھا لیکن اب وہ تھوڑی بہت ناراضگی بھی ختم...... اب تم پریشان نہ ہو۔‘‘ وہ نرم لہجے میں بولا۔

’’آپ کو دوبارہ سونے کی اتنی جلدی ہے کہ دو منٹ میں راضی ہوکر جان چھڑالی۔‘‘ وہ خفت سے بولی۔

’’احمق لڑکی...... ہمیشہ منفی مت سوچا کرو‘ تمہاری پریشانی محسوس کرکے ہی میں ساری ناراضگی بھول گیا ہوں کیونکہ میں تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتا...... مگر اب سوچ رہا ہوں کہ تمہاری معذرت نظرانداز کرکے ناراضگی طویل کردوں اور کال ڈسکنیکٹ کردوں۔‘‘

’’جی نہیں‘ مجھے پتہ ہے آپ ایسا کرہی نہیں سکتے۔‘‘

’’اچھا اب اتنا یقین اور بھروسہ کیسے ہوگیا تمہیں مجھ پر......؟‘‘ زرکاش کا انداز جتاتا ہوا تھا۔

’’آپ طعنہ دے کر مجھے مزید شرمندہ کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کریں۔‘‘ وہ سنجیدگی سے بولی۔

’’میں ایسا کچھ بالکل نہیں کررہا‘ پتہ ہے مجھے تم سے جو توقعات ہیں‘ جانے انجانے میں تم ان پر پانی پھیردیتی ہو‘ زندگی میں آگے بڑھنے کے کچھ طریقہ کار‘ کچھ اصول ہوتے ہیں اندھا دھند بھاگ کر کوئی منزل کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا...... تمہارا بس ایک مسئلہ ہے کہ تم بہت جذباتی ہو‘ حد سے بڑھنے والی کوئی بھی چیز فائدہ مند نہیں ہوتی‘ نقصان دہ ضرور ہوسکتی ہے‘ زیادہ کچھ اب نہیں کہوں گا ورنہ پھر لیکچر دینے کا گلہ کروگی۔‘‘

’’آپ کے لیے جذباتی ہونے پر مجھے فخر ہے‘ محبت کا شمار چیزوں میں نہیں ہوتا‘ یہ وہ جذبہ ہے جس کی حدیں کوئی مقرر نہیں کرسکتا‘ میں آپ کی محبت میں کسی فائدے یا نقصان کو خاطر میں نہیں لاسکتی۔‘‘ اس کے مدھم سنجیدہ لہجے پر وہ کچھ کہہ نہیں سکا۔

’’میں آپ کی ہر بات کو سمجھتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ مجھ میں اپنی زندگی کے وہ قیمتی سال سانس لیتے دیکھنا چاہتے ہیں جو آپ نہیں جی سکے تھے اپنے لیے‘ وہ قیمتی سال جو آپ نے دیار غیر میں اپنوں کی خوشیاں سمیٹنے کے لیے وقف کردیئے تھے۔ میں آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتی‘ آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں‘ جذبات میں پاگل ہوکر میں غلطیاں کرجاتی ہوں‘ آپ مجھے ڈانٹ دیا کریں‘ برا بھلا کہہ دیا کریں مگر آئندہ ناراض ہوکر اتنی خاموشی سے دور مت جایئے گا

جیسے آج گئے تھے۔"

"تھینکس دراج...... مجھے سمجھنے کے لیے اور مجھے ساتویں آسمان پر پہنچانے کے لیے بھی اور تھوڑا بہت بھی ناراض ہونے کا حق تو دو مجھے ڈانٹ تو ٹھیک ہے لیکن میں کیوں برا بھلا کہنے لگا تمہیں تم تو چھوٹی سی پیاری سی ڈول ہو میری......"

"میں کوئی ڈول شول نہیں آپ کی۔" اس کے یک دم بات کاٹنے پر وہ محظوظ ہوتا دھیرے سے ہنسا۔ "سو جائیں آپ میری وجہ سے نیند خراب ہوگئی آپ کی شب بخیر۔" سپاٹ لہجے میں بولتی وہ فوراً ہی لائن ڈسکنیکٹ کر گئی تھی۔

"یہ خشک انسان تو مجھے نفسیاتی بنا دے گا...... اسے سر کرنے سے بہتر کوئی پہاڑ سر کرلوں تو کچھ تو نام ہوگا۔" بال سمیٹتی وہ بڑبڑاتے ہوئے بیڈ سے اتری۔ نیند تو کیا خاک آنی تھی مزاج بھی کڑوے ہوگئے تھے الیکٹرک کیٹل میں کافی تیار کر کے وہ وقت گزاری کے لیے ایک کتاب کھول کر بیٹھ گئی تھی تب ہی فون پر آتی کال نے سے حیران کردیا۔

"آپ سوئے نہیں۔"

"نیند تو اڑا دی تم نے...... کافی کی طلب ہونے لگی تو کافی بنا کر سوچا تم سے بھی پوچھ لوں پیو گی کافی؟"

"جی ہاں میں بھی کافی بنا کر ابھی آ کر بیٹھی ہوں اور آپ کی کال آ گئی۔" وہ بولی۔

"شکر ہے کہ تم جاگ رہی ہو۔ ورنہ میں تو ویسے بھی تمہاری نیند ڈسٹرب کر کے بدلہ لیتا...... بات بھی نہیں سنی میری اور لائن کاٹ دی یہ بات فون پر گفتگو کے آداب کے خلاف ہے۔"

"زرکاش...... کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ آپ نے دس سال یورپ میں نہیں لکھنو میں گزارے ہیں۔" اس کے مسکراتے لہجے پر وہ ہنسا۔

"میں ہاسٹل میں ہوں بجیا اور باقی سب بھی بہت روک رہے تھے مگر میں آ گئی کالج بھی جانا تھا اس لیے......"

"صبح کالج جانا ہے اور تم اس وقت سونے کے بجائے کافی اور مجھ پر وقت برباد کر رہی ہو۔" زرکاش نے اسے گھرکا۔

"میرا خیال ہے اس وقت آپ بھی کچھ ایسا ہی کر رہے ہیں...... اور نیند تو میری پوری ہو چکی ہے آپ اپنی فکر کریں۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"تم سے بات کر کے میرا وقت برباد نہیں ہوتا اس لیے نیند کی مجھے پروا نہیں...... ویسے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تم بہت اچھی ہو۔"

"زرکاش...... پتہ ہے کیا...... آپ نے ایک طویل عرصہ رومانیہ میں گزارا ہے مگر رومانویت آپ کو چھو کر بھی نہیں گزری...... آپ کو یہ بھی نہیں پتہ کہ جو لڑکی آپ سے بے تحاشا محبت کرتی ہے اس سے فون پر بات کس طرح کرنی چاہیے۔" وہ اس کے کوفت زدہ لہجے پر دھیرے سے ہنسا۔

"ایک بات بتاؤ تمہیں سارے خطرناک کام جلدی جلدی کیوں کرنے ہیں؟ محبت رومانس اور پھر شادی کا بھوت بھی سوار ہوگیا......" وہ اسے تنگ کرنے والے انداز میں بولا۔

"میں کیا کروں پھر؟ آپ ہیں ہی اتنے اچھے کہ محبت کو بھی آپ سے محبت ہو جائے اور رومانس والی بات تو بالکل غلط ہے لیکن موقع ملے گا تو آپ کی قسم پیچھے نہیں ہٹوں گی۔"

"بہت مار کھاؤ گی مجھ سے۔" زرکاش کے گھرکنے پر وہ ڈھٹائی سے ہنسی۔

"اور ہاں شادی کا بھوت تو مجھ پر بچپن سے سوار ہے یقین کریں مجھے تو بہت ہی شوق ہے شادی کا میرا بس چلے تو گن پوائنٹ پر بھی آپ کے ساتھ نکاح پڑھوانے سے نہ چوکوں۔" وہ اپنی بات پر خود ہی ہنستی چلی گئی۔

''میرے اللہ...... مجھے سمجھ نہیں آتا تمہارا ہوگا کیا؟ کیا کروں میں تمہارا بے شرم لڑکی تم تو کوئی بھی بات کہنے سے نہیں چوکتی۔'' زرکاش کے کہنے پر وہ بے ساختہ ہنسی۔

''مجھے تم سے کچھ کہنا تھا۔'' زرکاش کے یک دم سنجیدہ لہجے پر وہ چونکی۔

''تم جانتی ہو شنذرا کی شادی قریب ہے ایسے موقع پر میں چاہتا ہوں کہ ہم سب ایک ساتھ ہوں' ساری ناراضی اور اختلافات بھول کر۔'' زرکاش کی بات سنتے ہوئے ناگواری کی ایک لہر اس کے دل ودماغ میں اٹھی تھی۔

''یہ بات آپ اپنے گھر میں سب کو سمجھائیں...... شیراز نے میرے گھر سے نکلتے نکلتے بھی مجھے بے عزت کرنے کا موقع نہیں گنوایا لیکن پھر بھی میں تائی امی سے ہر چیز کے لیے معافی مانگ کر نکلی تھی یہ اور بات ہے کہ انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی' وہ گھر کی بڑی تھیں' ان کے دل میں میرے لیے یا میری بہن کے لیے کوئی جگہ ہوتی تو یوں خونی رشتوں کے چیتھڑے نہ اڑتے' ان کی ہی شہ پر ان کی اولادوں نے ہمارے ساتھ وہ سلوک کیا جو کسی جانور کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا...... آپ کچھ بھی کہیں مگر یہ سچ ہے کہ آپ کے گھر والوں کی وجہ سے ہی آج میں گھر سے بے گھر بیٹھی ہوں...... آپ کی خاطر میں سب کچھ بھول کر شنذرا آپی کی شادی میں پورے خلوص سے شرکت کرنے کے لیے تیار ہوں' آپ بولیں شیراز سے کہ وہ آ کر مجھ سے معافی مانگے' جہاں میری غلطی ہے میں معافی مانگوں گی' تائی امی اپنی بیٹیوں کو بھیجیں میرے پاس' میری بہن کے پاس...... لیکن اس سب کے بغیر تو وہ سب نہیں ہوسکتا جو آپ چاہتے ہیں...... اور اس بات کا بھی یقین رکھیں کہ آپ کے گھر میں کوئی آپ کی اس خواہش کو قبول نہیں کرے گا' تائی امی اپنی تینوں اولادوں کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتیں جبکہ آپ کے بھائی بہن مجھ سے اتنی نفرت اور خار کھاتے ہیں کہ آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے' میں تو یہی کہوں گی کہ میری وجہ سے آپ اپنے گھر کی خوشی خراب مت کریں' میرے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''لیکن مجھے فرق پڑے گا دراج۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

''میرے لیے یہی بہت ہے۔'' وہ بولی۔

''میں چاہتا ہوں تم میرے ساتھ امی سے ملنے گھر چلو۔''

''آپ یہ چاہتے ہیں کہ مجھے آپ کے گھر سے گالیاں اور دھکے دے کر نکالا جائے...... شیراز کا ہاتھ پہلے روک سکے ہیں آپ؟ اپنے گھر والوں کو زہر اگلنے سے کبھی روک سکے ہیں آپ؟'' اس کے سوال پر وہ خاموش رہا۔

''آپ صرف اپنی خواہش کا ذکر گھر میں سرسری طور پر کر کے دیکھ لیں...... پھر آپ کو خود ہی اندازہ ہوجائے گا کہ آپ کے بھائی بہن اور ماں کس حد تک آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہیں' خیر اب چھوڑیں ان سب باتوں کو مجھے نیند آرہی ہے اور آپ کل آرہے ہیں ہاسٹل؟'' اس نے بات ختم کرتی ہوئے پوچھا۔

''ہاں آتا ہوں کل۔''

''ٹھیک ہے...... اللہ حافظ۔'' اس کو مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر وہ لائن ڈسکنیکٹ کر گئی مگر زرکاش کو گہری سوچ میں ضرور ڈال گئی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ دراج نے جو کہا وہ غلط بھی نہیں ہے' اس کے گھر میں کوئی بھی دراج سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا اس کا اندازہ اسے تب ہی ہوگیا تھا جب نئے گھر کی خوشی میں آج دی جانے والی دعوت میں رائمہ کو بھی نہیں پوچھا گیا حالانکہ اپنی بہنوں کو اس نے تاکید کردی تھی کہ رائمہ کے سسرال میں دعوت ضرور دی جانی چاہیے' مگر اس کی تاکید کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی' لہٰذا اس نے شنذرا سے کوئی باز پرس بھی نہیں کی دعوت میں رائمہ کی غیر موجودگی پر...... جہاں بات کی اہمیت نہ ہو

وہاں بحث وتکرار یا سوال جواب سے کچھ حاصل نہیں ہوتا' اپنے گھر والوں کے لیے ہی ایک طویل عرصہ گھر سے دور رہ کر اس نے عزت اور قدر تو حاصل کرلی تھی لیکن فیصلے کرنے اور مداخلت کا حق کھو دیا تھا' یہ بات اسے کسی نے زبان سے تو نہیں البتہ اپنے عمل اور رویوں سے سمجھادی تھی۔

○......❀......○
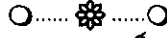
آپریشن تھیٹر کے باہر ایک ایک لمحہ پل صراط پر سے گزر رہا تھا' سر جھکائے بیٹھے راسب بالکل ساکت تھے' کسی مجسمے کی طرح' زندگی کی رمق تک ان میں دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔ ساری رات وہ ایک ہاسپٹل سے دوسرے ہاسپٹل بھاگتے رہے تھے مگر کوئی بھی ڈاکٹر پولیس کی مداخلت کے بغیر رجاب کو ہاتھ لگانے کے لیے بھی تیار نہ تھا' قیامت کی ان گھڑیوں میں راسب اور ندا کو یہ ہوش ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کسی کی مدد لیتے' دونوں کے ہی اعصاب شل ہوچکے تھے' ندا کو یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ ان کے تایا زاد بھائی کرائم برانچ میں آفیسر ہیں اور جب یاد آیا تو انہوں نے اپنا سر پیٹ لیا' ندا کی کال پر ان کے وہ کزن فوری طور پر مدد کے لیے آپہنچے تھے' جس وقت رجاب کو آپریشن تھیٹر میں لے جانے کی تیاری کی جارہی تھی صبح کا اجالا پھیل چکا تھا' ندا کے کزن نے حاذق سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کا فون آف جارہا تھا۔ حاذق کے گھر میں جس جس سے ندا رابطہ کرسکتی تھیں انہوں نے رابطہ کیا تھا مگر کوئی بھی کال ریسیو نہیں کررہا تھا' اس صورت حال میں ندا کے کزن پولیس کے ہمراہ حاذق سے بات کرنے اس کے گھر چلے گئے' تب تک بھی حاذق کی طرف سے کسی کی کال نہیں آئی تھی۔ رجاب کو آپریشن تھیٹر میں گئے دو گھنٹے گزر چکے تھے' جب حاذق کے ماں باپ ہاسپٹل پہنچے تھے۔

''حاذق تو ایک عرصہ بعد یہاں واپس آیا ہے مگر تم لوگوں کو تو معلوم ہے کہ شہر کے حالات کیسے ہیں' رجاب کو اتنی رات میں اس کے ساتھ بھیجا ہی کیوں تھا' ہمیں تو کانوں کان خبر نہیں تھی ورنہ میں تو ہرگز حاذق کو اجازت نہ دیتی......اور تو اور پولیس کو گھر پر بھیج دیا' ہم آتو رہے تھے' تھوڑا صبر تو رکھنا چاہیے تھا۔'' حاذق کی ماں نے آتے ہی برہمی کا اظہار کرنا شروع کردیا تھا' ان کو رجاب کی فکر نہیں بلکہ پولیس کا خوف کھینچ لایا تھا' ان کی بے حسی پر ندا ضبط نہیں کرسکی تھیں۔

''حاذق سے رجاب کا ایک رشتہ بندھ چکا ہے تائی جان......ہم کس طرح اسے انکار کرسکتے تھے' رجاب نہیں جانا چاہتی تھی مگر ہم حاذق کو ناراض نہیں کرسکتے تھے' وہ ناسمجھ بچہ نہیں تھا ہم نے ہی غلطی کی اس پر بھروسہ کرکے' اس کے دل میں اللہ کا خوف بھی نہیں......کیا سوچ کر وہ رجاب کو مرنے کے لیے چھوڑ کر بھاگ گیا صرف اپنی جان بچانے کے لیے......رجاب لاوارث نہیں تھی' حاذق میں اتنی انسانیت تو ہونی چاہیے تھی کہ ہمیں ایک فون کرکے اطلاع ہی کردیتا......ہم تو اب بھی اس کی لاش ہی اٹھا کر لائے ہیں سڑک سے' چند سانسوں کے سوا اس میں بچا ہی کیا ہے......ایک انجان شخص ہمیں فون پر خبر نہ دیتا تو ہمیں معلوم ہی نہ ہوتا کہ حاذق کس طرح رجاب کو موت کے منہ میں دھکیل کر ہمارا بھروسہ توڑ چکا ہے۔'' ہمیشہ دھیمی آواز میں بات کرنے والی اور عزت سے پیش آنے والی ندا غم و غصے سے چیخ اٹھی تھیں' ان کو راسب کی وہاں موجودگی کی بھی پروا نہیں تھی۔

''تم بار بار کیوں حاذق کو الزام دے رہی ہو' اپنی جان بچانے کے لیے وہ کیا کرتا......میرا بیٹا کس حال میں گھر تک پہنچا یہ میں ہی جانتی ہوں' میرا تو کلیجہ منہ کو آگیا تھا' اس کی حالت دیکھ کر......وہ اب تک اپنے حواسوں میں نہیں ہے' اوپر سے پولیس کے سوالوں نے اسے مزید حال سے بے حال کردیا ہے جیسے حاذق نے جان بوجھ کر خود کو اور رجاب کو خطرے میں ڈالا تھا......تم چاہتی کیا ہو؟ یہی کہ حاذق بھی اسی ہاسپٹل میں لب دم پڑا ہوتا؟ وہ اپنی جان نہ بچاتا گولی کھا لیتا' اس کی لاش دیکھ کر تمہارے سینے میں ٹھنڈ پڑتی......یہ چاہتی ہو تم......رجاب کے لیے واویلا کررہی ہو تم یا میرے

بیٹے کی جان بچ جانے پر......؟ شرم آنی چاہیے تمہیں۔“ حاذق کی ماں بری طرح ندا پر برسی تھیں۔

”شرم حاذق کو آنی چاہیے جو منہ چھپا کر بیٹھا ہے گھر میں‘ شرم آپ سب کو آنی چاہیے‘ آپ میں سے کسی نے یہ تک جاننے کی کوشش نہیں کی کہ رجاب زندہ بھی ہے یا نہیں...... حاذق کھالیتا سینے پر گولی مگر ایسی بزدلی کا کام نہیں کرتا۔“

”بس کرو ندا‘ تم ہمارے خاندان کی بہو ہو‘ تمہیں حق نہیں ہم سے ایسے بات کرنے کا‘ آج تک راسب نے بھی کبھی مجھ سے اونچی آواز میں بات نہیں کی۔“ راسب کے تایا اس بار سخت لہجے میں بولے۔

”رجاب کی پرورش میرے ہاتھوں میں ہوئی ہے‘ اس کے لیے میں نے دن رات ایک کیے ہیں‘ اس کے لیے بولنے اور پوچھنے کا مجھے حق ہے اور میں وہی کہوں گی جو سچ ہے‘ حاذق کی بزدلی اور بے حسی نے رجاب کو اس حال میں پہنچایا ہے۔“ شدید غصے میں بولتے ہوئے ندا نے راسب کو دیکھا جو اپنے تایا کے مقابل آ رکے تھے۔

”حاذق کہاں ہے؟ اسے یہاں ہر حال میں موجود ہونا چاہیے تھا تو پھر وہ یہاں کیوں نہیں......؟“ راسب نے سوال کیا۔

”اس کی حالت یہاں آنے کے قابل ہوتی تو صرف ہم یہاں کھڑے بے عزت نہ ہو رہے ہوتے۔“ شوہر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی حاذق کی ماں ہتھے سے اکھڑ کر بولیں۔

”رجاب کو لاوارثوں کی طرح سڑک پر چھوڑ کر وہ اپنے گھر تک پہنچ سکتا ہے مگر یہ جاننے کی حالت میں نہیں ہے کہ رجاب کس حال میں ہے‘ اگر ایسا ہی تھا تو پولیس کو اس نے بیان کیسے دیا؟ اسے گھر پر نہیں یہاں ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہاں جو اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے وہ اس کی منکوحہ ہے۔“ راسب کا بھپرتا لہجہ بلند ہوتا چلا گیا تھا۔

”راسب...... میں ہوں یہاں تم لوگوں کی ملامتیں جھیلنے کے لیے‘ جو الزام لگانے ہیں مجھ پر لگاؤ‘ میرا بیٹا موت کے منہ سے نکل کر آیا ہے اس کے خلاف پھر بھی باتیں سننے پر میں مجبور ہوں‘ تم اور تمہاری بیوی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حاذق مجرم ہے یہ سب کچھ اس نے جان بوجھ کر کیا ہے۔“ راسب کے تایا بھی برہم ہو کر بولے۔

”مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی‘ مجھے اب جو بات کرنی ہے حاذق سے کرنی ہے کیونکہ وہی ہے جو دو پیروں والے کتوں سے ڈر کر بھاگا تھا میری بہن کو چار پیروں والے کتوں کے درمیان مرنے کے لیے چھوڑ کر۔“ راسب کی بلند آواز کاریڈور میں گونجی۔

پانچ گھنٹوں کے طویل آپریشن کے بعد اسے آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ اجازت ملنے کے باوجود راسب اسے ایک نظر بھی دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکے تھے۔ لرزتے قدموں سے ندا روم میں داخل ہوئیں مگر وہاں انہیں رجاب نظر نہیں آ رہی تھی سفید پٹیوں میں جکڑا بس ایک چہرہ تھا...... ندا کی سسکیاں چیخوں میں بدلنے لگی تھیں‘ تیزی سے واپس پلٹیں وہ راسب تک جا پہنچی تھیں۔

”میرا فیصلہ...... میری بہن‘ میرا خاندان‘ یہ ہے آپ کا فیصلہ‘ یہ ہے آپ کا خاندان‘ یہ ہیں وہ لوگ جو آپ کی بہن پر جان چھڑکتے تھے۔“ راسب کا گریبان جھنجوڑتی وہ زار و قطار روتی چیخ رہی تھیں۔

○......❁......○

تیز روشنی میں اس کا نظارہ آج بھی خیرہ کن اور آنکھوں کو چندھیا دینے والا تھا‘ رائل بلیو سلیولیس دمکتی شرٹ‘ چست پینٹ اور لیدر کے لانگ شوز‘ سینے پر بازو لپیٹے وہ جو کسی گہری سوچ میں گم تھا کچھ چونک کر سڑک کی جانب متوجہ ہوا تھا‘ گرم چادر میں چھپی وہ تیز قدموں کے ساتھ آ رہی تھی‘ عرش دنگ نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا جو سامنے آ رکی تھی۔

”بچ رہی ہوں کہ نہیں؟“ اس کے فخریہ انداز میں پوچھنے پر عرش بے ساختہ بلند قہقہہ لگا تا ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

دوسری جانب وہ منہ کا زاویہ بگاڑ کر اسے دیکھتی رہی تھی اور پھر چادر کے پلو سے سرخی میں رنگے ہونٹ رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگی تھی جبکہ عرش مزید ابلتے قہقہوں سے بے حال ہوتا زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

''زندگی میں پہلی بار لپ اسٹک خریدی اور پہلی بار لگائی تھی اب وہ لپ اسٹک تمہیں لاکر دے دوں گی تم ہی لگا لینا بس ایک اسی کی کسر ہوتی ہے تمہارے حسن میں بھی چار چاند لگ جائیں گے اور تمہارے کام میں بھی۔'' غصیلی نظروں سے اسے دیکھتی وہ بولی کوئی اور موقع ہوتا تو یقیناً عرش اپنے لیے یہ سب سن کر آگ بگولہ ہو جاتا مگر اس وقت تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جائے۔

''تمہیں بھی کوئی حق نہیں میرا مذاق اڑانے کا۔'' وہ تلملا کر اس کی طرف بڑھی مگر عرش بروقت ایک ہی جست میں دور ہٹ گیا' ناگواری سے اسے دیکھتی وہ پول سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ زمین پر اطمینان سے بیٹھے عرش کی ہنسی بالآخر تھمنے لگی تھی۔

اس کا چہرہ سرخ ہو کر تمتما اٹھا تھا' شہد رنگ آنکھوں میں سونے جیسا پانی تیرنے لگا تھا' چند لمحوں تک وہ سڑک کی طرف منہ پھیرے بیٹھی رہی اور پھر اسے دیکھا تھا جو پھولی سانسوں کو سنبھالتا اس کے سامنے پنجوں کے بل آ بیٹھا تھا۔

''تم مجھ سے اپنی تعریف سننا چاہتی تھیں؟'' مسکراتی نظروں سے اس نے پوچھا۔

''نہیں' میں خود کو یہ یقین دلانا چاہتی تھی کہ سنگھار کا حق مجھے زیادہ ہے۔'' اس کے جلے انداز پر وہ پھر بے ساختہ ہنسا۔

''تمہیں کسی سنگھار کی ضرورت نہیں۔'' وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا دوسری جانب وہ سر جھٹکتی دوبارہ سڑک کو تکنے لگی۔

ڈرتا ہے کہیں آپ نہ پڑ جائے بلا میں
کوچے میں تیرے فتنہ محشر نہیں آتا

عرش کے مسکراتے لہجے پر وہ چونک کے متوجہ ہوئی۔

''یہ کون بولتا ہے؟''

''مینائی...... میرا مطلب ہے امیر مینائی کا شعر ہے یہ بہت بڑے شاعر گزرے ہیں۔''

''مجھے تو بس ان ہی شاعروں میں سے چند ایک کے نام یاد ہیں' جنہیں کورس کی کتابوں میں پڑھا تھا' شعر تو مجھے کوئی یاد ہی نہیں رہتا تھا بلکہ مجھے تو آج پتہ چلا ہے کہ امیر مینائی بھی کوئی شاعر تھے...... تمہیں اور بھی شعر یاد ہیں؟'' اس کے تجسس پر عرش مسکرایا۔

''ہاں تھوڑے بہت۔''

''تو پھر سناؤ کوئی شعر۔'' اس نے فرمائش کی۔

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے
میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

بغور سننے کے بعد وہ بے ساختہ ہنسی۔

''ان شاعروں کو کوئی کام دھندا نہیں ہوتا کیا...... میرے تو سر سے گزر جاتے ہیں یہ بھاری بھرکم الفاظ۔'' اس کے کہنے پر وہ بس مسکرا دیا۔

''تم اتنے باذوق کیسے ہوگئے' وقت مل جاتا ہے شاعری پڑھنے کا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''پاپا کو شاعری سے بہت لگاؤ تھا' ان کی کتابوں میں زیادہ تعداد شاعری کی کتابوں کی تھی' بس ان کو دیکھ کر شوق ہوگیا تھا۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔

''ویسے یہ شاعری میں نے خاص تمہاری نذر کی ہے' یعنی شاعرانہ انداز میں تمہاری تعریف کی ہے..... لیکن تم تو کوڑھ مغز ہو' ضائع کردی اتنی اچھی تعریفی شاعری۔'' وہ مسکراہٹ چھپائے بولا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ایسی تعریف سننے کا..... توبہ' توبہ نہ تو میں فتنہ محشر ہوں اور نہ ہی میری آنکھوں میں یہ وہ وغیرہ وغیرہ ہے۔'' اس نے برا ماننے والے انداز میں جتایا۔

''یہ تو تم کہتی ہو' مجھ سے پوچھو میری نظر میں تم کیا' کیا' یہ' وہ' وغیرہ' وغیرہ ہو۔'' وہ شرارتی لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس نے مشکوک نظروں سے عرش کو دیکھا۔

''ایسے تو نہیں بتاؤں گا ورنہ بہت مارو گی تم..... گرل فرینڈ بن جاؤ میری پھر بتادوں گا۔''

''مجھے نہیں کچھ جاننا..... معاف کردو مجھے۔''

''پتہ ہے' تم بہت اچھی لڑکی ہو..... لیکن میں چاہتے ہوئے بھی تم سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ جیسے گھٹیا اور برے انسان سے دور رہو۔'' عرش کے سنجیدہ لہجے پر وہ خاموش رہی۔

''ماما بہت خوش ہیں تم سے مل کر' بہت تعریف کررہی تھیں تمہاری..... تمہارا شکر گزار ہوں کہ ان کی خواہش پر تم ان سے ملنے گئیں۔''

''مجھے بھی ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی' وہ بہت اچھی ہیں اور بہت خوب صورت بھی حوروں جیسی..... تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمہیں ان کا ڈھیروں پیار اور دعائیں ملتی ہیں' بہت فکر رکھتی ہیں وہ تمہاری..... مجھے ان سے کچھ جھوٹ بولنے پڑے' اپنے بھائی کے بارے میں' تمہارے بارے میں' جس کے لیے مجھے بہت شرمندگی ہوئی تھی۔''

''جھوٹ کہنا تمہاری مجبوری تھی' تم اس بارے میں مت سوچو۔''

''کل کیوں نہیں آئے تھے تم؟'' وہ اچانک یاد آنے پر پوچھ بیٹھی۔

''کل رات میں اچانک طبیعت بگڑ گئی تھی ان کی۔''

''اب کیسی ہیں وہ؟ میں تو ان کو اچھا خاصا ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر آئی تھی۔'' وہ تشویش سے بولی۔

''ابھی قدرے سنبھل گئی ہے ان کی طبیعت' جب ہی تو یہاں آسکا ہوں۔'' وہ بجھے لہجے میں بولا۔

''تمہیں آج بھی اس وقت ان کے پاس ہونا چاہیے تھا۔''

''میں جانتا ہوں مگر مجھے ان کے لیے روپے چاہئیں' روپے حاصل کرنے کے لیے مجھے خود کو بیچنا ہوتا ہے اور اس کے لیے یہاں سڑک پر آنا ضروری ہے' مجھے اپنی ماں کی فکر تم سے زیادہ ہے' بار بار میرے زخموں پر نمک چھڑکنے والی بات مت کیا کرو۔'' یک دم طیش میں بولتا وہ سرخ چہرے کے ساتھ اس کے سامنے سے اٹھ گیا۔ چند لمحوں تک وہ ادھر ادھر ٹہلتا غصے کو ضبط کرتا رہا مگر پھر دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''کیوں رو رہی ہو.....؟ میں تم پر نہیں' اپنی بے بسی اور مجبوریوں پر چیخ رہا تھا۔'' عرش غصے میں ہی بولا تھا جبکہ وہ آنسوؤں سے تر آنکھوں سے اسے دیکھتی اس کے سامنے آرکی تھی۔

''میں بس تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ..... جو روپے تم اپنی ماما کے لیے حاصل کرتے ہو وہ..... حلال نہیں' حرام کا پیسہ کسی کے لیے فائدہ مند نہیں ہوتا۔'' وہ گھٹے گھٹے لہجے میں اسے کچھ سمجھانا چاہتی تھی مگر اگلے ہی پل اس کا دل کانپ اٹھا

جب عرش نے مشتعل انداز میں ایک جھٹکے سے اس کا چہرہ اپنے آہنی ہاتھ کے شکنجے میں جکڑا۔

''اپنا فتویٰ تم اپنے پاس رکھو چلی جاؤ یہاں سے......'' ایک جھٹکے سے اسے دور دھکیلتا وہ دھاڑا' دوسری جانب وہ بری طرح لڑکھڑاتی پول سے جاکر ٹکرائی تھی' ہوش میں آتا عرش اسے سنبھالنے کے لیے فوراً ہی آگے بڑھا تھا کہ سڑک پر رکتی سفید کار نے اس کے قدم روک لیے تھے' ایک نگاہ پھر عرش نے اس پر ڈالی تھی جو پول کا سہارا لیے یقیناً اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی' اگلے ہی پل عرش سپاٹ چہرے کے ساتھ تیز قدموں سے رکتی کار کی جانب بڑھ گیا تھا' پول کے پاس ساکت کھڑی وہ دور جاتی کار کو دھندلائی نظروں سے دیکھتی رہی تھی' شازمہ کا شفیق چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا' وہ عرش کو یہ نہیں سمجھا سکتی تھی کہ اس کا حرام راستے سے کمایا گیا پیسہ اس کی ماں کو مزید اذیت میں ڈال رہا ہے یا شاید عرش خود ہی کچھ سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

○......❁......○
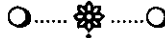
گھر میں شادی کی رونقیں عروج پر تھیں' شذرا اور شزا لاؤنج میں اپنی کزنز کے ساتھ موجود تھیں' شادی کے جوڑوں کی پیکنگ جاری تھی' اسے دیکھ کر شزا تیزی سے قریب آئی تھی۔

''زرکاش بھائی...... میری فرینڈز کو اب تک شادی کا انویٹیشن نہیں پہنچا' آپ ہر حال میں آج ہی میرے ساتھ چلیں' دو دن رہ گئے ہیں مہندی کے فنکشن میں۔''

''ٹھیک ہے آج ہی چلتے ہیں لیکن پہلے یہ بتاؤ امی کہاں ہیں؟''

''وہ اپنے کمرے میں کب سے شیراز سے کوئی حساب کتاب کروانے میں لگی ہیں۔'' شزا کے کوفت زدہ انداز پر وہ اس کے سر کو تھپتھپاتا آگے بڑھ گیا۔

''آیئے بڑے بھیا میں امی سے یہ کہہ رہا تھا کہ ذرا جلدی جلدی اپنی بیٹیوں کو رخصت کریں تاکہ ہم سپوتوں کی باری بھی آئے۔'' شیراز اسے دیکھتے ہی شرارت سے بولا۔

''اپنی فکر کرو بھائی' مجھے ابھی شادی کے جھمیلے میں نہیں پڑنا۔'' بیڈ کے قریب چیئر کھینچ کر بیٹھتا وہ بولا۔

''آپ لائن سے نکل گئے ہیں تو ٹھیک ہے پھر اپنی منزل دور نہیں۔'' کن انکھیوں سے ماں کو دیکھتا شیراز بولا۔

''کوئی ذمہ داری اٹھانے کے قابل تو ہو جاؤ پہلے...... زرکاش سے پہلے کر ہی نہ دوں کہیں تمہاری شادی۔'' حسب توقع صبغہ نے اسے گھرکا۔

''امی...... بھائی کے انتظار میں مجھے مت لٹکائیے گا' یہ تو یورپ سے بھی تن تنہا چلے آئے' یہاں کیا خاک شادی خانہ آبادی کریں گے' میں تو کنوارہ ہی اٹھ جاؤں گا دنیا سے۔''

''اللہ نہ کرے کیسی بدفال منہ سے نکال رہا ہے ایسے موقع پر۔'' صبغہ نے ہول کر شیراز کو ٹوکا۔ ''اور کیسے نہیں کرے گا زرکاش شادی...... شذرا اور شزا کے جانے کے بعد اس کی بیوی نے ہی پہلے آکر اس گھر کو سنبھالنا ہے' اسی سے تو میرے گھر میں رونق بڑھے گی۔''

''امی اس گھر کی رونق تو آپ ہیں۔'' زرکاش بولا۔

''چپ رہو تم...... یہاں آکر تو ایسا سر پر سوار کر لیا ہے تم نے اپنے کام کو کہ شادی کے لیے سوچنا بھی تمہیں وبال جان لگ رہا ہے۔ مجھے ہی کرنا پڑے گا تمہارا کوئی بندوبست۔'' صبغہ کے ڈپٹنے پر وہ بس خشمگیں نظروں سے شیراز کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر رہ گیا۔

''کارڈز سب جگہ جا چکے ہیں یا ابھی بھی رہتے ہیں۔'' بیڈ پر رکھے کارڈز پر نظر ڈالتا وہ بولا۔

غزل

اپنے ہی آپ میں رہنے والے
اے قیدی قفس میں رہنے والے
اپنے گریبان میں جھانکا ہے کبھی
مجھے خودغرض بے وفا کہنے والے
تم اس کے معنی سے بھی نہیں آشنا
مجھے وفا کا درس دینے والے
شدت غم سے پھٹ جائے گا دل میرا
تازہ جو ہیں ابھی زخم پرانے والے
مجھے سمیٹ لیں جو مجھے قرار دیں
کہاں ملتے ہیں وہی دوست پرانے والے
سچ ثابت ہو کر رہتا ہے زمانے میں
امر ہوگئے سچ کی خاطر سر کٹوانے والے

عائشہ رحمان..... گاؤں مدار ضلع شیخوپورہ

"ہاں بس شزا کی کچھ دوستوں کے کارڈز رہتے ہیں۔" صبغہ بولیں۔

"اسے میں ابھی ساتھ لے جاتا ہوں آپ یہ بتائیں رائمہ کی طرف کارڈ گیا یا نہیں؟" اس کے یک دم سوال پر صبغہ کے تاثرات بدلے تھے ایک نظر انہوں نے شیراز کو دیکھا جس کا چہرہ تن گیا تھا صبغہ نے خاموشی سے ایک کارڈ اٹھا کر زرکاش کے سامنے رکھ دیا۔

"دے دینا یہ کارڈ رائمہ کو۔" وہ سپاٹ لہجے میں اتنا ہی بولیں۔

"تنہا انویٹیشن لے جانا مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا...... اگر آپ کہیں تو شزا کو ساتھ لے جاؤں؟" وہ پوچھ رہا تھا کہ بروقت شزا کی آمد ہوگئی۔

"مجھے کہاں ساتھ لے جانا ہے؟" شزا نے پوچھا۔

"یہ رائمہ کے گھر ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تمہیں انویٹیشن دینے کے لیے...... جاؤ سر کے بل۔" بگڑے تیوروں کے ساتھ بولتا شیراز اپنی جگہ سے اٹھا۔

"بھائی...... آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ان دونوں بہنوں سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا...... آپ خدا ترسی کے مظاہرے ضرور کریں کیونکہ آپ کو تو خبط ہے ہمدردی اور مہربانیاں کرنے کا مگر ہمیں بخشیں آپ۔"

"شیراز...... رائمہ اور دراج بھی اس گھر کی بیٹیاں ہیں، تمہیں ان دونوں سے کوئی تعلق نہیں رکھنا تو مت رکھو مگر ان سے ان کا حق مت چھینو۔ اس گھر کی خوشیوں میں شامل ہونے کا حق ان دونوں کا بھی ہے۔" زرکاش سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"تو پھر ٹھیک ہے بلائیں ان دونوں کو ہی، میں اپیا کی شادی کی کسی تقریب میں شامل ہرگز نہیں ہونے والا۔" شیراز نے غصیلے لہجے میں فیصلہ سنایا۔

''شیراز......'' صبغہ کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔''بات صرف رائمہ کی ہے......ورنہ اس کے سسرال والوں کی طرف سے ہم پر ہی انگلیاں اٹھیں گی۔''

''لیکن امی...... دراج......''

''زرکاش...... تم اب دوبارہ میرے سامنے اس کا نام مت لینا...... حد ہوتی ہے کسی بات کی...... تم جو کچھ اپنی مرضی سے اس احسان فراموش لڑکی کے لیے کر چکے ہو میں اس سے بھی خوش نہیں...... مگر بس اب اور اس سے زیادہ کچھ نہیں...... جو مجھے اور میری اولادوں کو کوستی رہی ہے تم چاہتے ہو کہ میں اسے اپنے گھر کی خوشیوں میں شریک کروں......؟ تم حق کی بات کررہے ہو وہ اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھ سکتی کم از کم اس وقت تک تو ہرگز نہیں جب تک میں زندہ ہوں۔'' صبغہ کے انتہائی سخت ناگوار لہجے پر زرکاش کچھ بول نہیں سکا تھا جبکہ شیراز جارحانہ قدموں کے ساتھ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''بھائی...... اس ان مینرڈ جاہل لڑکی کو یہاں بلاکر ہم اپنی خوشیوں کے رنگ میں بھنگ ہرگز نہیں ڈالیں گے وہ حسد کرتی ہے ہم سے جلتی ہے ہماری خوشیوں سے میں رائمہ صاحبہ کی طرف بھی آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی نہ ہی اس کا اور اس کے سسرال والوں کا استقبال کرنے کی توقع کوئی مجھ سے رکھے۔'' شرزا جو پہلے ہی غصے میں مبتلا ہوچکی تھی۔ تیز لہجے میں غصے کا اظہار کرتی وہاں سے نکل گئی۔ زرکاش نے گہرے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ صبغہ کو دیکھا جو دوسری طرف متوجہ اس سے لاتعلق نظر آنے کی کوشش میں کامیاب تھیں گہری خاموشی کے ساتھ ہی وہ کار ڈ لیتا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

○...... ❁ ......○
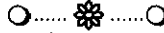
وہی سرد ہولناک سناٹا اور وہی پل صراط تھا وہی تلوار کی دھار پر گزرتے کڑے لمحے تھے وہی اس کی اذیت ناک کراہیں تھیں جو سناٹے کو چیر رہی تھیں سر سے پیر تک وہ آج بھی مفلوج تھی سفید پٹیوں میں جکڑے چہرے پر صرف بند آنکھوں کے بے تحاشہ سوجے ہوئے پپوٹے دکھائی دے سکتے تھے اس کے کرب میں دن رات راسب اور ندا تڑپ رہے تھے راسب کے لیے اس کی آہ وکراہ کو برداشت کرنا انگاروں پر ننگے پاؤں چلنے سے بھی کئی گنا زیادہ اذیت ناک تھا جانے کتنی بار وہ اپنا ضبط کھو چکے تھے جانے کتنی بار ہاسپٹل کے در و دیوار سے سر ٹکرا چکے تھے رجاب کے لیے وہ روز مر رہے تھے ایک ایک سیکنڈ میں موت کی اذیت جھیلنے کے لیے مر مر کر جی رہے تھے......اس وقت بھی کمرے کے باہر رجاب کی کراہوں کو سنتے ہوئے ان کا دل پھٹ رہا تھا۔ رجاب کے قریب ہی بے آواز آنسو بہاتیں ندا مسلسل اس کا ہاتھ سہلاتیں جانے اس کی اذیت کو کم کرنے کی کوشش کررہی تھیں یا اپنی بے قراری کو......

جانے کتنا وقت روز کی طرح آہوں کراہوں کے درمیان سسکتا گزرتا چلا گیا تھا یقیناً انجیکشن کا ہی اثر تھا کہ رجاب کی کراہیں معدوم ہوتی چلی گئی تھیں۔ رجاب کے پاس سے اٹھتیں ندا نے دہلیز پر رکے راسب کو دیکھا تھا ان کی زخمی نگاہیں رجاب کے غافل وجود پر ساکت تھیں ندا کو ان کے چہرے پر زندگی کی ہلکی سی رمق تک دکھائی نہیں دے رہی تھی ان کے وجود سے شاید لہو کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا تھا وقت نے یہ وقت عجیب منطق رکھتا ہے کبھی تو بندہ بشر کو اتنا مضبوط اور قوی کردیتا ہے کہ چٹان بھی سرنگوں ہوجائے اور کبھی اس حد تک کمزور اور خستہ اس دیوار کی مانند جسے ہوا کا ایک جھونکا ہی گرا کر ملبے کا ڈھیر بناڈالے۔ ساکت نظروں سے ان کو دیکھتے ہوئے ندا کا دل کانپ اٹھا وہ ایک محبت کرنے والی وفادار بیوی تھیں شوہر کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ جانے والی ان کے غم پریشانیوں کو بانٹنے والی آخر کب تک وہ غم و غصے میں ان کو نظر انداز کرتیں......آخر کب تک ان کو قصور وار گردان کر طنز کے نشتر برساتیں وہ اگر رجاب کے لیے ماتم کررہی تھیں تو راسب سر سے پیر تک ماتم کدہ بن چکے تھے۔ اب تک تو ندا خود سے بھی غافل تھیں لیکن اس وقت راسب کو دیکھتے ہوئے

غزل

دن نکلنے کی کیا ضرورت تھی
شام ڈھلنے کی کیا ضرورت تھی

اس کی گلیوں سے بعد مدت کے
دل کو جلنے کی کیا ضرورت تھی

ملنے آئے تھے چھوڑنے کے لیے
یوں بدلنے کی کیا ضرورت تھی

دو قدم ہی جو ساتھ دینا تھا
ساتھ چلنے کی کیا ضرورت تھی

اس نے غیروں کا گھر بسایا ہے
اب سنبھلنے کی کیا ضرورت تھی

ہم کو راشد جوان رہنا تھا
عمر ڈھلنے کی کیا ضرورت تھی

راشد ترین...... مظفر گڑھ

وہ لرز اٹھی تھیں...... شکستہ لڑکھڑائے قدموں سے کرسی کی جانب بڑھتے راسب کرسی پر ڈھے سے گئے تھے۔ سرخ سلگتی نگاہوں سے انہوں نے اپنی طرف آتی ندا کو دیکھا اور پھر سر ہاتھوں میں گرالیا تھا۔ تڑپ کر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے ندا نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''آپ اس طرح ٹوٹ جائیں گے تو رجاب کا کیا ہوگا؟ آپ نے ہی تو اسے سمیٹنا ہے اسے ہمت دینی ہے ان حالات کا مقابلہ کرنے اور ان سے گزرنے میں اس کی مدد اس کا سہارا آپ نے ہی تو بننا ہے میں تنہا اسے نہیں سنبھال سکوں گی بس آپ خود کو مضبوط رکھیں پھر سب کچھ پہلے جیسا ہوجائے گا...... یہ کٹھن وقت بھی گزر جائے گا۔'' رندھے لہجے میں ندا ان کو ڈھارس دینے کی کوشش کررہی تھیں۔

''نہیں ندا...... یہ وقت اب نہیں گزرنے والا...... کم از کم میرے لیے تو نہیں ٹھہر گیا ہے میرے لیے وقت محیط ہوگیا ہے میری ساری زندگی پر میں اس وقت کے کرب سے اب کبھی باہر نہیں نکل سکوں گا۔'' وہ لرزتے لہجے میں بول رہے تھے دل کی اذیت سے ان کا چہرہ چیخ رہا تھا۔

''اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہوسکتا...... کچھ بھی نہیں...... کیا بگاڑا تھا اس معصوم نے کسی کا...... مسخ کردیا درندوں نے اس کا پھول سا چہرہ جسے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا میں...... چور چور کردیا اس کے وجود کو جس میں میری ریاضت خون بن کر دوڑ رہی تھی بہادیا اسے پانی کی طرح اور کوئی کچھ نہیں کرسکا...... جب میں اس کا بھائی باپ اس کی ڈھال ہوکر اس کے لیے کچھ نہیں کرسکا تو کوئی اور کیا کرسکتا تھا مگر اللہ تو وہاں بھی تھا اور یہاں بھی ہے پھر کیوں......؟'' گھٹی آواز میں وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے چلے گئے۔

''اللہ کے لیے خود کو سنبھالیں ورنہ میں بھی ہمت ہار جاؤں گی رجاب کے لیے تھوڑی سی ہمت اور کرلیں۔'' بے آواز روتی ندا کے لیے ان کو سنبھالنا مشکل ہورہا تھا۔ راسب کے ساتھ دن رات کی سختیاں جھیلتیں وہ خود ادھ موئی

ہو چکی تھیں۔

''سب کچھ ہاتھ سے نکل گیا بلکہ نکلتا جارہا ہے اب کچھ نہیں سنبھل سکتا...... تم نہیں جانتیں میں نے کیا دیکھا ہے تم نہیں جانتیں مجھے آسمان سے زمین پر کس طرح پٹخا گیا ہے...... زمانے کے سرد و گرم سے جسے ہم نے بچا کر رکھا...... اسے جنگلی کتوں کے درمیان سے اٹھا کر لایا ہوں میں وہ ناپاک جانور اسے نوچ کھانے کے لیے اس کی ہڈیاں تک چبا جانے کے لیے اس کے مرنے کا انتظار کررہے تھے...... یہ حال کیا تھا میری بہن کا ان بے حس لوگوں نے...... نہیں کوئی ذمہ دار نہیں ہے صرف میں ذمہ دار ہوں رجاب کی اس حالت کا مجھے بیچ چوراہے پر کوڑے لگنے چاہئیں۔''

''نہیں آپ ایسا مت سوچیں مت کہیں ایسا......'' ندا تڑپ اٹھیں مگر وہ سن ہی کہاں رہے تھے۔

''میں مجرم ہوں رجاب کا میں قصوروار ہوں میں نے کیوں نہیں سنی تمہاری بات۔ تمہارے روکنے کے باوجود اندھا اعتبار کیا ان رشتوں پر جن کے چہروں پر پڑے نقاب ایک ہی رات میں اتر گئے اور ان کی خاطر میں نے رجاب کو دھکیل دیا کانٹوں پر...... حاذق کو میں نے اپنی بہن کے روپ میں اپنی قیمتی متاع اپنی زندگی سونپی تھی اس پر آنکھ بند کرکے یقین کیا تایا جان کی محبت میں میں نے رجاب کی خوشی کو کچل ڈالا تھا اور آج ان سب کی بیزاری لاتعلقی نے بھی رجاب کو روند ڈالا ہے حاذق سمیت وہ سب چاہتے ہیں کہ رجاب مرجائے وہ سب اسے ایک نظر تک نہیں دیکھنا چاہتے اس کی موت کی خبر کے انتظار میں بیٹھے ہیں وہ سب رجاب کے قابل ہی نہیں تھے مگر میرا اندھا اعتبار میری ''میں'' میرے فیصلے مجھ سمیت تم سب کو بھی جہنم میں دھکیل چکے ہیں۔ حاذق کے لیے رجاب کی زندگی اہم ہے نہ اس کی موت...... مگر میں اس کا گریبان پکڑوں گا میں ان سب کا گریبان پکڑوں گا جنہوں نے میری بہن کی بے حرمتی اس کی بے قدری کی ہے میں کسی کو معاف نہیں کروں گا میں خود کو بھی کبھی معاف نہیں کروں گا اللہ مجھے غارت کرے میں نے اپنی معصوم بہن پر ظلم کیا یہ قیامت میری وجہ سے اس پر ٹوٹی مجھ جیسے بھائی کو مرجانا چاہیے۔ ابھی اور اسی وقت مرجانا چاہیے۔''

''رجاب کو آپ کی ضرورت ہے آپ بس یہ یاد رکھیں اور کچھ بھی نہیں۔'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ ندا بمشکل بول سکیں راسب ان کا ہاتھ پیشانی سے لگائے گھٹ گھٹ کر رورہے تھے۔

اس درد مسلسل میں
جو اماں ملے جو نشاں ملے
گئے دن ذرا ڈھونڈ لاؤں
وہ یقین و گماں کی منزلیں
جو عذاب ہوئیں سراب ہوئیں
اس بحر کرب میں
جو بینائی ملے جو گویائی ملے
اپنے مسیحاؤں سے پوچھوں
وہ مسیحائی کیا ہوئی مرہم کیا ہوئے
سانسیں بوجھ ہوئیں آہیں سائل ہوئیں
اس شب تیرگی میں
جو سراغ ملے جو چراغ ملے
خاک و صحرا سے چن لاؤں

وہ چند خواہشیں، چند مسکراہٹیں
جو خواب ہوئیں، غرقاب ہوئیں
اس دشت بلا میں......
جو آبلہ پا چلے، متاع جاں گنوا چکے
بے سمت بھٹکتے خاک زاروں میں
زخم زخم عبارت، منسوب تم سے صعوبتیں
تمہیں کیا خبر کہاں مر گئیں، جانے کہاں بکھر گئیں
جو حسرتیں صبح نو کی تھیں آرزوئے نخلستان تھیں

○......❀......○
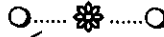
کل صبح سے لے کر آج سارا دن گزر جانے کے بعد اب رات میں کہیں جا کر نلکوں میں پانی آیا تھا، پہلی فرصت میں اس نے چند کپڑے اور چادریں دھوڈالی تھیں حالانکہ آج بھی سردی کی شدت زیادہ تھی، پانی برف کی طرح سرد ہو رہا تھا مگر اسے خدشہ تھا کہ پانی پھر طویل وقفے کے لیے غائب نہ ہو جائے اس لیے کپڑوں کی دھلائی سے فارغ ہو کر اس نے ٹھنڈے پانی سے ہی غسل لے لیا تھا...... باوجود اس کے کہ پچھلے دو دن سے اس کی طبیعت ناساز تھی پھر بھی لگاتار وہ گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ سلائی کا کام بھی کرتی رہی تھی، دو دن سے اس نے قدم بھی گھر سے باہر نہیں نکالا تھا، عرش کے خیال کو وہ دماغ سے جھٹکتی رہی تھی، اسی لیے تھکن کا احساس کیے بغیر اس نے خود کو بے حد مصروف کر لیا تھا، باورچی خانے کی کھڑکی بھی اس نے بند رکھی تھی، وہ اس کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی، پتہ نہیں وہ عرش سے بدظن تھی یا خود سے ناراض تھی...... شاید وہ اب خود کو اپنے مسائل تک محدود رکھنا چاہتی تھی، دنیا کو بدلنے کا نہ اس نے ٹھیکہ لے رکھا تھا، نہ ہی کوئی اس کی ہدایتوں پر چلنے کا پابند تھا۔

دودھ گرم کرنے کے لیے اس نے چولہے پر رکھا، سردی کو کم کرنے کے لیے اسے ایک کپ گرم چائے کی اشد ضرورت تھی۔ تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے اس نے دھلے کپڑوں سے بھری بالٹی اٹھائی اور گھر سے باہر آ گئی، سرد رات کا سناٹا اور تاریکی باہر موجود تھی لہٰذا دوپٹہ لینے کی زحمت کیے بغیر وہ باؤنڈری کے ساتھ بندھی رسیوں پر دھلے کپڑے پھیلانے لگی تھی، تب ہی ایک عجیب سے احساس کے تحت اس نے چونک کر تاریکیوں میں ڈوبی سیڑھیوں کی طرف دیکھا، اپنے علاوہ کسی کی وہاں موجودگی کا شاید اسے وہم ہوا تھا...... سر جھٹکتی وہ دوبارہ کپڑے رسی پر پھیلانے لگی تھی اسی لمحے ابلتے دودھ کی مہک پر وہ ہاتھ میں موجود چادر واپس بالٹی میں پھینکتی گھر کے اندر بھاگی مگر پھر بھی اسے دیر ہو گئی، دودھ ابل ابل کر کافی ضائع ہو گیا تھا، گر جانے والا دودھ صاف کرتے ہوئے اسے پھر وہی عجیب سا احساس ہوا تھا، چونک کر پلٹتے ہی اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ یہ غنیمت ہوا کہ چیخ حلق میں ہی گھٹ گئی تھی کہ اس کی متوقع چیخ کے پیش نظر ہی عرش نے سرعت سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

لوگ غریبی میں خود کو ہی اپنی ڈھال بنا لیتے ہیں، انہیں کسی اور کی نہیں صرف اپنی طاقت پہ یقینِ کامل ہوتا ہے وہ خود ہی اپنا سب سے بڑا سہارا ہوتے ہیں۔ غربت انسان کو خوددار بنا دیتی ہے ہاں کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ زندگی کے ایک بے زار سے لمحے میں جب لالچی دنیا شوق اور خواہش کی تسکین کی خاطر انسان کے نفس کو فروخت کر دیتی ہے پر درحقیقت وہ وہاں بھی خود کو اتنا خوددار سمجھ لیتے ہیں کہ اپنی ہی انا و نفس کو اپنے ہی ہاتھوں بری طرح کچل کر مجروح کر دیتے ہیں۔

خواب کون نہیں دیکھتا؟ اُس نے بھی خواب دیکھے۔ اس چھوٹے سے مکان میں بھی اپنے خوابوں میں گم رہتی۔ اونچے خواب جس کی تعبیر وہ حاصل کرنے کی کوشش میں رہتی تھی لیکن جب وہ اپنے چاروں طرف نظر ڈالتی تو اُسے شدت سے احساس ہوتا کہ وہ سب سے الگ ہے، وہی نہیں اُس جیسی متعدد لڑکیاں ہوں گی جو اپنوں میں رہ کر بھی جدا ہوتی ہیں۔ ایک ایسے لوئر طبقے سے اس کا تعلق تھا جہاں گالم گلوچ کا بے دریغ استعمال کیا جاتا، جہاں مرد کا مارنا پیٹنا بھی جائز قرار دیا جاتا۔ کبھی ایسا لگتا کہ اُس کا بھی یہی نصیب ہے کہ جو کچھ وہ اپنی کھلی آنکھوں سے بچپن سے جوانی کی دہلیز تک آتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ اُسے پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا جس کی مخالفت گھر کے مرد حضرات کے ساتھ عورتوں نے بھی کی ماسوائے اُس کی ماں کے۔ اپنے شوق میں جس قدر اُس کا رجحان تھا اُس نے ہر ممکن طور پر محنت کی اپنے بل بوتے پر تھوڑا بہت کمایا اور پڑھائی جاری رکھی یہی وجہ تھی کہ اسکالرشپ ملنے پر ایک اچھی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ عادت کے مطابق اپنی چھوٹی سی چھوٹی خواہش کو کورے کاغذ پہ اُتار لیتی، وہ نہ صرف پڑھائی میں اچھی تھی بلکہ مختلف جریدوں کے لیے بھی لکھ بھی لیتی، جس سے اُس کی تھوڑی بہت آمدنی ہو جاتی، وہ جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی وہاں صرف محنت ہی اسے منزل تک پہنچا سکتی تھی، کمر توڑ محنت جبکہ اُس کے مقابلے میں یونیورسٹی میں اُس کے ساتھ کے لوگ کماؤ پوت باپ کی اولاد تھے۔

"سارا وقت اِن موئے کاغذوں کو کیوں کالا کرنے پہ تُلی رہتی ہے؟ کبھی تو اِن کی جان چھوڑ دیا کر اور ہمارے ساتھ آ کر کام کیا کر، چل آ کر مکھن نکال۔" مینا کی تائی ہاجرہ نے سامنے بیٹھی کاغذ قلم ہاتھ میں لیے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھ کر کہا اور حسبِ عادت اُس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور تائی کے پاس آ گئی۔

"سارا وقت اِن کتابوں میں منہ دیئے بیٹھی رہتی ہے یہ نہیں کہ گھر کے کام بھی کر لیا، کون سا تیرا لاکھوں کا حرج ہو جاتا ہے؟" تائی ہاجرہ نے ابرو اچکا کر ذرا اونچی آواز میں کہا۔

"یہ بات ویسے آپ تحمل سے بھی کہہ سکتی تھیں اس وقت کون سے مرد موجود ہیں گھر میں جو انہیں بھی سنانا چاہتی ہیں؟" مینا نے نظریں نیچی کیے کام شروع کرتے ہوئے کہا۔

"نہ تم کیا اِن کتابوں کو پڑھ کر یہ سبق لیتی ہو؟ اور جو لکھتی رہتی ہو وہ بھی ایسی ہی باتیں ہوں گی...... ہیں ناں؟" ٹھوڑی پہ انگلی رکھے ہاجرہ نے دوسرے ہاتھ کو نچا کر سوال کیا۔

"تائی...... جب اچھی طرح سے میرا مقصد پتا ہے کہ میں کیوں لکھتی ہوں تو پھر یہ سوال نہ ہی کیا کریں تو اچھا ہے۔" مینا ہنوز کام جاری رکھے ہوئے تھی۔

"اری او سیمہ...... دیکھ ذرا اپنی بیٹی کو، بھئی ہمت ہے جو دوبدو جواب دے رہی ہے کیا خوب سیکھ رہی ہے بڑے

سے کالج میں جاکر اور ظاہر ہے جب وہ جیسا خود سیکھے گی وہی دوسروں کو سکھائے گی ناں...... کیوں؟"

"تائی...... بہتر ہوگا جب سوال مجھ سے کررہیں ہیں تو جواب بھی مجھ سے ہی لیں، میری ماں کو کیوں بیچ میں لاتی ہیں؟" ہنکارا بھرتے ہوئے مینا نے کہا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ یہ سب چھوڑ کر گھر سے باہر نکل جائے' مردوں کی طرح جو صبح کے نکلے رات گئے گھر آتے۔ مینا کی طبیعت میں بے زاری طاری ہوگئی تھی، گھر کے مردوں کو تو وہ جواب نہیں دے سکتی تھی البتہ گھر بھر کی متعدد عورتوں کو منہ توڑ جواب دے دیتی تھی۔ تائی ہی نہیں اکثر عورتوں کو مینا سے مسئلہ تھا کہ وہ لکھ کر بھی کماتی تھی جو مینا کا ہنر تھا۔

یونیورسٹی میں بھی اُس کا بول بالا تھا۔ کیوں نہ ہوتا وہ لکھتی تھی مختلف جریدوں میں اور پھر سب جانتے تھے، میگزین کے لیے لکھنا ہو یا یونیورسٹی کی کوئی سرگرمی، ہر لحاظ سے مینا ہی آگے تھی' اپنے طبقے کے پس منظر کو پسِ پُشت ڈال کر وہ بڑے رعب کے ساتھ یونیورسٹی میں پھرتی۔ یونیورسٹی کی ہی لائبریری میں ایک نوجوان اُسے روز دیکھنے آتا تھا۔ بات ابھی تک صرف دیکھنے کی حد تک تھی کیونکہ مینا کی شخصیت کا وقار اس لڑکے کو اس کی حد ہی میں رکھتا تھا۔

سلیقے سے سر پہ چادر اوڑھے، آس پاس کے ماحول سے بے نیاز وہ بس مطالعے میں یا کچھ لکھنے میں مگن رہتی۔ سامنے بیٹھا وہ نوجوان بس اُسی کو دیکھا رہتا۔ اُس نوجوان کا یہ روزانہ کا ہی معمول بن گیا تھا' مینا کو دیکھتے رہنا...... پھر جب مینا کے بارے میں علم ہوا کہ وہ لکھتی ہے تو جس قدر ممکن ہوتا اُس کی تحاریر ڈھونڈتا اور پھر پڑھتا۔ وہ شاید مینا کی تحاریر سے اُسے سمجھنا چاہتا تھا۔ اِس بات سے بے خبر کہ مینا جو چاہتی ہے' جو سوچتی ہے اپنے لیے' جو خواب بنتی ہے' وہ تحریروں کی صورت دنیا میں لے آتی ہے۔ گھر کے ماحول سے بھاگ کر کچھ وقت یونیورسٹی اور لائبریری میں گزارنا مینا کو اچھا لگتا تھا' اُس کے ذہن کو وسعت ملتی تھی۔

سمسٹر ختم ہوچکا تھا' جس کی وجہ سے دو ہفتوں کی چھٹیاں ہوگئی تھیں۔ مینا کا زیادہ تر وقت اب گھر کے کاموں اور اپنے کمرے میں کتابوں کے ساتھ گزر رہا تھا لیکن ساتھ ہی تائی کی طعنے بازیاں بھی ہنوز جاری تھیں۔ دوسری جانب وہ نوجوان معمول کے مطابق ہر روز ہی یونیورسٹی آتا اور لائبریری میں بیٹھا رہتا اس امید پہ کہ چھٹیوں میں بھی شاید وہ دوشیزہ ایک بار ہی سہی لائبریری آجائے۔

گرمیوں کے حبس زدہ دن چل رہے تھے یوں لگتا تھا جیسے سورج نے اس شہر کو اپنا مسکن بنالیا ہو۔ مینا صحن میں بیٹھی کچھ لکھنے میں مصروف تھی کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہوگئیں، اُس نے نگاہ اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا تو کالے بادلوں کی قطار دیکھی، بارش کے ساتھ ہی قطار مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اڑنے لگی، اپنا سامان لے کر وہ کمرے کی جانب بڑھی ہی تھی کہ اُس کا کزن آگیا۔

"باجی کوئی اور کام بھی کرلیا کرو جب دیکھو ہاتھ میں یہ موٹی کتابیں اور کاغذ قلم۔" یہ جنید تھا چھوٹے چاچا کا بیٹا۔

"جونی تُو خود تو اسکول سے بھاگتا پھرتا ہے تُو کیا

جانے کتنا مزہ آتا ہے اِن کتابوں کو پڑھنے میں اور پھر لکھنے میں۔''

''نہ جی مجھے بخش دو، تھوڑا بہت ہی پڑھنا کافی ہے پوری عمر پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے میں نے؟''

''ہاں تم نے کچھ نہیں کرنا بس گدھوں کی طرح کام ہی کیا کرو۔'' مینا ابھی جنید کو سمجھانا چاہ رہی تھی کہ بارش نے زور پکڑ لیا تھا۔

☆☆.......

ہر طرف ہریالی بکھر گئی تھی، مٹی اور پودوں کی خوشبو سانسوں میں اتر رہی تھی۔ ایک طرف کھڑکی کے سامنے بھاپ اڑاتی چائے پیتا شخص بارش کو دیکھ رہا تھا تو دوسری جانب ٹیپ ریکارڈر پہ غلام علی کی آواز میں خوب صورت غزل سحر طاری کررہی تھی۔

''آہ رازِ محبت تم مت پوچھو.......
مجھ سے تو یہ بات نہ ہوگی۔''

''کیا کمال کی غزل ہے اور یہ مصرعے غضب کے ہیں۔''

''حیدر صاحب خیر ہے ناں' یہ بدلاؤ؟''

''دانش سچ پوچھو تو انسان ہر لمحہ میں بدل رہا ہے۔ وہ......اُس کی ذات' سوچ اور انداز سب کچھ ہی۔''

''چلیں ٹھیک ہے مان لیا لیکن آپ کے یہ بدلاؤ......وہ بھی اچانک والے اس حوالے سے ہم کس سے پوچھیں؟'' طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے حیدر نے دانش پوچھا۔

''دانش......یہ میری زندگی اِس ایک ٹانگ کی وجہ سے کمزور سی ہوگئی ہے' اس کی وجہ سے بھی اکثر ایسی کیفیت سے گزرتا ہوں جو شاید ہی کوئی سمجھ پائے۔''

''ایک طرف اتنی اداسی والی بات اور پھر یہ درد بھری غزلیں بھی، خیر آج لائبریری نہیں گئے؟ روز تو جاتے ہو۔''

''پتا نہیں شاید میں اپنی اوقات اور حقیقت سے خوب واقف ہوں، بہرحال تم مجھ پہ نظرِ عنایت کرنے کے بجائے بھابی پہ دھیان دو۔ سنا ہے تم دوسری لڑکیوں کے جھرمٹ میں مشغول رہتے ہو؟''

''تمہیں کس نے کہا یہ؟'' حیران ہوتے دانش نے حیدر کو دیکھا۔

''بھابی ہی شکایت کررہی تھیں' اب شرافت سے منا لینا میں کوئی تمہاری وکالت نہیں کرنے والا اِس بار آئی سمجھ؟'' حیدر ہنسا' دانش اُس کی ہنسی سے بخوبی واقف تھا جو وہ ہنسی میں درد چھپا گیا تھا۔ آرام وہ کرسی پہ آنکھیں موندھے حیدر غزل کے بول ساتھ ساتھ گنگنا رہا تھا۔

وہ دو ہفتے حیدر کی جان پہ بن آئے تھے، شب و روز صرف ایک دیدار کی خاطر بلاناغہ لائبریری جانا اور اُس دوشیزہ کی جدائی آگ میں جلنا کسی کرب سے کم نہ تھا وہ اِس ستم کو بخوشی اپنائے ہوئے تھا۔

☆☆.......

اُدھر مینا اِس انتظار میں ادھ موئی ہو رہی تھی کہ کب یونیورسٹی کھلے اور وہ بھی سکھ کا سانس لے۔

ایک رات جب ہر سو اندھیرا پھیلا ہوا تھا مینا کے کمرے میں ہلکی مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سیمہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ اُس کے کمرے میں آئی۔

''مینو تو یہ کیا ہے بچے؟ ساری ساری رات جاگ کر لکھتی رہتی ہے؟'' اچانک سیمہ کی غیر متوقع آمد پہ مینا بوکھلا سی گئی۔

''اماں...... کچھ نہیں اور آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟''

''پیاس کی وجہ سے آنکھ کھلی پانی پینے آئی تو تیرے کمرے میں روشنی دیکھ کر چلی آئی۔''

''اچھا بیٹھیں یہاں میرے پاس۔'' مینا نے کھسک کر تکیہ گود میں رکھ لیا۔

''تھکتی نہیں کیا لکھ لکھ کر؟'' سیمہ اب مینا کے بالوں کو سنوار رہی تھی۔

''نہیں اماں' اس میں تھکنا کیا؟ مجھے تو خوشی و سکون ملتا ہے۔''

''جانتی ہوں تجھے اور تمہارے اِس سکون کی

وجہ کو بھی۔''

''اماں......''

''دیکھ مینو تو جتنے مرضی خواب بُن لے، اُنہیں اِن کورے کاغذوں پہ اُتار لے مگر تیری قسمت کا فیصلہ جو بھی ہے تجھے اُس سے انکاری نہیں ہونا' تو سمجھ رہی ہے ناں میری بات؟'' رات سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی، اِس کمرے میں پہلے خاموشی تھی پھر سیمہ اور مینا کی آواز اُبھری پھر یک دم خاموشی چھا گئی۔

''کیا یہ باتیں کرنی ضروری ہیں؟ جب تک میں یہاں ہوں کم از کم تب تک تو مجھے جی بھر کے جینے دو' لکھنے دو...... میرے خوابوں میں وہ خواہشیں پنہا ہیں، جو آپ لوگ پوری نہیں کر سکتے تو مجھے لکھ کر ہی وہ حسرت پوری کرنے دو۔''

''میں تیری طرح اتنی پڑھی لکھی نہیں مگر تو نے ہی ایک بار کہیں لکھا تھا کہ

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے''

مینا ہونق سی بنی سیمہ کو دیکھنے لگی۔

''میری باتوں کو اچھی طرح سمجھو ورنہ تمہیں ہی تکلیف ہوگی بیٹا اور میں ماں ہو کر اپنی بیٹی کو اس تکلیف میں تڑپتے نہیں دیکھ سکتی۔'' سیمہ مینا کو اسی بے بسی اور لاچاری کی حالت میں چھوڑ گئی' یہ وہ کیفیت ہے جو مینا کی زندگی میں یوں بکھری ہوئی تھی جیسے وہ پھول جس کی خوشبو وقتی طور پر راحت اور خوشی کا باعث ہوتی ہے لیکن ایک دن مرجھا کر اپنی خوشبو ختم کر دیتا ہے فقط مرجھایا ہوا پھول ہی ہاتھ رہ جاتا ہے جس کی پنکھڑیاں ہوا کے جھونکے سے بکھر جاتی ہیں۔

پوری رات خود کو یہ باور کرواتے ہوئے گزری کہ وہ بہت حوصلے والی ہے اور اپنی ہی حسرتوں کو ہر ممکن پورا کرنے والی مینا ہے مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اُس کے ارد گرد بسنے والے لوگ ہی اُسے نہ سمجھ پائیں تو خود ہی اپنے آنسو پونچھ لینے چاہئیں' خود ہی تسلی دینی چاہیے اور دل مضبوط کر لینا چاہیے، خود ہی کو خود کا سب سے بڑا

سہارا بنالینا چاہیے۔

☆☆

یونیورسٹی کھل گئی تھی، حیدر اور مینا معمول پہ آگئے تھے، کلاس لینا پھر مقررہ وقت پر لائبریری آجانا، حیدر مینا کو دیکھ کر کِھل سا گیا تھا دو ہفتوں کی اذیت اور انتظار جس کی سولی پہ وہ ہمہ وقت چڑھا رہا تھا وہ اب سکون میں آگیا تھا۔

حیدر ہنوز دیکھے جارہا تھا اور وہ اس بات سے بے نیاز اپنی ہمجولیوں یعنی اپنی کتابوں کے سنگ بیٹھی ہوئی تھی۔

"بیٹا حیدر...... تم روزانہ اس وقت لائبریری آتے ہو، اکیلے ہی بیٹھے رہتے ہو وجہ جان سکتا ہوں؟" دانش اچانک وارد ہوا، جانتے بوجھتے وہی سوال کیا۔

"اوہو...... بس کچھ نہیں اپنا دماغ یہاں تازہ کرنے آجاتا ہوں پھر موڈ بن جائے تو کتاب بھی پڑھ لیتا ہوں۔"

"اور کبھی موڈ ہو تو سامنے والی دوشیزہ کو جی بھر کے دیکھ بھی لیتا ہوں، کیوں دوست صحیح کہا ناں میں نے؟" دانش کے کہتے ہی حیدر کے دل نے ہارٹ بیٹ مس کی اور چوری پکڑی جائے گی۔

"اپنی بکواس بند ہی رکھا کر، جب دیکھو اول فول بکتا رہتا ہے۔" دانش ہنسا۔ حیدر نے نظریں جھکالیں لیکن چور نظروں سے سامنے بیٹھی دوشیزہ کو ہی دیکھے جارہا تھا۔

"جا اوئے...... تو جو سارا وقت غزلیں سنتا اور یہاں وقت گزارتا ہے ضرور کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔"

"تو جا کر بھائی سے نپٹ اپنے مسائل حل کر میرے مسئلوں میں کیوں گھس رہا ہے؟"

"اف...... جو جی میں آئے کر میں کہہ رہا ہوں آگے بڑھ کہیں ہاتھ ملتے نہ رہ جانا۔"

"اپنے مخلصانہ مشورے اپنے پاس رکھو اور جاؤ بلکہ میں ہی چلا جاتا ہوں۔" حیدر تقریباً اٹھ ہی گیا تھا۔

لاشعوری طور پر مینا کی نظر اٹھیں اور سامنے کھڑے حیدر پہ گئیں، حیدر جو کھڑا ہو چکا تھا کچھ بولتے بولتے رکا اور سامنے دیکھنے لگا، مینا مسکرائی اور واپس اپنے کام کی جانب متوجہ ہوگئی، حیدر یک ٹک اسے ہی دیکھ رہا تھا دانش نے ٹھوکا دیا۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ یہی معاملہ ہے بس دیکھ لیا اب تو......"

"تو دفع ہو جا یہاں سے۔"

"نہیں ہوتا کیا کرے گا؟"

"میں ہی چلا جاتا ہوں۔" حیدر نے کرسی کھسکائی، مینا نے پھر سے جھکا سر اٹھایا اور اپنے سامنے حیدر کا لنگڑاتا وجود دیکھا۔ پھر اسے جاتے ہوئے دیکھا اور سر جھٹک کر کتابوں سے تعلق جوڑ لیا۔

حیدر گھر پہنچ کر عجیب رنج کی حالت میں سوچتا رہا کہ کیوں وہ مینا کے سامنے اٹھا اس کی یہ حالت دیکھ کر وہ کبھی اسے پسند نہیں کرے گی۔ اس کی آنکھیں اب آنسو بہانے کے لیے تیار تھیں، آنکھیں بند کیں تو دل شدت سے چاہا کہ اس کی فریاد سنی جائے وہ اسے پسند آجائے۔

تب ہی اس کے دل میں پہلا خیال رب کا آیا۔ وہ اس طبقے سے تھا جہاں بس خوشیاں منائی جاتی اور اللہ اگر بھولا نہیں تھا تو یاد بھی نہیں تھا۔

"ہم لوگ بھی کتنے عجیب ہیں ناں...... نعمت جب ملتی ہے تو وقتی شکر گزاری کر کے سمجھتے ہیں کہ احسان اتارا ہے جبکہ بعد میں بھلا دیتے ہیں اور جبکہ اللہ اپنے بندوں کو کبھی نہیں بھولتا۔"

حیدر لنگڑاتا ہوا وضو کرنے گیا اسے ایک لمحے کو لگا جیسے وہ وضو کرنے کا طریقہ بھول گیا ہے لیکن جیسے ہی اس نے وضو کی نیت سے نل کھولا، تمام سنتیں اور فرائض ذہن میں تازہ ہوتے چلے گئے اور پھر وہ سجدہ رو ہو کر اپنے رب سے ہم کلام ہو گیا۔ اس کے ذہن میں صرف مینا تھی، جس کے لیے وہ اللہ سے دعا مانگنے آیا تھا۔

اب پل پل وہ بے کل سا رہنے لگا تھا اس دن کے بعد سے لائبریری جاتا لیکن ایسی جگہ بیٹھتا جہاں سے مینا دکھائی دیتی مگر وہ مینا کو نہیں۔ اب ایسا روز ہونے لگا تھا وہ مقررہ وقت سے پہلے آجاتا اور مینا اپنے معمول کے مطابق

پہنچ جاتی۔ اُسے یہ علم نہ تھا کہ کتابوں پر جھکی ہوئی مینا بھی چور نظروں سے سامنے والی میز کو دیکھتی ہے جہاں حیدر بیٹھتا تھا' کچھ دن گزرنے کے بعد مینا نے باقاعدہ سر اٹھا کر سامنے دیکھا پن ہونٹوں میں دبائے پھر چاروں اطراف گردن گھمائی لیکن حیدر نظر نہ آیا۔

وہ ہر رات نماز سے فارغ ہوکر کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاتا اور مینا کے نام اپنے دل کا حال لکھتا۔ تہجد کے وقت کا انتظار کرتا اور خاص طور پر دعا مانگتا' اُس کی ہر دعا میں مینا ہی شامل ہوگئی تھی۔ وہ روز مینا کو جی بھر کے دیکھ لیتا لیکن خود سامنے نہ آتا۔

مینا بھی اُس لنگڑاتے ہوئے لڑکے کو دوبارہ نہ دیکھ پائی تھی اُس کے دل ودماغ میں وہ لڑکا موجود تو تھا لیکن ایک جھلک ہی دیکھ پائی تھی۔ مینا اکثر لکھتے پڑھتے اُس لڑکے کو کھوجتی۔ مزید چند دن گزرے تو حیدر ہمت کر کے سامنے آ کر بیٹھ ہی گیا۔ اُس نے پچھلی رات نماز میں بہت باتیں کی تھیں اپنے رب سے اور وعدہ لیا تھا کہ وہ مینا کے سامنے جائے گا۔

مینا ہمیشہ کی طرح اردگرد سے بے نیاز کتابوں میں گم تھی اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ کوئی اس کے سامنے آ بیٹھا ہے، ایک لمحے کے لیے دھیان بھٹک کر اس لڑکے کی طرف گیا اور پھر چونک کر سر اٹھایا تو سامنے بیٹھے حیدر کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ساکت ہوگئی اور جلدی سے سر جھکا کے خود کو کمپوز کیا مگر اس ایک لمحے کے خیال کو اسی پل سچ ہوتا دیکھ کر وہ جیسے اپنی دھڑکنوں کی بھی نفی کرنے لگی۔ حیدر اُسے ہی دیکھے جارہا تھا مینا محسوس کررہی تھی لیکن دوبارہ سامنے نہ دیکھا، نظریں جھکائے ہی وہ اٹھی کتابیں واپس کیں اور بنا کہیں دیکھے باہر چلی گئی۔

حیدر کو اُس کا جانا برا لگا، وہ اپنا حالِ دل بیان کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے واپسی کے لیے قدم اٹھائے جو کہ قطعی بوجھل تھے۔

......☆☆......

مینا گھر آئی تو گھر کے مکین ایک ساتھ صحن میں موجود تھے' سب ہی بڑوں کا اپنے بچوں سمیت ایک ہی جگہ موجود ہونا مینا کے لیے حیرت کا باعث ضرور تھا۔ مینا نے سب پہ ایک نگاہ ڈالی اور اپنے کمرے کی جانب چل دی۔

''ہمارے ساتھ بیٹھتے ہوئے تو اِسے مزہ ہی نہیں آتا ناں۔'' یہ بشریٰ چاچی تھی۔

''اماں ابھی تو آئی ہیں باجی اُنہیں تھوڑا آرام تو کرنے دو۔'' جنید اُنہیں کا بیٹا تھا لیکن مینا سے اچھی بنتی تھی۔

''تُو چپ کر' بڑوں کے معاملے میں بولا نہیں کرتے۔'' تائی ہاجرہ نے جھڑکا۔

''بھابی...... میرے بیٹے کو کیوں ڈانٹ رہی ہو؟ بچہ ہے بول دیا تو کیا ہوا؟''

''ہاں بھئی تمہارے ہی بیٹے کو اجازت ہے بولنے کی ہمارے بچوں کا تو قصور ہی یہی ہوتا تھا اور وہ ڈانٹ بھی کھاتے تھے۔''

''ہونہہ...... آئی بڑی میرے لعل کو ڈانٹنے والی۔'' خوشگوار موڈ اب غارت ہوگیا تھا مینا نے ٹھنڈی سانس خارج کی اور قدم بڑھادیئے۔ کمرے تک آتے آتے وہی لڑکا اُس کی سوچ کا محور بنا ہوا تھا۔ کچھ دیر کو لیٹی آنکھیں بند ہی کیں کہ وہی چہرہ دکھنے لگا، فوراً آنکھیں کھول کر چھت کو تکنے لگی۔

''بہت دیر لگادی آج آنے میں؟''

''ہاں بس کام زیادہ تھا۔''

''مت کیا کرو ناں اتنا کام جس کا فائدہ بھی نہ ہو۔'' کوفت زدہ سی مینا نے سیمہ کو دیکھا۔

''آپ بھی وہ بات نہ کیا کریں جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔'' سیمہ اُس کے لیے ٹرے لائی تھی جس میں پانی کا گلاس اور کھانے کی پلیٹ موجود تھی' مینا کی بھوک چمک اُٹھی لیکن نروٹھے پن سے ٹرے پیچھے کھسکادی۔

''مرضی ہے یہیں رکھے جارہی ہوں مزاج بدل جائے تو کھالینا۔'' اکتاہٹ سے مینا نے سانس لیا اور سامنے رکھی ٹرے کو نظر بھر کر دیکھا پھر چپ چاپ لیٹ گئی۔

صبح کا ناشتہ بھی یونیورسٹی جلدی جانے کے چکر میں

برائے نام ہی کیا تھا سو بھوک کھانا دیکھ کر چمک اٹھی تھی۔ بالآخر کھانا کھا ہی لیا۔ گھر کا ایسا ماحول ہوش سنبھالتے دیکھتی آئی تھی لیکن اپنی سوچ کو لفظوں میں پرو کر وہ سب سے آگے نکل جانا چاہتی تھی مگر قسمت اُسے وہیں دھکیل رہی تھی جہاں وہ پہلے سے تھی۔

......☆☆......

حیدر ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا جبکہ دو بہنیں تھیں، اُس کا لنگڑا پن پیدائشی تھا جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ خود کو اکیلا ہی پاتا، زیادہ دوست نہ تھے ایک دانش ہی تھا جو ہمہ وقت ساتھ رہتا۔ بوجھل طبیعت سے حیدر گھر پہنچا اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنی کمرے کی جانب جانے لگا۔ آخری سیڑھی پہ آ کر رکا اور وہیں بیٹھ گیا۔ ایک پل کو اُس نے اپنے آپ کو کوسا۔ سامنے بیٹھی مینا کو چاہ کر بھی روک نہ پایا۔ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھے وہ اس کو سوچنے لگا۔

وہ اب سب سے شکوہ کناں تھا اپنے آپ سے اپنے رب سے اپنی کمزوری پہ بھی اتنا غصہ نہ آیا تھا جتنا اُس وقت آ رہا تھا۔ اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے بھی وہی ذات ہمہ وقت موجود تھی جس سے وہ شکوہ کناں تھا۔

لیکن یہاں بھی انسان کا کیا کہنا...... شکوہ بھی اُسی سے کرتے ہیں اور پھر اپنا دل بھی اُسی کے آگے کھول کے رکھ دیتے ہیں۔ اِس وقت بھی ایسا ہی تھا حیدر جہاں ایک طرف شکوہ کر رہا تھا وہیں دعا بھی کر رہا تھا۔ لمبی سانس لیتے ہوئے وہ اٹھا اور کمرے میں آ کر وضو کیا اور جائے نماز بچھائے دعا کرنے میں مشغول ہو گیا۔

کہاں وہ رب سے اُس کی عبادت سے دور تھا اور کہاں ایک لڑکی کی خاطر وہ اُسی رب سے قریب ہو گیا تھا۔ اب یہ اُس کا روز کا معمول بن گیا تھا۔ مینا روز اپنے مقررہ وقت پہ موجود ہوتی تو حیدر بھی اُس کے سامنے بیٹھا ہوتا' مینا اپنی کتابوں میں کھوئی رہتی لیکن حیدر سے باخبر رہتی۔ حیدر کی نظریں مینا پہ تھیں' مینا اپنے کام کے باوجود حیدر کی نظریں خود پہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ نظریں جھکائے اپنے کام میں لگی رہی کسی بھی وقت جھنجلا سکتی تھی لیکن خود پہ قابو کر رکھا تھا۔ حیدر ہمت کر کے اٹھا اور مینا کی میز کے نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا۔

مینا کی نظریں ہنوز کتابوں پہ جمی ہوئی تھیں لیکن وہ کن اکھیوں سے دیکھ رہی تھی کہ حیدر اس کے پاس کھڑا ہے۔ حیدر بھی ڈھیٹ بنا کھڑا رہا مگر مینا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا نہیں۔ اس نے تھک ہار کر گلا کھنکارا لیکن مینا ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حیدر نے مجبور ہو کر آہستگی سے کرسی کھسکائی اور بیٹھ گیا۔ مینا کی حالت عجیب ہونے لگی دل دھڑکنے لگا۔ اسے لگا جیسے حیدر ابھی چیخ پڑے گا یا چلائے گا، ہو سکتا ہے کہ اس کی برداشت جواب دے جائے اور وہ پوچھ بیٹھے کہ میری جانب کیوں نہیں دیکھ رہیں؟ مجھ سے بات کرو، کچھ میری سنو کچھ اپنی سناؤ' گھبراہٹ مینا کے چہرے سے چھلکنے لگی تھی۔

''مینا......'' اس نے بڑے جذب کے عالم میں پکارا۔ چلتا ہوا قلم یک دم رک گیا۔

''آپ بہت اچھا لکھتی ہیں' ایسے ہی لکھتی رہیے گا۔'' الفاظ کے موتی جھڑتے رہے اور مینا سر جھکائے قلم روکے بیٹھی رہی، درمیاں میں' خاموشی در آئی حیدر اُسے تکتا رہا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔'' کرسی سرکا کر حیدر اٹھا تو خاموشی ٹوٹنے لگی مگر مینا کی گردن کی اکڑ کم نہ ہوئی۔ وہ اپنی جگہ پر ہنوز جمی بیٹھی رہی۔

وہ چلا گیا، من کی من ہی میں رہ گئی۔ اُسے تو بہت کچھ کہنا تھا یا شاید بہت کچھ سننے کی خواہش تھی لیکن سب کچھ خاموشی کی نذر ہو گیا۔ حیدر کے کمرے سے نکلتے ہی خاموشی چھن سے ٹوٹ گئی مینا اپنی کرسی کھسکا کر کھڑی ہوئی، گہری سانس لیں اور کتابیں بند کر کے خود بھی باہر کی جانب بڑھی۔ دل پر اداسی کا غلبہ چھا گیا تھا۔ وہ اپنی کیفیت عیاں کرنے کے حق میں بھی نہ تھی پُرسکون رہنے کی مصنوعی کوشش کی مسکراہٹ کا نقاب اوڑھا اور بوجھل قدموں سے گھر کی جانب روانہ ہو گئی اور گھر میں داخل ہوتے ہی کسی سے بات کیے بنا اپنے کمرے میں پہنچ کر بستر پہ ڈھیر ہو گئی۔ حیدر کا یوں اس

کے پاس آ کر بیٹھنا، کچھ انوکھے انداز میں اسے مسلسل تکنا' ایک نئی کہانی سنا رہا تھا۔

"کیا وہ کچھ کہنا چاہتا تھا یا شاید اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا تھا؟" یہ سب سوچتے سوچتے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ ریشم سے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر خیالوں میں گم تھی کہ سیمہ کمرے میں چلی آئی۔

"سر میں درد ہے کیا؟" لہجہ میں فکر مندی تھی۔

"نہیں بس ایسے ہی۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"ٹھیک ہے اب میری بات غور سے سنو۔" کچھ تو ایسا تھا کہ وہ ان کی جانب متوجہ ہوگئی۔ وہ جو ابھی بات کرنے کے ہی موڈ میں نہیں تھی سیمہ اب پتا نہیں کیا اعلان کرنے جارہی تھی۔

"اب سے یونیورسٹی جانا بند' تمہارے ابا نے تمہاری شادی طے کردی ہے مجھے کہا ہے بتا دوں۔" ایک تو سر ویسے ہی دُکھ رہا تھا وہیں مزید یہ بات کرکے ایک بم سا پھوڑ دیا تھا۔

"کیا بول رہی ہیں؟"

"جو تم سُن رہی ہو میں نے ہمیشہ تمہیں یہ بات بتائی ہے کوئی انجان نہیں ہو تم' جو خواب دیکھتی رہی ہو وہ بس لفظوں اور کتابوں ہی میں بھلے لگتے ہیں' اصل زندگی میں وہی ہوتا ہے جو قسمت میں ہو۔"

"پلیز مجھے ابھی کسی لیکچر کی ضرورت نہیں' میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"کرلو...... لیکن جو بات ہوچکی ہے اُس سے ان انکاری ممکن نہیں۔" سیمہ جاچکی تھی، مینا ہک دک رہ گئی تھی۔

وہ جو ابھی حیدر کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ بس وہ اظہار کرلیتا تو دوسری طرف جس چیز سے بھاگنے کے لیے اپنے خوابوں کو لفظوں میں ڈھال کر اطمینان حاصل کررہی تھی وہیں وہ خواب ٹوٹ گیا تھا' کرچیاں اب دل میں چبھنے لگی تھیں۔ عجیب کشمکش میں زندگی کی یہ ڈور الجھنے لگی تھی۔

حکم صادر ہوچکا تھا جسے وہ جھٹلا نہیں سکتی تھی' آنسوؤں سے بھری آنکھیں دھندلے خواب دیکھ رہی تھیں' جہاں مینا نے خود کو جمایا تھا۔ انہی خوابوں میں اب پیر لڑکھڑا رہے تھے کوئی سنبھالنے والا نہیں تھا آندھی چل رہی تھی آنکھوں کے پانی سے زمین مزید جل تھل ہورہی تھی۔ اُس کی زندگی کا وہ صفحہ کُھل گیا تھا جس پہ اُسے اب اپنے ہمسفر سے پوچھ پوچھ کر لکھنا تھا، ہاں دوسرے کورے کاغذوں پہ وہ اپنا من چاہا لکھ سکتی تھی۔

وہ شاید خوش تھی یا نہیں، پتا نہیں لیکن وہ مجھے بھولی نہیں تھی۔ اُس کی تحریروں سے تو یہی لگتا ہے مجھے کہ وہ مجھے اُن میں یاد رکھے ہوئے ہے۔

......☆☆......

میں "حیدر مصطفیٰ"۔ مجھے میرے رب نے بے تحاشہ نوازا' جو چاہا وہ پایا۔ سوائے اس ایک کے جس سے شاید میں دل کی بات کرکے بھی دامن رہ جاتا۔ جسے پانا مقدر میں نہیں تھا' سو اس ذات نے مجھے اس کے رنگ ہی میں رنگ دیا' جو کبھی نہ کہہ پایا وہ سفید پنوں کو کالا کرکے اسے کہہ دیتا ہوں۔ مجھے علم نہیں وہ مجھے پڑھتی ہے یا نہیں ہاں میرے دل کو سکون ضرور مل جاتا ہے۔

اُسے گنوا کے میں زندہ ہوں اس طرح محسن
کہ جیسے تیز ہوا میں چراغ جلتا ہے

یہ لکھتے ہوئے حیدر نے ٹھنڈی سانس لی اور کاغذات کو لپیٹ کر لفافے میں ڈالا' چشمہ اتار کر قلم کے ساتھ دراز میں رکھا اور ڈاک خانے کے لیے نکل پڑا......

غربت کی لکیر

ماریہ طفیل پارس

شاہ خاور کی واپسی کا سفر شروع ہوچکا تھا' آہستہ آہستہ دن کے اجالے' رات کی گہری اور ہولناک تاریکیوں میں گم ہونے لگے۔ ماحول میں اک عجیب سا سکوت تھا' ہر چیز جیسے اپنی جگہ پر تھم سی گئی ہو بالکل اس کی زندگی کی طرح۔

گہری مگر پُر اسرار خاموشی کا سحر ماحول کو جکڑے ہوئے تھے' خاموش فضا میں ارتعاش اس وقت پیدا ہوتا جب ہوا کے کچھ آوارہ جھونکے' درختوں کے پتوں کے ساتھ ٹکراتے اور ہلکی سی سرسراہٹ ماحول کا حصہ بن جاتی۔ ایسے ہی اردگرد سے بے نیاز اس کا رخ اس مسحور کُن جگہ کی طرف تھا جہاں کبھی بیٹھ کر اس نے اپنے روشن مستقبل کے خواب دیکھے تھے۔ اس جگہ کا منظر اسے زندگی کی رعنائیوں اور تابناکیوں کی نوید بخشتا تھا۔

بلند چٹان پورے طمطراق کے ساتھ اپنی جگہ پر پہلے کی طرح موجود تھی مگر اس کے حوصلے ٹوٹ گئے تھے۔ چٹان کی دوسری جانب پانی ایک دریا کی صورت میں بہہ رہا تھا۔

سورج کا سفر بھی بس ختم ہونے والا تھا اور شاید اس کی زندگی کا سفر بھی۔ کبھی زندگی اس کے لیے بھی خوب صورت تھی' بلند حوصلے اور کچھ کرنے کے جذبے کے ساتھ وہ آج بھی نوکری کی تلاش کے لیے نکل پڑا۔ ابا دو سال پہلے ہی گردوں کے ناکارہ ہوجانے کی وجہ سے دنیا سے چل بسے تھے' وقت پر علاج نہ ہونے کی وجہ سے گردوں کا عارضہ ان کی جان لے گیا وجہ غربت تھی۔ غربت کی چکی میں پستے ایسے کئی لوگ سرکاری ہسپتالوں کے دھکے کھاتے اور ابا کے مرنے کے بعد اماں اس کا آخری سہارا تھیں مگر کچھ مہینوں سے ان طبیعت بھی ہر وقت بگڑی رہتی۔ شروع میں ہلکی کھانسی تھی مگر بعد میں وہ شدید حالت اختیار کرگئی' طبی معائنے کے بعد پتا چلا کہ انہیں ٹی بی کا مرض لاحق ہوگیا ہے' تب سے اب تک اس نے ہزاروں کوششیں کی اور کئی جگہوں پر انٹرویو دیئے' ڈگری ہونے کے باوجود اسے کہیں نوکری نہیں ملی ایک ہوٹل میں ویٹر کی نوکری سے تو بمشکل گھر کا چولہا ہی جلتا تھا۔ علاج میں تاخیر کی وجہ سے انہیں آخری اسٹیج پر ٹی بی ہوگیا اور ان کی صحت دن بدن گرنے لگی اس میں کچھ ہاتھ تو سرکاری ہسپتال کے ڈاکٹر کا بھی تھا اور ہسپتال کے باقی عملے کا بھی' ہسپتال میں دوائیاں موجود ہونے کے باوجود بھی مریضوں کو وہی دوائیں پیسوں میں اسٹور سے خریدنی پڑتیں۔

جب وہ گھر میں داخل ہوا تو مایوسی اور ناامیدی اس کے ہر انداز سے ظاہر ہورہی تھی۔ باورچی خانے میں موجود واٹر کولر سے پانی کا گلاس بھر کر وہ کمرے میں چلا آیا۔ اماں کو کھانسی کا شدید دورہ پڑا تھا اور ان کی سانس اکھڑنے لگی تھی' جیسے تیسے کرکے وہ انہیں قریبی ہسپتال میں لے آیا' یہ ایک پرائیوٹ ہسپتال تھا جہاں فیس جمع کرائے بغیر مریض کو ہاتھ تک نہ لگایا جاتا' چاہے وہ تڑپ تڑپ کر مرجاتا۔ ڈاکٹر بے حسی کی چادر اوڑھ کر انہی مریضوں کا علاج کرتے جن کی جیب پیسوں سے بھری ہوتی۔ شرجیل کی ماں بھی ہسپتال کے برآمدے میں پڑے اسٹریچر پر اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی کیونکہ اس کی اور اس کے بیٹے کی جیب ہرے اور نیلے نوٹوں سے بھری ہوئی نہیں تھی۔

بے بسی سے روتے ہوئے شرجیل نے اپنی ماں کا ہاتھ تھاما' جو اب بے جان ہوچکا تھا۔ دھاڑیں مار کر روتے ہوئے اس نے ایک شکوہ کناں نظر آسمان کی

طرف ڈالی' اردگرد کے لوگ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے اور پھر اسے ایک معمول کا حصہ جان کر اپنی اپنی راہ ہولیے۔ دن میں ہزاروں لوگ ایسے ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتے ہیں مگر وہ غربت کی لکیر کو بھی پاٹ نہیں پاتے۔

دنیا کی عزیز ترین ہستی اور آخری رشتہ کھودینے کے بعد اس کے پاس اب کچھ نہیں بچا تھا۔ اس چٹان کے پار غروب آفتاب کا منظر آج بھی سحرانگیز تھا' مغرب کی طرف آسمان کے کنارے سے گلابی روشنی چھلک رہی تھی اس کا عکس دریا کے پانی میں بھی پڑ رہا تھا۔

دریا کے شفاف پانی میں کئی تنکے بہتے چلے جارہے تھے' ہوا کی پورش سے کناروں پر لگے درختوں کے کمزور پتے پانی میں گرتے اور پھر پانی کے بہاؤ کے ساتھ اس درخت سے لحہ بہ لحہ دور ہوتے چلے جاتے۔

شرجیل کے ہاتھ میں وہ کاغذ کا ٹکڑا تھا جسے حاصل کرنے کے ساتھ اس نے اپنے روشن مستقبل کے ڈھیروں خواب اپنی آنکھوں میں سجائے تھے۔ آج وہ کاغذ کا ٹکڑا اپنی اہمیت کھوچکا تھا' وہ کاغذ کا ٹکڑا اسے ایک اچھا اور قابل عزت روزگار نہیں دے پایا تھا' اسے وہ رقم نہیں دے پایا تھا جو اسے اپنے آخری رشتے کو بچانے کے لیے درکار تھی۔ اس کی ڈگری بے کار ثابت ہوگئی تھی کیونکہ اس معاشرے میں ڈگری کے علاوہ بھی ایک چیز اچھی ملازمت کے لیے درکار تھی اور وہ چیز سفارش تھی۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اس کاغذ کو ایک نظر دیکھا اور پھر اسے پانی میں اچھال دیا' آسمان کی سرخی بڑھ گئی تھی۔ اس نے کرب سے آنکھیں میچ لیں' بہت سے منظر اور آوازیں اس کے دماغ میں گڈمڈ ہونے لگے' ضبط سے مٹھیاں بھینچے ہوئے اس کے قدم زمین سے اوپر اٹھے۔ اگلے لمحے وہ درخت سے گرے پتے کی مانند پانی میں گرتا جارہا تھا' ایک چھماکے کی آواز بلند ہوئی اور پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ کسی کی زندگی کا دیا گل ہوگیا' اس سب سے دور ایک دنیا روشنی کی دنیا اور اس کی چکاچوند کی دنیا اپنے جوبن پر تھی اس بات سے لاتعلق کہ ایسی ہی زندگی کی خواہش کے لیے کسی کی زندگی کا دریا' موت کے تاریک قلزم کی نذر ہوگیا۔

کیا زندگی اتنی ہی بے وقعت سی چیز ہے کہ ایک معاشرے کے برے نظام کی وجہ سے موت کی تاریکیوں سے ہار جاتی ہے شاید اس معاشرے کا نظام کبھی تبدیل ہوپائے۔

ڈھل گیا ہجر کا دن

نادیہ احمد

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

مسٹر اینڈ مسز انصاری بظاہر ایک آئیڈیل، خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر انصاری ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے آبائی شہر منتقل ہوچکے ہوجاتے ہیں جہاں سالوں کی تگ و دو کے بعد وہ ایک خیراتی ہسپتال احسن طریقے سے چلا رہے ہوتے ہیں۔ اس کام میں ان کی بیوی ڈاکٹر نور انصاری ان کی معاونت کررہی ہوتی ہیں۔ مسٹر اینڈ مسز انصاری کے دونوں بچے سمیر اور فریحہ بھی اپنی چھٹیوں میں ان کے پاس رہنے آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ سمیر اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پہ فائز ہوتا ہے جبکہ فریحہ ایک ڈاکٹر ہے جو اسلام آباد سے حال ہی میں اپنی ہاؤس جاب مکمل کرکے آئی ہوئی ہے اور دوبارہ اسلام آباد کے ہی ایک بہت بڑے ہسپتال میں اپنی ملازمت جاری رکھنے کی خواہش رکھتی ہے لیکن ڈاکٹر نور اسے چند دن ہسپتال میں ان کی مدد کرنے پہ بخوشی راضی کرلیتی ہیں۔ علینہ ایک کم گو، الجھی ہوئی اور معاشرتی مسائل کا شکار لڑکی ہے۔ وہ مقامی کالج میں زیر تعلیم ہوتی ہے اور امتحانات کے آخری دن مونس کے ساتھ ہونے والی مڈبھیڑ کے بعد مونس کو ایک تھپڑ رسید کردیتی ہے لیکن حواس باختہ ہوکر کالج کی عمارت سے نکلتے ہوئے وہ اچانک سمیر کی گاڑی سے ٹکراتی ہے پر سمیر بروقت بریک لگاتا ہے۔ علینہ بے ہوش ہوجاتی ہے اور سمیر اسے زینب وقار ہسپتال اپنی والدہ کے پاس لے آتا ہے۔ علینہ کو جلد ہسپتال سے ڈسچارج کردیا جاتا ہے۔ مونس غصے میں بھرا پہلے اپنے دوستوں کو باتیں سناتا ہے اور پھر اپنی والدہ رخشندہ سے علینہ کی شکایت کرتا ہے جو اپنے لاڈلے بیٹے سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ خاور علینہ سے ملنے آتا ہے پر وہ اس سے جان چھڑا کر اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ شاکرہ اس کی شکایت اس کی ماں سے کرتی ہے پر علینہ کا انداز ہمیشہ کی طرح لاتعلق اور احساسِ کمتری کا مارا ہوتا ہے۔ شہباز سفینہ کو بے دردی سے مارتا ہے۔ بازو ٹوٹنے کی وجہ سے فاطمہ چاروناچار اسے ہسپتال لے آتی ہے جہاں ڈاکٹر کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوا بلکہ اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ڈاکٹر کے سوالات کا گول مول جواب دے کر وہ گھر چلی آتی ہے پر فاطمہ دل ہی دل میں ماں کی بے جا خاموشی پہ شکوہ کناں ہوتی ہے۔ شہباز گھر اور بیوی سے لاپروا جوا کھیلنے چلا جاتا ہے جہاں اس کا اوباش دوست عارف اسے ادھار دیتا ہے۔ ڈاکٹر فریحہ مرد کی بے رحمی کی نذر عورت کی بے بسی اور لاچاری پہ جہاں درد محسوس کرتی ہے وہیں اسے اس عورت کی خاموشی پہ کوفت بھی ہوتی ہے۔ سمیر اور اس کے درمیان اس موضوع پہ ہونے والی بحث ڈاکٹر نور کو انتہائی اپ سیٹ کردیتی ہے اور پریشانی کے سائے ڈاکٹر انصاری کے چہرے پہ بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ سمیر اتفاقاً ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر الجھ سا جاتا ہے۔ اسے یقین ہے اس کے والدین کے درمیان کشیدگی ان کے ماضی کے کسی راز سے وابستہ ہے۔ علینہ کو لے کر عامر اپنی بیوی کو باتیں سناتا ہے۔ دونوں کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے جس میں عامر اسے حال اور ماضی کے طعنے دیتا ہے پر وہ خاموشی سے سن کر صبر کرتی ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتی ایک بار پھر اس کا گھر ٹوٹے اور اس کی اولاد کو خمیازہ بھگتنا پڑے۔ سمیر اور کشمالہ کے درمیان ملاقاتوں کے سلسلے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ دونوں کی سالوں پرانی دوستی ایک نئے رشتے کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔ علینہ کی سہیلیاں آکر اسے مونس کے حوالے سے

ڈروادیتی ہیں۔ وہ اچھی خاصی پریشانی میں مبتلا ہوجاتی ہے کہ کہیں واقعی مونس اسے کوئی نقصان نہ پہنچادے لیکن وہ خاور سے مدد لینا نہیں چاہتی۔ اندھیرے میں چھت کی طرف جاتے گھر کا داخلی دروازہ کھلا پاکر وہ ٹھٹھک جاتی ہے۔ دروازے میں کھڑے سائے کو دیکھ کر علینہ بے اختیار چیخ مارتی ہے پر اچانک سایہ آگے بڑھ کر مضبوطی سے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے جس سے علینہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆☆☆......☆☆☆

بس اتنی ہمت تھی تجھ میں
بس تیری آنکھیں بھیگ گئی
ابھی اور بہت سے لمحے ہیں
ابھی اور بہت سی یادیں ہیں
ابھی ہجر بھرا اک ہجرہ ہے
ابھی درد بھری اک کٹیا ہے
چل چھوڑ اس درد کہانی کو
روک آنکھ سے بہتے پانی کو
آ ڈھونڈیں کہیں اس گھڑی میں
اک ہجر آلود سا وعدہ ہے
وعدہ بھی سیدھا سادہ ہے
بس اپنے اپنے رستے پر
چلتے رہنے کا ارادہ ہے
تو دیکھا اگر وہ مل جائے
ممکن ہے زخم بھی سل جائے
ورنہ ہم ہجر جو کاٹ چکے
وہ اس جیون سے زیادہ ہے!

سیاہ کرولا گلی کے نکڑ پہ آ کر رکی تھی۔ بہترین اور جدید تراش خراش کی مہنگی پوشاک پہنے اترنے والی دونوں خواتین کا انداز مہذب تھا۔ تقریباً ہر ایک کی نگاہ انہی پہ مرکوز تھی۔ گلی میں زیادہ تر دکانیں تھیں اور چند ایک رہائشی مکان بھی تھے۔ بجلی گئی ہوئی تھی۔ سڑک پہ اندھیرا تھا لیکن دکانوں میں یو پی ایس کی بدولت مدہم بلب روشن تھے۔ یہاں وہاں نظر دوڑاتے بالآخر وہ دونوں ایک دکان کی طرف بڑھیں جبکہ گاڑی اب دکان کے سامنے پارک کی جاچکی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

رات کی دستک دھیمی اور پراسرار تھی۔ شہر اس پل تاریکی کی گود میں سو رہا تھا۔ اس نے سامنے کھلی فائل کو بے دلی سے بند کیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ چند پل سرکے۔ دھیمے قدموں چلتے اب اس کا رخ لان کی جانب تھا۔ موسم میں دن جیسی حدت نہ تھی پر اس پل ہوا بھی بالکل بند تھی۔ ہاتھ سینے پہ باندھے اس نے سست روی سے لان میں دو تین چکر لگائے اور جب کچھ سمجھ نہ آیا تو الجھ کر لان چیئر سنبھال لی۔ دل مضطرب تھا اور اعصاب بوجھل نظریں اس پل سامنے نظر آتی شکستہ عمارت پہ ٹکی تھیں جس کی دیواروں پہ چڑھی بیلیں سیاہ رات میں آسیب زدہ لگ رہی تھیں۔

دھیان کی سیڑھیوں پہ پچھلے پہر
کوئی چپکے سے پاؤں دھرتا ہے
دل تو اپنا اداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

ناصر کاظمی کا یہ قطعہ اس پل اپنا حالِ دل معلوم ہوتا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

''السلام علیکم!'' سامنے سے نکلتی ایک ستائیس اٹھائیس سالہ عورت نے پُرجوش لہجے میں کہا تو ان دونوں ہی کہ چہرے پہ شناسائی کی جھلک ابھری۔

''وعلیکم السلام حمیرا۔'' فریحہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ڈاکٹر صاحبہ کیسی ہیں آپ؟'' اس کی خوشی دیدنی تھی یوں لگا جیسے اچانک ان دونوں کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کے ہاتھ گنج قارون لگ گیا ہو۔

''اللہ کا شکر ہے، تم اپنی سناؤ۔ ٹھیک ہو نا اب؟'' یہ وہی عورت تھی جو ابھی چند دن پہلے ان کے ہسپتال میں بری

حالت میں لائی گئی تھی اور جس کا علاج فریحہ اور دیگر عملے نے بہت پیار اور دلجمعی سے کیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں جی۔'' چادر کا پلو مروڑتے ہوئے وہ عام سے لہجے میں بولی۔ اسی پل سمیر بھی ان کے پاس چلا آیا۔ ان دونوں کو یوں کھڑے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔

''سچ کہہ رہی ہونا...... پھر تو نہیں مارا تمہارے شوہر نے تمہیں؟'' فریحہ کے سوال پہ جہاں اس عورت کے چہرے پہ شرمندگی ابھری تھی وہیں سمیر کے چہرے کی الجھن کم ہوئی۔ ڈاکٹر نور البتہ خاموش کھڑی تھیں۔

''نہیں جی پہلے بھی کہاں مارتا تھا۔'' نظریں جھکائے اس نے ایک بار پھر دفاع کیا۔ فریحہ نے تاسف سے سر جھٹکا جبکہ پاس کھڑے سمیر کے چہرے پہ بیزاری نمودار ہوئی۔ ایک تو کل رات سے وہ اچھا خاصہ اپ سیٹ تھا۔ آج کا پورا دن وہ خود کو کمرے میں بند کئے بیٹھا رہا۔ کل رات اپنے والدین کی آدھی ادھوری باتوں نے اسے بے حد ڈسٹرب کردیا تھا۔ ان کے درمیان کشیدگی کی نوعیت وہ نہیں جانتا تھا پر جو بھی تھا اسے شاک لگا تھا پھر بھی فریحہ کے مسلسل اصرار اور ڈاکٹر نور کے کہنے پہ وہ شاکرہ کے گھر علینہ کی خیریت دریافت کرنے اور دوسرے لفظوں میں معذرت کرنے جانے پہ رضامند ہوا تھا۔

''جھوٹ بول کے اس کا دفاع نہیں اپنا نقصان کررہی ہو حمیرا' بلکہ شاید کرچکی ہو۔ اب تو بلاوجہ اس کی طرف داری مت کرو۔'' فریحہ تپ کر بولی۔ وہ جو اتنے دن کی فرسٹریشن جمع تھی اسے نکالنے کا نادر موقع ہاتھ لگا تھا۔ سمیر نے امداد طلب نظروں سے ڈاکٹر نور کی طرف دیکھا تو انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔

''سمیر یہ دکان کے ساتھ والا چھوٹا گیٹ ہے۔'' فریحہ کی بات کاٹ کر انہوں نے کہا تو اس نے منہ بناتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ بہر حال وہ دروازہ کھٹکھٹانے لگا جو کہ اتفاق سے کھلا ہوا تھا۔

شاکرہ شہر کے وسط میں واقع اس پرانے محلے میں برسوں سے رہتی تھی۔ نیچے چند دکانیں اور اوپر پرانی طرز کا بنا ہوا یہ مکان اس کا کل اثاثہ تھا۔ دکانیں کرایہ پہ اٹھا رکھیں تھیں جس سے اچھی گزر بسر ہوجاتی تھی اور مکان میں رہائش اختیار کی ہوئی تھی۔ اب اتنے سالوں بعد شہر میں ہونے والی تبدیلیوں کے ساتھ لوگوں کا رجحان بدل رہا تھا اور رہائشی محلے' کمرشل علاقوں سے الگ ہوچکے تھے پھر بھی شاکرہ خود کو اس گھر میں محفوظ اور مطمئن محسوس کرتی تھی۔ گو آج اس پراپرٹی کی قیمت بہت بڑھ چکی تھی اور اگر وہ چاہتی تو اس کے بدلے ایک بہتر مکان اچھے رہائشی علاقے میں خرید سکتی تھی لیکن اسے اپنا پرانا طرز زندگی ہی بھاتا تھا۔ وہ برسوں سے ان لوگوں کے درمیان رہ رہی تھی۔ یہ سب اس کے سکھ دکھ کے ساتھی تھے اور اسے انہی لوگوں میں رہنا پسند تھا۔

''تو اور کیا کروں جی' سر کا سائیں ہے وہ مار کے پھینک بھی دے تو کیا کرسکتے ہیں۔'' حمیرا نے آنسو پیتے ہوئے کہا۔ سمیر نے دوسری بار دروازہ بجایا۔ بجلی نہ ہونے کے باعث گھنٹی بجانے کا تو کوئی فائدہ تھا نہیں پر دستک پہ بھی کوئی جواب نہ آیا تھا۔

''یہیں سے سیڑھیاں اوپر جارہی ہیں۔ تم چلو ہم آتے ہیں۔'' ڈاکٹر نور کے کان حمیرا کی طرف تو دھیان سمیر کی طرف تھا۔ انہوں نے جلدی سے کہا تو سمیر نے مڑ کر حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے سر کے اشارے سے اسے اندر جانے کا کہا۔

''شوہر کی عزت کرو...... اس کی خدمت کرو پر اسے اپنا آقا مت بناؤ۔ وہ ساتھی ہے تمہارے دکھ درد کا شریک۔ مار کر پھینکنے کا اختیار تو اسے اللہ نے بھی نہیں دیا پھر تم کیوں اسے یہ حق دے رہی ہو۔'' اس سے پہلے کہ فریحہ کچھ بولتی ڈاکٹر نور نے اس کی بات کا جواب دیا۔ سیڑھیاں چڑھتے سمیر نے ان کی آواز سنی۔

''شوہر کی تابعداری ضرور کرو پر خود پہ ظلم نہ اسے کرنے دو نا خود کرو کیونکہ یہ جان اللہ کی امانت ہے اور اسے کسی ظالم کی خاطر ضائع نہیں کرتے۔'' بہت ٹھہرا ہوا انداز اور دل

میں اتر جانے والا لہجہ جوان کا خاصہ تھا۔ اپنے ہر لفظ پہ زور دیتے انہوں نے بہت اپنائیت سے سمجھایا تو فریحہ کے چہرے پہ چمک نمودار ہوئی۔ یہی تو وہ کہنا چاہتی تھی جو اس کی ممی نے کہہ دیا۔ پر شاید وہ اس انداز میں کہہ نہ پاتی۔ وہ ابھی اتنی میچور نہیں تھی جو سامنے والے کو اپنی بات اتنے پُر اثر انداز میں سمجھا پاتی۔ دوسری طرف حمیرا نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا تو اس کے چہرے پہ پہلے والی شرمندگی نہیں تھی بلکہ بات کو سمجھنے والا تاثر تھا جس نے فریحہ کو مطمئن کر دیا تھا۔

''میں کوشش کروں گی کہ آپ کی نصیحت پہ عمل کرسکوں۔'' پہلی بار اس کی مدافعتی ڈھال میں دراڑ پڑی تھی۔

''ہاں بالکل..... کوشش ضرور کرنا کیونکہ کوششیں اکثر کامیاب ہوجاتی ہیں۔'' ڈاکٹر نور نے اس کا بازو تھام کر کہا تو فریحہ بے اختیار مسکرادی۔

''آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آپ یہاں کیسے آئیں ہیں؟'' بالآخر اس نے ان دونوں کی آمد کا مقصد پوچھ ہی لیا۔

''یہاں ہماری ایک رشتے دار رہتی ہیں۔'' ڈاکٹر نور نے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کرکے مختصر بتایا۔ اگلے چند لمحوں میں الوداعی کلمات کہتیں وہ دونوں بھی سمیر کے پیچھے گھر کی سیڑھیاں چڑھنے لگی تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

قرار تو اسی پل دل سے رخصت ہوگیا تھا جب کشمالہ نے اتنے طویل وقفے کے بعد سمیر کو دیکھا تھا۔ وہ اس کی پوسٹنگ سے واقف تھی اور جانتی تھی ایک شہر میں رہ کر اس سے گریز ممکن نہ تھا اور یہاں فاصلہ چاہتا بھی کون تھا۔ وہ خاموش محبت جس پہ چند سال پہلے تھک کر قفل ڈال دیا گیا تھا پہاڑوں میں بہتے تند و تیز آبِ رواں کی طرح سرکش ہونے لگی تھی۔ انا کے بند توڑنے کو بے قرار تھی۔ وہ انا جس نے ان دو سالوں میں بھی سمیر کے سامنے گھٹنے نہیں ٹکائے تھے آج وہاں شگاف پڑنے لگے تھے۔ وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی کہ اپنا بھرم اسے بہت عزیز تھا پر سمیر کی قربت میں کشمالہ کا دل ریت کی طرح مٹھی سے نکل کر اس کے قدموں میں جا گرتا تھا۔ وہ آج بھی بالکل ویسا ہی تھا۔ ایک پل وہ اسے اپنی دسترس میں لگتا تو دوسرے ہی لمحے وہ اس سے میلوں دور کھڑا نظر آتا۔ وہ اسے اپنی سب سے اچھی دوست کہتا تھا' اس کے سب دوستوں کی طرح کشمالہ بھی اس کے لیے اہم تھی پر سمیر اس کے لیے اہم ترین تھا اور سمیر اس سے اچھی طرح باخبر تھا۔ وہ ان دنوں اس کی توجہ کا مرکز تھی پر آج بھی ہر ملاقات کے اختتام پر وہ اسے خود سے بہت دور نظر آتا تھا۔

کشمالہ کی بے چینی بڑھ گئی تھی پر کوئی سرا ہاتھ نہ آتا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

دونوں ہاتھ گود میں رکھے وہ سر جھکائے کرسی کے کونے پہ ٹکی تھی' یوں جیسے وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ شاکرہ کے چہرے پہ ان گنت تاثرات ایک ساتھ تھے۔ غصہ' شرمندگی' تاسف۔ وہ کبھی پریشانی سے اپنے سامنے بیٹھے تینوں افراد کو دیکھتی تو کبھی کھا جانے والی نگاہوں سے پاس بیٹھی علینہ کو جو اس کی نظروں کی آنچ کو دیکھے بنا بھی باآسانی محسوس کررہی تھی۔

''شاید کچھ غلط فہمی ہوگئی ہوگی۔'' ڈاکٹر نور نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔ ایک نگاہ سمیر کو دیکھا جو چہرے پہ سنجیدگی تانے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے خاموش بیٹھا تھا۔ نور اور فریحہ تو باتوں میں لگ گئیں جبکہ سمیر کو ڈاکٹر نور نے یہ سوچ کر سیڑھیاں چڑھنے کا اشارہ کیا کہ وہ بھی پیچھے پیچھے آرہی ہیں۔ وہ اوپر پہنچا تو بجلی نہ ہونے کے باعث وہاں گھپ اندھیرا تھا لیکن اوپر والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس سے آگے جانا یقیناً اخلاقیات کی نفی کرتا تھا لہٰذا وہیں اندھیری سیڑھی کے آخری اسٹیپ پہ کھڑا ہو کر وہ نور اور فریحہ کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر میں جب نظریں اندھیرے سے مانوس ہوگئیں تو صحن میں کھڑی شبیہہ پہ اس کی نظر پڑی جو رفتہ رفتہ اس کے قریب آرہی تھی۔ وہ محتاط سا ہو کر نیچے دیکھنے لگا جہاں اب بھی اس کی ماں اور بہن کے آنے کے آثار ندارد تھے۔

دروازے کے قریب پہنچ کر شبیہہ رک گئی اور پھر ایک دم نسوانی چیخ کی آواز بلند ہوئی۔ اس سے پہلے کہ آواز اونچی ہوتی بوکھلا کر سمیر نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پہ رکھ دیا۔ علینہ کی چیخ پر اندر کمرے میں نماز پڑھتی شاکرہ کا دل دہل گیا۔ موم بتی اٹھائے ہانپتی ہوئی وہ صحن میں آئی۔ اس بیچاری کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے۔ اس عمر میں یوں بھی دل کمزور ہوجاتا ہے انسان کا۔ اسی وقت نور اور فریحہ بھی اوپر آپہنچیں اور سمیر کو علینہ کا منہ بند کیے دیکھ کر ہکابکا رہ گئیں۔ علینہ کی آنکھیں خوف کی شدت سے پھیلی ہوئی تھیں اور چہرے کا رنگ زرد تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔

''یہ تو عقل سے ہی پیدل ہے۔'' شاکرہ نے دانت پیستے ہوئے علینہ کی طرف دیکھا جو اب ناخنوں کو دانتوں سے چباتی سب سے لاپروا بیٹھی تھی۔ وہ تو شاکرہ اگر نور کو نہ دیکھ لیتی تو اللہ جانے کیا سے کیا بن جاتا۔ شاید اس کا اپنا ہی ہارٹ فیل ہوجاتا ایسے کسی مرد کو علینہ کا منہ بند کیے دروازے میں کھڑا دیکھ کر پر اب جو ساری صورت حال واضح ہوئی تو مارے ندامت کے اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

''آنٹی اسے مت ڈانٹیں۔'' فریحہ کو یہ من موہنی صورت والی چھوٹی سی لڑکی یوں بھی بہت پیاری لگی تھی۔ اس پہ یہ خاموشی اور شرمندگی۔ اسے تو ہمدردی ہو رہی تھی اسی لیے جلدی سے حمایت میں بولی۔ علینہ نے نہ تو شاکرہ کے ڈانٹنے پہ سر اٹھا کر دیکھا نہ ہی فریحہ کی حمایت پہ کوئی ردعمل ظاہر کیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہ ہو جبکہ شاکرہ بدقت مسکرائی تھی۔

''جاؤ جلدی سے چائے پانی کا بندوبست کرو۔'' شاکرہ کی بات پہ وہ بلا تامل اپنی نشست سے اٹھی اور کسی کی طرف نگاہ کیے بغیر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ سمیر نے گردن گھما کر اسے کمرے سے نکلتے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ ناپسندیدگی نمایاں تھی اور اسی پل ڈاکٹر نور نے اس کی طرف دیکھا۔ سمیر نے شکوہ کناں نظروں سے ماں کی طرف دیکھا جیسے جتا رہا ہو اس کا یہاں نہ آنے کا فیصلہ درست تھا۔ وہ بیچارہ خوامخواہ ولن بن گیا تھا۔ یہ عیادت تو اس کے گلے پڑ گئی تھی۔ وہ تو اپنے سر کا بوجھ اتارنے آیا تھا لیکن یہاں ایک نیا الزام اس کے سر منڈھا جا رہا تھا۔

''اس سب کی ضرورت نہیں ہے آنٹی ہم تو بس علینہ کی طبیعت پوچھنے آئے تھے۔'' ڈاکٹر نور نے جلدی سے کہا۔ سمیر کے اس موڈ کے ساتھ ان کا وہاں زیادہ دیر بیٹھنا بہرحال مناسب نہیں تھا۔

''کتنے سال بعد آئی ہو تو کیا یونہی سوکھے منہ جانے دوں گی۔'' شاکرہ تو ان سب کو اپنے گھر میں دیکھ کر نہال ہوگئی تھی۔ شروع میں صورت حال ہی کچھ ایسی بن گئی کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار نہ کر پائی لیکن اب جو ذرا اوسان بحال ہوئے تو اندر کا جوش باہر آیا۔

''آپ کا محبت اور خلوص ہی بہت ہے میرے لیے بلاوجہ تکلف کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں اسے واپس بلالیں اور آرام کرنے دیں۔'' ڈاکٹر نور محبت بھرے انداز میں بولیں تو شاکرہ تو اور بھی وارفتہ ہوگئی۔ اسی پل ٹرالی کھینچتی علینہ اندر داخل ہوئی اور سر جھکائے کھانے پینے کا سامان ٹیبل پہ منتقل کرنے لگی۔ فریحہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے سمیر کی طرف دیکھا لیکن اس نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ علینہ میز سجا کر اسی پل واپس پلٹ گئی اور پھر جتنی دیر وہ لوگ وہاں بیٹھے رہے وہ دوبارہ کمرے میں نہیں آئی۔ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں، بولیں تو بس فریحہ، نور اور شاکرہ ہی۔ سمیر نے نا تو کھانے پینے کی کسی چیز کو ہاتھ لگایا نہ ہی ان کی باتوں میں حصہ لیا گو فریحہ اور نور کو اس کا یہ موڈ اوور ری ایکشن لگ رہا تھا پر وہ اپنی جگہ خود کو حق بجانب سمجھ رہا تھا۔ علینہ کی حماقت کی بدولت اسے ایک بار پھر اپنے گھر والوں کے سامنے خفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

''میں کہتی ہوں حد ہوتی ہے احمقانہ پن کی۔'' شاکرہ ہونٹ چباتی علینہ پہ برس پڑے۔ وہ تو بس اتنی دیر سے خود پہ جبر کیے بیٹھی ان لوگوں کے رخصت ہونے کی منتظر تھی ورنہ دل تو اسی وقت اس کا دماغ ٹھکانے

لگانے کا چاہ رہا تھا۔

"غضب خدا کا شریف انسان کا تماشہ بنا کر رکھ دیا۔" کتاب پہ نظریں جمائے وہ اسٹڈی ٹیبل کے گرد پُرسکون بیٹھی تھی۔ یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو پر جانتی تھی شاکرہ حسب عادت واویلا ضرور مچائے گی لہٰذا کسی ردعمل کے بغیر سر جھکائے نظریں کتاب کے صفحات پہ ٹکائے رکھیں۔ شاکرہ غصہ دکھاتی اس کے بیڈ پہ آ بیٹھی۔ اس نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا تھا۔

"شریف انسان تھا تو وہاں چھپ کر کیوں کھڑا تھا۔" زیرلب بڑبڑاتے اس نے منہ بنایا۔ آواز اتنی مدہم تھی کہ شاکرہ تک بس بھنبھناہٹ ہی پہنچی۔

"ہیں کیا کہا تم نے؟" وہ ایک دم ہی چیخی۔

"کچھ نہیں۔" علینہ نے چہرے پہ معصومیت سجائے شاکرہ کی طرف دیکھا۔

"علینہ میری برداشت کا امتحان مت لیا کرو۔" شاکرہ غصے سے بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے تو رہ رہ کر اس سبکی کا احساس ہو رہا تھا جو ان کے گھر آنے پہ ان لوگوں کی ہوئی۔ بھلے رشتے داری تھی پر ایسا کوئی قریبی تعلق نہ تھا۔ نہ ہی لمبی چوڑی ملاقاتیں تھیں ان لوگوں سے پھر بھی اپنائیت اور انسانیت کا ثبوت دیتے وہ جوان کے گھر چلے آئے تو اس طرح شرمندہ کرنا نہیں بنتا تھا۔

"آپ کو تو مجھ سے ہمیشہ گلہ ہی رہتا ہے۔ دروازہ کھلا تھا تو کیا میرا قصور تھا؟" وہ بھی سارے قیافے ملا کر بیٹھی تھی۔ پوری ڈھٹائی سے بولی تو شاکرہ کے تلووں میں لگی تو سر پہ بجھی۔ اپنی غلطی بہرحال کون مانتا ہے۔ نہ دروازہ کھلا رہتا نہ ایسی صورت حال ہوتی۔

"ہاں تو یہ جو کھوپڑی میں پاؤ بھر دماغ بھرا ہے اسے بس کتابیں چٹوانے کو رکھ چھوڑا ہے بی بی۔" پیشانی پر ہاتھ مارتی شاکرہ نے جذباتیت سے کہا تو علینہ نے بہ مشکل ہنسی دبائی اور اس بدترین کوشش میں اس کی آنکھوں سے پانی نکلا سو نکلا گال سرخ الگ ہو گئے۔

"بوقتِ ضرورت اس کا استعمال بھی تو کیا جاتا ہے نا۔"

اس وقت تو واقعی ہنسی آ رہی تھی پر وہ شاکرہ کو کیا بتاتی اس وقت اس کے ذہن میں کیا خوف چھایا ہوا تھا۔ اسے تو پورا یقین تھا وہاں مونس یا اس کا کوئی دوست موجود ہے اور آج اس کا اغوا ہو نا پکا ہے۔

"میں واقعی ڈر گئی تھی۔" وہ شرمندگی سے بولی۔ اب شاکرہ سے اپنے خدشات کہنے کا رسک تو نہیں لے سکتی تھی۔ ورنہ اس وقت تو کھڑے کھڑے اب تک کی دیکھی تمام فلموں کے ایکشن سین یاد آ گئے تھے۔

"اف میرے اللہ...... یہ ڈر گئی تھی۔" اس نے کندھے اچکائے بازو سینے پہ سمیٹے خوف زدہ ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"ہم کیا جنگل میں بیٹھے ہیں۔ بھرا پرا محلہ ہے خیر سے۔ سب اپنے واقف کار جاننے والے ہیں۔ تمہارے آنے سے پہلے میں اکیلی رہتی تھی اور مجال ہے سارا دن دروازہ بند کیا ہو۔" اگلے ہی پل وہ چمک کر بولی۔ علینہ جو خیالوں میں کھوئی تھی بیٹھی بیٹھی اچھل پڑی۔ کمر پہ ہاتھ ٹکائے شاکرہ لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر اسے سنا رہی تھی۔ علینہ کے لیے یہ سب غیر متوقع نہیں تھا۔ وہ اس رویے کی عادی تھی۔

"یہاں سب فرشتے بھی رہتے ہوں پھر بھی رات کو دروازہ کھلا چھوڑنا کون سی عقل مندی ہے۔ کون سا دور ہے ایسی بے فکری دکھانے کا۔" وہ بھی چڑ کر بولی۔ ڈرتی تو خیر وہ اپنے باپ سے بھی نہیں تھی یہ تو پھر اس کی نانی تھی۔ اسی کے ہاتھوں میں پلی بڑھی اس کے سب حربے جانتی تھی۔

"واقعی اگر کوئی چور اچکا ہوتا تو۔" تحمل سے اپنی بات کہہ کر وہ دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ شاکرہ کو تو جیسے پتنگے لگ گئے۔ اسے جب بھی علینہ پہ غصہ آتا بات سوئی کی نوک جتنی ہو یا ہاتھی برابر وہ اسے یونہی بے نقط سناتی۔ بڑھتی عمر میں انسان بچہ ہی تو بن جاتا ہے۔ اس کا ہر ردعمل بچوں جیسا ہو جاتا ہے۔ پھر چاہے محبت ہو یا غصہ دونوں ہی انتہا پہ ہوتے ہیں۔ شاکرہ کا مزاج بھی کچھ ایسا ہی ہو چکا تھا۔ علینہ کے لیے فکر مندی ایک طرف پر اسے غصہ بھی بہت آتا تھا اس پہ۔ خاص طور پر اس کی ڈھٹائی اور

اکھڑے ہوئے رویے سے وہ شدید پریشان تھی۔ ماں ہو یا باپ وہ دونوں سے ہی ہمیشہ خفگی برتتی اور شاکرہ کو اس کی یہی بات بری لگتی تھی۔

"تو تم بھی نا اسے ٹھکانے لگانے کو وہ شہر کا ڈی سی اسے تم نے چیخ سے ڈرا دیا۔ چور اچکا ہوتا تو مار ہی ڈالتی۔" اس وقت ان کے درمیان عمر کا فاصلہ سمٹ چکا تھا۔ شاکرہ یوں بدلہ چکا رہی تھی جیسے اسی کی ہم عمر اس کی سہیلی ہو جو موقع دیکھ کر ٹھیک نشانے پہ تیر مارے۔

"اب مجھے کیا پتا تھا نانی وہ اے سی ہے یا ڈی سی۔ چوروں کی شکل پہ تھوڑی کچھ لکھا ہوتا ہے۔" علینہ نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ "ویسے بھی اتنا گھپ اندھیرا تھا۔ ایسے میں کسے نظر آتا ہے۔" شاکرہ ہکا بکا شکل دیکھنے لگی۔

"اندھیرا چھوڑو، تمہیں تو اس وقت بھی دکھائی نہیں دیتا جب سورج سوا نیزے پہ لوگوں کی آنکھیں چندھیا رہا ہوتا ہے۔ یہ تو پھر انسان کا بچہ تھا اس دن یہ بڑی سی گاڑی دکھائی نہ دی۔" نرو ٹھے پن سے جل کر بولی تو علینہ کے ذہن میں اس دن والے واقعہ کی یاد لہرائی جب وہ موئس کو جا نثار سید کرنے کے بعد گھبرائی ہوئی کالج سے باہر نکلی اور سمیر کی گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔ ایک تلخ یاد نے اس کے حلق میں کڑواہٹ گھول دی تھی۔ موڈ مزید خراب ہو گیا تھا۔

"پر دیکھو کیسے اچھے لوگ ہیں، اسے کہتے ہیں خاندانی ہونا۔ دیکھو تو کیسے اپنی غلطی نا ہوتے ہوئے بھی معذرت اور عیادت کو چلے آئے۔ کوئی اور ہوتا تو یونہی سڑک پہ پھینک کر چلتا بنتا۔" شاکرہ تو واری صدقے ہونے لگی۔ علینہ کو ان سب باتوں میں سرے سے دلچسپی ہی نہیں تھی۔

"شروع ہو گئی ان کی رام کہانی۔" زیر لب جل کر کہا پر اس بار شاکرہ کچھ زیادہ ہی قصیدہ گوئی میں محو تھی اس کی سرگوشی کو ان سنی کرتے ہوئے مزید بولی۔ "بھلا میں اکیلی بیوہ کہاں ماری ماری پھرتی تمہاری تلاش میں ہسپتالوں کے دھکے کھاتی۔" علینہ کا صبر جواب دینے لگا تھا۔

"نانی اب آپ جائیں گی پلیز، مجھے پڑھنا ہے؟" التجائیہ انداز میں کہا۔

"تو کیا تمہارے سر پہ پاؤں رکھ کر کھڑی ہوں؟" شاکرہ کو ٹالنا کون سا آسان تھا۔ علینہ نے سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"نانی اب جائیں...... ہونہہ۔" شاکرہ نان اسٹاپ شروع ہو گئی تھی۔ علینہ سر جھکائے خاموش بیٹھی سنتی رہی۔

"سب بولا یکا مٹی میں مل جاتا ہے۔ اس لڑکی کے تو مجال ہے جو کان پہ جوں بھی رینگ جائے۔" غصے سے ہاتھ مارتے ہوئے اس نے جل کر کہا پر اب کی بار علینہ نے سن کر بھی ان سنی کر دیا تھا۔

"دیکھا تھا کیسا چھوٹا سا منہ نکل آیا تھا بیچارے کا۔" علینہ کو تو جیسے آگ ہی لگ گئی۔

"سارے زمانے کی فکر تھی، سب کے چھوٹے بڑے منہ کا خیال تھا سوائے ایک اپنی سگی نواسی کے، مجھ سے تو جیسے اللہ واسطے کا بیر باندھ رکھا ہے۔ جب جی کیا ڈھول کی طرح مجھے ہی پیٹ ڈالا۔" گویہ سب دل میں ہی سوچا تھا۔ خیر یہ بھی شکر وہ خاموش ہو گئی تھی۔ اسے گھورتی ہوئی پیر پٹختی کمرے سے باہر چلی گئی۔

"میں نے کہاں دیکھا اس کا منہ چھوٹا تھا یا بڑا۔" جیسے ہی شاکرہ کمرے سے نکلی، علینہ نے جلے دل سے باآواز بلند کہا۔ اتنا تو یقین تھا شاکرہ تک اس کی آواز نہیں پہنچی ہو گی ورنہ آمد دوبارہ ہو جاتی۔

زندگی میں پہلے کون سے حسین لمحات تھے لیکن آج کی پوری شام اس کی برباد ہو چکی تھی۔ ایسا تلخ تجربہ جسے وہ چاہ کر بھی فراموش نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"اوہ میرے اللہ۔" ہنس ہنس کر فریحہ کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔ سمیر نے خفگی سے پہلو بدلا۔

"اچھا پھر آگے کیا ہوا۔" ڈاکٹر انصاری متجسس ہوئے۔ فریحہ سے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو رہی تھی۔ تمام راستے وہ سمیر اور ڈاکٹر نور کی وجہ سے خاموش رہی لیکن گھر پہنچ کر جو اس پہ ہنسی کا دورہ پڑا تو پھر نا ہی نور کا گھورنا کام آیا اور نہ ہی

سمیر کی خفگی کو وہ خاطر میں لائی۔ ڈاکٹر انصاری بھی مزے لے کر سارا قصہ سن رہے تھے۔ ان کی حسِ مزاح آج عروج پہ تھی۔

"میں اور ممی پہلی سیڑھی پہ تھیں جب ہمیں علینہ کی چیخ سنائی دی۔ ہم دونوں گھبرائے ہوئے اوپر پہنچے تو دیکھا بھائی نے ہاتھ سے اس چڑیا کا منہ بند کیا ہوا تھا۔" ڈاکٹر نور نے بمشکل ہنسی دبائی۔ فریحہ کا انداز بالکل فلمی تھا۔

"یہ ہتھوڑے جیسا ہاتھ اس کے سر پہ مار دیا ہوتا تو شاید کچھ عقل آجاتی اس محترمہ کے دماغ میں۔" سمیر نے پہلی بار لب کشائی کی۔

"سمیر......!" ڈاکٹر نور نے ملامتی انداز میں کہا تو سمیر کو اپنے لہجے کی سختی کا احساس ہوا۔

"سوری مام...... لیکن مجھے زہر لگتی ہیں ایسی مخبوط الحواس قسم کی لڑکیاں۔ آپ بتائیں کوئی تک تھی اس کے یوں چیخ و پکار کرنے کی۔ گھر آئے مہمانوں کا استقبال بھلا کوئی اس انداز میں کرتا ہے۔" اس کا موڈ پہلے ہی خراب تھا اس پہ دوسری بار علینہ کی وجہ سے اسے خفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

"میں نے کہا نا اسے غلط فہمی ہوگئی ہوگی۔ اسے لگا کوئی چور اچکا کھڑا ہوگا۔" ڈاکٹر نور نے اپنی طرف سے اس کا دل صاف کرنے کی کوشش میں وضاحت دی پر آخری بات کچھ نامناسب ہی کہہ دی۔ سمیر کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"میں چور اچکا لگتا ہوں آپ کو ممی؟" اس نے ناقابلِ یقین حیرت سے سوال کیا۔ فریحہ کی ہنسی کو بھی بریک لگ گئے تھے کیونکہ سمیر بے حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"اس نے تمہیں دیکھا ہی کہاں میری جان۔ وہاں تو اندھیرا تھا۔ دیکھ لیتی تو یوں تھوڑی ری ایکٹ کرتی بیچاری۔" نور نے سمجھانے کی کوشش کی۔ اس ساری صورت حال میں وہ اس سے زیادہ کہہ بھی کیا سکتی تھیں۔ بات تو واقعی عجیب تھی۔ اس وقت جب انہوں نے پہلے علینہ کی چیخ سنی اور پھر اوپر پہنچ کر اسے علینہ کا منہ دبائے دیکھا تو انہیں خود کو بھی شاک لگا تھا۔ پہلی بات جو ان کے ذہن میں آئی وہ تو مر کر بھی اس کا تصور نہیں کر سکتی تھیں اور اب اس کا اظہار کرنا تو جیسے اپنی ہی تربیت کو گالی دینا تھا۔ پر واقعی ایک پل کو تو وہ بھی لرز ہی گئی تھیں۔

"پھر بھی یہ سب بہت انسلٹنگ تھا میرے لیے۔" وہ بہت ہنس مکھ اور نرم خو تھا' ہنسی مذاق اور شرارتی انداز...... لیکن یہ سب اس کے اپنے قریبی رشتوں تک محدود تھا ورنہ باہر کی دنیا میں وہ ایک انتہائی سنجیدہ مزاج اور لیے دیے رہنے والا انسان تھا۔ اپنے کام میں انتہائی مستعد۔ اس کی شخصیت میں بے حد رکھ رکھاؤ تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دوستوں کو بھی ایک محدود فاصلے پر رکھتا تھا۔ اتنی پرانی دوستی ہونے کے باوجود اگر اس کے اور کشمالہ کے درمیان فاصلہ تھا تو وہ اس کی شخصیت کا کمال تھا۔ اسے اپنی تذلیل واقعی تکلیف دے رہی تھی۔

"برخوردار غصہ تھوک دو۔ غلط فہمی میں ایسا ہوجاتا ہے۔" ڈاکٹر انصاری نے مداخلت کی۔ مقصد ماحول کی کشیدگی کو کم کرنا تھا۔

"ویسے آپ نے دیکھا نہیں۔ اتنے زور سے منہ دبایا تھا اس بیچاری کا آنکھیں ابل کر باہر آرہی تھیں۔" ڈیڈ کی شہہ پا کر فریحہ میں ہمت بیدار ہوئی تو فوراً لقمہ دیا۔ زیرلب مسکراتے شرارتی نظروں سے سمیر کو دیکھتے ہوئے بولی تو اس کے تنے ہوئے چہرے پہ نرمی کی رمق آئی۔

"افسوس گلا نہیں دبایا اس نمونی کا۔" دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے اس نے اپنے لفظوں میں حقیقی تاثر پیدا کرنا چاہا۔ فریحہ کھلکھلا کر ہنسی جبکہ نور انصاری صاحب کو دیکھتے ہوئے مسکراہٹ دبائے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ڈاکٹر انصاری نے اتنے دنوں میں پہلی بار ان کے اداس چہرے پہ سکون کی رمق دیکھی تھی۔ ماحول میں تناؤ اپنے آپ کم ہوگیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

دو دن سے سفینہ کی دوائی ختم ہوچکی تھی لیکن بازو کا درد کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ فاطمہ کی لاکھ کوشش کے باوجود وہ دوبارہ ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے تیار نہ ہوئی

تھی۔ فاطمہ کو یہ بھی ڈر تھا کہیں مسئلہ بگڑ ہی نہ جائے گو ہاتھ میں سوجن نہیں تھی پر تکلیف پہ ماں کو کراہتے دیکھ کر اس کی جان پہ بن آتی تھی۔ ان دنوں وہ اکیلی کالج آجا رہی تھی کیونکہ وہ زیادہ چھٹیاں نہیں کرسکتی تھی۔ ٹیپو کو اسکول چھوڑ کر وہ کالج چلی جاتی اور واپسی پہ ٹیپو کو اسکول سے لے کر گھر پہنچ جاتی۔ ایسے میں سفینہ کی جان پہ بنی رہتی جب تک وہ گھر لوٹ کر نہ آتی اسے سکون نہیں آتا تھا۔ شہباز کی زبان سے انگارے تو عام حالات میں اگلتے ہی رہتے تھے پر ان دنوں تو اسے مزید موقع مل گیا تھا۔ سفینہ کی مجبوری نہ ہوتی تو وہ کبھی فاطمہ کو اکیلے گھر سے نہ نکلنے دیتی۔ اس کی پڑھائی اہم تھی۔

وہ بہت دن سے ماں کو تڑپتا دیکھ رہی تھی۔ آج اس کے قدم خود بخود ہسپتال کی طرف اٹھ گئے تھے۔ ٹیپو کا ہاتھ تھامے وہ ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوئی تو ریسپشن پہ اس کی ملاقات اسی ڈاکٹر سے ہوگئی جس نے چند روز پہلے سفینہ کا علاج کیا تھا۔

"دراصل امی کی دوا ختم ہوگئی ہے۔" جھجکتے ہوئے اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔ ڈاکٹر زبیر نے ایک نگاہ اس ڈری سہمی لڑکی کو دیکھا جو پھولدار چادر اوڑھے اضطرابی کیفیت میں اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسے گہری نظروں سے اپنی طرف دیکھتا پاکر فاطمہ کے سفید گالوں پہ سرخی در آئی تو یوں لگا جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آگئی ہو۔ فاطمہ نے مضبوطی سے پاس بیٹھے ٹیپو کا ہاتھ تھام لیا۔

"لیجیے میں نے نسخہ بنادیا ہے۔" ڈاکٹر زبیر نے اس کے دفاعی اقدام پہ زیرِلب مسکراتے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"شکریہ۔" بہت احتیاط سے کاغذ اٹھانا چاہا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی والدہ کی؟" ڈاکٹر نے اخلاقاً پوچھا تو وہ دوبارہ کرسی پہ بیٹھ گئی۔

"اب بھی بازو میں شدید درد ہے۔" اس کے لہجے میں فکرمندی تھی۔ ماں کے لیے بے تحاشہ پریشانی تھی۔ کالج کے اجلے لباس میں وہ اپنی عمر سے بھی قدرے چھوٹی لگ رہی تھی پر اس کے چہرے پہ سنجیدگی و تفکر اس کی عمر سے دوگنا تھا۔

"ہونا تو نہیں چاہیے تھا' پلاسٹر کے بعد تھوڑی بہت تکلیف تو بہرحال ہوتی ہے لیکن اگر درد کی شدت زیادہ ہے تو آپ انہیں چیک اپ کے لیے لے آئیں۔" ڈاکٹر زبیر نے سوچتے ہوئے اظہارِ خیال کیا اور ساتھ ہی مناسب حل بھی بتادیا۔ ظاہر ہے مریض کو دیکھے بغیر کوئی مرض کی تشخیص کیسے کرسکتا ہے۔ فاطمہ کا چہرہ اتر گیا۔

"یہی تو سارا مسئلہ ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ وہ جانتی تھی سفینہ کس لیے ہسپتال آنے سے گریزاں ہے۔ ہر وہ شخص جو اسے خود پہ ہوتی زیادتی کے خلاف آواز بلند کرنے کو کہتا تھا وہ اس سے یونہی اجتناب برتتی تھی۔

"ویسے درد ایک حد تک ہی برداشت کرنا چاہیے' اپنی ہمت سے زیادہ تکلیف سہنا بیوقوفی کے زمرے میں آتا ہے۔" ڈاکٹر زبیر کی بات پہ فاطمہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"جانتی ہوں۔" اس کی طرف دیکھے بغیر وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"جانتی ہیں تو انہیں سمجھاتی کیوں نہیں۔" ڈاکٹر زبیر نے نرم لہجے میں کہا۔

"کوشش تو کرتی ہوں لیکن اس میں میرا بھی کیا قصور؟" وہ بہت سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

"ایک ان پڑھ' گنوار عورت کو سمجھانا مشکل ہے پر مجھے افسوس ہے وہ تو خود شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں پھر اپنی ذات کا یہ متضاد پہلو کیوں؟" ڈاکٹر زبیر نے انتہائی محتاط انداز میں' بہت ہی سمجھداری کی بات کی تھی۔

"ایک عام انسان ہو یا استاد' ہوتا تو بہرحال انسان ہی ہے نا ڈاکٹر۔" بہت کم عمری میں اس کے حالات نے اسے وقت سے پہلے بڑا اور سمجھدار بنا دیا تھا۔ سالوں سے اس کے والدین کے درمیان موجود کشیدگی' اپنی ماں کی انتھک محنت اور باپ کی اپنے فرائض سے لاپروائی کو محسوس کرتے اس نے بچپن سے سیدھا بڑھاپے میں قدم رکھا تھا۔ لڑکپن تو جیسے کھو گیا تھا۔

"تو کیا آپ کو ان کا رویہ درست لگتا ہے۔ کیا ان کا گھریلو تشدد کے سامنے گھٹنے ٹیکنا بجا ہے؟" اس کے سوال پہ فاطمہ کا چہرہ ندامت سے سرخ ہوگیا تھا۔

"جب سے ہوش سنبھالا ہے انہیں خاموش دیکھا ہے۔" وہ آٹھ سال کی عمر سے باپ کے ظلم کو دیکھتی آرہی تھی۔ لڑکیاں اس عمر میں بہت سمجھدار ہوتی ہیں اور ماں کے انتہائی قریب۔ ہر روز سفینہ کے جسم پہ نیا زخم وہ اسے درد سے کراہتے دیکھتی اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کے زخمی جسم پر مرہم رکھ کر اس کا درد کم کرنے کی کوشش کرتی۔ پھر جیسے جیسے اسے سمجھ آنے لگی اسے سفینہ کا زخمی وجود ہی نہیں اس کی روح کے گھاؤ بھی دکھنے لگے تھے۔ جسم کے گھاؤ پہ تو مرہم وہ لگا رہی تھی پر روح کے گھاؤ لا علاج تھا۔

"میری ایک بات یاد رکھئے گا فاطمہ کسی سے اپنی عزت کروانے کے لیے سب سے پہلے خود اپنی عزت کرنا لازمی ہے۔ انسان میں سیلف ریسپیکٹ نہ ہو تو ہر کوئی اس کا استحصال کرتا ہے پھر بھلے وہ شوہر ہو دوست ہو یا رشتے دار۔" ڈاکٹر زبیر نے جو بات کی فاطمہ اس سے سو فیصد متفق تھی۔ جب اسے یہ بات شدید ناگوار گزرتی تھی کہ ان کا باپ ان کی ماں کو بے دردی سے بات بے بات مارتا ہے تو پھر جس کے ساتھ یہ بدسلوکی کی جارہی تھی وہ کیسے خود پہ اس جبر کو برداشت کررہی ہے۔

"کہتے تو آپ بھی ٹھیک ہیں پر......" فاطمہ کو یاد آیا سفینہ شروع میں روتی پیٹتی تھی۔ اکیلے کمرے میں جاکر وہ خوب آنسو بہاتی پر اس کے روزمرہ معمولات میں کوئی فرق نہ آتا۔ وہ ملازمت کرتی، بچوں کو سنبھالتی، جب شہباز پیسے مانگتا وہ اسے جوا کھیلنے کے پیسے بھی دیتی۔ پھر آہستہ آہستہ سفینہ خاموش ہوتی چلی گئی یوں جیسے وہ گوشت پوست کی انسان نا ہو بلکہ پتھر ہو۔ اس کے جذبات مردہ ہوتے گئے اور اس نے رونا بلکنا بھی بند کردیا۔ شکوے شکایات تو خیر پہلے بھی اس نے ماں کو کرتے نہیں سنا تھا پر اب جب سے فاطمہ بڑی ہوئی تھی سفینہ کا صبر دیدنی تھا اور فاطمہ کو حیرانی ہوتی تھی اس کے رویے پر۔ وہ اسے خاموش کرادیتی۔ وہ اندر ہی اندر کڑھتی رہتی پر جانتی تھی سفینہ کو سمجھانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔

"پر کیا؟" وہ گہری سوچ میں تھی۔ ڈاکٹر زبیر کے سوال نے اسے چونکایا۔

"مجھے چلنا چاہیے۔" ایک ہاتھ میں دوا دوسرے ہاتھ سے ٹیپو کا ہاتھ تھامے اپنا شولڈر بیگ سنبھالتی وہ مزید کچھ کہے بغیر جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔ زبیر دونوں کہنیاں میز پہ ٹکائے گہری نظروں سے اسے چپ چاپ جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆......☆☆☆

کمر کے نچلے حصے میں اٹھنے والی ٹیسوں نے اسے بے حال کردیا تھا۔ بخار سے یوں بھی اس کا جسم بہت حساس ہورہا تھا رہی سہی کسر اس درد نے پوری کردی تھی۔ پین کلر لینے کے باوجود بھی درد کسی طور کم نہیں ہورہا تھا اور اب تو برداشت بھی ختم ہورہی تھی۔ تکلیف اتنی شدید تھی کہ دل متلانے لگا بے حال سی ہوکر صوفے پہ عجیب سے انداز میں گری تھی۔

"پاپا دیکھیں ماما کو کیا ہوگیا ہے۔" ننھے حارث نے ماں کو چکرا کر گرتے دیکھا تو گھبرا کر پاس آبیٹھا۔ اس کی پیشانی پہ پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ درد کی شدت سے لب بھینچے اس نے معصوم بچے کے بال سہلائے پر وہ اس غیر معمولی کیفیت کو سمجھ چکا تھا۔ بھاگا ہوا عامر کے پاس گیا اور روتے ہوئے چلایا۔ وہ جلدی سے لاؤنج میں آیا تو آسیہ درد سے بے حال سر صوفہ کی سیٹ پہ ٹکائے آنکھیں موندے پڑی تھی۔

"آسیہ اٹھو کیا ہوا تمہیں؟" عامر نے اس کا چہرہ تھپتھپاتے پریشانی سے پوچھا۔ اس نے بہ مشکل آنکھیں کھولیں۔ پیشانی کا پسینہ پونچھتے عامر نے اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور نبض ٹٹول کر بخار کا اندازہ لگایا۔ پیشانی تو اس کی ویسے بھی تپ رہی تھی۔ بخار کو تو وہ نظر انداز کررہا تھا کیونکہ آسیہ دوا لے کر ہشاش بشاش تھی۔ اس نے موسم کا اثر سمجھ کر نوٹس نہیں لیا پر اب اس کی حالت دیکھ کر اس کے

اپنے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ دونوں بچے الگ رونے لگے تھے۔

"پتا نہیں کیوں کل سے بہت شدید درد ہو رہا ہے۔" اس کا ہاتھ تھامے آسیہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تو بتایا کیوں نہیں مجھے۔ چلو تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔" پریشانی سے کہتے اس نے اسے صوفہ پہ سیدھا کر کے لٹایا اور خود جلدی سے کمرے سے اپنا والٹ اور گاڑی کی چابی اٹھانے چلا آیا۔ رامس اور حارث دونوں اپنے ننھے ہاتھوں سے اس کا سر دبانے لگے۔ درد میں تڑپتی آسیہ کی نگاہوں کے سامنے ماضی کا ایسا ہی پل لہرایا تھا۔ ایسے ہی ننھے ہاتھوں کا لمس، جب وہ تھک کر بیٹھتی تو اپنے نازک ہاتھوں سے اس کا سر دباتے ہوئے وہ اس کے ماتھے پہ جانے کتنے ہی نرم و ملائم بوسے دیتی تھی۔ آج اگر وہ یہاں ہوتی تو ان دونوں کے ساتھ وہ بھی یونہی متفکر دکھائی دیتی۔ لیکن اب تو وہ اتنی سمجھدار ہو چکی تھی کہ آسیہ کے ساتھ وہ ان دونوں کو بھی حوصلہ اور تسلی دیتی۔ پر وہ یہاں نہیں تھی۔ عجیب سی تشنگی در آئی تھی۔ آسیہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آنکھیں موندیں اس نے لاکھ روکنا چاہا پر یہ کھارا پانی گالوں کو تر کرنے پہ آمادہ تھا۔

"کیا درد بہت زیادہ ہو رہا ہے؟" عامر پریشان سا پاس کھڑا تھا۔ آسیہ نے آنکھیں کھولیں۔ وہ تیار کھڑا تھا۔ آسیہ نے ہاں میں سر ہلایا۔

"بہت۔" پر کہاں یہ تو بس وہی جانتی تھی کیونکہ اس پل وہ درد کا نقطہ سمٹ کر دل میں آ گیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

ڈاکٹر نے آسیہ کو گردے میں پتھری کا مرض تشخیص کیا تھا۔ علاج اب فقط آپریشن کی صورت ہو سکتا تھا کیونکہ اس اسٹیج پہ ادویات سے افاقہ محض وقتی تھا۔ عامر کے لیے بیٹھے بٹھائے اچھی خاصی پریشانی بن گئی تھی۔ آسیہ کو اس وقت بہترین ٹریٹمنٹ دے کر فی الوقت درد سے نجات دی جا چکی تھی پر مرض کا علاج ہونا ضروری تھا۔ آسیہ کو مکمل آرام کی ضرورت تھی ساتھ ہی ساتھ جلد سے جلد آپریشن کروانا بھی ضروری تھا۔ دو چھوٹے بچوں کے ساتھ یہ سب کس طرح مینیج ہوگا یہ بات عامر کے لیے شدید پریشانی کا باعث بن گئی تھی۔ وہ خود ملازمت کرتا تھا جہاں سے چھٹی لینا اس کی صوابدید پہ نہ تھا۔ ہسپتال میں بچوں کو رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ اسے پہلی بار پردیس کے دکھ کا احساس ہوا تھا۔ جہاں کسی قسم کی سوشل ہیلپ ملنا انتہائی مشکل تھا۔ ایسے میں اس کے دماغ نے جو حل نکالا وہ بس ایک ہی تھا۔

"ہیلو میں عامر بات کر رہا ہوں۔" عامر کی آواز میں تفکر شاکرہ کے لیے باعثِ تشویش تھا۔ وہ اسے یونہی کال نہیں کرتا تھا۔ اس کی زیادہ بات تو ہمیشہ بیٹی اور نواسوں سے ہی ہوتی تھی پر اب بہت لمبے عرصے کے بعد عامر کی کال آنے پہ اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا پھر بھی خود پہ قابو پاتے وہ بہت نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔

"ہاں عامر بیٹا کیسے ہو۔ آسیہ اور بچے کیسے ہیں؟" دعا سلام کے بعد اس نے خیریت پوچھی۔ دوسری طرف کچھ لمحے خاموشی چھائی رہی جیسے لفظوں کو تولنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ بری خبر دینا کوئی آسان کام نہیں ہے اس بات کا اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔

"آسیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں امی۔" بہت سوچ کر اس نے بس اتنا ہی کہا۔ شاکرہ کے سر پہ تو جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

"اللہ خیر کرے، کیا ہو گیا میری بچی کو؟" حسب توقع وہ شدید پریشان ہوگئی تھی۔

"ڈاکٹر نے گردے میں پتھری بتائی ہے۔ درد بہت زیادہ ہے اور آپریشن کرنا پڑے گا۔" عامر نے تفصیلاً بتایا۔

"یا اللہ رحم کرنا میری بچی پہ۔ عامر بیٹا کوئی فکر والی بات تو نہیں ہے نا۔" گو مرض چھوٹا تھا اور قابلِ علاج بھی پر ان پڑھ کے لیے کالا حرف بھی بھینس جیسا ہوتا ہے۔ ایک سنی سنائی تکلیف سے اس کی اولاد کا واسطہ پڑ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھولنا تو ظاہری تھا۔

"نہیں امی فکر والی تو خیر کوئی بات نہیں لیکن آپ تو جانتی ہیں رامس اور حارث کتنے چھوٹے ہیں۔ میری

ملازمت کا مسئلہ ہے اور آسیہ کی ایسی حالت نہیں کہ وہ بچوں کی دیکھ بھال کرسکے۔" وہ سیدھا اس بات پہ آیا تھا جو اس کے دماغ کی چولیں ہلا رہی تھی۔ آپریشن لیزر سے ہوتا پھر بھی دو تین دن ہسپتال میں گزارنے پڑتے۔ دو تین گھنٹے بچوں کو ایمرجنسی روم کے باہر لے کر بیٹھنا پڑا تو عقل ٹھکانے آچکی تھی۔ ہسپتال میں تو ویسے بھی اس عمر کے بچوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ بیوی کو دیکھے، بچوں کو دیکھے یا پھر نوکری۔

"وہ بیچاری کہاں کر پائے گی ابھی یہ جو گھر والے کام اسے تو خود ضرورت ہے کہ کوئی اس کا کل وقت خیال رکھے۔" شاکرہ کو اطمینان ہوا تھا پر عامر کی پریشانی کا سن کر ایک نئی تشویش نے آگھیرا تھا۔

"بس میں بھی یہی سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں۔" اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"بیٹا پریشانی کیسی، اسے بچوں کے ساتھ میرے پاس پاکستان بھیج دو۔ میں اور علینہ ہیں نا مل کر سب کرلیں گے۔" شاکرہ کے پاس انتہائی مناسب حل موجود تھا۔ ویسے بھی جب سے علینہ یہاں آئی تھی آسیہ نے تو ایک چکر بھی نہیں لگایا تھا۔ اب علاج کے بہانے ہی سہی اولاد کا منہ دیکھ لے گی اور اس کے پاس ہوگی تو پھر کس بات کی فکر لیکن عامر نے اس کی تجویز کو فوراً مسترد کردیا تھا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں امی وہ اس حالت میں سفر کیسے کرے گی؟" اس کی بات بھی درست تھی۔

"ارے ہاں یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔" شاکرہ نے اتفاق کیا۔ اب وہاں اور اس شہر کے علاج اور معیار میں تو زمین آسمان کا فرق تھا۔

"ایسا کریں آپ اور علینہ یہاں آجائیں۔ علینہ سے مل کر اس کا دل بھی بہل جائے گا اور آپ دونوں کے ساتھ کچھ وقت گزار کر اس کی طبیعت بھی سنبھل جائے گی۔" عامر نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا تھا۔ اتنے سال پرانے اپنے فیصلے کو بدل کر اس نے آسیہ کی خاطر یا پھر اپنا دامن بچانے کو ہی سہی علینہ کو دوبارہ بلانے کا فیصلہ کیا تھا ورنہ جس لڑکی کی وجہ سے اس کی زندگی عذاب بنی اور اسے اس قدر خفت اٹھانی پڑی اسے یہاں واپس بلانا اسے ہرگز منظور نہ تھا۔

"ہاں تو یونہی کرلیتے ہیں۔ میں اور علینہ وہاں آجاتے ہیں۔ بچوں کی فکر کھائے جارہی ہے مجھے تو۔ معصوم ماں کو بیمار دیکھ کر کیسے پریشان ہو رہے ہوں گے۔" شاکرہ کیا جانے کہ اندر کے کیا معاملات تھے۔ آسیہ نے اس سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا تھا اور یہی خاموشی علینہ کے لبوں پہ تھی۔ وہ عامر کی تجویز پہ فوراً حامی بھر چکی تھی۔

"ٹھیک ہے امی میں پھر ایک دو دن میں آپ دونوں کا ویزہ بھیجتا ہوں۔" عامر نے جلدی سے کہتے ہوئے کال بند کی۔ شاکرہ دل ہی دل میں آسیہ کی صحت یابی اور اس کی آسانی کی دعائیں مانگنے لگی۔

☆☆☆......☆☆☆

"عامر کا فون آیا تھا" علینہ چونکی۔

"آسیہ کو گردے میں پتھری ہوگئی ہے۔" اسے شاک لگا پر کوئی ردعمل نا دیا۔ شاکرہ باورچی خانے کے دروازے پہ کھڑی افسردہ لہجے میں اسے تفصیل بتانے لگی۔ اس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

"ڈاکٹر نے جلد آپریشن کا کہا ہے۔ اب چھوٹے بچوں کو کہاں چھوڑیں گے وہ دونوں ہسپتالوں میں خود دھکے کھائیں گے یا انہیں سنبھالیں گے۔" وہ سن سی کھڑی تھی۔ جیسے کوئی منتر پھونکا گیا ہو۔ چہرے پہ کوئی تاثر تھا نا ہونٹوں پہ حرف تسلی۔ بس چپ چاپ باورچی خانے میں کھڑی چائے کو دم دیتی رہی۔

"عامر نے کہا ہم وہاں آجائیں۔ آسیہ بھی خوش ہوجائے گی تمہیں دیکھ کر۔" اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"آپ چلی جائیں نانی، میں نہیں جاؤں گی۔" شاکرہ کو لگا اسے سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔ جواب حسب توقع تھا نا تاثرات۔ چولہا بند کرکے اس نے دو کپ نکالے اور چائے ڈالنے لگی۔

"ہیں بھلا کیوں نہیں جاؤ گی۔ سنا نہیں ماں بیمار ہے

اتنی زیادہ۔" دل پہ ان لفظوں نے گھونسے رسید کیے تھے۔ شاکرہ کی تلخی کو نظر انداز کرتے اس نے چائے کی پتیلی سنک میں رکھی اور کچن کاؤنٹر کی طرف واپس پلٹی۔ شاکرہ دروازے میں کھڑی اس کے انداز پہ حیرت زدہ ہونے کے ساتھ اس کی لاتعلقی سے خائف تھی۔

"میں نے کہہ دیا نا میں نہیں جاؤں گی۔" اپنا چائے کا کپ اٹھائے شاکرہ کی چائے وہیں کاؤنٹر پہ چھوڑ کر علینہ بے انتہا تحمل سے اس کے پاس سے گزری تھی۔ نا پریشانی تھی نا غصہ یوں جیسے کچھ ہوا ہی نا ہو۔

"کیسا خون سفید ہوگیا ہے آج کل کی اولاد کا' ماں کی اتنی تکلیف کا سن کر بھی دیکھو مجال ہے جو دل دکھا ہو۔" شاکرہ تڑپ اٹھی تھی۔ وہ ماں تھی اور اولاد کی تکلیف محسوس کررہی تھی پر اسی اولاد کی اولاد کی ایسی لاتعلقی اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے کررہی تھی۔ اتنا لاتعلق تو کوئی کسی اجنبی کا سن کر بھی نہیں ہوتا جتنی اجنبیت علینہ نے اپنی پیدا کرنے والی ماں کی تکلیف کا سن کر برتی تھی۔

"خیر کرتی ہوں میں اس کی ماں سے بات وہی سمجھائے گی اسے تو میری بوڑھی ہڈیوں میں اتنا دم نہیں اب میں اس سے الجھوں۔" غصے اور تاسف سے کہتے اس نے کاؤنٹر پہ دھرا چائے کا کپ اٹھایا اور سر جھٹکتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ واقعی پریشان تھی اور علینہ سے بحث یا جھگڑا کرکے اپنی پریشانی میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

شاکرہ نے آسیہ کی طبیعت پوچھنے کو فون کیا تو ساتھ ہی ساتھ علینہ کی شکایت بھی کردی۔ یوں بھی وہ کوئی موقع گنواتی نہیں تھی یہ تو پھر معاملہ سیدھا آسیہ سے ہی متعلق تھا۔ آسیہ کے لیے علینہ کے ردعمل سے زیادہ حیرت انگیز اور شاکنگ بات عامر کا علینہ کو یہاں بلانا تھا۔ اپنے ہی فیصلے میں پڑنے والی دراڑ نے اسے حیران کردیا تھا۔

"امی آپ علینہ کے ساتھ زبردستی مت کریں۔" ساری بات سن کر اس نے گہرا سانس لیا اور پھر نرمی سے ماں کو منع کردیا۔

"آسیہ تم بھی؟" شاکرہ شکوہ کناں تھی۔ بات ادھوری ہی رہ گئی۔ آسیہ اس سے پہلے ہی سب نتیجے نکال چکی تھی۔

"امی وہ اگر نہیں آنا چاہتی تو اس پہ زور زبردستی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں...... وہ اگر ایسا کہہ رہی ہے تو یقیناً بہت سوچ سمجھ کر ہی کہہ رہی ہوگی۔" اس بے پروائی پہ درد اپنی جگہ پر وہ ماں تھی اس کی جانتی تھی اس کا دکھ بھی کم نہیں۔ اپنی بےبسی پہ رو دھو کر چپ ہوچکی تھی پر ناسور تو اندر تھا جو یوں مندمل ہونے والا نہیں تھا۔ وہ علینہ کو اپنے ہر ری ایکشن میں حق بجانب سمجھتی تھی۔ لیکن شاکرہ کی رائے اس سے الگ تھی۔ شکایت لگانے کا بھی کیا فائدہ ہوا۔ وہ تو بیٹی ہی کے حق میں بول رہی تھی۔

"کیا خاک سوچ سمجھ کر کہہ رہی ہوگی۔ دو ٹکے کی عقل نہیں ہے تمہاری بیٹی میں۔ شاید ماں باپ پہ ہی چلی گئی ہے۔" وہ جل کر بولی۔ آسیہ کو اندازہ تھا اگر اس نے ماں کو ٹھنڈا نا کیا تو عتاب کا نشانہ کون بنے گا اسی لیے اس کے طنز کا برا مانے بغیر بہت دھیمے لہجے میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"علینہ بہت سمجھدار ہے امی' وہ اپنا اچھا برا ہم سے بہت بہتر سمجھتی ہے اور مجھے یقین ہے وہ میری طرح بیوقوفیاں کرکے اپنی زندگی اپنے ہاتھوں عذاب نہیں بنائے گی۔" انداز تسلی دینے والا تھا پر شاکرہ کو آگ لگا گیا تھا۔ اس کے نزدیک تو یہ آسیہ کی خوش خیالی ہی تھی۔ علینہ کا رویہ کم سے کم اس جیسی دو ٹوک سیدھی سادھی عورت کی سمجھ سے تو باہر تھا۔

"یہ بھی خوب کہی آسیہ' اولاد کی نافرمانی اور ہٹ دھرمی پہ سمجھداری کا پردہ ڈال رہی ہو۔" آسیہ نے ضبط سے سنا اور تحمل سے جواب دیا۔

"میں ٹھیک ہوں' کرلیں گے مینیج ان شاءاللہ بچوں کو بھی میں اور عامر مل کر۔ دو تین دن ہسپتال رہنا پڑا تو کچھ نا کچھ ہو ہی جائے گا۔ آپ بس علینہ کے پاس ہی رہیں۔" اس سے زیادہ بحث کی اس میں ہمت بھی نہیں تھی۔ بخار نے جسم سے توانائی ختم کی وہ الگ' اس درد میں گھلتے جس

اذیت سے وہ گزر رہی تھی وہی جانتی تھی۔ اس پہ بچوں کے ساتھ ایک پل آرام نہیں تھا پر اللہ پہ توکل تھا یہی سوچ کر اس نے ماں کو سمجھانا چاہا۔

"وہ تمہاری صاحب زادی اتنا دل سخت کیے بیٹھی ہے کہ ماں کی تکلیف پہ بھی ملنا نہیں چاہتی پر اللہ نے مجھ گناہ گار کو یہ حوصلہ نہیں دیا کہ اپنی اولاد کی تکلیف دیکھ کر منہ دوسری طرف کرلوں۔" شاکرہ کو سمجھنا تھا نہ سمجھی۔ اپنا فیصلہ سنادیا تھا۔ آسیہ نے سر پکڑلیا۔

"کہہ رہی ہوں نا امی...... اتنا بڑا آپریشن نہیں ہے۔ میں کرلوں گی مینیج۔" التجائیہ انداز میں بولی پر شاکرہ کی بات اپنی جگہ درست تھی۔ وہ ماں ہوکر اپنی اولاد کا بھلا سوچ رہی تھی تو وہ بھی تو ایک ماں تھی اور پھر عمر کے اس حصے میں جہاں انسان ضرورت سے زیادہ حساس اور چڑچڑا ہوجاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ اپنا ردعمل ظاہر کرنا اس کی شخصیت کا حصہ بن جاتا ہے۔ اسے علینہ سے اس وقت یہ توقع نہیں تھی تو اس کا بولنا حق بجانب تھا۔

"تم کرلوگی مینیج پر میں کیسے سکون میں رہوں گی بتاؤ؟ میرے دل کو کیسے چین آئے گا میری بچی۔ تم وہاں اکیلی ہسپتال میں پڑی ہوگی تو میں تو یہاں مرہی جاؤں گی۔" اس کا بھیگا ہوا لہجہ آسیہ کو کمزور کررہا تھا۔ یہ فاصلے بھی کیا ستم ڈھاتے ہیں۔ پاس ہوتی تو سینے سے لگ کر تسلی دیتی۔ ہاتھ تھام کر حوصلہ بڑھاتی۔ یہ یقین دلاتی کہ وہ ٹھیک ہے۔ جسمانی درد تو وقتی ہوتا ہے دواؤں سے ٹھیک ہوجاتا ہے اصل دکھ تو وہاں ہے۔ دل میں جو غموں سے چھلنی ہے۔ جو زخموں سے چور ہے اور وہ ان فاصلوں کے مرہونِ منت بس لفظوں سے تسلی ہی دے سکتی تھی سو دے رہی تھی۔ سمجھا سکتی تھی لہٰذا سمجھا رہی تھی۔

"اللہ نہ کرے امی! آپ کیسی باتیں کررہی ہیں۔ خود سوچیں نا آپ ہی کے سہارے تو علینہ کو وہاں چھوڑا ہے اب آپ یہاں آجائیں گی تو وہ کس کے پاس رہے گی۔" وہ آنسو پیتے ہوئے بولی۔ دل کو کچھ ہوا تھا۔ بہت چھوٹی تھی جب باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ بس ماں تھی جس نے بیوگی اور تنگدستی میں پالا' مقدر میں جو دھکے لکھے ہوں وہ تو ملا ہی کرتے ہیں۔ آزمائش کے اس دور میں بھی شاکرہ اس کی ڈھال بنی رہی۔ اس بوڑھے شجر کی شاخوں میں اب بھی اتنی سکت باقی تھی کہ اس کے گھنے سائے میں علینہ کو پناہ مل گئی تھی۔ آج بھی علینہ کی طرف سے یہی سوچ کر پُرسکون ہوجاتی تھی کہ وہ اس کی ماں کے پاس ہے۔ وہ اسے لاکھ ڈانٹے' جھڑکیاں دے۔ ان دونوں میں ان بن رہے پر اندر سے وہ علینہ پہ جان نچھاور کرتی ہے کیونکہ وہ اس کی اولاد تھی۔ اولاد کی محبت ناپنے کا پیمانہ بنا ہی نہیں تو اولاد کی اولاد سے محبت کی حد کا تعین کیونکر ہوتا۔ وہ بھی آسیہ سے سو گنا زیادہ علینہ سے محبت کرتی تھی۔

"اس کا بھی سوچ چکی ہوں میں۔" آسیہ نے آنسو پونچھتے ہوئے حیرانگی ظاہر کی۔

"کیا مطلب؟" سوال کرتے اس کے ذہن نے جواب تلاش کیا۔ جواب مایوس کن تھا۔

"علینہ ایک مہینہ اپنے باپ کے پاس رہے گی۔" جواب وہی آیا تھا۔ شاکرہ بے حد سنجیدہ تھی۔ آسیہ کو اس کی خوش خیالی پہ حیرت تھی۔

"وہ رکھ لے گا اسے؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"کیوں نہیں رکھے گا' اولاد ہے اس کی۔ سارا ٹھیکہ تمہارا تو نہیں تھا نا۔ پیدا کیا' پالا پوسا۔ اچھی تعلیم دلوائی۔ اب چار دن بیٹی کو گھر نہیں رکھ سکتا کیا۔" سینے سے ایک سرد آہ نکلی تھی۔ وہ اگر اسے اپنی ذمہ داری سمجھتا تو سارے دکھ ہی ختم ہوجاتے۔ پھر تو نہ اسے اذیت کاٹنی پڑتی اور نہ ہی اس کی معصوم بچی کو در بدر کی ٹھوکریں ملتیں۔ باپ کا مان ساتھ ہو تو اولاد اعتماد کی دولت سے مالا مال ہوتی ہے۔ بھلے وہ دامن میں موتی و جواہر نہ ڈالے پر محبت سے ان کا دامن تنگ نہیں پڑتا۔

"آپ جانتی تو ہیں اس کے حالات۔" یاددہانی ضروری تھی۔ طنز نہیں پر انداز جتانے والا تھا۔

"سب حالات ٹھیک ہیں بس کبھی ہم نے ہی دباؤ نہیں ڈالا تو وہ بلاوجہ پھیل گیا۔" جواب فوراً آیا تھا۔ "ویسے

آسیہ اب وہ بہت بدل چکا ہے۔ بھاگا ہوا آتا ہے علینہ سے ملنے اور دیکھوناں دو سال سے خرچہ بھی اٹھا رہا ہے اس کا۔ سچ پوچھو تو بڑا آسرا ہے مجھے اس کا۔ ورنہ یوں جوان لڑکی کے ساتھ اکیلی بڑھیا کا رہنا مشکل ہو جاتا۔'' یہ وہ بات تھی جس کا اونا پونا ہی آسیہ کو معلوم تھا۔ خرچ کے سوا باقی ہر بات سے آسیہ بے خبر تھی۔ شاکرہ نہیں چاہتی تھی خاور کا تذکرہ سن کر وہ ماضی کی تلخ یادوں میں کھو جائے۔ وہ اس کے حالِ دل سے واقف تھی۔ اس کی زندگی میں خاور کے مقام سے بہت اچھی طرح واقف تھی۔ اس لیے حد درجہ اس کے ذکر سے اجتناب برتتی تھی اور شاید ٹھیک ہی کرتی تھی۔ راکھ کریدنے سے فقط سیاہی ملتی ہے۔

''ٹھیک ہے پھر اگر آپ کو یہی مناسب لگتا ہے تو بھیج دیں علینہ کو اس کے باپ کے گھر۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' کال فوراً ڈسکنیکٹ ہوگئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

''آپ کا مسئلہ کیا ہے نانی؟'' شاکرہ کے پھوڑے گئے بم پہ اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ وہ بڑے آرام سے صحن میں رکھے تخت پہ بیٹھی تھی۔ گرمی عروج پہ تھی پر شام کے وقت موسم بہتر ہوگیا تھا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے اونچی آواز میں کمرے میں بیٹھی علینہ کو اعلانیہ اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

''لو بھلا اب میں نے کیا کہہ دیا؟'' اس کا اندازہ درست تھا۔ وہ تنک کر کمرے سے باہر نکلی تھی۔ سفید اور گلابی لان کا سوٹ پہنے بالوں کو کیچر میں لپیٹے سرخ چہرہ لیے وہ اس کے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی۔ شاکرہ نے ہاتھ کا پنکھا اٹھا کر جھلنا شروع کردیا۔ علینہ مستقل اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاکرہ نے کمال بے نیازی سے کندھے اچکا کر کہا تو وہ مزید جل بھن گئی۔

''پہلے آپ مجھے زبردستی دوہالے جارہی تھیں۔ اب بابا کے گھر دھکیل رہی ہیں۔'' نروٹھے پن سے کہتے وہ تخت پہ اس کے پاس ہی آکر بیٹھ گئی۔ اس کی طرف دیکھے بغیر اس نے شکوہ کیا۔

''ہاں تو اور کیا کروں میں۔ دوہا جانے سے تو تم نے صاف انکار کردیا۔ اب بس یہی ایک راستہ ہے کہ ایک مہینہ باپ کے گھر چلی جاؤ تاکہ میں آسیہ کے پاس جاسکوں۔'' شاکرہ کا تحمل دیدنی تھا۔ بڑے آرام سے بولی تو علینہ بھی ہلکی پڑی۔

''میں ادھر اُدھر کیوں جاؤں' یہاں کیوں نہ رہوں؟'' علینہ نے منہ بسورا۔ ''کیا یہ میرا گھر نہیں؟'' یوں جیسے رو ہی دے گی۔

''ارے میری گڑیا یہ بھی تمہارا گھر ہے وہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔'' اس کے چہرے پہ آئی دو لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے شیریں لہجے میں کہا۔ علینہ منہ بنائے بیٹھی رہی۔

''میں تمہیں تنہا اس گھر میں چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔ جوان لڑکی کو یوں تنہا چھوڑ جاؤں تو کون عقل مند کہے گا مجھے۔''

''چھوٹی سی بچی تو ہوں نہیں جو اکیلی نہیں رہ سکتی اور پھر آپ خود ہی تو کہتی ہیں کہ یہ محلہ بہت سیف ہے۔ کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ سب اپنے ہیں' دھیان رکھتے ہیں۔'' علینہ نے ایک ہی سانس میں انگلیوں پہ گن گن کر وہ تمام باتیں بیان کیں جو اس دن شاکرہ نے اسے ڈانٹتے ہوئے سنائی تھیں۔

''یا اللہ......'' دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھائے شاکرہ نے زور سے پکارا۔

''یا تو اس لڑکی کو تھوڑی سی عقل دے دے یا پھر مجھے اٹھالے میرے مولا۔'' دعا کے اختتام پر زیرِ لب آمین کہہ کر اس نے باقاعدہ دونوں ہاتھ منہ پہ پھیرے۔

''یہ فتویٰ بھی آپ ہی کا صادر کیا ہوا ہے کہ مجھے کبھی عقل نہیں آنے والی۔'' جواب ایسا آیا تھا کہ شاکرہ کا سارا تحمل پانی ہوگیا تھا۔

''ہاں تو اب کہہ دے کہ اللہ مجھے ہی اٹھالے۔'' وہ غصے سے تنک کر بولی تو علینہ نے ہونٹ بھینچ کر ہنسی روکی۔

''بس اب یہی سننا باقی تھا اس عمر میں تم سے۔'' وہ تاسف سے بولی۔ ان دونوں کے درمیان ایسی جنگ تو روز

کا معمول تھی۔ پانی کا بلبلا تھا جو بنتا اور پھر ٹوٹ جاتا۔

"میں بوڑھی ہڈیاں گھسا کر پال رہی ہوں اس بے فیض کو اور دیکھو تو کیسے زبان چلا رہی ہے کہ اچھا ہے نانی ہی نہ رہے دنیا میں۔" ایک آہ تھی جو نکلی تھی شاکرہ کے لبوں سے۔ "بہرحال جو بھی ہے میں تو آسیہ کے پاس جاؤں گی ہر حال میں۔" دوٹوک انداز میں پاس بیٹھی علینہ کا ہاتھ تھام کر سنجیدگی سے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"ہاں تو میں نے کب روکا ہے۔" کیا فراخدلی تھی۔ شانے اچکا کر مزے سے بولی پر شاکرہ کی اگلی بات پہ تنک کر کھڑی ہوگئی۔

"تمہیں یہاں اکیلا نہیں چھوڑنا۔ کہہ دیا تو بس کہہ دیا۔" انگلی کے اشارے سے دھمکی آمیز انداز میں کہی بات پہ وہ ایک بار پھر ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔

"میں بابا کے پاس نہیں جاؤں گی۔" یہ ضد کی انتہا تھی۔ پیر پٹختی وہ واپس کمرے میں چلی گئی۔

شاکرہ وہیں بیٹھی جلتی کڑھتی رہی۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے اپنے مسئلے کا حل سوچ رہی تھی۔ اپنی سمجھ کے مطابق وہ سارے جوڑ توڑ کر چکی تھی پر وہ علینہ کو قابلِ قبول نہ تھا اور اسے جو منظور تھا وہ حل بہرحال شاکرہ کے پاس تو نہیں تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

"منحوس عورت، کس یار کے خیال میں گم تھی جو کھانا جلنے کا پتا بھی نہیں چلا۔" اس نے گرما گرم سالن کی پلیٹ کو ہاتھ مار کر گرایا۔ وہ یک دم پیچھے ہٹی پھر بھی خود کو بچا نہ سکی۔ اس کا دایاں پاؤں بری طرح جھلس گیا تھا۔ کمرے میں بچی گلا پھاڑ پھاڑ کے رو رہی تھی پر اس کی اتنی مجال نہ تھی کہ وہ یہاں سے ہل بھی پائے۔

"صبح سے بچی کو تیز بخار ہے، ایک منٹ گود سے نہیں اتر رہی۔" وہ سر جھکائے دھیمے لہجے میں بولی پر اس کا غصہ گویا سوا نیزے پہ تھا۔

"اپنی کوتاہیوں پہ پردے ڈالنا بند کر۔ میں تیرے سارے ڈرامے جانتا ہوں۔" وہ بولا نہیں پھنکارا تھا۔ بچی کے رونے کی آواز مسلسل آرہی تھی۔ پتا نہیں گرمی اس بار کچھ زیادہ پڑ رہی تھی یا کوئی اور مسئلہ تھا جو دو دن سے اس کا بخار اتر چڑھ رہا تھا۔ اس وجہ سے وہ بے تحاشہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر سے دوائی بھی وہ لے آئی تھی پر بخار جان نہیں چھوڑ رہا تھا۔ آج بھی وہ سارا وقت اس کی گود میں رہی تھی۔ ذرا دیر اتارتی تو وہ رو رو کر بے حال ہوجاتی۔ کچھ دیر سوئی تو اس نے سوچا جلدی سے کھانا پکالے۔ جانتی تھی اس کا خاوند بھوک کا کچا ہے۔ کھانے میں دیر سویر ہوجائے تو اس کا دماغ گرم ہوجاتا ہے۔ پر ہائے ری قسمت ہانڈی بھونتے وقت بچی اٹھ بیٹھی اور اسی افراتفری میں سالن جل گیا۔ کوشش کے باوجود وہ جلنے کی مہک ختم نہ کرسکی اور اب وہی سالن ٹوٹی ہوئی پلیٹ سمیت اس کے پیر کو جلا رہا تھا۔

"میں بہانہ نہیں بنا رہی۔ اب بھی دیکھ لیں وہ کس طرح رو رہی ہے۔ اس کو ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا۔ بخار کی دوائی سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔" ٹوٹی ہوئی پلیٹ کی کرچیاں اٹھا کر کچرا دان میں پھینکتے ہوئے اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔ فرش پہ سالن پھیلا تھا جو ابھی صاف کرنا تھا۔ پر بچی...... وہ اب تک رو رہی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا۔ وہ انگارہ آنکھوں سے پالنے میں پڑی منہ پھاڑتی ننھی سی جان کو گھور رہا تھا۔

"جیسی تو منحوس ڈرامے باز ویسی ہی تیری اولاد۔ تم ساری ماں بیٹیاں منحوس ہو۔ عورت ہوتی ہی منحوس ہے۔ میری طرف سے کل کی مرتی آج مرجائے۔" وہ دھاڑا تو اس کی آنکھوں سے خوف سے آنسو نکل آئے۔ یہ تو ایک ماں کا دل جانتا ہے کہ اولاد اگر تکلیف میں ہو تو وہ کتنی بار مرتی ہے۔ جو اتنا درد سہہ کر اسے اس دنیا میں لائی تھی وہ بے درد اس کے سامنے اس کے مرنے کی باتیں کر رہا تھا۔

"میرے سامنے رونے دھونے کا ڈرامہ نہ کرنا میں ان مگرمچھ کے آنسوؤں کے جھانسے میں نہیں آنے والا۔ تجھے کیا لگتا ہے میں تیرے ان آنسوؤں کا اعتبار کروں گا۔ تم عورتوں سے زیادہ ناقابلِ اعتبار چیز بنی ہی نہیں اس دنیا میں۔" ایک وقت تھا وہ اس کی مردانہ وجاہت اور دل کش

نقوش پہ دل و جان سے فدا تھی۔ اس کی صورت دیکھے بنا قرار نہ آتا تھا۔ وہ عام لوگوں میں شہزادہ لگتا تھا اور وہ شہزادے پہ جان دیتی تھی پر آج وہ دل کش نقوش ماتھے کے بلوں اور غصہ و نفرت کی گہری دھند تلے منہدم ہو چکے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

یادِ ماضی گر جہنم تھا تو حال بھی کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ عامر کے لہجے کی تلخی اسے اندر ہی اندر توڑ رہی تھی اور سب سے بڑھ کر وہ سچ اس کی روح میں کرچیاں چبھوتا تھا جسے زبان سے کہنا تو دور کی بات وہ سوچتے ہوئے بھی کانپ جاتی تھی۔ خاور کے ساتھ زندگی کسی آزمائش سے کم نہ تھی۔ وہ وقت جو آسیہ نے گزارا بس وہی جانتی تھی۔ کتنی نفرت اور حقارت ہوتی تھی اس کے لہجے میں ان دونوں کے لیے۔ وہ اگر بیوی سے محبت نہیں کرتا تھا تو بیٹی کو بھی دن میں سو بار دھتکارتا تھا پر آج شاکرہ کہہ رہی تھی علینہ میں جان بستی ہے اس کی۔ حیرت تو اسے اس وقت بھی ہوئی تھی جب دو سال پہلے خاور نے اس کا ماہانہ خرچ اپنے ذمہ لیا تھا۔ آسیہ کے کندھوں سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ احسان کا بوجھ بھاری بھرکم چٹانوں سے زیادہ وزنی ہوتا ہے اور پچھلے دس سال سے اس احسان کے بار کو اٹھائے اس کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

"تو بیس سال بعد آخر بیٹی کی محبت نے تمہارے پتھر دل کو پگھلا ہی دیا خاور۔" آسیہ نے برستی آنکھوں کو ہاتھوں کی پشت سے بری طرح مسل کر آنسو صاف کیے تھے۔ جس شخص کے لیے وہ سونے سے مٹی ہوئی تھی اس نے اسے قدموں تلے روند ڈالا تھا۔ کچھ لوگوں کے مقدر میں محبت کی شیرینی قدرت نے لکھی ہی نہیں ہوتی۔ وہ لاکھ اپنا وجود چاہت کی آگ میں جھلسائیں، راکھ بن جائیں لیکن کندن بننا ان کے نصیب میں نہیں ہوتا۔

☆☆☆......☆☆☆

آج سفینہ کا پلاسٹر کٹنا تھا۔ آرتھوپیڈیک سے معائنہ کے بعد ڈاکٹر زبیر اسے اپنے کمرے میں لے آیا۔ پچھلی بار کے برعکس وہ آج تنہا تھی۔ ہسپتال میں مریضوں کی بے تحاشہ بھیڑ کے باوجود سفینہ کو زبیر کی بدولت اس بار بھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کی باری جلد آگئی تھی۔ شکریہ تو بہرحال بہت چھوٹا لفظ تھا پھر بھی سفینہ اس کی مدد اور احسانات کے جواب میں بس اتنا ہی کر سکتی تھی۔

"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب۔" ڈاکٹر زبیر نے مسکراتے ہوئے چائے کی پیالی اس کی جانب سرکائی۔

"زبیر کہیں، آپ کے بچوں جیسا ہوں۔ مجھے اچھا لگے گا۔" سفینہ نے حیرت سے دیکھا۔ وہ قلم انگلیوں میں گھماتا مسکراتی نگاہوں سے اس کی طرف متوجہ تھا۔ بولنے کا دھیما انداز، ذہین اور چمک دار آنکھیں بہترین لباس میں ملبوس اپنے تازہ تراشیدہ بالوں کے ساتھ وہ ایک پرکشش مرد تھا۔ ڈسٹرکٹ ہسپتال کے دیگر عملے اور سرکاری ہسپتالوں کے کلچر کے برخلاف وہ بے حد خوش مزاج تھا۔ مریضوں اور ان کے لواحقین کے ساتھ ہسپتال کے دیگر عملے سے اس کی بات چیت کا انداز ایک سا تھا۔ جس طرح وہ سفینہ کے ساتھ اخلاص سے بات کر رہا تھا بالکل اسی طرح وہ باقی لوگوں سے بھی مخاطب تھا۔ اس چھوٹے سے شہر کے سرکاری ہسپتال میں لگی مریضوں کی بھیڑ میں اکثریت کا تعلق نچلے طبقے سے تھا۔ میلے کچیلے، پھٹے ہوئے کپڑوں سے آتی پسینے کی بو اور مہلک بیماریوں میں مبتلا مریضوں کے بیچ وہ برانڈڈ بہترین لباس میں گھومتا کوئی آسمانی مخلوق لگتا تھا۔ اس کے لباس سے اٹھتی مہک وہ واحد خوشبو تھی جو اس بوسیدہ ایمرجنسی روم میں فرحت کا احساس دیتی تھی۔ اس کے ہر انداز سے خاندانی پن جھلکتا تھا لیکن یہ اس کی عاجزی تھی جو اسے سب میں ممتاز کرتی تھی۔ اس کا تبادلہ چند ماہ پہلے ہی ہوا تھا اور اس شہر کے لوگوں کو ڈاکٹر کے روپ میں واقعی مسیحا مل گیا تھا۔ اپنی ذمہ داریوں سے بڑھ کر وہ آؤٹ آف وے جا کر بھی سب کی مدد کرتا تھا۔ ان کی دلجوئی کرتا تھا۔ اس کی مستعدی، مزاج اور اقدار کی بدولت نا صرف مریض بلکہ ہسپتال کا دیگر عملہ بھی اسے بے حد پسند کرتا تھا۔

"بہت خوش نصیب ہوگی وہ ماں جنہوں نے آپ

جیسی بااخلاق اور عزت کرنے والی لائق اولاد کو جنم دیا۔"
اس کا واسطہ دوسری بار سفینہ سے پڑا تھا اور اتنا تو اس کے متعلق وہ اندازہ کر ہی چکی تھی۔ بے لوث لوگ ہجوم میں بھی یکتا اور منفرد نظر آتے ہیں اور یہاں تو ہر شخص اس کے خلوص کا قائل تھا۔ سفینہ جانتی تھی سرکاری ہسپتالوں کے دھکے کیسے ہوتے ہیں۔ غریب کو کون پوچھتا ہے۔ وہ اس کے حسن سلوک سے متاثر ہوئی تھی۔ اس کی اپنائیت سے قائل ہوئی تھی۔

"کاش ان کی گود بھی میسر آتی۔ اللہ نے بہت جلدی بلا لیا انہیں اپنے پاس۔" ایک اداس سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ ابھری۔ سفینہ کو شاک لگا۔

"اوہ...... بہت افسوس ہوا۔" وہ افسردہ ہوئی۔ زبیر نے محسوس کیا وہ پہلے سے کمزور لگ رہی تھی۔ چہرہ کملایا ہوا اور آنکھوں کی اداسی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ گو اتنی عمر نا تھی پھر بھی چادر سے جھانکتی سفید لٹیں اس کی مشقت بھری زندگی کی داستان سناتی تھیں۔ اس عمر میں بھی اس کا حسن بے مثال تھا۔ سیاہ چادر کے ہالے میں سرخ و سفید چہرے سے جھلکتی پاکیزگی اور شفاف و بے ریا آنکھیں خود بخود اس خاتون کو دیکھ کر عقیدت ہو جاتی تھی۔ پتا نہیں وہ کون ظالم ہوگا جو اتنی سوبر اور سلجھی ہوئی عورت پہ ہاتھ اٹھاتا ہوگا۔ زبیر نے تاسف سے سوچا۔

"میں نے تو بس انہیں تصویروں میں ہی دیکھا ہے۔"
اپنے خیالات سے نکل کر وہ سفینہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"پر آپ سے مل کر لگتا ہے بہت اچھے ہاتھوں میں ہوئی ہے آپ کی پرورش۔" وہ بے تحاشہ مسکرایا۔

"ہمیں ہمارے والد نے ہی پالا ہے آنٹی۔" اس نے مزید بتایا۔

"والد کی شخصیت بہت اہمیت رکھتی ہے بچوں کی زندگی میں۔" سفینہ کی مسکراہٹ پھیکی ہوئی تھی۔ اداس آنکھوں کی مایوسی اور بھی بڑھی تھی۔ "ہیں نا؟" اس نے نظریں چرائیں۔

"ٹھیک کہا آپ نے......"

"بچوں کی شخصیت میں اعتماد ان کی ذہنی پختگی اور اخلاقی نشوونما میں والدہ کے ساتھ ساتھ والد کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔" بات برائے بات کہتے اس نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ میز پہ رکھی چائے شاید ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ کپ کے کناروں پہ انگلی پھیرتے وہ دوسرے ہاتھ سے چادر کا کونہ تھامے اپنی تمام قوت مجتمع کر رہی تھی۔

"بلکہ میں تو کہوں گا باپ رول ماڈل ہوتا ہے بچوں کے لیے۔" سفینہ کے کپکپاتے ہونٹوں پہ لفظ اٹک گئے تھے۔ بس ایک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پہ اذیت و بے بسی کا ہر تاثر اس پل اتنا واضح تھا کہ زبیر اس وقت باآسانی اس کا ذہن پڑھ سکتا تھا۔

"ماں بچوں کو اچھے برے میں فرق بتاتی ہے اخلاقیات کا درس دیتی ہے تو باپ اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھاتا ہے۔ اپنے قول و فعل، اپنے بیوی بچوں سے حسنِ سلوک کر کے دراصل وہ اپنی اولاد کو زندگی گزارنے کا درس دے رہا ہوتا ہے۔" یہ بھی کاؤنسلنگ کا ایک انداز تھا۔ سفینہ پچھلی بار اس کی کوئی بات سننے کو رضامند نہ تھی۔ وہ تو یہ بھی ماننے سے انکار کر رہی تھی کہ اس پر جسمانی تشدد ہوا ہے۔ لہٰذا زبیر نے اپنے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ نے لرنڈ بی ہیویئر (سیکھا ہوا برتاؤ) کے متعلق تو پڑھا ہی ہوگا۔ ویسے آپ کی کیا رائے ہے اس بارے میں؟ کھانے پینے سونے جاگنے سانس لینے جیسی جبلی و فطری ضروریات کے بعد انسان سب کچھ یہیں اس دنیا میں سیکھتا ہے اور سب سے زیادہ سیکھ اسے والدین سے ملتے ہیں۔ خاص طور پہ اپنے باپ سے۔" بے حد سلجھے ہوئے انداز میں بہت گہری بات کہہ گیا تھا وہ۔ سفینہ اس کے ہر لفظ کا مطلب بخوبی سمجھ سکتی تھی۔ ان تمام تفاصیل کا پس منظر کیا تھا اسے اچھی طرح معلوم تھا لیکن جب خاموشی اختیار کر لی جائے تو لفظ معنی نہیں رکھتے۔

"یہ سب کتابی باتیں ہیں اور کاملیت کہاں ہوتی ہے۔ ہر ایک کے حالات مثالی نہیں ہوتے۔" زبیر کو لگا یہی وہ پل ہے جب وہ سفینہ کو اس کی شخصیت کا کھویا ہوا اعتماد لوٹا

سکتا ہے۔ وہ سیلف ریسپیکٹ جسے وہ معاشرتی دباؤ میں آ کر سالوں سے اپنے اندر سلا چکی ہے اسے جگانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا اس نے سیلف ریسپیکٹ کو سلایا نہیں مار ڈالا تھا۔ برسوں پہلے جب اس نے اس اذیت بھری زندگی سے تنگ آ کر اپنے قدم گھر کی چار دیواری سے باہر نکالے تھے۔ وہ اپنے ماں جائے کے پاس پناہ لینے گئی تھی۔ بوڑھی ماں کے آگے اپنا دکھڑا رو نے گئی تھی۔ اس سے یہ اذیت ناک زندگی نہیں سہی جاتی تھی۔ وہ خود کما سکتی تھی بس اسے باپ اور بھائی کا تحفظ چاہیے تھا۔ تحفظ تو نہیں ملا تھا ہاں سبق ضرور دیا گیا تھا۔

''اس گھر سے رخصت ہو چکی ہو اب اس گھر سے مر کر نکلنا۔'' ماں نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔ وہ خود بیٹے کے رحم و کرم پہ تھی۔ جوان بیٹی بچوں سمیت گھر آ جاتی تو کون سنبھالتا۔

''عورت کی وفا تو مرد کی غربت میں پتا چلتی ہے آپا۔'' چھوٹے بھائی کی بیوی نے طنز کیا تھا۔ چھوٹا سا محلہ تھا، آس پڑوس کے گھروں کی چھتوں سے کئی گردنیں صحن میں جھانک رہی تھیں۔ وہ روتے بلکتے ٹیپو کو گود میں اٹھائے باپ کے جواب کی منتظر تھی۔ اسے اس جہنم میں زندگی نہیں گزارنی تھی جہاں روز اس کے جسم کے ساتھ روح کو بھی گھائل کیا جا رہا تھا۔ باپ نے امداد طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور سر سے پگڑی اتار کر اس کے پیروں میں رکھ دی۔ دو سال شہباز کے ہاتھوں دن رات مار کھانے کے بعد بھی اس نے اتنی ذلت نہیں سہی تھی جتنی اس ایک پل میں اس نے محسوس کی تھی۔ اس سے بڑھ کر کوئی باپ اپنی بیٹی سے کیا بھیک مانگتا۔ حکیم الدین نے عزت مانگی تھی۔ سفینہ نے اپنی عزت نفس کھو کر باپ کے کاسے میں عزت ڈال دی۔ وہ پلٹ کر دوبارہ کبھی اس گھر میں نہیں گئی تھی جہاں اس کے قدم رکھنے سے اس کے اپنے معاشرے میں رسوا ہو جاتے۔ زبان کو تالا لگا لیا تھا۔ شہباز سے شکوے شکایت بند کر دیئے تھے۔ اس وقت وہ خود جوان اور خوب صورت تھی، دو چھوٹے بچوں کے ساتھ انسان نما بھیڑیوں کے بیچ رہنا اس کے بس کی بات نہ تھی اور آج وہ ایک جوان بیٹی کی ماں تھی جسے دنیا والوں کی میلی آنکھ سے بچانا اس کی اولین ترجیح تھی۔

''یا پھر یوں کہہ لیں سب آپ کی طرح خوش قسمت نہیں ہوتے۔'' اس نے مسکرانے کی سعی کی۔

''یعنی ماں کے سایہ التفات کے بناء کسی بچے کا پروان چڑھنا آپ کے نزدیک خوش قسمتی کی علامت ہے۔'' ڈاکٹر زبیر نے ہلکے پھلکے انداز میں شکوہ کیا۔ چہرے پہ مسکراہٹ ہنوز تھی جیسے اسے چھیڑ رہا ہو۔

''میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو کسی اور حوالے سے کہہ رہی تھی۔'' سفینہ نے صفائی دینا چاہی۔ زبیر اپنی بات کہہ چکا تھا سفینہ سن اور سمجھ چکی تھی۔ بے جا طول دینا بیکار تھا اس لیے بات ختم کرنا زیادہ مناسب تھا۔ جو میسج وہ دینا چاہتا تھا سامنے والے تک پہنچ چکا تھا۔

''خیر چھوڑیں ان تمام باتوں کو یہ بتائیں اب طبیعت کیسی ہے آپ کی۔'' اس نے ہنستے ہوئے بات بدلی۔

''طبیعت ٹھیک ہے الحمدللہ۔'' سفینہ پُرسکون ہوگئی تھی۔

''چلیں یہ تو بہت اچھی بات ہے، طبیعت کو ٹھیک ہی رہنا چاہیے۔'' ڈاکٹر زبیر نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ریلیکس انداز میں کہا۔

☆☆☆......☆☆☆

جانے کتنا وقت گزر چکا تھا اسے کمرے میں بند ہوئے۔ سوچ سوچ کر دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ دل الگ مضطرب تھا۔ گھر میں یوں بھی کوئی اس سے بات نہیں کر رہا تھا اور اس کا اپنا دل بھی نہیں تھا کسی سے بات کرنے کا۔ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو اٹھ کر کمرے کے چکر لگانے لگا۔ پچھلے چند روز سے وہ عجیب سی اذیت میں مبتلا تھا گو اپنی اس حالت کا ذمہ دار وہ خود ہی تھا پر اس کی خود غرضی اسے اپنا احتساب کرنے ہی نہیں دیتی تھی۔ ساجدہ سے ہونے والی تلخ کلامی کے بعد بہن اور باپ کا رویہ بھی اکھڑا ہوا تھا۔ وہ خود بھی دل ہی دل میں شرمندہ تھا اس لیے ان سب سے

گریز کررہا تھا لیکن اندر ہی اندر جو بات اسے کھائے جارہی تھی وہ فریحہ کا اس سے اجتناب برتنا تھا۔ وہ اس کے بہت قریب تھی‘ اس کی معصوم نیچر سے وہ بخوبی واقف تھا۔ فریحہ نے اس سے کبھی کچھ راز نہیں رکھا تھا پھر اچانک اس کے رویے میں آئی تبدیلی‘ اس کا فارس سے باتیں چھپانا وہ یونہی ڈسٹرب نہیں ہوا تھا۔ پچھلے دو دن سے فریحہ نے اسے کال نہیں کی تھی اور اس دن کے بعد فارس نے بھی اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا لیکن اب اس کا صبر جواب دے چکا تھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ میز پہ دھرا اپنا سیل فون اٹھا کر کچھ سوچتے ہوئے فارس نے فریحہ کا نمبر کانٹیکٹ لسٹ میں سے نکالا لیکن اسی پل مخصوص رنگ ٹون کی آواز کمرے میں گونجی‘ فون کی جلتی بجھتی اسکرین پہ چمکتا نام پڑھ کر فارس پچھلی تمام ٹینشن بھول چکا تھا۔ بے ساختہ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا اور اس نے برق رفتاری سے کال ریسیو کی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

انصاری ہاؤس میں آج سمیر کی آخری رات تھی۔ کل صبح وہ واپس لاہور کے لیے نکل رہا تھا۔ اگلے ہفتے اسے یہاں جوائن کرنا تھا اور اس سے پہلے اپنے چھوٹے موٹے کام وائنڈ اپ کرنے کے ساتھ سامان وغیرہ بھی یہاں بھجوانا تھا۔ شام کی چائے اس نے فریحہ کے ساتھ لاؤنج میں ہی پی تھی۔ وہ اپنا شیڈول اس سے ڈسکس کررہا تھا۔ آنے والے دنوں کی مصروفیات کے متعلق بتا رہا تھا۔ ہلکی پھلکی نوک جھونک بھی جاری تھی۔

”پچھلے کچھ دن سے میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔“ فریحہ کے چہرے پہ اس وقت مکمل سنجیدگی تھی۔

”حالانکہ تمہارے لیے بہت لطف ہوگا۔“ سمیر اسے کبھی سیریس لیتا ہی نہیں تھا۔

”کیا؟“ وہ الجھی۔

”سوچنا......“ وہ چوٹ کرنے سے باز نہیں آیا۔

”بھائی میں سنجیدہ ہوں۔“ اس نے منہ بنایا۔ وہ اس وقت ایک انتہائی اہم بات کرنے کے لیے لفظ اپنے ذہن میں ترتیب دے رہی تھی۔ دوسری طرف سمیر بے حد غیر سنجیدہ تھا۔

”اس دن میں بھی سنجیدہ تھا۔“ اس نے بدلا چکاتے ہوئے فریحہ کی پچھلی رات والی حرکت کا حوالہ دیا جب وہ مستقل اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ علینہ کے گھر جو بھی ہوا سمیر اسے یونہی فراموش نہیں کرسکتا تھا اس وقت تو اسے فریحہ کی شرارت بھی زہر لگی تھی۔

”میں واقعی آپ سے ایک اہم بات شیئر کرنے جارہی تھی۔“ اس نے موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی۔ دوسری طرف ہرگز رحم دلی نہ تھی۔ الٹا مزید ٹانگ کھینچنے کا موڈ ہوا تو ایک اور لقمہ دیا۔ فریحہ کو چڑانے کا شاندار موقع ہاتھ لگا تھا۔

”اوہ...... اہم بات۔ اس کا مطلب کہیں ڈیزائنر لان کی ایگزیبیشن لگی ہوگی یا پھر سیل چل رہی ہوگی۔“ فریحہ نے سر پیٹ لیا۔

”جی نہیں۔“ وہ نروٹھے پن سے بولی۔

”اسلام آباد جانے کا پروگرام ہوگا پھر۔“ سمیر ہنسا۔

”اسلام آباد واپس نہ جانے کا پروگرام ہے۔“ سنجیدہ اور دو ٹوک انداز میں کہی بات نے سمیر کی ہنسی کو بریک لگا دیے تھے۔ وہ یہ امید کھو چکا تھا۔

”رئیلی......؟“ فریحہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اور اس اچانک فیصلے کی وجہ؟“ اس نے کریدا۔

”میں یہاں رہنا چاہتی ہوں۔ آپ سب کے ساتھ‘ آپ سب کے پاس اور......“ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو دیکھتے وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ بات نامکمل تھی۔ وہ لفظ تلاش کررہی تھی۔

”اور......“ سمیر نے ابرو اچکائے۔

”اور یہ کہ اسی ہسپتال میں کام کرکے کچھ تجربہ حاصل کرنا چاہتی ہوں۔“ سوچ میں یہ تبدیلی...... اس کی بات نے سمیر کو حیران کیا تھا۔

”پر تجربہ تو تمہیں بڑے شہر میں ملنا تھا۔“ سمیر نے اس کی پچھلی بات کا حوالہ دیا۔ اس دن فریحہ اس سے اسی بات

پہ تو الجھ رہی تھی۔

"میں غلط تھی، تجربہ کام کی نوعیت کے مطابق ہوتا ہے۔ کام اگر وہاں ہے تو یہاں بھی اس کی کمی نہیں اور سب سے بڑھ کر حقیقی زندگی سے جڑے جو مسائل یہاں ان لوگوں کے پاس ہیں وہ صحیح معنوں میں توجہ طلب ہیں۔"

اس نے اپنی غلطی کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"یہاں معاملات فقط بیماریوں کے علاج تک محدود نہیں بلکہ انہیں رہنمائی اور شعور کی بھی ضرورت ہے۔ فرینکلی اسپیکنگ ان لوگوں کو کاؤنسلنگ کی بہت ضرورت ہے۔" سمیر کو اس کی بات سن کر انتہائی خوشی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھداری پہ رشک ہوا لیکن وہ اسے پرکھنا چاہتا تھا۔ کہیں وہ فیصلہ جذبات میں آکر تو نہیں کر رہی اور چند دن بعد اپنی جاب کھونے پہ افسوس کرے۔

"تمہارا جذبہ قابل ستائش ہے لیکن فری یہ کام اتنا آسان نہیں۔" اس نے سراہا لیکن ساتھ ہی ساتھ وارن بھی کیا۔

"بھائی میں کوشش کرنا چاہتی ہوں۔" وہ اپنی بات پہ مصر ہوئی۔

"دل میں حسرت نہیں رہنی چاہیے کہ آپ نے کبھی کچھ سنوارنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔" فریحہ کا انداز حتمی تھا۔

"اس کا مطلب پوسٹ گریجویشن کا پروگرام کینسل؟" وہ فکر مند ہوا کیونکہ یہ تو وہ بھی چاہتا تھا کہ فریحہ اسپیشلائزیشن ضرور کرے۔

"میں یہاں رہ کر بھی یو ایس ایم ایل ای کی تیاری کرسکتی ہوں۔ ایگزام دے کر ریزیڈنسی اپلائی کردوں گی پھر اگر کوئی آفر آئی تو امریکہ بھی چلی جاؤں گی لیکن ابھی تو مجھے کچھ وقت یہیں رہنا ہے۔" اس نے تفصیلات شیئر کیں۔ سمیر مطمئن ہوگیا تھا۔

"پلان تو اچھا ہے اور اگر تمہیں کسی بھی طرح کی مدد درکار ہو تو آئی ایم آلویز دیئر۔۔۔۔۔۔" خوشدلی سے کہا تو فریحہ بے تحاشہ مسکرائی۔

"تھینک یو سو مچ بھائی۔" سمیر کی باتوں نے اس کے فیصلے کی درستگی پہ مہر ثبت کردی تھی۔ وہ اپنے فیصلے پہ مطمئن و شاد ہوگئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"اچانک اس فیصلے کی وجہ جان سکتا ہوں۔" وہ تقریباً چیخا تھا۔

"جان تو لو پر شاید سمجھ نہ سکو۔" وہ لب کاٹتے بولی۔

"اتنا بیوقوف سمجھتی ہو تم مجھے فریحہ؟" شکوہ کیا۔

"ایسی بات نہیں فارس، پر فقط میرے بتانے سے تم وہ سب مسائل نہیں سمجھ پاؤ گے جو میں یہاں دیکھ رہی ہوں۔" اس نے سمجھانا چاہا۔

"اس ظاہری ترقی سے قطع نظر اس شہر میں کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ ایسے لگتا ہے آپ قرون اولیٰ کی بستی میں رہتے ہیں۔" اس امید پر کہ وہ مخلصانہ مشورہ دے گا فریحہ نے تفصیلات بتائیں۔

"بیماریاں، غربت، معلومات کا حل نہ ہونا، کوئی ایک پرابلم ہو تو تمہیں بتاؤں۔" وہ ہرگز متاثر نہیں ہوا تھا۔ ماتھے پہ بل واضح تھے۔

"اور تم ان غریب، نادار اور بے بسی کی زندگی گزارنے والے بیمار لوگوں کی زندگی بدل دو گی وہاں رہ کر رائٹ؟" اس کے طنزیہ انداز پہ فریحہ کی امید کو دھچکا لگا تھا۔

"مدر ٹریسا یا پھر پاکستان کی نیلسن منڈیلا بن کر ان کی زندگیوں میں انقلاب لے آؤ گی۔" فارس کا تجزیہ ظالمانہ تھا۔

"میں نے ایسا دعویٰ نہیں کیا، میں اپنی زندگی سوچ سمجھ کر گزار لوں یہی بہت ہے، ابھی تو ہمیں خود پختہ سوچ کی ضرورت ہے۔" جواب فوراً دیا گیا تھا۔

"لیکن میں جس پیشے سے وابستہ ہوں اس میں یوں آنکھیں بند کر کے فقط اپنی ذات کے متعلق نہیں سوچ سکتی۔ میرے والدین نے دن رات کی محنت سے ایک ایسا پلیٹ فارم بنا دیا ہے جس کو بنیاد بنا کر میں اور کچھ نہ سہی لوگوں میں شعور ہی بانٹ سکتی ہوں یا کم سے کم عورتوں

میں۔" انداز دوٹوک تھا۔ فارس اگر اسے سمجھنا نہیں چاہتا تھا تو پھر اسے اتنی باتیں سنانے کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔ محبت کا مطلب عزت نفس پہ کمپرومائیز نہیں ہوتا۔

"عورتوں میں؟" وہ چونکا۔ فریحہ نے اول تا آخر وہ سارا واقعہ فارس کو سنایا جس نے اس کے ذہن کو بری طرح متاثر کیا تھا اور وہ جیسے وہیں جا اٹکی تھی۔

"یار ڈومیسٹک وائلینس' تیسری دنیا کا مسئلہ ہے اور حکومتی سطح پہ ایکشن لیا تو گیا ہے اب تم کیا تیر چلا لو گی اکیلی۔" وہ چڑ کر بولا۔ اسے تو سوچ سوچ کر غصہ آرہا تھا فریحہ اتنا جذباتی فیصلہ کر بھی کیسے سکتی ہے۔ کہاں ایک چھوٹے سے شہر کا چند کمروں پہ مشتمل خیراتی ہسپتال' کہاں ملک کے بڑے شہر کے سب سے بڑے ہسپتال کی بہترین ملازمت اور سب سے بڑھ کر ان دونوں کی مشترکہ پلاننگ۔ وہ تو پاکستان میں رہنے پہ راضی ہی نہیں تھا۔ اس کا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا تھا۔ فریحہ میڈم کو فلاحِ عامہ کا شوق چڑھا تھا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ لوگ قانون کے ہوتے ڈر جائیں گے' اس کے احترام میں ہی سہی عورت کو گھریلو تشدد کا نشانہ بنانا بند کر دیا جائے گا لیکن ہم غلط ہیں فارس اس ملک میں اب بھی ایسے بے شمار لوگ بستے ہیں جن تک شعور و آگہی کی روشنی پہنچی ہی نہیں۔ وہ انسانیت کا خوف نہیں کھاتے قانون کا احترام کیا خاک کریں گے۔" فریحہ نے جیسی آسودہ زندگی گزاری تھی' اس کے نزدیک دنیا جنت تھی۔ سلجھے ہوئے اعلیٰ تعلیم یافتہ والدین' بہترین خاندانی بیک گراؤنڈ کا ٹیگ' ملک کے شاندار تعلیمی اداروں میں جا کر اور اپنی ہی کلاس کے لوگوں سے دوستیاں کر کے وہ کیسے جان پاتی کہ اس کے ملک کی بڑی آبادی غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزارتی ہے' صحت کا مسئلہ' تعلیم کے مسئلے سے زیادہ خطرناک ہے۔ شعور کتابیں رٹنے سے نہیں آتا۔ یہ میراث ہوتی ہے جو حالات کے مارے بیشتر لوگوں کے لیے فقط چار حرفی لفظ ہوتا ہے۔ عورت کی حیثیت آج بھی گائے' بکری سے زیادہ نہیں سمجھی جاتی' رشتوں کی بنیاد پہ معاشرتی سطح پہ اس کا استحصال صدیوں سے ہو رہا ہے اور آج بھی اس ملک میں جھوٹی انا اور معاشرتی دباؤ کی وجہ سے عورت کو غلاموں سے بدتر زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔

"اور تم اب اس علاقے کی عورتوں میں شعور پیدا کرو گی؟" اس نے باقاعدہ طنز کیا۔

"بحیثیت ایک عورت اتنا تو فرض بنتا ہے میرا۔ آخر مجھے بھی اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا ہے۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"جاہل لوگ' کم عقل عورتیں' تمہارا ضمیر اس سب میں' میں کہاں گیا فریحہ؟ میرے اور تمہارے تعلق کا کیا ہوگا۔" فریحہ کے رویے نے اسے واقعی مایوس کیا تھا۔ لاجک کی جنگ ہار کر وہ اب جذبات کے ہتھیار کا سہارا لے رہا تھا۔

"ہمارا تعلق بیچ میں کہاں سے آ گیا فارس۔ ہم تو ساتھ تھے' ہیں اور رہیں گے۔" وہ حیران ہوئی تھی۔ اس نے اتنا آگے تک نہیں سوچا تھا۔

"اور جو تم نے راستہ بدل لیا؟" شکوہ کیا۔

"راستہ نہیں بدلا۔ "ڈی ٹور" (متبادل راستہ) لیا ہے۔ منزل تو ایک ہی ہے نا۔ میں جہاں سے بھی چلوں میری منزل تم ہی ہو۔" جواب بردباری اور تحمل سے دیا تھا۔

"اور اگر میں تمہیں ان سب فضولیات میں وقت برباد کرنے کی اجازت نہ دوں تو؟" اس نے ابرو چڑھا کر سوال کیا۔

"لیکن فارس ہمارا تعلق ابھی اجازت کی حدود و قیود میں نہیں جکڑا۔ میں اپنے کسی بھی عمل کے لیے اس وقت صرف اپنے والدین کی اجازت کی محتاج ہوں۔" فریحہ نے صاف گوئی سے کہا' وہ جذباتی تھی بیوقوف نہیں۔ وہ اسے جذباتیت کے پھندے میں پھنسانا چاہتا تھا وہ عقل کا استعمال کر کے باآسانی نکل آئی تھی۔

"یعنی دوسرے لفظوں میں تمہاری زندگی میں میری اہمیت دو کوڑی کی بھی نہیں......" فارس کا لہجہ کاٹ دار ہوا۔

"تم میرے لیے بہت اہم ہو فارس۔ بہت محبت کرتی ہوں میں تم سے۔ بس کچھ مہلت مانگ رہی ہوں۔ تم اپنی

جاب پہ توجہ دو میں یہاں کچھ کرتی ہوں۔ اس دوران دونوں یو اسی ایم ایل ای مکمل کرتے ہیں۔'' سمجھانے کی ایک اور سعی کی تھی۔

''ٹھیک ہے فری...... اگر تم نے تنہا چلنے کا فیصلہ کرلیا ہے تو یونہی سہی۔ میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا لیکن مجھے اپنی زندگی کیسے گزارنی ہے یہ اب میرا اپنا فیصلہ ہوگا۔'' سب کچھ بے سود تھا۔ فارس اب بلیک میلنگ پہ اتر آیا تھا۔ فریحہ کی بات سچ ثابت ہوئی تھی وہ جان گیا تھا پر سمجھا نہیں تھا کیونکہ وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

''فارس میری بات......'' کال ڈسکنیکٹ کردی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

تھکا گیا ہے سفر اداسی کا
اور اب بھی ہے میرے شانے پہ سر اداسی کا
وہ کون کیمیا گر تھا جو بکھیر گیا
ترے گلاب سے چہرے پہ زر اداسی کا
میرے وجود کے خلوت کدے میں کوئی تو تھا
جو رکھ گیا ہے دیا طاق پہ اداسی کا!

علینہ یعنی جنت کا ریشم!

وہ چودھویں کے چاند کی روشنی میں ڈھلا روپ کسی حور کی طرح پاکیزہ مشک سا معطر تھا۔ ہاں وہ ریشم ہی تو تھی۔ مضبوطی و نزاکت کا حسین امتزاج۔ روح کو گھائل کرتے غم کے چھالوں کو چھپائے مسکراہٹ کا نقاب چڑھائے۔ بظاہر چٹان سی سختی لیکن اپنے اندر نزاکت نرمی اور محبت کو سب سے چھپائے۔

وہ ایک ایسی پہیلی تھی جس کی زندگی دھوپ چھاؤں کا امتزاج تھی۔ روتی آنکھوں سے مسکراتی اپنے آنسوؤں کو ہنسی کا لبادہ اوڑھا دیتی۔ فکر و تفکر کو سینے میں چھپائے بظاہر لاپروا دکھائی دینے والی علینہ کبھی ماں کی جدائی پہ آنسو بہاتی تو کبھی باپ کی بے نیازی پہ سسکتی۔ ہر رات یہ بن بادل برسات اس کے کمرے کی تنہائی میں شریک سفر ٹھہرتی یا اس پل بھی وہ اپنے کمرے کی تنہائی سے لپٹی آنسو بہا رہی تھی۔ دل میں بے کیف سی اداسی تھی۔ ہاتھ بے اختیار پاس رکھے سیل فون تک گیا۔

''ہیلو۔'' آواز میں حیرانگی و بے یقینی تھی۔

''کیسی ہیں آپ۔'' وہ آنسو پیتے بولی۔

''میں ٹھیک ہوں میری جان...... تم کیسی ہو؟'' آسیہ تڑپی۔

''میں...... میں ٹھیک ہوں ماما۔'' اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

''کتنے دنوں بعد تمہاری زبان سے لفظ ماما سن رہی ہوں شاید مہینوں بعد۔'' اتنے سالوں میں پہلی بار علینہ نے اسے خود کال کی تھی۔

''بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' وہ خاموش رہی تھی۔ چند پل گزرے سلسلہ کلام دوبارہ شروع ہوا۔

''آپ کا آپریشن ہونے والا ہے؟'' اس کی ناراضی میں ماں کی بیماری نے دراڑ ڈالی تھی۔ کل سے لے کر آج تک وہ شاکرہ کے ساتھ الجھتی رہی تھی بحث کرتی رہی تھی۔ اس نے ایک لفظ بھی اس حوالے سے نانی کو نہیں کہا تھا لیکن وہ پریشان تھی۔

''ہاں...... پر تم گھبرانا مت یہ تو آج کل بہت عام سی بات ہے۔'' آسیہ نے تسلی دی۔

''بہت درد ہورہا ہوگا نا۔'' اس نے چھوٹے بچوں کی طرح سوال کیا۔ آسیہ دھیرے سے مسکرائی لیکن اس مسکراہٹ میں بھی درد چھپا تھا۔

''اس سے کم جو تمہاری جدائی میں کاٹ رہی ہوں۔'' انگلیوں کی پوروں سے آنسو پونچھتے وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

''آپ فکر مت کریں نانی آرہی ہیں آپ کے پاس۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کے رونا چاہتی تھی لیکن اس پل ماں کی ہمت توڑنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ اس کی بات کو نظر انداز کرکے اس نے تسلی دی۔

''ہاں پر تم تو نہیں آرہی نا ساتھ؟'' آسیہ کے لہجے میں تشویش تھی۔ علینہ کے اندر شکووں نے سر اٹھایا لیکن وہ اس وقت آسیہ کو اپنی کسی بھی بات سے ڈسٹرب نہیں

کرنا چاہتی تھی۔

"نہیں۔" خود کو حتی الامکان نارمل رکھتے ہوئے بولی تو آسیہ نے جیسے سکون کا سانس لیا۔

"تم مت آنا یہاں۔" اس نے مزید کہا۔ وہ تھوڑی اور ٹوٹی و بکھری تھی۔

"جانتی ہوں۔" اس کا ضبط قابلِ ستائش تھا۔

"مجھے معاف کردینا میری بچی۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر پائی۔ افسوس میری کم نصیبی میری اولاد کی خوشیاں نگل گئی۔" آسیہ بلک بلک کررونے لگی۔ وہ خود اتنی اپ سیٹ تھی اس سے زیادہ تسلی و دلاسہ نہیں دے سکتی تھی۔ ماں کی جدائی کیا کم سانحہ تھا اور اب اس کی تکلیف کا سن کر تو اس پہ غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ خود کو سنبھالنا مشکل تھا ماں کو کیسے سنبھالتی۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔ میں اب فون رکھتی ہوں۔" اپنے آنسوؤں پہ بند باندھتے بولی تو آسیہ نے بھی رونا ترک کرکے اجازت دے دی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم بھی اپنا خیال رکھنا۔" کال بند کرتے وقت سکون و بے سکونی کے ملے جلے جذبات اس کو جکڑے ہوئے تھے۔ علینہ کی کال نے جہاں اس کو پُرسکون کیا تھا وہیں اپنی کم مائیگی کے احساس نے اس کی تڑپ بڑھادی تھی۔

"یااللہ میری بدقسمتی کا سایہ میری بچی کی زندگی سے دور کردے میرے مالک۔ اس نے اپنی عمر سے بڑھ کر دکھ جھیلے ہیں اپنی بساط سے زیادہ غم دیکھے ہیں اب اس کی زندگی میں خوشیوں کے چراغ روشن کردے۔ یہ درد اور پریشانی کی سیاہی مٹادے میرے مالک۔ اس کے نصیب روشن کردے۔" ایک ماں تڑپ تڑپ کر بارگاہِ الٰہی میں اپنی اولاد کے حق میں دعا مانگ رہی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

کچے فرش پہ بیٹھا وہ اپنی ٹرین سے کھیل رہا تھا۔ سستے اور ناقص پلاسٹک سے بنی یہ چھوٹی سی ٹرین آج کل اس کی پسندیدہ تھی۔ چھوٹے انجن کے پیچھے لگی دو بوگیاں۔ وہ انہیں فرش پہ دوڑاتا نہایت خوش تھا۔ سفینہ سے پڑھنے کے بعد رات کا یہ وقت اس کے کھیل کا ہوتا تھا۔ فاطمہ باورچی خانے کی صفائی کررہی تھی جبکہ سفینہ صحن میں رکھی چارپائی پہ بیٹھی بچوں کی کاپیاں چیک کررہی تھی۔ دھڑ دھڑ بیرونی دروازہ بجا تو فاطمہ نے باہر نکل کر شکوہ بھری نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا۔ سفینہ نے نظریں چرائیں اور دھیان دوبارہ کاپیوں پہ لگالیا۔ فاطمہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی دروازے پہ پہنچی حسبِ توقع سامنے شہباز کھڑا تھا۔ نشے میں دھت لڑکھڑاتا ہوا وہ اندر داخل ہوا۔ اس کے لباس سے سگریٹ اور شراب کے بھبوکے اٹھ رہے تھے۔ فاطمہ ناک سکیڑ ے ایک دم وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ اسے کھانے کا آرڈر دے کر وہ خود کمرے میں جا گھسا۔ فاطمہ منہ بناتی باورچی خانے میں چلی گئی جبکہ سفینہ نے تشویش سے کمرے کی طرف دیکھا۔ اندر ٹیپو کھیل رہا تھا۔

ٹیپو اپنے کھیل میں مگن تھا۔ شہباز نے اسے جا کر دبوچا اور بے اختیار چومنے لگا۔ اس طرح کے دورے اس پہ اکثر پڑتے تھے لیکن ان کا نتیجہ ہمیشہ خوف ناک ہی ہوتا تھا۔ وہ اس افتاد پہ چونکا باپ ہوش میں نہیں تھا اتنا وہ جانتا تھا پر اس کے پیچھے کیا وجہ تھی اس سے غافل تھا۔

"ادھر آ میرے شیر دو گھڑی میرے پاس بھی بیٹھا کر۔" اسے بازو سے تھام کر وہ بستر پہ دراز ہوگیا۔ ٹیپو کھلونے کو حسرت سے دیکھتا بے بسی سے اس کے پاس آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"میں کہتا ہوں چور ڈاکو چرسی بھنگی پہ یقین کرلینا۔ لیکن عورت ذات پہ اعتبار مت کرنا۔" وہ اول فول بک رہا تھا۔ معصوم بچہ خاموش بیٹھا رہا۔ ایسی باتیں اس کے ذہن سے بڑی تھیں۔

"یہ میٹھی چھری آنسوؤں کے جال بچھا کر مردوں کو بیوقوف بناتی ہیں۔" اس کی زبان میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

"اسے سر پر چڑھالو تو جوتی کی طرح ساری عمر سر پہ پڑتی رہے گی۔ اس لیے اوقات میں رکھنا چاہیے اس کو جیسے میں نے رکھا ہوا ہے۔" سفینہ کے کان اس وقت اندر ہی

لگے تھے پر اس وقت اس میں اتنی ہمت کہاں تھی جو بچے کو اٹھالاتی۔

"سمجھ آئی کچھ یا نہیں؟" ایک زوردار دھپ اس کی کمر پہ ماری تو وہ بیٹھا بیٹھا دہل گیا۔ خوف سے سر ہلایا۔

"منہ سے بول نا۔ زبان کو ایلفی لگی ہے کیا؟" وہ چلایا۔

"سمجھ گئی۔" ٹیپو نے معصومیت سے کہا۔

"شاباش۔" ایک بار پھر اس کی نازک کمر پہ دھپ مار کر اب کی بار سرلہا۔

"ایک بات تو بتا یہ فاطمہ روز کہاں جاتی ہے؟" تکیے پہ سر جمائے چت لیٹا تھا کہ اچانک کچھ یاد آنے پہ سر اٹھایا۔

ٹیپو اسی حالت میں سر جھکائے بیٹھا خوف سے کانپ رہا تھا۔ باپ کی آواز پہ چونکا۔

"کالج۔" معصومیت سے بولا تو شہباز کے ماتھے پہ ناگواری سے بل پڑے۔

"پکی بات ہے؟" ابرو اٹھا کر اس نے سوال۔

"پکی بات ہے۔" بچہ فوراً بولا۔

"ابے ہٹ۔ تجھے کیا پتہ۔" ہاتھ سے پرے دھکیلتے وہ پھر بستر پہ دراز ہوگیا۔

"سب سمجھتا ہوں میں تیری ماں کے کرتوت۔ کچھ نا کچھ گل کھلائے گی جوان لڑکی کو گھر سے باہر رکھ کر۔" آنکھیں موندیں وہ بڑبڑا رہا تھا۔ اسی وقت فاطمہ کمرے میں داخل ہوئی اور بستر پہ شہباز کے پاس بیٹھے ٹیپو کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں واضح ناپسندیدگی نمایاں ہوئی۔

"ٹیپو تمہیں امی بلا رہی ہیں۔" کھانا میز پر رکھ کر اس نے باقاعدہ گھور کر بھائی کو دیکھا۔

"آجاتا ہے ٹیپو کہیں بھاگا نہیں جارہا تو جا۔" شہباز نے آنکھیں کھول کر فاطمہ کو دیکھا جو ٹیپو کو گھور رہی تھی۔ وہ کھا جانے والے انداز میں بولا تو وہ خود بھی سر سے پیر تک کانپ گئی۔

"اس نے ہوم ورک کرنا ہے ابا۔" وہ منمنائی۔

"کرلے گا ہوم ورک بھی دو گھڑی اپنے باپ کے پاس بیٹھا ہے تو تم دونوں ماں بیٹی کو غش کیوں پڑ رہے ہیں۔" شہباز نے جھڑکا تو وہ سر جھکائے خاموشی سے کمرے سے چلی گئی۔

"کیسا پھر؟" شہباز نے ٹیپو کی طرف دیکھا اور اپنا دایاں ہاتھ سامنے کیا جیسے داد چاہتا ہو بچے نے ڈر کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"ایسے رکھتے ہیں عورتوں کو ان کی اوقات میں۔" اس کو آنکھ مار وہ انگڑائی لیتا بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹیپو خوف اور دہشت کے زیر اثر پسینے میں شرابور چپ چاپ باپ کو کھانا کھاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆......☆☆☆

بوڑھے معذور باپ کو کھانا کھلانا' اس کے کپڑے تبدیل کرنا' ناخن تراشنا' نہلانا دھلانا سب کچھ خاور نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ ورکشاپ سے دن میں دو بار وہ اسی کی خاطر گھر چکر لگاتا تھا۔ رخشندہ اس کی کوئی ذمہ داری نہ اٹھائے گی یہ اس کی پہلی شرط تھی لیکن وہ اگر ایسا کرتی بھی تو خاور کبھی اس سے اپنے حصے کی خدمت نا کرواتا۔ یہ وہ واحد بھلائی اور نیکی تھی جسے وہ کسی سے بانٹنے پہ راضی نہ تھا کیونکہ یہ اس کا فرض تھا۔ وہ سوچکا تو آہستگی سے دروازہ بھیڑ کر وہ کمرے سے نکلا۔ لاؤنج میں بیٹھی رخشندہ ماتھے پہ بل ڈالے ریموٹ ہاتھ میں تھامے بے دردی سے چینل بدل رہی تھی۔ خاور نے اسے ٹوکنا مناسب نہیں جانا تو خاموشی سے پاس سے گزر گیا۔ اس کا ارادہ کمرے میں جا کر آرام کرنے کا تھا۔

"اگر دو گھڑی فرصت ہو تو مجھے بھی پوچھ لو۔" رخشندہ کی کاٹ دار آواز پہ اس کے قدم رک گئے۔

"کیا ہوا سب خیریت ہے نا؟" اس خراب موڈ کا پس منظر جاننے کی کوشش کی۔

"یعنی خیریت نا ہوگی تو مجھے منہ بھی نا لگاؤ گے؟" ٹی وی بند کر کے ریموٹ اس نے سامنے میز پہ زور سے پٹخا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیوں سارا وقت مرچیں چبائے رکھتی ہو رخشندہ۔ بیٹھ جاؤ سکون سے اور تحمل سے بتاؤ ہوا کیا ہے۔" خاور نے

ڈاڑھی پہ ہاتھ پھیرا۔ وہ اس کے تیور سمجھ چکا تھا۔ ہفتے دو ہفتے بعد جھگڑا نہ ہوتو اس کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔ خاور نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ خود بھی وہیں بیٹھ چکا تھا۔

''میرے منہ پہ تو ڈھکن لگا دو میاں۔ منہ کھولنا زہر لگتا ہے تمہیں میرا۔'' وہ تلملا کر بولی۔

''اچھا دھیمی آواز میں بات کرو' ابا جی سو گئے ہوں گے۔'' خاور نے ہاتھ اٹھا کر تنبیہہ کی۔

''سارے جہاں کا خیال ہے تمہیں خاور۔ پروا نہیں ہے تو بس میری۔'' وہ دھیمی ہوئی۔

''تو کیا میں تمہارا خیال نہیں رکھتا؟'' ہمیشہ کی طرح اپنی تحمل مزاجی سے اس نے رخشندہ کا غصہ کم کر دیا تھا۔

''گھر آتے ہی اپنے باپ کی خدمت میں جت جاتے ہو۔ باہر ہوتے ہو تو اپنی لاڈلی کے دکھ میں ادھ موئے ہوئے جاتے ہو یا پھر اپنے کاروبار میں مصروف رہتے ہو۔ میں تو انتہائی غیر ضروری اور ناکارہ شے ہوں تمہاری نظر میں۔'' اس کا انداز شکایتی تھا۔ چھٹیوں کے بعد مونس تو اپنے دوستوں کے ساتھ ناران کاغان گھومنے چلا گیا تھا۔ جب ہوتا بھی تو سوائے پیسے مانگنے کے وہ کہاں ماں کے پاس پھٹکتا تھا۔ دوسری کوئی اولاد اللہ نے دی نہیں تھی جو دھیان کسی دوسری طرف لگتا۔ سارا دن فارغ بیٹھے اسے ایسے دورے پڑتے ہی رہتے تھے۔

''اپنے گناہوں کا ازالہ جو کر رہا ہوں۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

''کیا کہا؟'' رخشندہ کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔

''ابا جی کی حالت سے تو تم واقف ہو۔ میں نے تم پر تو کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ میں کچھ وقت انہیں نہیں دوں گا تو پھر ان کی دیکھ بھال کون کرے گا؟'' اس نے تفصیل بتائی۔

''ہاں تو تم اسی شرط پہ لائے تھے انہیں یہاں کہ مجھ پہ کوئی بوجھ نہ ڈالو گے۔'' رخشندہ نے منہ بنایا۔

''تو تمہیں کہا بھی کب ہے کچھ کرنے کو۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔

''اور جہاں تک علینہ کی بات ہے وہ میری اولاد ہے پھر بھی تمہاری خوشی کی خاطر میں اسے اپنے گھر میں نہیں لا رہا۔ کبھی کبھار اس کی خیریت ہی پوچھنے چلا جاتا ہوں' بس تو اس پہ کیا اعتراض؟'' جس دن علینہ کی پاکستان آمد کی اطلاع رخشندہ کے کانوں تک پہنچی تھی' وہ تو بوریا بستر سمیٹ کر جا ہی تھی۔ اسے یقین تھا پچھتاووں کی آگ میں جلتا خاور لازمی بیٹی کی محبت میں کمزور پڑ کر اسے یہاں لے آئے گا۔ شادی کے بعد وہ خاور کو اولاد کا سکھ نہیں دے سکی تھی۔ حالانکہ خاور نے اس کو رضائے الٰہی سمجھ کر کبھی شکایت نہ کی تھی بلکہ وہ تو مونس سے بھی اپنی اولاد کی طرح محبت کرتا تھا۔ اسے اس گھر میں آنے جانے' رہنے کھانے پینے کی سہولت موجود تھی۔ یہاں تک کہ پیسوں کی طرف سے بھی خاور نے کبھی ہاتھ نہ روکا تھا۔ لیکن اپنے احساسِ کمتری کی آگ میں جلتی وہ علینہ کے وجود سے بھی نفرت کرنے لگی تھی۔

''یہ باپ' وہ اولاد۔ غیر تو میں ہی ہوں۔ وہ دونوں تو سب سے زیادہ اپنے ہیں تمہارے۔ اس بھگوڑی ماں کی بدتہذیب اولاد کا دکھ ہے تمہیں لیکن میری کوئی پروا نہیں جس نے اس وقت تمہارا ساتھ دیا جب تمہاری جیب میں دھیلہ نا تھا۔ آج جیب نوٹوں سے بھری ہے تو بیٹی کھینچ دی اس نے کہ اڑاؤ ہر مہینے ہزاروں روپے اس پہ۔'' وہ ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔ خاور نے تاسف سے سر جھٹکا۔

''بس کرو رخشندہ کیوں اس معصوم کے خلاف زہر اگل رہی ہو۔ کسی نے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ میں نے خود اس کی ذمہ داری لی ہے۔ سالوں اس سے بے نیاز رہا اب بھی نہ کرتا تو اللہ کو کیا منہ دکھاتا۔'' گھر بیٹھے پتا نہیں اسے خبر مل جاتی تھی کہ خاور علینہ سے ملنے گیا ہے۔ خرچے کا بھی علم تھا پر وہ تو جیسے تیسے برداشت ہو رہا تھا لیکن سب سے زیادہ غصہ اسے خاور کے علینہ سے ملنے پہ آتا تھا۔ بے ساختہ وہ اپنے سے آدھی عمر کی بچی سے اپنا موازنہ شروع کر دیتی تھی یا پھر در پردہ اس کے ذہن میں آسیہ کی شبیہہ بن جاتی تھی۔

''اور میرے بارے میں کیا کہو گے اللہ سے؟'' فرائض

بھولے بیٹھی تھی پر حقوق سب یاد تھے۔" خیر وہ تم سے کیا پوچھے گا۔ اس نے تو خود میرا مقدر کوئلے سے لکھا ہے۔ خوشی کو ترستے ساری عمر گزار دی۔ شوہر کی محبت میرے نصیب میں ہے ہی نہیں۔" آج پھر اس پہ ہسٹریائی دورہ پڑا تھا۔

"ایسی ناشکری کی باتیں نہیں کرتے رخشندہ۔ وہ تو اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے وہ بھلا کیوں ہمارے ساتھ زیادتی کرے گا۔ یہ تو بس ہم نادان لوگ ہی سمجھ نہیں پاتے۔ اس کی آزمائش کو سزا سمجھ کر بددل ہو جاتے ہیں۔ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے جو نہیں ملا اس پہ شکوہ و شکایت کا دفتر کھول لیتے ہیں۔ یوں دکھی ہونے کی بجائے اس کی عبادت میں وقت گزارا کرو۔ اس کی طرف دل لگاؤ گی تو زندگی خود بخود سہل ہوتی جائے گی اور تمہارے شکوے بھی کم ہونے لگیں گے۔" خاور نے ٹوکا تو وہ مزید جل بھن گئی۔

"بس شروع ہوگئی تمہاری تبلیغ، دو گھڑی بیٹھی تھی تم سے دکھ سکھ کرنے اپنا سمجھ کر دل ہلکا کرنا چاہتی تھی مگر نا جی سارا سبق تم نے مجھے ہی سکھانا ہے۔" پہلو موڑ کر وہ اب ریموٹ اٹھائے ٹی وی آن کر چکی تھی۔ خاور نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

"تیز تیز ہاتھ چلا یہ کیا لڑکیوں کی طرح نزاکت دکھا رہا ہے۔" اس نے ایک زوردار لات کمر پہ رسید کی۔ وہ جو پیروں کے بل بیٹھا تھا بیلنس برقرار نہ رکھ سکا اور گر پڑا۔

"کر رہا ہوں استاد۔" اٹھ کر بیٹھتے اس نے ٹائر ٹیوب کو صابن والے پانی میں جلدی جلدی گھمانا شروع کیا لیکن خوف کے مارے ٹیوب ہاتھ سے نکل کر گر گئی۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھ کالک سے اٹے ہوئے تھے۔ کندھے سے قمیص پھٹی ہوئی تھی۔ چہرے پہ تیل اور گریس سے بنے نقش و نگار کے باعث اس کی اصل رنگت اور صورت واضح نہیں تھی۔

"سالے تیرے باپ کو پورے مہینے کا پیسہ بھرا ہے۔ خود تو وہ پڑا ہوگا کہیں نشہ کر کے اور تو یہاں نخرے دکھا رہا ہے۔" استاد نے منہ میں تیلی گھماتے ایک اور لات رسید کی۔ اس بار وہ سامنے والی دیوار سے ٹکرایا تھا۔

"میرا مال حرام کا نہیں جو تم باپ بیٹے پہ اڑاؤں۔ سیدھی طرح کام کرے گا تو ہی روپیہ ملے گا ورنہ دھیلا نہیں دوں گا تجھے۔" اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھاتے وہ مسلسل گالیاں بک رہا تھا۔

"چل اب میری شکل مت دیکھ، جلدی سے یہ ٹائر لگا ورنہ چمڑی ادھیڑ دوں گا تیری۔" اسے زمین پہ پٹخ کر اس نے ٹھڈا مارا۔ وہ گٹھڑی بنا اینٹوں کے فرش پہ پڑا کراہ رہا تھا۔ خوف کے مارے آنسو بھی آنکھوں سے نہیں نکل رہے تھے۔ جانتا تھا اگر رویا تو استاد اس سے زیادہ مارے گا اس لیے کانپتے ہاتھوں سے وہ ایک بار پھر پنکچر تلاش کرنے لگا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ مارے دہشت کے بستر سے اٹھا تھا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ دل خوف کے زیر اثر تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کانپتے ہاتھوں سے ٹٹول کر اس نے اپنا بیڈ سائیڈ لیمپ جلایا۔ کمرہ روشنی سے بھر گیا تھا۔ وہ حیرانگی سے اپنے اردگرد دیکھتا خود کو یقین دلا رہا تھا کہ وہ اس وقت اپنے آسودہ کمرے کے نرم بستر پہ موجود ہے۔ بے اختیار اس نے اپنا سر بیڈ کراؤن پہ ٹکا لیا۔ اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔ اپنی زندگی کے بدترین دنوں کو خواب میں دیکھنا اتنے سالوں بعد بھی اس کے لیے ایک ہولناک تجربہ تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

نیلم شہزادی

ایک لمحے کے لیے دل میں خیال آتا ہے
تُو میری جان نہیں بلکہ ساحل کے کسی
شہر کی دوشیزہ ہے
اور تیرے ملک کے دشمن کا
سپاہی ہوں میں......

شاہ مشرق اپنی باقی ماندہ کرنیں سمیٹتا واپسی کے سفر پر گامزن تھا۔ سورج کی زرد پڑتی کرنیں آسمان کی شفافیت و نیلاہٹ کو ایسے نگل رہی تھیں جیسے ان دو خاموشی اور سوچوں میں الجھے ہوئے نفوس کے خوابوں' امنگوں اور آرزوؤں کو وسوسوں' اندیشوں اور مجبوریوں کے اژدھے نگل رہے تھے۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ایک سنگی بنچ پر جا بیٹھے' پارک میں اس وقت اکا دکا لوگ ہی نظر آرہے تھے۔ خاموشی بکل مارے ان کے مابین آ بیٹھی۔

"ایک آخری حل ہے میرے پاس۔" تیمور نے جھکی گردن ذرا سی ترچھی کرتے ہوئے بنچ کے دوسرے کنارے پر ٹکی صبا کو دیکھ کر کہا جو دور اونچے نیلے امبر کی آغوش میں آشیانوں کو لوٹتے پرندوں کو اتنی محویت سے تکے جارہی تھی جیسے یہاں خاص طور پر اسی کام کے لیے آئی ہو۔ تیمور کی آواز پر اپنا شغل ترک کرکے اس کی جانب دیکھنے لگی اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بے بسی و لاچاری تھی' ہلکورے لیتا درد اور سسکیاں بھرتا رنج بانہیں وا کیے ہجر کا خوف تھا۔ تیمور اور صبا پچھلے پانچ برس سے ساتھ تھے پہلے ایک ہی ادارے سے تعلیم حاصل کی پھر اتفاقاً ایک ہی کمپنی میں ملازمت مل گئی تو ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ ان کے تعلق کا پودا خودرو جھاڑی کی طرح مضبوط سے مضبوط تر ہوتا اور پھیلتا گیا جب محبت سے انہیں اپنا اسیر کرلیا تو دونوں نے باضابطہ طریقے سے ایک ہونے کا فیصلہ کیا' دونوں نے شادی کا فیصلہ کرلیا۔

"مگر......؟" اس کی ادھوری بات سے صبا نے کوئی مفہوم اخذ کرنا چاہا۔

"اگر تم میرا ساتھ دو تو......" تیمور نے ایک بار پھر بات ادھوری چھوڑی۔ صبا نے الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھا' دونوں پچھلے چھ ماہ سے اپنے اپنے والدین کو منانے کی ناکام سعی کررہے تھے نہ تو تیمور کی والدہ اپنی بھانجی کو بہو بنانے کے فیصلے سے دستبردار ہورہی تھیں اور نہ ہی صبا کے گھر والے غیر برداری میں رشتہ کرنے پر راضی ہورہے تھے۔ تیمور نے اس کی طرف رخ کرتے ہوئے وہ بات کرنے کے لیے ہمت مجتمع کی جو پچھلے کئی دنوں سے اس کے ذہن میں اٹکی ہوئی تھی۔

"اگر تم ساتھ دو تو ہم......کورٹ میرج کرلیتے ہیں۔" تیمور نے آخرکار تھوک نگلتے ہوئے تیزی سے کہہ دیا' صبا کا دل یہ سن کر دھک دھک کرنے لگا۔ حیرت وصدمے کی زیادتی سے اس کی بڑی بڑی نشیلی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔ سورج کی زرد ٹکیا آخری سسکی لیتی مغرب کے کناروں میں گم ہوگئی' بہت لمحے ریت کی مانند وقت کی مٹھی سے پھسلتے گہری ہوتی شام میں مدغم ہوتے رہے چند ثانیے تکلیف دہ خاموشی چھائی رہی۔

"سمجھنے کی کوشش کرو صبا......اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں۔" تیمور کے لجاجت بھرے لہجے پر وہ گردن نفی میں ہلاتی بہت اذیت سے دوچار ہوئی۔

"تت......تم کیا کہہ رہے ہو؟" وہ صدمے سے چور آواز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی اس کی آواز اتنی پست تھی کہ تیمور بمشکل سن سکا۔ اس کے لہجے کی بے یقینی اور بے اعتباری نے تیمور کو اندر تک کاٹ ڈالا تھا۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔" تیمور بھی بنچ سے اٹھتے ہوئے اس کے سامنے آن رکا۔ "ہم صرف نکاح کریں گے' رخصتی گھر والوں کی مرضی سے ہوگی اور......اس صورت میں انہیں ہماری بات مانتے ہی بنے گی۔" تیمور اپنی پوزیشن کلیئر کرتے ہوئے آئندہ کی منصوبہ بندی سے بھی آگاہ کرنے لگا لیکن صبا مہر بہ لب شاکی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمندر جیسی گہری آنکھوں میں انکار کی تحریر واضح دیکھی جاسکتی تھی' یہ سب تیمور کے لیے سوہان روح تھا۔ گہری ہوتی شام' چبھتی ہوئی خامشی اور ہر گزرتا لمحہ اس کی گھبراہٹ میں اضافے کا باعث

بن رہا تھا۔

"اگر ہم نے اب اسٹینڈ نہ لیا تو ہم ایک دوسرے کو ہمیشہ کے لیے کھودیں گے۔" وہ ٹوٹے بکھرے لہجے میں کہتا اپنی محبت کو قیمتی سے بچانے کی ہر ممکن سعی کرنا چاہتا تھا۔

تیمور کوئی راہ چلتا آوارہ مزاج شخص نہیں تھا' وہ نہایت شریف النفس اور سلجھی ہوئی طبیعت کا مالک تھا۔ اپنی پہلی محبت کو خود سے دور جاتے دیکھنا اس کے لیے ازحد مشکل تھا۔ وہ شکایتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا' یکبارگی صبا کا دل چاہا کہ سامنے کھڑے اس خوبرو شاندار مرد کا ہاتھ تھام کر تمام رنج وآلام سے چھٹکارا پالے۔ اپنا آپ محبت کی نرم گرم بانہوں میں سمو کر اپنی محبت وچاہت کو امر کردے تبھی اس کے دل ودماغ میں کھینچا تانی سی ہونے لگی کہ وہ ایک محبت کی خاطر بہت سی محبتوں کا خون کیسے کرسکتی ہے؟ اپنے دل کی خوشی کی خاطر ایک ماں کا دامن جلا کر ایک بیٹی محبت کی ردا کیسے اوڑھ سکتی ہے؟ اس کے دماغ کے بجھتے آتش دان میں کوئی چنگاری بھڑکی تھی جو اسے راکھ ہونے سے بچنے کی راہ بجھا گئی تھی۔ اس نے بہت سے آنسوؤں کو اندر ہی اندر اتارا تھا۔ وہ آنسو جو ٹوٹے خوابوں کی کرچیوں کی چبھن سے لڈے چلے آرہے تھے (وہ چند ہی لمحوں میں برسوں کی بیمار نظر آنے لگی)۔ اس نے دل میں ہوتی توڑ پھوڑ سے نظریں چرا کر خود کو کمپوز کرنے کے لیے لمحہ بھر کو آنکھیں بند کیں تو ایک خاموش گریہ کرتا تنہا آنسو اس کے گالوں پر لڑھکا۔ اس نے بنچ پر دھرا اپنا بیگ اٹھایا اور جب وہ بولی تو نازک جذبات واحساسات سے گندھی اس لڑکی کی آواز میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

"پتا ہے تیمور...... ہم محبت کرنے والوں کی ایک کمزوری و خرابی ہے' ہمیں خوابوں کی پُرفریب دنیا میں رہنے کی عادت ہوتی ہے۔" وہ خلاؤں میں گھورتی محوِ گفتگو تھی۔ "لیکن حقیقت سے نظریں چرا لینے سے مناظر بدل نہیں سکتے' ہم جوانی کی دہلیز پر کھڑے ہوکر' من پسند فیصلے کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ محبت کی وہ عمارت کیسے کھڑی رہ سکتی ہے؟ جس کی بنیادوں میں عزت کی قبریں بنی ہوں۔" اس نے ایک سرد آہ خارج کی پھر بولی۔

"یہ بھی سچ ہے کہ آج کی شام تمام عمر ہماری محبت کی حویلی میں شامِ غریباں بن کر اترا کرے گی لیکن......" اس کے تاثرات جاننے کی خاطر ذرا سا توقف کیا' اسے لگا جیسے وہ صدیوں کے برہنہ پا سفر پر نکل کھڑی ہو اور ایسا ہی تو تھا۔ "میں محبت کے بغیر رہ لوں گی۔" نوکیلی برچھی دل میں پیوست ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھے۔ "مگر عزت کے بغیر مرجاؤں گی کیونکہ میں ایک عورت ہوں۔" اس خوب صورت لڑکی نے جھکی نظروں کے ساتھ قیمتی الفاظ کہے جو بہت سی لڑکیوں کے لیے مشعل راہ بن گئے۔ وہ مڑی اور لرزتی ٹانگوں سے چھوٹے چھوٹے مگر مضبوط قدم اٹھاتی فاصلے بڑھاتی چلی گئی۔

گہری ہوتی شام کے پُراسرار ماحول میں وہ محبت کا مارا ہوا سپاہی مٹی کا مجسمہ بنا خود سے نظریں چرا رہا تھا۔ اچھی لڑکیاں اپنے والدین کی برسوں کی محنت سے تعمیر کی گئی عزت کی عمارت کو گرا کر اس کے ملبے پر اپنے خوابوں کے محل کھڑے نہیں کیا کرتیں کیونکہ عورت کا کیا گیا ایک فیصلہ اس کی آنے والی کئی نسلوں کو متاثر کرتا ہے مجھے تو صبا کا چناؤ بہترین لگا اور آپ کو......؟

جیت

اُم اقصیٰ

نماز کے لیے صف برابر کرتے میں نے ایک نظر پیچھے کی جانب دیکھا وہی مخصوص بیس پچیس چہرے گویا مغرب فرض تو بس انہی پر تھی اور تو اور موصوف آج پھر غائب تھے کس قدر گناہ کی بات ہے ناں کہ وضو کرلیا جائے اور نماز موقوف کردی جائے پر یہ عبدالہادی سمجھے تب ناں رکیں میں نماز پڑھ کے آپ کو تفصیل بتاتا ہوں۔

ہاں تو میں بتا رہا تھا آپ کو عبدالہادی کے بارے میں۔ ٹھہریں شروع سے بتاتا ہوں۔ عبدالہادی سے میرا تعارف ساتویں جماعت میں ہوا تھا وہ ہماری جماعت میں نیا آیا تھا کچھ خاص لائق تو نہ تھا مگر چند ہی دنوں میں خاصا پسند کیا جانے لگا۔ مجھے تشویش ہوئی کیونکہ میں کلاس کا نہ صرف سب سے ذہین لڑکا تھا بلکہ ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی آگے آگے رہتا۔ میں کلاس کا ہی آر تھا اور وہ درمیانہ سا طالب علم درمیانے ڈیسکوں پر بیٹھنے والا۔ میں نے بغور اس کا جائزہ لینا شروع کیا کہ کیوں وہ کلاس میں اتنا مقبول ہو رہا ہے تو پتہ چلا اسے ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے اور ہیرو بننے کے لیے ہر مسئلے میں کود پڑنے کی عادت تھی۔ کسی کے پاس بک نہیں ہے تو اپنی دے دی۔ کسی نے ہوم ورک نہیں کیا تو خود کردیا۔ اپنا قلم کاپی ہر وقت خیرات کرتا رہتا اور ان چکروں میں اکثر مار بھی کھالیتا۔ ہماری عربی کی ٹیچر بے حد سخت تھی اور اتنی ہی سیریس بھی۔ جب کہ باقی تمام کلاس بشمول میرے عربی کو معمولی لیا کرتے تھے۔ اسی لیے کتاب بھی کوئی لاتا اور کوئی گھر بھول آتا۔ سالانہ فنکشن کے اگلے دن چھٹی تھی اور اس سے اگلے دن سب پریڈز ہم محض انجوائے اور فنکشن کے متعلقہ ہی اساتذہ سے باتیں کرتے رہے۔ عربی کے پیریڈ میں بھی سب غیر سنجیدگی سے باتیں کررہے تھے جب مس صغریٰ نے سنجیدہ ہونے اور کتاب نکالنے کا کہا مجھ سمیت تین اور اسٹوڈنٹس کو کھڑے ہونے کا کہا جن کے پاس کتاب نہ تھی۔ عبدالہادی کے لائن سے جب مس کتاب چیک کرچکیں تو اس نے اپنی کتاب خیرات کرنا شروع کردی دو تین طالب علم ڈیسک کے نیچے سے کتاب لے کر مس کو چیک کروا کر آگے دے دیتے اچانک مس کی نظروں میں یہ سب آگیا اور ساتھ میں عبدالہادی کی شامت بھی۔ کتاب نہ ہونے پر جہاں باقی طالب علموں کو دو دو پڑی تھیں وہاں عبدالہادی کو چار پڑی تھیں لیکن مجال ہے جو ذرا اس نے اس واقعہ سے اثر لیا ہو اور میں نے محسوس کیا لڑکے اب اس کی اور عزت کرنے لگے تھے۔ اسکول کا زمانہ تو جوں توں گزرا ہمارا کالج بھی ایک تھا۔ ایک نامحسوس سا مقابلہ تھا ہم دونوں میں۔ حالانکہ ہر بار ہر معاملے میں میں جیت جاتا مگر نجانے کیوں ایک سکون ایک سرشاری مجھے ہر دم اس کے چہرے پر رقصاں نظر آتی۔ کالج میں بھی یہ چوہے بلی کا کھیل ہمارے درمیان چلتا رہا۔ جو شاید صرف میری طرف سے تھا۔ یا شاید صرف عبدالہادی کی طرف سے یا شاید ہم دونوں کی طرف سے۔ کالج سے نکلے تو ہم دونوں میں اچھی خاصی دوستی ہوچکی تھی سو یونیورسٹی ہم دونوں نے اپنی مرضی سے ایک ہی منتخب کی۔ ہماری اچھی خاصی دوستی قائم رہتی اگر جو درمیان میں مہربانو نہ آتی۔ مہربانو پنڈی بھٹیاں سے آئی ہوئی تھی۔ سادہ پُرخلوص اور خوب صورت۔ کوئی ماورائی خوب صورتی تو نہ تھی اس میں لیکن کل ملا کے تمام خوبیاں اسے بے حد پُرکشش بناتیں۔ عبدالہادی کی اس کی طرف اُٹھتی گرم نرم نگاہیں میرے دل پر ایک کٹ لگا کے گزرتیں۔ سو وہ تو صد شکر مہربانو سیانی نکلی اس نے مجھے چنا ورنہ کہاں وہ اوسط درجے کا واجبی سی شکل کا حامل اور کہاں میں۔ خوب صورت ذہین اور عبدالہادی سے امیر بھی۔ خیر اس بات کا عبدالہادی نے برا نہ منایا۔ ہماری دوستی اسی طرح رہی میں ہواؤں میں اڑتا رہا مگر پریشان غمزدہ کبھی میں نے اسے بھی نہ دیکھا۔ ایک حسرت سی رہی میرے دل میں کہ کبھی اس کا لٹکا ہوا منہ دیکھوں۔ ہجر کے لمحوں پر مغموم چہرہ دیکھوں بہار کے موسموں میں اسے پھولوں کی جانب حسرت دیاس سے دیکھتا پاؤں مگر فی الحال ایسا موقع نہ ملا تھا مزید اتفاق دیکھیے جاب بھی ہمیں ایک ہی کمپنی میں ملی۔ یہاں بھی ہم برابر تھے۔ ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے ہمیں جاب کرتے کہ آفس کے ایک ورکر کو کوئی مسئلہ درپیش آیا اور چھٹی نہ ملی۔ عبدالہادی صاحب ہمیشہ کی طرح مدد کو تیار۔ وہ آدمی چھٹی پر رہا اور عبدالہادی اس کے حصے کا کام نمٹاتا رہا ایک دن کسی طرح باس کے علم میں حقیقت آگئی تو انہوں نے کھڑے کھڑے عبدالہادی کو نکال دیا۔ تب پہلا موقع تھا کہ مخلص ہوکے میں نے عبدالہادی کو سمجھایا کیونکہ اب وہ خیر سے ایک بیٹی کا باپ بن چکا تھا میری شادی مہربانو سے یونیورسٹی کے دنوں میں ہی ہوگئی تھی مگر اولاد کی نعمت سے فی الحال محروم تھے۔ وہ

جواباً ازلی پُرسکون چہرہ لیے خاموش رہا۔ پھر اس نے محکمہ ایجوکیشن میں اپلائی کیا اور جاب ہوگئی تو وہ ٹرانسفر ہوکے فیصل آباد چلا گیا۔ کچھ عرصہ ہمارا رابطہ رہا اس کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا جب کہ میرا بھی اس دوران بہت علاج اور دعاؤں کے بعد ایک بیٹا ہوگیا تھا گزرتے وقت نے ہماری دوستی مقابلے بازی پر گرد ڈال دی تھی۔

مہربانو بیمار رہنے لگی تھی میرے بیٹے معاذن کو یونیورسٹی میں کوئی لڑکی پسند آ گئی تھی۔ سو ہم نے شادی کردی سوئے اتفاق دیکھیے عائشہ عبدالہادی کی بیٹی تھی ہماری دوستی رشتے داری میں بدل گئی۔ عبدالہادی کی دونوں بڑی بیٹیاں نور اور زینب جدہ میں ہوتی تھیں عائشہ کے ساتھ عبدالہادی اپنے بیٹے صوید کے فرض سے بھی سبکدوش ہوگیا تھا۔ معاذن کی شادی کے دو ماہ بعد تک مہربانو جی سکی تھی عبدالہادی کی بیوی تو عائشہ کی پیدائش کے بعد کچھ پیچیدگیوں کے باعث انتقال کرگئی تھیں۔ (بیٹا صوید عائشہ سے بڑا تھا) اپنے بچوں کے فرائض سے فراغت کے بعد میں اور عبدالہادی ریٹائرڈ لائف انجوائے کررہے تھے ہمارے محلے میں گلی کے نکڑ والا مکان بکا تو عبدالہادی نے وہ خرید لیا اس طرح وہ میرا ہمسایہ بھی بن گیا۔ عبدالہادی ابھی بھی سوشل ورکر تھا ہم دونوں نے مل کر محلے والوں کے تعاون سے گلی میں ایک مسجد تعمیر کی تھی اکثر امامت بھی میں یا عبدالہادی کرواتے اور اذان بھی۔ اب عبدالہادی سے میرا مقابلہ عبادت میں تھا ہم دونوں ہی تہجد گزار تھے عبدالہادی البتہ کبھی کبھار کسی نماز میں غائب ہوتا۔ جماعت ہونے کے بعد جلدی سے آ کے نماز ادا کرتے اکثر پایا جاتا۔ مجھے ہنسی آتی نماز سے اہم بھی کچھ ہوتا ہے بھلا؟ لیکن ایک بات تھی اس کے چہرے سے نور سا چھلکتا تھا حالانکہ میرا رنگ اس سے کہیں سفید تھا۔ معاذن کے گھر بیٹی ہوئی۔ میری دلاری پوتی اور کوئی سوا سال بعد ہی دو جڑواں بیٹے۔ معاذن ان دنوں سنگاپور میں تھا عائشہ کی طبیعت بھی کوئی خاص ٹھیک نہ تھی ایک ملازمہ تو تھی مگر دن ڈھلے چلی جاتی اور میں بوڑھے

ہاتھوں سے اتنا کرپاتا کہ اپنی شہزادی پوتی فاطمہ کو دن بھر گود میں لیے رہتا رات میں اکثر میرے پاس سو جاتی آج مغرب کے وقت بھی فاطمہ کسی بات پر ضد کیے رو رہی تھی میں ضرور اسے اٹھا کے باہر بہلا لاتا لیکن نماز کا وقت تھا اور آپ تو جانتے ہیں میں ہر نماز باجماعت ادا کرتا ہوں۔ میں نظر انداز کیے وضو کرتا رہا۔ عائشہ کے رونے سے ایک منا بھی رونے لگا تو بھلا پھر دوسرا کیوں چپ رہتا وضو کرکے باہر نکلتے میں نے ایک نظر عائشہ کو دیکھا وہ دیوار کا سہارا لیے کچن کی جانب بڑھ رہی تھی وہ تینوں مسلسل رو رہے تھے۔ میں نے قدم تیز بڑھائے۔ جماعت کا وقت تھا۔ مسجد میں وضو خانے کا ایک بہتا نل بند کیا تب تک عبدالہادی بھی وضو کرکے آ چکا تھا۔

''عائشہ بیٹی کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' صفوں کی جانب بڑھتے عبدالہادی نے پوچھا۔

''کچھ خاص بہتر نہیں ہے اوپر سے تینوں بچے رو رہے تھے۔'' جلدی سے بتانے میں اگلی صف کی جانب بڑھا۔ صف برابر کرتے ایک نظر پیچھے کی جانب دیکھا تو موصوف غائب۔ نماز ادا کرکے میں گھر پہنچا دیکھا تو عائشہ فاطمہ کو لیے لیٹی ہے وہ فیڈر پی رہی تھی دونوں جڑواں بچے بھی سو چکے تھے جب کہ ایک کونے میں عبدالہادی جا نماز بچھائے نماز ادا کررہا تھا۔ ''ہونہہ نماز جب جماعت کے ساتھ نہ پڑھی تو کیا پڑھی۔'' لیکن ایک منٹ عبدالہادی التحیات میں بیٹھا پہلے تشہد کے لیے انگلی اٹھائی انگلی سے ہوتی میری نظر اس کے چہرے پر جا پہنچی۔ نور کی لپٹیں مارتا چہرہ پُرسکون چودھویں کی چاندنی میں ڈھلا نجانے یہ سب میرے چہرے پر کیوں نہیں آتا۔ میں باجماعت نماز ادا کرکے آیا ہوں۔ وہ گھر میں قضا ہوتی نماز ادا کررہا ہے میں اس سے جیتا ہوا پر نجانے کہیں ہارا ہوا سا لگتا ہوں۔ ایسا کیوں ہے.....؟ آپ بتائیں۔

شبانہ شوکت

"عنایہ بیٹا...... مجھے تم پر بہت اعتماد ہے کہ تم تھرو آؤٹ پوزیشن ہولڈر رہی ہو تو یقیناً نائنتھ میٹرک کو بہت اچھا ہولڈ کرسکتی ہو کیونکہ ان دو کلاسز میں بچے' بچیاں تھوڑے بڑے ہیں تو ذرا شرارتی اور منہ پھٹ بھی' تو ان کے لیے ایک اسٹرکٹ ٹیچر ہی ہونی چاہیے جو انہیں ہینڈل کرسکے اور مجھے یقین ہے کہ وہ تم ہو۔"

"تعریف کے لیے شکریہ میڈم...... میں آپ کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کروں گی۔" اس نے مسکرا کر ان کا شکریہ ادا کیا' اس نے حال ہی میں بی ایس سی کیا تھا اور مزید تعلیم کے لیے جتنی رقم کی ضرورت تھی اس کے حصول کے لیے سخت محنت کی ضرورت تھی۔ محنت سے وہ نہیں گھبراتی تھی' پڑھنے کے دوران وہ ٹیوشنز پڑھاتی رہی' اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں کے کپڑوں پر کڑھائیاں کرتی' سوئی نے اس کی انگلیاں فگار کردی تھیں مگر وہ رات گئے تک کڑھائی کرتی رہتی۔ ان سب سے مل ملا کر جو پیسے بنتے وہ امی کو دے دیا کرتی تھی۔ صرف وہ نہیں تھی جو یہ کررہی تھی بلکہ اس سے بڑی بہن زونیہ بھی ٹیوشنز اور کپڑے سلائی کرکے پیسے اکٹھے کرتی تھی' دو چھوٹے بھائی تھے جن میں سے ایک کالج سے آکر سیلز مینی کے لیے نزدیکی بازار کی ایک دکان پر چلا جاتا تو دوسرا اسکول سے آتے ہی ایک میڈیکل اسٹور پر...... جہاں سے رات ساڑھے دس بجے واپس گھر آتا' وہ اپنا ہوم ورک بھی وہیں کرلیتا تھا جو سوال سمجھ نہ آتے تو دونوں بہنوں میں سے کسی سے پوچھ لیتا۔

چھٹی والے دن البتہ عنایہ اس کا پورے ہفتے کا کام چیک کرتی تھی۔ چاروں بہن بھائی پڑھنے میں بہت اچھے تھے' ابھی چاروں ہی بہت چھوٹے تھے کہ ان کے والد کینسر جیسے موذی مرض کے ہاتھوں زندگی کو دغا دے گئے' اس مرحلے پر ان کی امی نے ہمت باندھی اور تھوڑے بہت سرمائے سے ان چاروں کو نہ صرف تعلیم دلائی بلکہ انہیں چھوٹے چھوٹے کاموں پر اپنے ساتھ لگا کر کپڑے سینے' کڑھائی کرنی سب سکھا دیا۔ سب سے بڑھ کر یہ سکھایا کہ محنت سے کیسے پیسہ کما کر باعزت طریقے سے جیا جاسکتا ہے۔ وہ ایک مخصوص تصور جو معاشرے کا عام چلن بن چکا ہے کہ گھر کے سربراہ کی عدم موجودگی میں بیوہ عورت کا اپنی لاچاری پر آنسو بہانا' یتیم بچوں کا مفلسی میں پلنا اور آئے گئے کو حسرت بھری نظروں سے تکنا' ان سب سے ہٹ کر انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت کی تھی۔ ایک نئے طور سے جینا سکھایا تھا' اپنے بل بوتے پر جینا' اللہ کے آگے جھکنا اور اسی سے سب کچھ مانگنا تو اس سے نہ صرف بچے پُراعتماد تھے بلکہ رشتے دار بھی خوش دلی سے ان سے ملتے تھے۔ اب عنایہ کو اس مشہور اسکول کی پرنسپل نے خود بلا کر یہ جاب دی تھی' اس کی منہ مانگی سیلری پر۔ عنایہ نے اسی اسکول سے پڑھا تھا' پرنسپل امی کو جانتی تھیں اور امی کی وجہ سے ہی ان کی فیس میں رعایت رکھی گئی تھی' وہ عنایہ کی قابلیت کو اچھی طرح جانتی تھیں اسی لیے اسے گھر سے بلوا کر یہ ملازمت پیش کی تھی جسے اس نے بصد احترام قبول کرلیا تھا۔

❁......❁......❁

"ایکسکیوز می ٹیچر۔" عمر نے اسے پکارا۔

"جی۔" وہ متوجہ ہوئی۔

"ٹیچر یہ سوال سمجھ نہیں آرہا ہے۔"

"اگر پورا چیپٹر یاد کیا ہوتا تو کیوں نہیں سمجھ

آتے۔'' اس کا لہجہ تیکھا ہوا' عمر سے بات کرتے ہوئے بے اختیار اس کا رویہ سخت ہوجاتا تھا۔ یہ لڑکا اسے سچ مچ ڈسٹرب کرتا تھا' بہانے بہانے سے مخاطب کرتا' کلاس میں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہتا اور کیا مجال اس کے تیکھے تیوروں کا اس پر کوئی اثر ہوتا۔ وہ اسی طرح اپنی روش پر قائم تھا' میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا' تقریباً سولہ سال کا' قد تو عنایہ سے بھی لمبا تھا۔ وہ اسے ہر ممکن حد تک اگنور کرتی تھی مگر خوامخواہ مخاطب ہوتا تو بڑے روکھے لہجے میں جواب دیتی۔ اس دن وہ بریک ٹائم میں پرنسپل کے آفس جارہی تھی کہ ستون کے پیچھے کھڑے عمر کی آواز آئی۔

''مجھے ٹیچر عنایہ بہت اچھی لگتی ہیں' بہت زیادہ۔''

''شرم کرو وہ ہماری ٹیچر ہیں۔'' وہ زیان تھا۔

''تو...... ٹیچر کو پسند نہیں کیا جاسکتا؟''

''بالکل کیا جاسکتا ہے مگر بطور ٹیچر ان کا ٹیچنگ اسٹائل پسند آنا چاہیے نہ کہ ان کی پرسنالٹی۔''

''مجھے تو ان کا بولنے کا اسٹائل' ان کے ہنسنے مسکرانے کا اسٹائل' ان کی پرسنالٹی سب کچھ بہت اچھا لگتا ہے۔''

عنایہ کا تو خون کھول کر رہ گیا تھا' دل تو چاہ رہا تھا کہ سامنے آکر طمانچے مار مار کر اس کا منہ لال کردے۔ ایسا بدتمیز لڑکا جسے استاد شاگرد کے رشتے کا کوئی احترام ہی نہیں' لیکن اس نے خود پر قابو پایا اور پرنسپل کی آفس چلی آئی کیونکہ ایسا تماشہ لگانا اپنے اوپر خود کیچڑ اچھالنے والی بات تھی مگر اب اس کا رویہ مزید سخت ہوگیا تھا' انہی دنوں ذونیہ کی شادی کا سلسلہ چل پڑا۔ عنایہ نے پارلر سے فیشل مینی اور پیڈی کیور کروائے اور اچھی سی ڈریسنگ میں اسکول آئی تو سب سے پہلے عمر ہی سامنے آیا تھا۔

''ٹیچر آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' عنایہ کی تیوری پر بل پڑے۔

''یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا' آپ کو تمیز نہیں ٹیچر سے بات کرنے کی۔''

''لیکن میں نے تو صرف آپ کی تعریف کی ہے ٹیچر...... اگر آپ کو برا لگا ہے تو سوری۔'' منہ سے سوری کہنے والے کی آنکھوں یا چہرے سے کسی ندامت کا اظہار نہیں ہورہا تھا۔ عنایہ مزید آگ بگولہ ہوئی۔

''آئندہ مجھ سے اتنا فری ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ مجھ سے بات کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔'' عمر کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

''سوری ٹیچر......'' وہ پاؤں پٹختی ہوئی پرنسپل کے آفس میں آگئی تھی۔

❀......❀......❀

''ٹیچر...... ٹیچر...... عمر سیڑھیوں سے گر گئے' ان کو بہت چوٹیں آئی ہیں' بہت خون بہہ رہا ہے ان کا۔'' ہادیہ بھاگتی ہوئی عنایہ کے پاس آئی اور پھولے ہوئے سانس کے ساتھ اسے بتا کر واپس بھاگ گئی۔

عنایہ گھبرا کر سیڑھیوں کے پاس تیزی سے آئی تھی جہاں لڑکوں نے اسے سنبھالا ہوا تھا' اس کی پیشانی سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ دوسری ٹیچرز اور بچے' بچیاں بھی آ کر ایک جھمگٹا بنا کر کھڑے ہوگئے تھے' عنایہ نے پرس میں سے پیسے نکالے۔

''جلدی سے ایک چھوٹا کاٹن رول' ڈریسنگ کی پٹی اور پائیوڈین لے آؤ۔'' صائم کو دوڑایا اور خود اس کے پاس نیچے بیٹھ گئی۔

''اُف خون تو بہت تیزی سے بہہ رہا ہے۔'' اسے گھبراہٹ ہوئی اتنے میں پرنسپل بھی آ گئیں۔

''ارے ہما...... کوئی کپڑا ہی لا کر اس کے ماتھے پر لپیٹ دو' کچھ تو بلیڈنگ رکے گی' ایسے تو بہت خون ضائع ہوگا۔'' وہ خود گھبرا گئی تھیں۔ ہما بھاگتی ہوئی کلاس میں گئی اور اپنا اسکارف نکال کر لے آئی' عنایہ نے وہ اسکارف زور سے دبا کر اس کی پیشانی کے زخم پر رکھا سسکی سی عمر کے لبوں سے نکلی تھی' اتنے میں صائم جیسے بھاگتا ہوا گیا تھا' ویسے ہی آ گیا۔

''مس یہ لیں پائیوڈین اور کاٹن۔'' مس صبا نے کاٹن رول کھول کر پائیوڈین میں تر کیا اور عنایہ کو دیا۔ عنایہ نے زخم کے اوپر وہ پیڈ رکھ کر تیزی سے پٹی باندھنی شروع کر دی تھی۔ پائیوڈین کی ترشی سے نکلنے والی سسکاری عمر کے ہونٹوں میں ہی دم توڑ گئی' ٹیچر عنایہ اس کے اتنے قریب کہ ان کی خوشبودار سانسیں' اس کی سانسوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ان کے نازک ہاتھ اس کے زخموں پر مرہم رکھ رہے تھے' وہ تو کہیں بادلوں میں اڑنے لگا تھا' ہوا سے ہلکا' ہر درد' ہر احساس سے عاری صرف عنایہ کی خوشبو کے سنگ' وہ کہاں تھا اسے خود علم نہیں تھا۔

''عمر...... عمر بیٹا' آپ صائم اور زیان کے ساتھ بلکہ سر بلال بھی آپ کے ساتھ جاتے ہیں ہسپتال' شاید اسٹیچز آئیں آپ کو' اس کے بعد یہ لوگ آپ کو گھر چھوڑ آئیں گے۔'' پرنسپل کی آواز اسے حواسوں میں لائی تھی' وہ کراہتا ہوا اٹھنے لگا کہ ہارون' صائم اور سر بلال نے سہارا دے کر اسے اٹھایا اور ساتھ ہی باہر لے گئے تھے۔ اس کے ماتھے پر تین ٹانکے آئے تھے اور اسے تیز بخار بھی ہوگیا تھا' پورا ہفتہ وہ اسکول نہیں آ پایا تھا' وہ ہیڈ پرفیکٹ تھا' اس کی کمی سب کو محسوس ہو رہی تھی۔

❀......❀......❀

ایک ہفتے بعد اسکول آیا تو چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور خاصا کمزور بھی محسوس ہو رہا تھا۔ عنایہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھا۔

''اب کیسے ہیں آپ؟''

''آل رائٹ ٹیچر۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا' آنکھوں کی چمک مزید تیز ہوئی تھی' وہ سر ہلا کر بورڈ پر آج کا مضمون لکھنے لگی' بریک ٹائم میں وہ اور صبا سموسے اور چاٹ کھا رہی تھیں کہ عمر ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کاٹن لیے ہوئے آیا۔

''ٹیچر یہ آپ کے لیے میری طرف سے۔'' اس نے مسکرا کر وہ ٹن ٹیبل پر رکھے کہ عنایہ نے آواز دی۔

''عمر آپ انہیں واپس لے جائیں ہمیں ضرورت ہوئی تو ہم خود لے لیں گے' ہمیں ان کی کوئی طلب نہیں آپ یہ واپس لے جائیں۔''

''مگر ٹیچر......'' اس نے کچھ کہنا چاہا مگر عنایہ نے اٹھ کر وہ ٹن اس کے ہاتھ میں پکڑا دیے۔

''جائیں آپ یہاں سے۔'' پہلی بار عمر کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تھا وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر ایک دم تیزی سے باہر چلا گیا۔

''یار کیا ہوگیا اگر وہ لے آیا تھا تو اتنا سخت ہونے کی کیا بات تھی۔''

''پلیز صبا...... مجھے اچھا نہیں لگتا اسٹوڈنٹس سے کچھ بھی لینا' اس طرح یہ فری ہو جاتے ہیں اور پھر ہمارا احترام بھی نہیں کرتے۔'' صبا خاموش ہوگئی' اگرچہ وہ اس سے متفق نہیں تھی۔

❀......❀......❀

میٹرک کے ایگزیم ہوئے' دسویں کلاس کو فیئر ویل پارٹی دی گئی وہ اسکول سے چلے گئے۔ مگر عمر نے نہ کبھی عنایہ سے کوئی بات کی' نہ اس کی طرف دیکھا' بہت لیا دیا سا رہنے لگا تھا حتیٰ کہ اسکول سے پاس آؤٹ ہوکر چلا گیا تو اس دوران عنایہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔

❀......❀......❀

وقت بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ مہینوں یا پھر سالوں اور اس دوران عنایہ نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اس کے پاس فرصت ہی نہیں تھی' نہ ہی ایسے میں اسے کبھی عمر کا خیال آیا کیونکہ اس نے اسے اسٹوڈینٹ کے طور پر ٹریٹ کیا تھا۔ حالات اس کے اندر بھی بہت سی تبدیلی لے آئے تھے۔ عنایہ نے ماسٹر کر کے کالج میں لیکچررشپ کے لیے اپلائی کر دیا' اسے جاب مل گئی۔ کچھ عرصہ بعد اس کا بھائی بجیل بھی ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازم ہوگیا۔ گھر کے حالات بہت بہتر ہوگئے تھے۔ ذونیہ کے دیور نے اپنا اسکول کھول لیا تھا' اس کے شوہر کا اپنا جنرل اسٹور تھا اور چھوٹے عدیل کو وہیں ذونیہ کے شوہر عاشر نے سیلز مین کے طور پر رکھ لیا تھا۔ اس کے اندر پنپتی خواہش کو مزید مہمیز کیا تھا کہ اسے بھی اپنا اسکول کھولنا ہے۔ انہی دنوں اس کے لیے ایک بہت اچھا پرپوزل آیا' جو امی اور بجیل کو بہت پسند آیا تھا' لڑکا بہت اچھی جاب کر رہا تھا۔ گھر' گاڑی سب کچھ تھا' فیملی بھی بہت چھوٹی سی تھی بس دو ہی بھائی تھے' بڑے بھائی اپنی جاب کے سلسلے میں دوسرے شہر اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ یہاں یہ لڑکا اپنی والدہ کے ساتھ رہتا تھا۔ امی نے اس سے رائے لی وہ کیا کہتی۔

''آپ کو جیسے مناسب لگے۔'' امی نہال ہوگئیں' شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

''اب بس تم چھٹیاں لے لو۔'' امی کے کہنے پر وہ

مسکرائی اور چھٹیاں لینے کے بعد صحیح معنوں میں ذونیہ کے ہتھے چڑھی تھی' وہ اسے شاپنگ کے لیے لے جاتی کبھی فیشل کے لیے۔

''آؤ عمر کے لیے شاپنگ کرنے چلیں۔'' ذونیہ کے کہنے پر عنایہ ٹھٹک گئی۔ ایک جھماکا سا ذہن پر ہوا۔ ماضی نظروں کے سامنے آ گیا تھا۔

''عمر......! کون عمر؟''

''ہیں...... تو تمہیں اپنے ہونے والے میاں کا نام بھی معلوم نہیں۔'' ذونیہ تو خود حیران رہ گئی' عنایہ نے کرید کرید کر عمر کے متعلق پوچھا تھا لیکن کچھ سمجھ نہیں آیا۔

''کہو تو آمنا سامنا کروا دوں۔'' ذونیہ نے شرارت سے آنکھ میچی۔

''بدتمیزی نہیں۔'' وہ گڑبڑا کر اٹھ گئی مگر الجھ گئی تھی۔

''آؤ یہ شرٹس دیکھ لیں۔'' ذونیہ مردانہ شرٹس والے کارنر کی طرف اسے لے آئی۔

''اوہ عمر بھائی...... آپ...... کتنا اچھا اتفاق ہے۔'' عمر کے نام پر عنایہ نے چونک کر سامنے دیکھا اور ہر چیز ایک پل کے لیے نظروں کے سامنے گھوم گئی تھی' وہ کتنا ہی بدل جاتا مگر وہ پہچاننے میں غلطی نہیں کرسکتی تھی۔ وہ مزید لمبا ہوگیا تھا' ہلکی سی داڑھی اور مونچھیں بھی رکھی ہوئی تھیں مگر عنایہ نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے پہچان لیا تھا تو وہ اس روپ میں اس کے سامنے آیا تھا۔ سر سے پیر تک نہ دکھائی دینے والی آگ نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

''تو یہ تم ہو......'' وہ پھنکاری۔

''جی میں۔'' وہ ڈٹ کر اس کے سامنے کھڑا ہوگیا' بازو سینے پر لپیٹ لیے۔

''تمہیں اپنی ٹیچر کو پرپوز کرتے ہوئے ذرا سی بھی شرم نہیں آئی۔''

''دیکھیں...... اب تو میں آپ کا اسٹوڈنٹ نہیں ہوں نا' اب میں ایک اچھی پوزیشن پر ہوں اور آپ کو باقاعدہ پرپوز کرنے کے بعد شادی کرنے جارہا ہوں۔ اس میں شرم کی کیا بات۔'' اس نے یوں کندھے اچکائے جیسے عنایہ نے کوئی بچگانہ سی بات کردی ہو' آنکھیں شریر سی چمک سے جگر جگر کررہی تھیں' وہ کھول کر رہ گئی تھی۔

''کیا ہوا عنایہ...... تم غصے میں کیوں ہو؟'' ذونیہ نے پوچھا۔

''تم لوگوں نے مجھ سے پوچھا تو ہوتا یہ تو میرے اسٹوڈنٹ رہ چکے ہیں اور عمر میں بھی مجھ سے چھوٹے ہیں۔'' وہ اسی پر الٹ پڑی' ذونیہ حیرت سے دونوں کو باری باری دیکھنے لگی۔

''میرے لیے تو یہ کوئی ایشو نہیں ہے' عمر میں چھوٹا بڑا ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''تمہیں نہیں پڑتا ہوگا' مجھے پڑتا ہے۔'' بڑی مشکل سے ذونیہ اسے گھر لائی تھی' اس نے اس شادی سے انکار کردیا تھا۔ سب سکتے میں رہ گئے' ساری تیاریاں ہوچکی تھیں' کارڈ بٹ گئے تھے اور اب یہ نیا مسئلہ پھر جس طرح اسے واسطے دے کر منایا گیا' یہ تو ذونیہ اور امی ہی جانتے تھے۔

ساتھ ہی بجیل کی شادی بھی ماموں زاد کزن سے ہوگئی تھی' ظاہر ہے امی بالکل اکیلی ہوجاتیں' شادی کے بعد بھی وہ عمر سے اکھڑی اکھڑی رہتی تھی مگر وہ بہت خوش تھا اور اس کا ہر طرح سے خیال رکھتا تھا۔

کالج کی جاب اس نے چھوڑ دی تھی' پہلے خدیجہ پیدا ہوئی پھر ولید اور زرید۔ تقریباً پانچ سال تو اسے کسی بات کا کوئی ہوش نہیں تھا پھر عمر کی امی کا بھی انتقال ہوگیا تو ہر طرح کی ذمہ داریوں میں الجھ کر وہ اپنی پرانی خواہش بھی بھول چکی تھی کہ عامر نے اسے پھر سے اپنے اسکول میں جاب کی آفر کی۔

''نہیں میں اپنا اسکول کھولوں گی۔'' اس نے عمر سے اپنی خواہش ظاہر کی اور اس نے گھر کا اوپر والا

غزل

یہ دل یہ پاگل دل میرا کیوں بجھ گیا آوارگی
اس دشت میں اک شہر تھا وہ کیا ہوا آوارگی
کل شب مجھے بے شکل سی آواز نے چونکا دیا
میں نے کہا تو کون ہے اس نے کہا آوارگی

اک تو کہ صدیوں سے مرے ہم راہ بھی ہم راز بھی
اک میں کے تیرے نام سے ناآشنا آوارگی
یہ دشت کی تنہائیاں یہ دشت کا ویراں سفر
ہم لوگ تو اکتا گئے اپنی سنا آوارگی

اک اجنبی جھونکے نے جب پوچھا میرے غم کا سبب
صحرا کی تپتی ریت پر میں نے لکھا آوارگی
لے اب تو دشت شب کی ساری وسعتیں سونے لگیں
اب جاگنا ہوگا ہمیں کب تک بتا آوارگی

کل رات تنہا چاند کو دیکھا تھا میں نے خواب میں
محسن مجھے راس آئے گی شاید سدا آوارگی

ثمرین قیوم......مرالہ کھاریاں

پورشن باقاعدہ اسکول کی طرز پر بنوایا اور عنایہ نے وہاں اپنا اسکول کھول لیا جو اس کی توقع سے زیادہ کامیاب ہوا تھا۔ وہ اب بہت خوش تھی، بہت زیادہ۔

''میرا خیال ہے اب مجھ غریب کی خطا بھی معاف ہوگئی ہوگی۔'' اس شام عمر نے اس کا خوشگوار موڈ دیکھ کر چھیڑا، وہ مسکرائی۔

''تم نے سب کچھ غلط کیا تھا، استاد اور شاگرد کے رشتے کا جو احترام تھا اسے تم نے پامال کردیا۔''

''پہلے جب میں تمہارا شاگرد تھا تو چھوٹا تھا، اتنی سمجھ نہیں تھی مگر تم نے اتنی بری طرح دل توڑا کہ سب سمجھ آگئی بہرحال میں نے اس تقدس کو نقصان نہیں پہنچایا، کچھ بن جانے کے بعد پرپوزل بھجوایا اور تمہارے گھر والوں نے قبول کرلیا۔ تم میری محبت، میرا عشق تھیں، میرا حق تھا کہ میں تمہیں حاصل کرتا۔ اب ملنا یا نہ ملنا تو نصیب کی بات تھی اور دیکھ لو سچی لگن تھی تو تم میرا نصیب بھی بن گئیں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے دلکشی سے مسکرایا تو وہ بھی دل سے مسکرادی تھی۔

واقعی ان دونوں کا ملن تو لکھا جاچکا تھا اس کے نہ چاہنے کے باوجود ہوکر رہا۔ اب تو وہ ویسے بھی بہت مطمئن تھی، ہردم پاک پروردگار کی احسان مند، جس نے تھوڑی سی مشکل کے بعد آگے بہت آسانیاں عطا کی تھیں۔

رات کا عمیق اندھیرا روشنیوں کو نگلنے کے درپے تھا مگر فطری قمقموں یعنی چاند' ستاروں اور برقی قمقموں نے شہر کے بیچوں بیچ بنے اس پارک کو روشنی کے ہالے میں مقید کر رکھا تھا۔ تقریباً رات کے دس بجے ایک ٹیکسی پارک کے آہنی دروازے کے سامنے آ کر رکی۔ ٹیکسی ڈرائیور کی پیشانی پر دن بھر کی تھکاوٹ مانند افشاں بکھری ہوئی تھی مگر طمانیت آنکھوں کے سرخ ڈوروں میں ہلکورے لے رہی تھی' شاید اس کا سبب یہ تھا کہ وہ پیسے اور پیٹ بھرنے کے لیے کوئی سواری لے کر پارک میں نہیں آیا تھا بلکہ اپنی جوان ہوتی دو بیٹیوں اور نصفِ بہتر کے ساتھ دن بھر کی تھکن اتارنے آیا تھا۔ رات کے اس پہر یہاں آنے کا مقصد شاید یہ بھی تھا کہ اس وقت داخلی دروازے پر چوکیدار صرف چوکیداری کرتا تھا اور آنے والوں کو ٹکٹ نہیں بیچتا تھا۔ لاابالی مگر حساس ماہین نے دھیرے دھیرے چلتے ہوئے داخلی سیڑھیاں عبور کیں اور نرم نرم گھاس پر اپنے پیر رکھ دیئے اس کے عقب میں بڑی بہن شاہین اور اس کی روز بروز کمزور پڑتی ماں دھیرے دھیرے باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ عبدالرشید نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی اور ان کے پاس آ گیا۔ پندرہ سالہ ماہین کے پیچھے چلتے چلتے وہ پارک کے نسبتاً سنسان گوشے میں آ گئے جہاں جھولے لگے ہوئے تھے۔ گھاس پر بیٹھ کر عبدالرشید انہیں دن بھر کی سواریوں کے قصے سناتا رہا۔ کسی برقعے والی کا قصہ جو عبدالرشید کو ڈر کے مارے گھورے جا رہی تھی۔ اس کی گھبراہٹ اس کے پہلی دفعہ تنہا ٹیکسی میں بیٹھنے کی چغلی کھا رہی تھی۔ ان بڑے میاں کا قصہ جنہیں بات سننے کے لیے کان کے آلے کی اشد ضرورت تھی مگر وہ اسے جیب میں رکھنا زیادہ مناسب سمجھتے تھے اور نتیجتاً دو جمع دو کا جواب آٹھ دیتے تھے۔

''ابا وہ سامنے سے پانچ روپے والی آئسکریم تو لا دو۔'' شاہین نے باپ سے خواہش کا اظہار کیا۔ آہ...... غریب بچوں کی غریب سی خواہش۔ حساس بیٹیوں کے نازک جذبات اور ہاں احساس کرنے والے دردمند دل۔ عبدالرشید مسکرایا اور اُٹھ کر چل دیا۔ پارک سے باہر جہاں اونچی اونچی دکانوں کے ساتھ کون آئس کریم والے کا کھوکھا نما ڈربہ ٹائپ ٹھکانہ تھا۔ عبدالرشید کے جاتے ہی ایک گیارہ بارہ سالہ بچہ ان کے پاس آ گیا۔ اس سردی کے موسم میں جب تن ڈھکنا اور ڈھانپنا کپڑوں کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ جسم کو ٹھٹھرنے سے باز رکھنا اور گرم رکھنا اصل مقصد ہوتا ہے۔ اسی سردی کے موسم میں وہ معصوم ننگے پیر تھا اس کے پاؤں میں جوتی نہیں تھی۔ کالے کھردرے پاؤں اس کی شفاف آنکھوں سے ذرا میل نہیں کھاتے تھے۔ شلوار قمیص میں ملبوس اس بچے کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا اور ہاتھوں میں چند باسی نمکو کے پیکٹس چھوٹے چھوٹے ان لفافوں کو موم سے بنایا گیا تھا۔ اور پھر شعلوں سے بند کیا گیا تھا۔ یعنی جدید حفظانِ صحت کے اصولوں سے واضح انحراف۔ قمیص پر بھی پیوند لگے ہوئے تھے۔ خاکستری رنگ کی قمیص اب قریب قریب کالی ہو چکی تھی۔ گردن پر میل کے نشان تھے ایسا گہرا میل جو شاید مانجھنے سے بھی نہ اترے۔ ہاتھوں پر پڑی کھردری لکیریں دور سے اس قدر واضح تھی کہ دیکھنے سے بھی وحشت ہوتی تھی۔ پپڑی جمے ہونٹ اسی لمحے ملے تھے جب ماہین اس کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھی۔

''باجی جی لے لو پانچ روپے کا ایک پیکٹ ہے باجی لے لو۔'' گڑگڑاہٹ اور التجا سے ماہین کا دل پسیجا تھا مگر ماں کا تنبیہہ کرتا لہجہ گونج اٹھا۔

''ہمیں نہیں چاہیے۔''

''پانچ روپے میں دو لے لو باجی' تم دو لے لو دیکھو آج صبح سے ایک بھی پیکٹ نہیں بیچ سکا۔ میرے پیروں کو دیکھو سردی سے یخ ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ تمہارے پانچ روپے سے کوئی سستا سا جرابوں کا جوڑا لے لوں گا۔ جوتی تو پانچ روپے میں آ نہیں سکتی۔'' اس نے شاید اپنا

ہی تمسخر اڑایا تھا۔

"سنو تمہارا نام کیا ہے؟" شاہین نے پوچھا۔

"نام..... باجی نام کیا ہوتا ہے؟ باجی تم ہی لے لو ایک پیکٹ لے لو۔" وہ شاید آگہی کی پست ترین سطح سے بھی نچلی زندگی بسر کررہا تھا ابھی شناخت سے ناواقف تھا۔

"تمہیں گھر والے کیا کہہ کر پکارتے ہیں؟" اب کے ماہین نے سوال کیا۔

"باجی گلو۔" وہ شرمندہ سا ہوگیا شاید اپنی کم فہمی کا ادراک ہوگیا تھا اسے۔

"چلو بھاگو یہاں سے، ہمیں معاف کرو کہہ جو دیا نہیں چاہیے سمجھ نہیں آتا' کون سی زبان سمجھتے ہو۔" اپنی بیٹیوں کی بڑھتی ہمدردی دیکھ کر کفایت شعار ماں کو اسے بھگانا ہی پڑا۔ عبدالرشید تب تک کون آئسکریم لاچکا تھا۔ بیٹیوں کے منہ پھولے ہوئے تھے۔ باپ کے آتے ہی سارا قصہ حرف با حرف سنا دیا۔ عبدالرشید باہر نکلنے والا انسان تھا اور اس کی بیٹیاں صرف اپنے تین مرلے کے مکان سے مانوس تھی۔ تجربہ اور عمر انسان کو وہ کچھ سکھا' پڑھا اور سمجھا دیتا ہے جو درس گاہیں لاکھ کوشش کے باوجود دماغ میں نہیں انڈیل سکتیں۔ عبدالرشید وہاں سے اٹھا پارک میں تاحال موجود اس بچے کو تھاما اور بیٹیوں کے پاس لے آیا۔ بیٹیاں خوش ہوگئی کہ شاید ننھے لڑکے کے پاؤں میں سردی لگنا کم ہوجائے گی اور ان کی ماں تھوڑی سی خفا کہ یہ تو صرف پیسوں کا ضیاع ہے۔

"ہاں بھئی تمہارے پاس جوتے نہیں ہیں؟" عبدالرشید نے اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔

"نہیں جی اس نگوڑی سردی کا تو کوئی علاج نہیں ہے میرے پاس نہ ایندھن نہ کپڑا نہ رضائی نہ کمبل نہ جوتے نہ سویٹر۔" اب کے بچے کی آواز میں سرسراہٹ و کپکپاہٹ تھی۔ وہ اس بازو کو کسمسا رہا تھا جس میں وہ کالا سا بیگ تھام رکھا تھا۔ عبدالرشید نے آناً فاناً اس سے وہ بیگ جھپٹ لیا اور زپ کھول دی۔ وہاں پر بیٹھے تین نفوس کی آنکھوں میں حیرانی اور ملامت تھی جبکہ جھوٹ کا احساس آنسو بن کر بچے کے گالوں پر بہہ رہا تھا اور عبدالرشید کی آنکھوں میں اطمینان تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔

جوتوں کے چار' پانچ جوڑے ان سب کا منہ چڑا رہے تھے دو بدرنگ جرابوں کے جوڑے بھی اپنی حالت زار پر شرمسار تھے جبکہ نمکو بکھری ہوئی پڑی تھی ان جوتیوں کے جوڑوں کے نیچے۔ ماہین اور شاہین حیران تھیں کوئی اتنا جھوٹا بھی ہوسکتا ہے؟ وہ جو یہاں اس معصوم آنکھوں والے بچے کے پیچھے اپنی ماں سے ناراض ہوئے بیٹھی تھیں اس بچے کا چہرہ کتنا مکروہ تھا۔ جھوٹ اور منافقت کی دلدل' وہ دنیا کا حصہ اور منجھا ہوا کھلاڑی تھا۔ شناخت بتانے کی آگہی نہ تھی مگر مکر وفریب کے کتنے گہرے جالے بن لیتا تھا۔ صرف پیسے کمانے کے لیے اس نے اپنے پاؤں کو سردی میں اکڑنے دیا؟ وہ اس کی سن ہوتی پیروں کی نمایاں رگیں جنہیں دیکھ کر رحم بجلی کے کوندے کی مانند لپک پڑتا ہے وہ رگیں مصنوعی تھیں۔ وہ چاند نہیں تھا اندھیرا تھا۔ گلو سے ان معصوم انسانوں کو گلہ ہوچکا تھا۔ گلو بھی چہرہ پڑھنے کی صلاحیت رکھتا تھا وہ بے چارا ریت کی طرح پھسل گیا مصنوعی قلعے کی مانند ڈھے گیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ پپڑی جمے ہونٹوں کو آنسو تر کرچکے تھے مگر تشنگی تاحال۔ اس نے لب کھولے انسان تو انسان لگتا تھا کہ ماحول پر بھی سوگواریت چھاگئی ہے۔

"گل شیر نام تھا میرا اماں شیر کہہ کر پکارتی تھی۔ مائیں کہاں جانتی ہیں کہ جن کے نام وہ شیر' عظمت' بلند رکھتی ہیں انہیں دنیا کتنی پستی میں گرا دیتی ہے۔ بلوچستان کے بہت بڑے وڈیرے کے گاؤں میں رہتا تھا اپنے بڑے بھائی کے ساتھ۔ ماں باپ کہنے کو تو ساتھ تھے مگر وڈیرے کے غلام اور وڈیرے کے نوکر چاکر تو کتنی دیر آزاد رہ سکتے تھے۔ کتنی دیر اپنی زندگی گزار سکتے تھے۔ میرے باپ نے ایک دن ایک بہت بڑی غلطی کردی وڈیرے کے پالتو کتے کو باسی ہڈیاں ڈال دیں گناہ عظیم کردیا (تمسخرانہ ہنسی) نتیجہ جانتے ہو کیا ہوا۔ اسی روز چند لمحوں بعد میرا بڑا بھائی اس کتے کا نوالہ بنا دیا گیا۔ ماں بن چادر کے روتی تڑپتی رہی۔ نو ماہ اس کی کوکھ میں پلنے والا بچہ ایک جنگلی کتے کا لقمہ بنا دیا

گیا تھا۔ حادثہ ایسا تھا کہ ماں ہوش وحواس سے بیگانی ہوگئی۔ کتے کو دلار کرنے لگی کہ یہ میرا بچہ ہے اس کے جسم میں میرے بچے کا خون ہے۔ باپ کے ضعیف ہاتھوں میں دوڑتی نسیں اسی لمحے بند ہوگئیں۔ ایک دن باپ کی قبر پر سر پھوڑتی ماں بھی چل بسی۔ مجھے عزیزوں نے اٹھایا اور حادثوں کا شکار بنادیا۔ ماں کے ممیرے یا چچیرے رشتہ دار تھے مگر میرے لیے سوتیلوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے۔ مجھے فروخت درفروخت کیا گیا۔ سانحہ درسانحہ میرے بدن نے برتا۔ نجانے وہ میرا تیسرا مالک تھا یا دوسرا جس نے یہ حال کیا (وہ اپنے پیٹ سے قمیص ہٹا چکا تھا) اس کے پیٹ پر پڑے سگریٹ سے جلنے کے نشان انسانیت کا ماتم کررہے تھے۔ ہاں ایک وہ بھی تھا جو دن اور صبح کا کھانا دیتا تھا مگر اس لیے کہ رات کو میں خود اس کی خوراک بنتا تھا۔ کسی نے ہاتھ پاؤں توڑ کر مروڑ کر قیمہ میں ایسے گھسا دیئے جیسے میں معذور ہوں اور سڑک پر بھیک مانگنے کے لیے کھڑا کردیا۔ کسی نے دنوں فاقوں میں رکھا۔ یہ جو میری گردن پر میل کے نشان ہیں یہ میل نہیں ہے یہ وہ گرم جلتا ہوا لوہا ہے جو میری گردن پر تب رکھا گیا جب میں نے فلاحی ادارے میں پناہ لینے کی سوچی (معصوم آنکھوں والا لڑکا اب عالم نظر آرہا تھا) یہ میری بدنصیبی کی کہانی نہیں ہے یہ شروعات ہے اختتام تک پہنچوں تو شاید لفظ لہورنگ ہوجائیں۔ میرا مالک ویسے تو اللہ ہے مگر اب کی بار جو مالک بنا ہے وہ فجر سے لے کر سورج طلوع ہونے تک دوڑ لگواتا ہے تاکہ میں تھکا ہوا لگوں پھر صبح ہوتے ہی مجھے سفید پاؤڈر چٹا کر اپنے ساتھ ہاتھ تھام کرلے جاتا ہے بھیک مانگنے۔ وہ اندھا بنتا ہے اور میں ہاتھ پھیلاتا ہوں۔ کسی کو میری آنکھوں کے سرخ ڈوروں پر رحم آجاتا ہے کوئی پسینہ پسینہ ہوئی پیشانی پر نگاہِ کرم ڈالتا ہے۔ دو چار سکے لے کر اس کے پاس واپس آتا ہوں تو وہ اپنی چھڑی میری ان آنکھوں پہ مارتا ہے کیل لگی چھڑی (اس نے درد سے آنکھیں میچ لیں) میں نیچے گرجاتا ہوں منہ کے سامنے دو نہیں تو کم از کم ایک سکہ مزید گرجاتا ہے۔ دوپہر تک یہ ڈرامہ چلتا ہے پھر کسی شادی ہال کے باہر جاکر کھانا مانگنے والوں کی قطار میں لگنا پڑتا ہے۔ روٹی کتوں کی طرح گھسیٹ کرمیں لاتا ہوں کھاتا وہ ہے ہاں کبھی دوچار نوالے اُل جاتے ہیں۔ شام کو بوجھ ڈھوتا ہوں۔ کارخانوں کا فرنیچر اتنی بڑی ریڑھیوں پر لادا ہوتا ہے اور میں گدھا اسے گھسیٹ رہا ہوتا ہوں۔ کبھی کیا کبھی کیا' کام یا بیگار۔ مشقت یا مصیبت۔ آفت یا محنت۔ جو بھی نام دیں میں وہی کررہا ہوتا ہوں آپ کے نزدیک مشقت اور میرے لیے قیامت' رات بھر یہ ڈیوٹی دینی ہوتی ہے اس نمکو کو بیچنے کی۔ اپنے ننگے پاؤں کا رونا رونے کی۔ کچھ تو ایسے اللہ والے ملتے ہیں جو اپنے جوتے اتار کر دے دیتے ہیں یہ انہی محسنوں کی دین ہے (اس نے بیگ کی طرف اشارہ کیا) اور کچھ ایسے بھی ملتے ہیں جو جوتا اتار کر منہ پر مارتے ہیں اور پھر دوبارہ اپنے پیر میں ڈال لیتے ہیں۔ اب آپ خود بتائیں میں کیا کروں میں کہاں جاؤں۔ مجھے دنیا سے جو مل رہا ہے میں دنیا کو وہی تو دے رہا ہوں میں اور کیا کرسکتا ہوں۔ ایسا نہ کروں تو زندگی چھین لے گا وہ ظالم۔" (وہ رویا' سسکا' تڑپ ہی تو گیا)۔

عبدالرشید اٹھا جیب سے دس دس کے تین نوٹ نکالے اور اٹھ کے چل دیا نوٹ پھینک کر۔ پیچھے پیچھے باقی تین ساکت نفوس بھی روتی بھیگی آنکھوں کے ہمراہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ گل شیر ماں کا شیر دنیا کا گلو روتا رہا۔ نجانے کب تک آئینہ دیکھتا رہا اور لہولہان ہوتا رہا۔ پارک کی نسبتاً پُرسکون جگہ پر ایک معصوم انسان نجانے کب تک انسان ہوکر بھی انسانیت کا ماتم کرتا رہا۔ وہ روتا رہا۔

❁

پانی والا بابا

مزنہ سید

"پانی والے بابا۔" منہ میں رکھے پان کی زوردار پچکاری مارتے ہوئے بس ڈرائیور نے آواز لگائی تو سڑک کے بیچ کھڑے پینٹ شرٹ پہنے انتہائی عمر رسیدہ شخص نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔

"ذرا پانی تو پلانا۔" وہ بولا۔

"یہ لو جی۔" اس نے گلاس ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا۔

"ارے واہ..... کیا ٹھنڈا پانی ہے۔" ڈرائیور ٹھنڈا یخ پانی کا گلاس منہ سے لگائے پیاس مٹانے کی کوشش کرنے لگا۔

"یہ لو۔" اس نے پانچ روپے کا سکہ پانی والے بابا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جو اس تپتی ہوئی دھوپ میں بیچ سڑک پر کھڑے لوگوں کو پانی پلا رہے تھے جیسے خود گرمی جذب کرکے دوسروں کو ٹھنڈک دے رہے ہوں۔ ان کے چہرے پر نمایاں واضح اور گہری جھریاں ان کی طویل عمر کی نشاندہی کررہی تھیں۔ اپنی عمر کا بہت وقت شاید وہ کاٹ چکے ہیں یا گزار چکے ہیں۔ اس کڑی دھوپ میں کھڑے یہ بابا جس کی تپش سے ہم تو جوان بھی پناہ مانگنے لگتے ہیں کام کرنا مجبوری تو ہوسکتی ہے لیکن خواہش نہیں۔ جو انہیں اس بڑھاپے میں کام کرنے پر مجبور کررہی ہے جس میں لوگ ریٹائرڈ ہوتے ہیں کہ چلو اب آرام کے دن شروع ہوئے۔ کیا ان کی اولاد نکمی ہے یا یہ مہنگائی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ایک گھر میں چار کمانے والوں کی کمائی بھی کم پڑجاتی ہے' کیا وہ اس بات کا احساس کر رہے ہیں جن کے ہاتھوں میں اس مملکت کی باگ ڈور ہے وہ اپنے بند کمروں اور ایوانوں تک محدود ہیں۔ اے سی کے مزے لوٹ رہے ہیں' جو کبھی بھی چند گھنٹے بھی اس آگ برساتی گرمی میں اے سی کے بغیر گزارنا پسند نہ کریں۔ انہیں یہ بے بس، لاچار اور مجبور لوگ نظر نہیں آتے جو اس بڑھاپے میں بھی عزت سے کمانا بہتر سمجھتے ہیں' بجز اس کے کہ ہاتھ پھیلائیں آخر ایسی کیا مجبوری ہوسکتی ہے یہ جاننے کی خواہش مجھے ان تک لے آئی۔

"کیا بتاؤں بیٹا' بہت مہنگائی ہوگئی ہے اب گھر ایسے تھوڑی چلتے ہیں کہ ایک کمانے والا اور دس کھانے والے ہوتے تھے اب تو دس کمائیں گے تو کھائیں گے۔" وہ مسکرا کر بولے۔

ان کی بات میں بڑی گہرائی تھی کہ چند لمحے تو میں سوچ میں پڑ گئی کہ اب کیا بات کروں۔

"لیکن پھر بھی کوئی تو ہوگا بیٹا یا بیٹی جو آپ کا بوجھ اٹھا سکے۔"

"ارے بچی' پڑھایا تھا ایک بیٹے کو بڑے شوق سے یہ سوچ کر کہ شاید ہمارے بھی دن پھر جائیں گے لیکن کچھ نہیں ہوا۔ بی کام کیا اس نے بہت نوکری ڈھونڈی نہیں ملی تو بیچارے کو میں نے کال سینٹر میں لگوا دیا۔ اب بس چار ہزار کما لیتا ہے۔"

"کوئی ٹیوشن بھی تو پڑھا سکتا تھا۔"

"نہیں بچی کچے کے علاقے میں کون ٹیوشن پڑھنے آئے گا۔ وہاں لوگ دو وقت کی روٹی کھالیں بڑی بات ہے پڑھے گا کون۔" ان کی باتوں نے میرے سوال ختم کردیے۔ ان سیاست کے علمبردار حکمرانوں سے کوئی پوچھے تو کہ یہ بے تحاشہ مہنگائی اور بے روزگاری کا بوجھ بھی ان کی بنائی ہوئی سڑکیں اٹھائیں گی یا ان گنت قسم کی ان کی امیدوں بھری تقاریر جو نہ کسی غریب کا پیٹ پال سکتی ہیں نہ انہیں نوکری دلوا سکتی ہیں لیکن ان کے ناتواں کندھے ضرور اس بوجھ سے عاجز آگئے ہیں۔

یہ سڑکوں پر سسکتی ہوئی زندگیاں انھیں نظر نہیں آتیں' جو روز شب کے گزرنے کا اور صبح کے روشن ہونے کی منتظر ہوتی ہیں' جو اپنی زندگی کے اسی سال تک محنت مشقت کرنے کے باوجود اس بڑھاپے میں بھی اپنے گھر کا کفیل ہے۔ اپنی اولاد کو پڑھانا اس کی ذمہ داری تھی لیکن اس کی اولاد کو نوکری دینا اس ریاست کی ذمہ داری ہے۔ مہنگائی کو قابو کرکے سستی اشیاء مہیا کرنا بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ کاش اب اس ملک کے حکمران ایک دوسرے کے بجائے عوام کا بھی سوچیں کہ یہ حکمران عوام کے تابع ہیں عوام ان کے نہیں۔

بچھڑا کچھ ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

مصنفہ و کالم نگار محترمہ رفعت خان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، جو اردو ادب کی ترقی میں اپنا حصہ شامل کرتے ہوئے انتھک محنت کر رہی تھیں۔ میگزین ''قلم کی روشنی'' ان کی اردو ادب سے محبت کا بہترین نمونہ ہے۔ رفعت نے کافی تعداد میں کالم اور تحاریر لکھیں۔ مگر بہت سے خوشنما خواب آنکھوں میں سجائے ہمیشہ ابدی نیند سو گئیں۔ موت وہ تلخ حقیقت ہے جس سے کبھی نظر نہیں چرائی جا سکتیں۔ آج وہ ہم میں نہیں لیکن اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ دعا ہے اللہ رب العزت، بہن رفعت خان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور ان کی والدہ محترمہ اور ان کے تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

نزہت جبیں ضیاء

سمجھ نہیں آتا کہ اس پر خلوص بہادر اور محبت کرنے والی لڑکی کے لیئے کیا کہوں جو مجھ سے بات کر کے بچوں کی طرح خوش ہوتی تھی اللہ پاک اس کے درجات بلند کرے آمین۔

رابعہ عمران چوہدری

رفعت تم سن رہی تھیں میری سسکیاں۔ جو تم کو کھونے کے بعد بہت دن میرے اندر بین کرتی رہیں۔ تم میرے شہر میں مجھ سے ملنے بھی آئی تھیں۔ مگر قسمت میں ہی نہیں تھا کیا خبر تھی کے یوں ملے بنا ہی چلی جاؤ گی۔ یہی دکھ نہیں بھرتا۔ رفعت کیا کیا لکھوں۔ اور کیسے لکھوں۔ بہت اسرار کرتی تھی وہ رابی لکھو۔ میں اپنی مصروفیات گنوا دیتی اس میں اللہ نے بہت حوصلہ اور صبر بھرا ہوا تھا۔ بہت باہمت تھی وہ انسان کم فرشتوں جیسی تھی ہر دکھ سکھ میں خیریت دریافت کرنا۔ فون پہ گھنٹوں لکھنے لکھانے کے بارے میں ڈسکس کرنا قلم کی روشنی کے بارے میں اس کے ارادے بہت مظبوط تھے وہ صرف سوچتی نہیں تھی وہ کر گزرتی تھی۔ اس نے سوچا اور کر دکھایا وہ پر عزم تھی اور کچھ کر دکھانے والوں میں سے تھی۔ بہت سے دشمنوں کا سامنا رہا مگر

اس کی اعلیٰ ظرفی سے وہ بھی اس کے گرویدہ ہو گئے اللہ پاک ہماری دوست بہن کو جنت میں جگہ دے آمین۔

ہالہ نور

رفعت خان، بلندیوں کی مسافر اپنے نام کی طرح بلند اخلاق، بلند سوچ بلند جذبوں بلندی پر چلی جانے والی رفعت خان جن کے وصال کی خبر ملی تو کتنی دیر مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ وقت مجھ سے کیا چھین کر لے گیا ان کی آواز اب تک میرے کانوں میں گونجتی ہے ان کے الفاظ مجھے یاد آتے ہیں تو مشکلات میں حوصلہ ملتا ہے ان کی تحریر ان کی ہمت ان کا اخلاق قابل تعریف بھی ہے قابل عمل بھی میری پیاری رفعت خان۔

عرشیہ ہاشمی

رفعت آپی سے میری کبھی کال پر بات نہیں ہوئی لیکن فیس بک پر کئی بار بات ہوئی ان کی شخصیت میں ایک فرینڈلی سی لڑکی چھپی تھی میں نے جتنی بار بھی ان سے بات کی مجھے بہت اچھا لگا جیسے نزہت آنٹی فہمیدہ غوری آنٹی بہت شفقت سے اور ایک دوست کی طرح بات کرتی ہیں ویسے ہی نہ ایج ڈفرنس درمیان آتا اور نہ ہی سینیارٹی رفعت آپی نے رائیٹنگ میں ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی وہ بہت مضبوط، باہمت اور بلند حوصلہ رکھتی تھیں۔ ''قلم کی روشنی'' کے حوالے سے انہیں بہت امیدیں تھیں انہوں نے ایک بیج بویا پودا بنا تو اس کی پرورش کی جب اس کے پھلنے پھولنے کا وقت آیا تو ان کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ میں رفعت آپی سے کہنا چاہتی ہوں کہ آپ بہت اچھی ہیں میرے جیسے بہت سے اور لوگوں کے لئے آپ مشعل راہ کی طرح ہیں کہنا تو بہت کچھ ہے لیکن سننے والے کان نہیں رہے دیکھنے والی آنکھیں نہیں رہیں۔ اللہ پاک آپ کی لحد کو جنت کے باغات میں سے ایک باغ کی طرح بنا دے، آمین

کبریٰ نوید

رفعت جی سے میری رفاقت گو کہ زیادہ پرانی نہیں رہی قلم کی روشنی ڈائجسٹ کی وجہ سے اکثر سلام دعا ہوئی جب بھی ان سے ڈائجسٹ سے متعلق کبھی معلومات لی انہوں نے یہ ہی کہا آپ کچھ بھی لکھ کے بھیج دوا کثر گروپ میں لگائی جانے والی ایڈیٹنگ پوسٹس مجھے ان باکس کرتی تھیں دکھ ہے ان کی حیات میں میں رسالہ قلم کی روشنی کے لیے کچھ نہ لکھ سکی اتنا گہرا تعلق نا ہونے کے باوجود وہ ایک بھی نہ پر ہونے والا خلا چھوڑ گئیں۔

سدرہ اسلم وڑائچ

میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کچھ کہنے کو رفعت آپی آپ بہت جلدی چھوڑ کر چلی گئیں اللہ پاک آپ کو کروٹ کروٹ سکون عطا کرے اور آپ کے درجات بلند فرمائے ثم آمین۔

عروشمہ خان

میں جب سے فیس بک پہ آئی اور ان کے رسالہ کے فیس بک گروپ میں ممبر تھی میں ان کی فین تھی جب انہوں نے مجھے میسج کر کے سیرت نبی مقابلہ کے عنوان سے ڈی پی دی تو میں بہت خوش تھی اور میری ان کی بات چیت کا آغاز ہوا وہ بہت ہی نفیس اور بہادر تھیں پھر جب میں قلم کی روشنی گروپ کی ایڈمن بنی ان کی میری روز ہی بات ہوتی آخری بار جب بات ہوئی انہوں نے کہا طبیعت ٹھیک نہیں آپ دعا کرنا میں نے کہا بس میری دعا آپ کے ساتھ ہے رفعت خان میں اب بھی آپ کے لیے بہت دعا کرتی ہوں اچھی لڑکی اللہ پاک آپ کو جنت فردوس میں اعلیٰ مقام دے اور آپ کی قبر کو نور سے بھر دے آمین ثم آمین۔

طیبہ عنصر

رفعت مرحومہ کے لیے لکھنا میرے خیال میں اب بہت مشکل کام لگ رہا ہے مجھے، اس پیاری بہن کی زندگی میں بہت شگفتہ انداز ہوتا یا میں بھی جملوں کی ترتیب کسی خوب صورت پیرائے میں ڈھال دیتی، کچھ پھولوں تتلیوں کے رنگ چن لیتی اس کی باتوں رنگ بتانے کے لیے، کچھ فرشتوں کی مثال دیتی اس کے خلوص پہ نثار کرنے کے لیے، بہت ہی متوازن شخصیت کی مالک رفعت جو نہ تو میری ذاتی زندگی کی کرید میں پڑی نہ میں نے کبھی اس کو مشکل میں ڈالا کہ تم کیسی نظر آتی ہو، وہ لڑکی جس کی آواز پہ بھی میں نے کبھی تبصرہ نہیں کیا کہ ہم ایک دوسرے کے خلوص میں کسی اور بات پہ دھیان ہی نہیں دے پائے اور مجھے اس کی تکلیف بغیر کہے محسوس ہو جاتی تھی خاص طور پر ان دنوں جب وہ کچھ لوگوں کی وجہ سے بہت پریشان تھی بقول شاعر۔

زندہ ہوں تو جینے کی سزا دیتی ہے دنیا
مر جائیں تو بڑھ جاتی ہے انسان کی قیمت

اور مجھ سے کیا ہو سکتا تھا، سوائے اس کا حوصلہ بڑھانے کے، اس کا دردمند دل میری پوسٹ پر یہ دیکھ کر تڑپ گیا کہ میں زیادہ بیمار ہوں اس کے بعد وہ میرے لیے ایک فکر کرنے والی بیٹی بن گئی، دوا لے لی آپی؟ یہ سوال ہر رات کرنے والی آواز نہیں کھوگئی اور میں جو دوا لینا بھول بھی جاتی تو اس کی وجہ سے لینے لگی، وہ بہت اچھی کالم نویس تھی اور بہت دردمند دل رکھتی تھی اس کی ہر کاوش سب کے سامنے ہے، بس اور لکھا نہیں جائے گا اتنا کہوں گی کہ وہ اب جس جگہ ہوگی وہ یقیناً جنت ہی ہوگی کہ وہ اسی قابل تھی کبھی بھی میں نے اس کو جلتے نہیں دیکھا کسی کا دل دکھاتے نہیں دیکھا بس اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں بھی، آمین۔ میں اب بھی اس کی آئی ڈی اور میسنجر چیک کرتی ہوں، اس کے میسج میں نیا سمجھ کر پڑھتی ہوں اور اس کے دیے ہوئے مشورے پہ عمل کرتی ہوں، آہ رفعت۔

کنول خان

ایک تیرے چلے جانے سے
یہ زندگی اداس بہت ہے
کیا لکھوں کیا بولوں کچھ سمجھ نہیں آتا
آنسوؤں کے سوا کوئی سہارا نظر نہیں آتا

سمجھ ہی نہیں آتا کیا لکھوں رفعت کے لیے، یقین اب تک نہیں کہ وہ اب ہم میں نہیں بس آنسو ہیں یادیں رہ گئیں بس، قلم کو روشنی دیتے دیتے خود وہ ہم سے بہت دور چلی گئی اللہ پاک ہماری بہن کے درجات بلند کریں آمین۔

ناہید کپور

میں آپ سے کبھی نہیں ملی رفعت خان لیکن لگتا ہے میں آپ کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں،، کہتے ہیں جن سے عشق ہو جائے ان سے وابستہ لوگوں سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ میری زندگی سے جڑے ایک بہت پیارے سے رشتے کی آپ سے وابستگی نے میرے دل میں آپ کے لیے وہ جگہ بنا دی ہے کہ مجھے لگتا ہے آپ مجھے بھی اتنی ہی پیاری اور عزیز ہیں جتنی ان سب کو جن سے آپ کا دلی تعلق تھا۔ اب آپ نہیں ہیں لیکن لگتا ہے آپ یہیں ہیں۔ ہم سب کے درمیان یہ سب پڑھتی ہوئی اور مسکراتی ہوئی کہ دیکھا اب سب یاد کر رہے ہو چلو پھر ثابت کرواپنی اپنی محبت جس کا دعویٰ ہے۔ سب کچھ ویسے ہی سلامت رکھو، جیسا ہے آہ رفعت خان اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے سفر کو آسان کرے۔ آمین ثم آمین۔

عرشیہ سہیل

میری رفعت آپی سے زیادہ بات چیت نہیں ہوئی لیکن اس کے باوجود ایک بات میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ دوستانہ و عاجزانہ مزاج کی انسان تھیں۔ وہ عظیم حوصلے کی مثال تھیں۔ ان کی تمام زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ قلم کی روشنی رسالہ ان کی بہادری کی مثال ہے۔ اردو ادب کے لیے انہوں نے بہت خدمت کی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ بیمار ہیں اور میں انتظار کر رہی تھی کہ وہ کب صحتیاب ہو کر واپس آئیں گی لیکن میرا انتظار لاحاصل رہا۔ یکم اپریل کی دوپہر جب مجھے ان کے انتقال کی خبر ملی تو مجھے یقین ہی نہیں آیا۔ ان کے جانے کے بعد زندگی پر سے اعتبار ہی اٹھ گیا ہے۔ ان کے اخلاق و کردار کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی سب ان کی جدائی کے غم میں ڈوبے ہیں۔ جب کہ ہم اس دور میں جی رہے ہیں جہاں اپنے فون کے رشتوں کے مرنے کا سوگ تین دن سے زیادہ نہیں منایا جاتا۔ میں ان کے لیے صرف یہی کہوں گی کہ ایسے لوگ اس دنیا میں بہت کم آتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں تاقیامت زندہ رہتے ہیں۔ اللہ پاک ان کی قبر کو روشن اور کشادہ رکھے، آمین ثم آمین۔

ماهم علي

رفعت خان کے ساتھ میں نے کافی ٹائم گزارا بہت اچھی طبیعت کی مالک تھیں خوش مزاج، اپنے کام پر مشتمل ان کے گروپ میں پہلا مقابلہ ہوا تھا آرٹیکل کا جس میں، میں نے حصہ لیا اور پہلی پوزیشن لی۔ یوں سمجھ لیں مجھے لکھنے کے لیے ایک بہترین پلیٹ فارم مل گیا۔ بعد میں وہ آرٹیکل ایک میگزین میں بھی پبلش کرایا انہوں نے وہ بہت اچھی تھیں صبر کرنے والی ان کی گروپ ایڈمن کا ایشو ہوا تھا تب کئی طرح کے الزامات ان پر لوگوں نے لگائے طرح طرح کی باتیں کیں، مگر وہ خاموشی سے سب سنتی رہتیں ان کی خاموشی ہی بہترین جواب تھی ان کے یوں چلے جانے سے ادب کو بہت نقصان ہوا ہے۔ اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ نجانے اچھے لوگ اتنی جلدی کیوں دنیا سے چلے جاتے ہیں۔

یسری امین

رفعت آپی بہت ہی عظیم انسان، مسیحا اور بہت ہی مضبوط گھنے درخت کی مانند تھیں۔ ایک ایسا درخت جو پھل تو دیتا ہے ساتھ چھاؤں سے لوگوں کو سکون بھی بخشتا ہے۔ وہ سراپا محبت تھی اور ان کی محبت آج بھی کئی دلوں میں روشنی بکھیر رہی ہے۔ انہیں قلم سے عشق تھا اور قلم کی روشنی رسالے کو ورثے میں چھوڑا۔ میں نے قلم کی روشنی سے ہی لکھنے کا آغاز کیا رفعت آپی میری زندگی میں ایک ایسی امید کی کرن بن کر آئی تھیں جس نے میری زندگی میں ایک نئی روشنی بھر دی۔ آج جو کچھ بھی میں ہوں اگر وہ نہ ہوتی تو میں کبھی بھی قلم کی دنیا میں نظر ہی نہ آتی ایک نئی پہچان دی انہوں نے مجھے، صرف میں ہی نہیں انہوں نے بنا کسی صلے کہ کتنے ہی لوگوں کو لکھنے کی طرف راغب کیا۔ وہ ایک بہترین رہنما تھیں، ہر کسی کو آگے کر دیتی تھیں، سب کے حوصلے بڑھاتیں اور کتنی محنت کے بعد انہوں نے قلم کی روشنی گروپ اور پیج کو ایک رسالے کا روپ دیا۔ ایک خواب کو حقیقت کا روپ دینا کتنا مشکل ہوتا ہے پر وہ ڈٹی رہیں اور ہر مشکل کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ وہ بہت سے لوگوں کے لیے اندھیرے میں روشنی بن کر آئیں تھیں اور بہت سے لوگوں نے انہیں تکلیف دی وہ بہت زیادہ دکھی رہیں پھر بھی ان کا مقصد ان کے سامنے رہا ادب کی خدمت کرنے کا جوش اور جذبہ انہیں مضبوط بناتا رہا وہ آگے بڑھتی رہیں اور اپنی ذات سے ہر طرف اجالا پھیلاتی رہیں۔ انہیں پاکستان سے اتنی محبت تھی کہ ہر چیز میں انہیں پاکستان کا جھنڈا چاہیے ہوتا اس کی آنکھوں دیکھی مثال میرے پاس آج بھی موجود ہے انہوں نے اپنے فون میں بھی پاکستانی پرچم والا کی بورڈ رکھا ہوا تھا اور آخری دنوں تک وہ وہی کی بورڈ استعمال کرتی رہیں۔ بہت محبت کرتی تھیں وہ پاکستان سے اور ہمیشہ غریب لوگوں کا سہارا بننے کے لیے جدوجہد کرتیں جس کی زندہ مثال اجالا ویلفیئر ہے جہاں وہ لڑکیوں کو ہنرمند بناتیں تاکہ کوئی بھی لڑکی کسی کے آگے ہاتھ نا پھیلا سکے انہوں نے جو کچھ کیا شاید ہی اتنے کم وقت میں ہم لوگوں میں سے کوئی کر سکتا ہے۔ ہماری دعا یہی ہے کہ اللہ پاک رفعت آپی کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور قلم کی روشنی کا ہر جگہ نام روشن ہو۔ آمین ثم آمین۔

پردہ دار خاتون

یہ جو لکھنے والے ہوتے ہیں یہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں
ان کے لفظ انہیں زندہ رکھتے ہیں رفعت صاحبہ ہم میں موجود ہیں اپنے لفظوں کی صورت اللہ ان کی مغفرت فرمائے بخشش فرمائے اور انہیں جنت میں ایک گھر عطا فرمائے آمین۔

دعا اعوان

لفظوں کو لکھنے والے لوگ تو بہت ہوتے ہیں لیکن لفظوں کو سمجھنے والے اور ان کی قدر کرنے والے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور رفعت آپی ان کم لوگوں میں سے ایک تھیں جب اپنے رسالے کا آغاز کیا تو ہم جیسے نئے لکھنے والوں کو بہت پیار سے لکھنے کی دعوت دی جب بھی ان سے بات ہوتی وہ ہمیشہ یہی کہتیں کہ آپ کے پاس وہ ٹیلنٹ ہے جو ہر ایک کے پاس نہیں ہوتا رائٹرز عام نہیں ہوتے۔ اگرچہ ان سے خون کا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن ان کے خلوص نے ہمیشہ اپنا پن دیا۔ آخر میں یہی کہوں گی

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں میں اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے وہ ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گی۔

مایام اعوان

رفعت خان کے ساتھ زیادہ بات نہیں ہوئی لیکن قلم کی روشنی پیج پر جب بھی دیکھا ایک بارعب شخصیت لگیں ان کے بات چیت کا انداز بہت ہی سوبر تھا سب کو ساتھ لے کر چلنے والی ایک مخلص دوست اور ادب کے آسمان کا چمکتا ستارہ جواب ہم میں نہیں لیکن ان کے لفظوں کی خوشبو ہر سو مہکتی رہے گی اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین۔

سجاد شبیر

رفعت خان جیسے عظیم لکھاری بہت ہی کم دیکھنے کو ملتے ہیں وہ آج ہم میں نہیں ہیں لیکن ادب کی دنیا میں وہ ہمارے ساتھ ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔

علی حیدر

فیس بک کی دنیا میں بہت ڈرتے ڈرتے قدم رکھا ہر کسی سے سنا تھا یہاں سب فیک ہوتا ہے میری ملاقات رفعت آپی سے ہوئی بہت ہی مخلص اور دل موہ لینے والے انداز میں بات کرتی ہر کسی کی مدد کو ہمہ وقت تیار رہتیں کوئی بھی ٹینشن ہوتی رفعت آپی سے بات کر کے سکون ملتا تھا آج وہ ہم سے دور چلی گئی مگر دل کی دھڑکنوں کے بہت پاس رہتی ہیں۔

آبرو نبیلہ اقبال

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

رفعت آپا کوئی یوں بھی کرتا کوئی بھلا یوں اچانک چلے جانا۔ رفعت آپا یقین کرنا سہل تو نہیں۔ میں روتی رہی میری آنکھیں خشک ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ سے صرف احترام کا رشتہ نہیں تھا، محبت کا رشتہ تھا۔ اس دن احساس ہوا کہ یونہی تو آنسو رواں نہیں، بات دلی لگاؤ اور محبت کی ہے۔ آپ سے رشتہ ایسا ہی تھا جیسے بہنوں کا۔ آپ کے پیار بھرے لہجے کی میں عادی ہو گئی تھی آپا۔ آپ کے بچھڑنے پہ اندازہ ہوا کہ آپ صرف میرے لیے خاص نہیں بلکہ آپ تو دلوں پہ راج کرتی ہیں، ہر آنکھ اشکبار، دل غمزدہ لیکن بے یقین آپا آپ واقعی ایک حور تھیں اور ہیں۔ ایک خوشبو جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہو جیسے۔ بہت باہمت، پختہ عزم واستقلال کی مالک ورثے میں قلم کی روشنی چھوڑ گئیں آپ۔ آپا آنکھیں آج بھی بھیگ گئی ہیں ہم آپ کو آج بھی یاد کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ پاک پروردگار آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب عطا فرمائے آمین، آپ کی چھوٹی بہن!

راؤ رفاقت علی

رفعت آپی ایک بہت ہی بہادر لڑکی تھی اور ہر مسئلے کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والی رفعت آپی سے فیس بک پر ہی رابطہ ہوا بہت اچھی نیچر کی مالک تھیں اور ایک بات رفعت آپی میں صبر بہت تھا آپی سے کافی مرتبہ کال پر بھی بات ہوئی تھی ہر پرابلم ڈسکس کر لیتی تھیں۔ رفعت آپی بہت اچھا لکھتی تھیں مجھے بھی اکثر کہتی تھیں کہ آپ بھی لکھیں تو اس وقت میں نے پہلا کالم لکھا تھا "اسلام میں عورت کا مقام" جو کہ "قلم کی روشنی" میگزین کا حصہ بنا۔ بس اب اتنا ہی کہوں گا کہ رفعت آپی ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک رفعت آپی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

مراد گیتو کیسے بنا؟

یہ سوال بیسیوں بار میرے ذہن میں ابھرتا اور دب جاتا تھا کیونکہ مجھے اپنے سوال میں ایسی مضبوطی اور بھاری پن محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس کا اظہار کرتی۔

مراد پروین کی کائنات کل تھا اور اس کی مسرتوں وراحتوں کا محور بھی۔ اداسی‘ محرومی اور تڑپ و اذیت کے عالم میں اس کی آسیں اور امیدیں بڑھانے والی ہستی تھی اس کی ہنسی اس کے رستے زخموں کا مرہم بھی۔

یہ کامرہ کی بات ہے‘ ہم دونوں لان میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔ بچے بھی ہمارے آس پاس ہی تتلیاں پکڑنے میں مصروف تھے۔ میں نے مراد کی شرارتوں کو دیکھتے ہوئے پروین سے پوچھا کہ ہر بچہ اپنے لیے نک نیم خود تجویز کرتا ہے۔ مراد گیتو کیسے اور کیونکر بنا؟ وہ یہ سن کر ہنس دی تھی اور لان میں ہی کرسی پر بیٹھتے ہوئے شگفتہ لہجے میں بولی۔

”رف آج تک کسی نے یہ سوال مجھ سے نہیں کیا‘ آپ کو اپنی رائٹنگ چھوڑنے کا بہت قلق ہے آپ تو مجھ پر بھی بھاری پڑ گئیں اور دس پی ایچ ڈی پر بھی حاوی ہیں۔ آپ اپنی صلاحیتوں کو نہیں جانتیں آپ اپنی جبلت کو نہیں پہچانتیں۔“

تعریف سن کر میں جھوم سی گئی‘ کچھ ندامت کا احساس بھی ہوا کہ پروین مجھے خوش کرنے کے لیے کہہ رہی ہے۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں رف! میں کسی کی بے جا تعریف نہیں کرسکتی کیونکہ اس جھوٹ کو خوشامد کہتے ہیں۔“ وہ ہنسنے لگی۔

”جب میرا رب اپنی خصوصیات کی پذیرائی اور مدح سرائی پر خوش ہوسکتا ہے تو ہم اس کے بہت ناتواں بندے ہیں سو آپ بھی خوش ہوجایئے۔“

ٹھیک ہے‘ اب سوال کا جواب چاہیے کیونکہ مجھے تو یہ سوال بہت عام لگا تھا خاص الخاص تو کہیں سے نہ تھا‘ درحقیقت معاملہ ہی اپنے اپنے نظریات وخیالات کا تھا۔

”رف! مراد چند ماہ کا تھا‘ میں اسے ہمیشہ لوری سنا کر سلایا کرتی تھی۔ ایک رات میں ٹیبل لیمپ کی لائٹ آف کرکے اس کے پاس لیٹی ہی تھی‘ اس سے پہلے کہ اپنے شہزادے کو لوری سناتی‘ مراد نے اپنی آواز میں ہوں ہوں کرتے ہوئے گنگنانے کے انداز میں مجھے لوری سنانا شروع کردی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں‘ میں نے خوشی سے مغلوب ہوکر اس کے چھوٹے نازک سے کندھے کے ساتھ اپنا سر ٹکا دیا اور محظوظ ہونے لگی۔ اس کے گلے سے وہ مدھری دھن اس وقت تک ابھرتی رہی جب تک وہ گہری نیند میں نہ چلا گیا تھا۔ میں یہ عمل روزانہ دہرانے لگی تھی اور پھر ایک رات مامتا کے نشے میں سرشار ہوکر بے اختیاری و بے ساختگی سے اسے گیتو کہہ کر پکارنے لگی تھی‘ تب سے میرا لخت جگر ہم سب کا گیتو بن گیا۔“

علیحدگی کا فیصلہ

پروین کو ڈاکٹر نصیر کی طرف سے مشاعروں میں شرکت کرنے کی مکمل اجازت تھی‘ عموماً وہ اس کے ساتھ بھی ہوتے۔ اس کی کامیابی اور شہرت پر خوشی کا اظہار بھی کرتے کیونکہ وہ طبعاً انسان بہت خوب تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان کی آپس میں نہ بن سکی‘ دراصل پروین اور نصیر مختلف دنیاؤں کے دو باشندے تھے۔ زندگی کے بارے میں دونوں کے خیالات مختلف تھے‘ ان باتوں کے باوجود پروین اپنے ازدواجی رشتے کو مضبوط اور اپنے گھر کو ہنستا بستا دیکھنا چاہتی تھی‘ جب ہی تو اس نے کہا۔

میرے چھوٹے سے گھر کو یہ کس کی نظر اے خدا! لگ گئی
کیسی کیسی دعاؤں کے ہوتے ہوئے بدعا لگ گئی
(خوشبو)

مگر حالات کسی اور ہی رخ چل پڑے تھے‘ مشکلات بڑھ گئیں اور پھر اس نے شہر چھوڑنے کا فیصلہ کیا‘ اس طرح وہ کراچی کی ”پارو“ سے اسلام آباد کی ”پروین“ بن گئی۔ میری معلومات کے لیے یہی کافی تھا۔

دھوپ کا موسم

میں رنگ میں دیکھتی تھی‘ خوشبو میں سوچتی تھی
مجھے گماں تھا
کہ زندگی اجلی خواہشوں کے چراغ لے کر
مرے دریچوں میں روشنی کی نوید بن کر اترتی رہی ہے
میں کہر میں چاندنی پہن کر
بنفشی بادل کا ہاتھ تھامے
فضا میں پرواز کر رہی تھی

سماعتوں میں سحاب لہجوں کی بارشیں تھیں
بصارتوں میں گلاب چہروں کی روشنی تھی
ہوا کی ریشم رفاقتیں تھیں
صبا کی شبنم عنایتیں تھیں
حیات خوابوں کا سلسلہ تھی
کھلیں جو آنکھیں تو سارے منظر دھنک کے اس پار رہ گئے تھے
نہ رنگ میرے، نہ خواب میرے
ہوئے تو بس کچھ عذاب میرے
نہ چاند راتیں، نہ پھول باتیں
نہ نیل گگن، نہ جھیل شامیں
نہ کوئی آہٹ، نہ کوئی دستک
حروف مفہوم کھو چکے تھے
علامتیں بانجھ ہو گئی تھیں
گلابی خوابوں کے پیرہن راکھ ہو چکے تھے
حقیقتوں کی برہنگی
اپنی ساری سفاکیوں کے ہمراہ
جسم و جاں پر اتر رہی تھی
وہ مہربان، سایہ دار بادل
عذاب کی رت میں چھوڑ کر مجھ کو جا چکا تھا
زمین کی تیز دھوپ آنکھوں میں چبھ رہی تھی
(خوشبو)

1987ء میں دونوں نے علیحدگی کا فیصلہ کیا، پروین نے مراد کو دو کشتیوں کے سوار کی حیثیت سے پروان چڑھانا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے اس نے نصیر سے کسی قسم کی ڈیمانڈ کیے بغیر مراد کی تمام ذمہ داریاں ہنس کر قبول کر لیں اب وہ واحد اور خود مختار ماں تھی جو اس کے حال اور مستقبل کے فیصلے کرنے کے تمام اختیارات کی مالک تھی۔

گھر ڈوب گیا اور انہیں آواز نہیں دی
حالانکہ مرے سلسلے اس پار بہت تھے
چھت پڑنے کا وقت آیا تو کوئی نہیں آیا
دیوار گرانے کو رضا کار بہت تھے

☆......☆

مرنے اگر نہ پائی تو زندہ بھی کب رہی
تنہا کٹی وہ عمر جو تھی تیرے ساتھ کی

☆......☆

میرے چھوٹے سے گھر کو یہ کس کی نظر اے خدا! لگ گئی
کیسی کیسی دعاؤں کے ہوتے ہوئے بددعا لگ گئی

☆......☆

معلوم کہ چھوڑنا ہے اک دن
پھر بھی یہ لگن کہ گھر بنائیں

☆......☆

کمال ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی
سپرد کر کے اسے چاندنی کے ہاتھوں میں
میں اپنے گھر کے اندھیروں کو لوٹ آؤں گی
بدن کے کرب کو وہ بھی سمجھ نہ پائے گا
میں دل میں روؤں گی، آنکھوں میں مسکراؤں گی
وہ کیا گیا کہ رفاقت کے سارے لطف گئے
میں کس سے روٹھ سکوں گی، کسے مناؤں گی
اب اس کا فن تو کسی اور سے ہوا منسوب
میں کس کی نظم اکیلے میں گنگناؤں گی
وہ ایک رشتۂ بے نام بھی نہیں لیکن
میں اب بھی اس کے اشاروں پر سر جھکاؤں گی
بچھا دیا تھا گلابوں کے ساتھ اپنا وجود
وہ سو کے اٹھے تو خوابوں کی راکھ اٹھاؤں گی
سماعتوں میں گھنے جنگلوں کی سانسیں ہیں
میں اب کبھی تیری آواز سن نہ پاؤں گی
جواز ڈھونڈ رہا تھا نئی محبت کا
وہ کہہ رہا تھا کہ میں اس کو بھول جاؤں گی
(خوشبو)

سمیعہ عثمان

ارم کمال......فیصل آباد

شب غم کی سحر نہیں ہوتی
ہو بھی تو میرے گھر نہیں ہوتی
زندگی تو ہی مختصر ہو جا
شب غم مختصر نہیں ہوتی

مدیحہ نورین مہک......گجرات

وفا تم کرو گے وفا ہم کریں گے
جفا تم کرو گے جفا ہم کریں گے
ہم آدمی ہیں تمہارے جیسے
جیسا تم کرو گے ویسا ہم کریں گے

حمیرا قریشی......حیدرآباد سندھ

برستی برسات میں وہ گیا تھا مجھ کو چھوڑ کر
آج ہو رہی ہے برسات، شاید وہ آئے لوٹ کر

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

نظر کے سامنے رہتا ہے نقشہ اس عمارت کا
ظفر جس کے لیے ہم نے کبھی مسمار ہونا ہے

ملالہ اسلم......خانیوال

تب تک ہجر کی رات کاٹوں گی
جب تک طلوع سحر کا پیغام نہ آجائے

عابدہ مغل......بھیر کنڈ، مانسہرہ

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

بی بی اسماء سحر......راولپنڈی

اتنا نہ اپنی جاہ سے نکل کے چل
دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل
پھر آنکھیں بھی تو دی ہیں رکھ دیکھ کے قدم
کون تجھ کو کہتا ہے نہ چل، چل مگر سنبھل کے چل

زنیرہ طاہر کھوکھر......بہاولنگر

یہ جو محبت میں میری جان گئی ہے نا
تیرا صدقہ دیا ہے تیری نظر اتاری ہے

ثروت عزیز، نوشی اینڈ محسن عزیز......کوٹھا کلاں

عمر بھر لکھتے رہے پھر بھی ورق سادہ رہا
جانے کیا لفظ تھے ہم سے جو تحریر نہ ہوئے

فرحت اشرف گھمن......سیدوالا

کس طرح سے کھایا ہے دھوکہ کیسے بتاؤں میں
اپنوں کے مشورے تھے سازشوں کے ساتھ ساتھ
جن کو ہم اپنا کہتے تھے بڑے مان سے
صف بہ صف کھڑے تھے دشمنوں کے ساتھ ساتھ

طاہرہ منور......کبیروالا

تجھے کیا خبر کہ تیری یاد نے مجھے کس طرح سے ستایا
کبھی محفلوں میں رلا دیا کبھی تنہائیوں میں ہنسا دیا
کبھی یوں ہوا کہ تیری یاد میں میری کئی نمازیں قضا ہوئیں
کبھی یوں ہوا کہ تیری یاد نے مجھے میرے رب سے ملا دیا

فیاض اسحاق مہانہ......سلانوالی

مجھ سے گریز پا ہے تو ہر اک راستہ بدل
میں سنگ راہ ہوں سبھی راستوں میں ہوں
مجھ سے بچھڑ کر تو بھی روئے گا عمر بھر
یہ سوچ لے میں بھی تیری خواہشوں میں ہوں

یاسمین کنول......پسرور

دو دلوں کا بچھڑنا رو رو کر
کس قدر دکھ بھری کہانی ہے
سوکھ جائے گا ایک دن آخر
میری آنکھوں میں جتنا پانی ہے

نایاب رانا......ملتان

کرتے تھے جو ہمیں سمجھنے کا دعویٰ
جب وقت آیا تو ناسمجھ بن گئے

سیدہ جیا عباس کاظمی......مرالہ تلہ گنگ

پلٹ کر آنکھ نم کرنا ہمیں ہرگز نہیں آتا

گئے لمحوں کا غم کرنا ہمیں ہرگز نہیں آتا
محبت ہو تو بے حد ہو جو نفرت ہو تو بے پایاں
کوئی بھی کام کم کرنا ہمیں ہرگز نہیں آتا
ثوبیہ سحر...... بستی ملوک ملتان

کچھ یاد کرکے آنکھ سے آنسو نکل پڑے
مدت کے بعد گزرے جو اس کی گلی سے ہم
سعدیہ حورعین حوری...... بنوں کے پی کے

میں آدم کے بیٹے کی آنکھوں سے جاتی حیا مانگتی ہوں
میں حوا کی بیٹی کے سر سے اترتی ردا مانگتی ہوں
میں خون ریزیوں سے پناہ مانگتی ہوں
میں اس کڑے وقت میں بس اپنے وطن کی بقا مانگتی ہوں
گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

یہ تمہارا وہم ہوگا کہ ہم تمہیں بھول جائیں گے دوست
وہ تمہارا شہر ہوگا جہاں بے وفا لوگ بستے ہوں گے
سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

ہمارا تعلق بارش کی طرح نہیں کہ برسنے کے بعد ختم ہوجائے اے دوست
ہوا کی طرح ہے خاموش مگر ہمیشہ پاس پاس
ام رومان ڈو...... بہاولنگر

کوئی تو ہو جو تسلیوں کے حروف دے کر
رگوں میں بہتی اذیتوں کا غرور توڑ دے
عمارہ طاہر...... بہاولنگر

تاریخ اگر ڈھونڈے گی ثانی محمد ﷺ
ثانی تو بڑی چیز ہے سایہ نہ ملے گا
انیلا طالب...... گوجرانوالہ

پسر یعقوب نے پھینکا تھا اگر یوسف کو کنوئیں کی گہرائی میں
پسر آدم آج بھی پھینکتا ہے آدمی کو ظلم کی گہری کھائی میں
مہوش ظہور مغل...... گوپی پور

ہم دعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے
اک نقطے نے ہمیں محرم سے مجرم کردیا
حفصہ کنول...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

میں گھٹتا جارہا ہوں دھیرے دھیرے
مجھے اس کی کمی کھانے لگی ہے

انیقہ احمد...... کوٹ سارنگ

میرے زخموں کا علاج کچھ یوں کیا گیا اے دوست
مرہم بھی لگایا تو چاقو کی نوک سے
انعم...... برنالی

لکھنا تو بہت کچھ چاہتی ہوں مگر لکھ نہیں پاتی میں
میرے لفظ بہہ جاتے ہیں میرے آنسوؤں کے ساتھ
ثمن رحمن...... کراچی

نہ تم یوسف اور نہ میں مصر کا کوئی تاجر
اپنی اس بے رخی کے دام ذرا کچھ کم کیجیے
نمرہ آزاد...... خیرپور ٹامیوالی

کردار نبھانے میں جو پورا نہیں رہتا
اچھا بھی ہو وہ شخص تو اچھا نہیں رہتا
رقیہ اصغر...... میلسی

اس زخم کو بھرنے میں کچھ دیر تو لگتی ہے
جس زخم میں شامل ہو اپنوں کی عنایات
شازیہ ہاشم صواتی...... کھڈیاں خاص، قصور
فریدہ فری...... لاہور

رنگ، رعنائی اور خوشبوئیں
پھول اس سے ادھار لیتے ہیں
اس کے جوڑے میں سج کر سرخ گلاب
اپنی قسمت سنوار لیتے ہیں
شازیہ صواتی...... کھڈیاں خاص، قصور

اتنے بڑے جہاں میں جائے گا تو کہاں
اس اک خیال نے مجھے مرنے نہیں دیا
اس نے ہنسی ہنسی میں محبت کی بات کی
میں نے عدیم اس کو مکرنے نہیں دیا

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

چکن وائٹ قورمہ

اشیاء:۔

مرغی	ایک کلو
دہی	آدھا کلو
لہسن ادرک پیسٹ	دو چائے کے چمچ
نمک	حسب ضرورت
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچ
سفید مرچ پسی ہوئی	ایک چمچ
پیاز	3عدد بڑی
لونگیں سیاہ مرچ	آٹھ عدد
تیل	ایک کپ
بادام بغیر چھلکا	8عدد سجاوٹ کے لیے
سفید تل پسے ہوئے	ایک چمچ
بھنے چنے پسے ہوئے	ایک چمچ
سفید زیرہ پسا ہوا	ایک چائے کا چمچ
سبز الائچی	5عدد
کریم	ایک پیالی (پھینٹ لیں)
کاجو ثابت	5عدد سجاوٹ کے لیے
چار مغز پسے ہوئے	ایک چمچ

ترکیب:۔

پیاز کو پانی ڈال کر پکائیں' پک جائے تو پیس لیں' ساس پین میں تیل ڈالیں۔ مرغی بھی ڈال دیں جب مرغی پانی چھوڑنے لگے تو لہسن ادرک ڈال دیں' پھینٹا ہوا دہی مکس کریں اور 2 منٹ ڈھکن ڈھانپ دیں۔ نمک' چائنیز نمک' سفید مرچ' پیاز' لونگیں' تل' چنے پسے ہوئے' سبز الائچی' سفید زیرہ' چار مغز ملا کر آنچ تیز کردیں۔ اچھی طرح بھون لیں' جب تیل اوپر آجائے تو سیاہ مرچ' بادام اور کاجو ڈال کر ڈھکن دیں' 5 منٹ کے بعد تھوڑا سا یا جتنی آپ کو گریبی رکھنی ہو اتنا پانی ڈال دیں' آنچ فل کردیں کچھ دیر ساس پین نیچے اتاریں اور پھینٹی ہوئی کریم مکس کریں' وائٹ قورمہ تیار ہے خود بھی کھائیں' مہمانوں کو بھی کھلائیں اور ہمیں دعاؤں میں یاد رکھیں۔

صائمہ سکندر سومرو......حیدرآباد سندھ

چکن میکرونی سلاد

اجزا:۔

شیل میکرونی	آدھا پیکٹ
چکن فلے	دو عدد (ابلے ٹکڑے کیے ہوئے)
پائن ایپل	ایک ٹن
کھیرے	دو عدد (باریک کٹے ہوئے)
سیب	دو عدد (باریک کٹے ہوئے)
مایونیز	ایک بوتل
مسٹرڈ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
چینی	ایک کھانے کا چمچ
لیموں	دو عدد (چھوٹے سائز کے)
بادام	بارہ عدد (ابلے اور کٹے ہوئے)
فریش کریم	ایک پیکٹ
کشمش	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک پتیلی میں پانی کو خوب گرم کرکے اس میں شیل میکرونیز ڈالیں' ساتھ میں تیل شامل کرکے ابال لیں جب میکرونیز گل جائیں تو پانی نتھار کر ٹھنڈے پانی سے دھولیں اور دوبارہ ذرا سی چکنائی لگادیں پھر ایک پیالے میں ابلے ہوئے میکرونیز ابلے چکن فلے کے چھوٹے ٹکڑے پائن ایپل کیوبز اور جوس ڈال دیں' اس کے بعد باریک کٹے کھیرے' باریک کیے سیب' مایونیز' مسٹرڈ پاؤڈر' نمک' چینی' لیموں کا رس اور بادام ملادیں آخر میں فریش کریم اور کشمش

ڈال کر ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

نوٹ:۔
اگر آپ چاہیں تو چکن میکرونی میں کیلا یا کوئی دوسرا پھل شامل کر سکتے ہیں اگر آپ لیموں نہ بھی شامل کریں تو کوئی بات نہیں۔

فرزینہ طاہر......سرائے عالمگیر

چکن پکوڑے

اجزاء:۔

چکن	ایک پاؤ (بغیر ہڈی)
بیسن	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ
لال مرچ	حسب ذائقہ
سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
تیل	ایک کپ
پانی	آدھا کپ

ترکیب:۔
سب سے پہلے چکن کی چھوٹی بوٹیاں کرلیں اور دھو کر لیموں کا رس لگا کر رکھ دیں پھر بیسن میں نمک کالی مرچ' لال مرچ' سفید زیرہ اور پانی ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں پھر کڑاہی میں تیل ڈال کر گرم کریں۔ چکن میں سے ایک ایک بوٹی بیسن والے آمیزے میں ڈپ کر کے تیل میں فرائی کریں جب براؤن ہوجائیں تو نکال کر سرونگ ڈش میں سجائیں اور ہری چٹنی کے ساتھ سرو کریں' مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ثوبیہ سحر......بستی ملوک

کشمیری پلاؤ

اجزاء:۔

باسمتی چاول	آدھا کلو
آئل	دو کھانے کے چمچ
لہسن	چار جوئے
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
زیرہ	دو چائے کے چمچ
چکن (بغیر ہڈی)	ڈیڑھ کلو
زعفران	ایک چائے کا چمچ
الائچی	چھ عدد
ہرا دھنیا (باریک کترا ہوا)	چار کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ	دو چائے کے چمچ
ٹماٹر	چار عدد
کشمش	دو اونس
نمک' سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
بادام	دو اونس

ترکیب:۔
چاولوں کو اچھی طرح دھو کر ان کا پانی نتھار لیں اور چھلنی میں پھیلا کر خشک ہونے کے لیے رکھ دیں' ایک کھانے کا چمچ آئل میں باریک کتری ہوئی ادرک اور زیرہ شامل کر کے پانچ منٹ تک فرائی کریں پھر اس میں چکن شامل کر کے اس قدر بھونیں کہ یہ براؤن ہوجائے۔ اس کے بعد زعفران کٹی ہوئی الائچیاں پودینہ' گرم مصالحہ دار چینی اور مناسب مقدار میں ابلتا ہوا پانی شامل کر کے پکائیں' ابال آجائے تو آنچ کم کر کے ڈھک دیں اور بیس سے پچیس منٹ تک پکنے دیں' گل جائے تو تمام سالن کو ایک بڑے پیالے میں پلٹ دیں اور پتیلی کو دھولیں۔ اب باقی آئل میں ایک پیاز کاٹ کر فرائی کریں' پیاز بادامی ہوجائے تو اس میں چاول شامل کریں' دو تین منٹ تک چمچ چلائیں یہاں تک کہ چاولوں کا رنگ ذرا بدل جائے۔ اب چکن کا سالن ڈالیں اور ساتھ ہی ٹماٹر' کشمش' نمک اور سیاہ مرچ بھی ڈال دیں ان تمام اجزا کو مکس کرنے کے لیے چمچ نہ ہلائیں بلکہ پتیلی کو اٹھا کر ہلائیں اور ایک جیسا کردیں اب اتنا پانی ڈالیں کہ چاول ڈھک جائیں' پانی تقریباً دو انچ اوپر تک نظر آئیں جب پانی خشک ہو تو بیس سے پچیس منٹ کے لیے دم پر لگادیں۔ گرما گرم سرونگ ڈش میں ڈالیں اور باداموں سے سجا کر فوری گرم گرم پیش کریں۔

لائبہ میر...... حضرو

فرائی بینگن

اجزاء:

بینگن	چار عدد
بیسن	آدھا پاؤ
گرم مصالہ	ایک چائے کا چمچ
زیرہ	ایک چٹکی
نمک مرچ	حسب ضرورت
گھی	ڈیپ فرائی ہو جائے اتنا ہو

ترکیب:

ایک باؤل لیں اس میں بیسن ڈالیں ساتھ پانی ڈالیں حسب ضرورت' اسے اچھی طرح مکس کرلیں پھر اس میں گرم مصالہ' زیرہ اور نمک مرچ ڈالیں اسے اچھی طرح مکس کرلیں پھر ایک کڑاہی لیں اس میں گھی ڈالیں جب گھی گرم ہوجائے تو بینگن کو گول گول ٹکڑوں میں کاٹ لیں پھر بیسن میں ڈبو کے گھی میں تلیں جب گولڈن براؤن ہوتے جائیں تو ساتھ ساتھ نکالتی جائیں پھر ہری مرچ' پودینہ' دھنیہ' تھوڑا سا نمک ڈال کر گرینڈ کرلیں دہی ڈال کے پھر فرائی بینگن کے ساتھ چٹنی میں ڈبو کے کھائیں' مزے لے لے کے اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں اللہ حافظ۔

طیبہ خاور...... عزیز چک' وزیر آباد

مصالحہ بھری مرچوں کے پکوڑے

ضروری اشیاء:

ہری مرچیں	آٹھ عدد
بیسن	دو سو پچاس گرام
زیرہ کٹا ہوا	ایک چائے کا چمچ
املی' لیموں کا رس	دو چائے کے چمچ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا کھانے کا چمچ
چاٹ مصالحہ	حسب ضرورت
تیل (تلنے کے لیے)	حسب ضرورت
نمک	حسب ضرورت

ترکیب:

ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں' مرچوں کے درمیان سے کٹ لگا کر بیج نکال دیں' اس میں نمک' مرچ' زیرہ' املی لیموں کا رس' چاٹ مصالحہ بھر دیں۔ بیسن کو نمک مرچ ڈال کر گاڑھا پھینٹ لیں' تیل گرم کریں اور بیسن میں مرچوں کو لپیٹ کر تل لیں' لیجیے مزے دار مصالحہ بھری مرچوں کے پکوڑے تیار ہیں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

انڈے کا حلوہ

اجزاء:

انڈے	دو درجن
دودھ	چار کپ
گھی	دو کپ
چینی	ڈیڑھ کپ
بادام	حسب ضرورت
پستے	حسب ضرورت
کھویا	حسب ضرورت

ترکیب:

انڈے' گھی' چینی کو کڑاہی میں ڈال کر اچھی طرح مکس کریں کہ چینی حل ہوجائے تو کڑاہی چولہے پر رکھ کر ہلکی آنچ چمچہ برابر چلاتے رہیں جب گھی اوپر آجائے تو اس میں دودھ شامل کرکے خوب بھونیں پھر اس میں کھویا مکس کرلیں دانہ بن جائے تو حلوہ تیار ہے۔

ڈش میں نکال کر بادام پستے سے گارنش کریں یہ حلوہ بہت مقوی اور صحت بخش ہیں۔ سردیوں میں بنا کر رکھ لیں خراب نہیں ہوتا۔

فہمیدہ غوری...... گلشن اقبال' کراچی

گنجا پن ختم کریں

بالوں کا جھڑنا یا گنجا پن جزوی طور پر بالوں کا گرنا کہلاتا ہے جو کسی عضو کی کارکردگی میں خرابی یا موروثی وجوہات کے سبب ہوتا ہے۔ یہ اکثر مرحلہ وار یا آہستہ آہستہ بڑھتا ہے‘ عام اندازے کے مطابق تقریباً سو کے قریب بال روزانہ ٹوٹتے ہیں یا گرتے ہیں۔ ایک سر کی اوسط جلد میں تقریباً ایک لاکھ بال ہوتے ہیں‘ ہر ایک بال کی زندگی اوسطاً ساڑھے چار سال ہوتی ہے۔ جینیاتی گنجا پن جسم کے نئے بال اُگانے کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ بالوں کے زیادہ گرنے کی وجہ سے۔

مرد اور عورت دونوں عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ بالوں کا گھنا پن کھونے لگتے ہیں‘ عام طور پر مردانہ گنجے پن میں بالوں کی باریک لکیر سر کے اردگرد کراؤن کی شکل میں شامل ہوتی ہے۔ کسی میں گھوڑے کی نال جیسی شکل میں بال سر کے پہلوؤں میں رہ جاتے ہیں۔ بعض خواتین میں بھی خاص قسم کے گنجے پن کی علامات پائی جاتی ہیں‘ خواتین کے گنجے پن میں سارے سر کی جلد پر موجود بال کم ہوجاتے ہیں مگر سامنے کا حصہ عام طور پر جوں کا توں رہتا ہے۔ گنجا پن عام طور پر کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی وجہ بڑھتی عمر‘ موروثیت اور ٹیسٹی ٹیرون کا پیدا نہ ہونا ہے۔

بال گرنے کے اسباب

☆ کوئی خطرناک بیماری اور طویل مدتی بخار۔
☆ ادویات کا استعمال جیسے کینسر‘ کیموتھراپی وغیرہ ہیں۔
☆ حد سے زیادہ شیمپو کا استعمال۔
☆ نفسیاتی عادات جیسے مسلسل بالوں کا کھینچنا۔
☆ بالوں کو ہیئر ڈرائیر سے خشک کرنا۔
☆ ہیئر کنڈیشنر کا حد سے زیادہ استعمال۔
☆ جسمانی نظام میں خرابی یا انفیکشن بھی بالوں کے گرنے کا سبب ہوتے ہیں۔
☆ ہائی پاور گولیوں کا استعمال بالوں کے جھڑنے کا سبب بنتا ہے۔
☆ طبی تحقیق کے مطابق تیس سال کی عمر گزر جانے کے بعد بالوں کے جھڑنے کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔

کیسے کریں حفاظت

ہربل شیمپو سے بالوں کو اور سر کی جلد کو ہفتے میں دو مرتبہ نرمی سے صاف کریں اور سر کی جلد کا کسی اچھے ہومیو پیتھک آئل سے مساج کریں۔

☆ بالوں کو نقصان پہنچانے والی ممنوعات جیسے بلیچ‘ امونیا‘ غیر معیاری کنڈیشنر سے پرہیز کیا جائے۔
☆ بالوں کو گھنگھریالا کرنے والے گرم رولر اور بالوں کو حرارت دینے سے پرہیز کریں۔
☆ بالوں کو توڑنے والے ربڑ بینڈ یا کلپ وغیرہ سے پرہیز کریں۔
☆ کھلے دانتوں والے کنگھے کا استعمال کریں۔
☆ سر کو براہ راست تیز دھوپ سے بچائیں۔
☆ نرم تکیے کا استعمال کریں۔
☆ زیتون آملہ اور بادام کے تیل سے بالوں کی مالش کریں یہ بالوں کو مضبوطی دینے میں مددگار ثابت ہوں گے اور خشکی کا بھی خاتمہ ہوگا۔
☆ بالوں میں آہستہ کنگھی کریں‘ اکثر خواتین کنگھی کرتے وقت بالوں کا سیدھا کرنے کے لیے جھٹکے دیتی ہیں اس طرح سے بالوں کی جڑوں کو نقصان پہنچتا ہے اور وہ کمزور ہوتی ہیں۔

ان تدابیر پر عمل کرکے آپ یقیناً بالوں کو جھڑنے سے روک سکتے ہیں۔ جیسا کہ اسباب میں بتایا گیا ہے کہ بالوں کا جھڑنا موروثی بھی ہوتا ہے اس لیے ان خواتین وحضرات کو زیادہ فکرمند نہیں ہونا چاہیے جو اس کا شکار ہیں۔

☆ اس حد سے زیادہ فکرمندی سے وہ تناؤ کا شکار ہوں گے اور بالوں کے جھڑنے کا سلسلہ برقرار رہے گا۔ ایسے تمام لوگوں کو مشورہ ہے کہ بالوں کے جھڑنے پر ٹینشن لینے کی بجائے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا چاہیے اور خوش مزاجی اپنانا چاہیے اس سے ان کی صحت بہتر رہے گی اور اعصابی نظام بہتر ہوگا جو بالوں کے جھڑنے کو روکنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

اقصیٰ کشش.....محمد پور دیوان

دلہن بنتے وقت کی جانے والی دس عام غلطیاں

جب شادی کی تیاری کی جاتی ہے تو اکثر لڑکیاں سمجھتی ہیں کہ چونکہ یہ ان کی زندگی کا بہت بڑا اور اہم واقعہ ہے تو میک اپ بھی ایسا ہی دھماکہ خیز ہونا چاہیے مگر سچ یہ ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ ذیل میں ایسی غلطیاں بتائی جارہی ہیں جو ہر لڑکی سے شادی والے دن ضرور سرزد ہوتی ہیں۔

1۔ بہت زیادہ میک اپ..... اس میں شک نہیں کہ شادی ایک بڑا اور اہم پروگرام ہوتا ہے مگر اس کی مناسبت اور اہمیت کے پیش نظر اپنے چہرے پر زیادہ لیپا پوتی نہ کریں جس قدر کم میک اپ ہوگا اسی قدر اچھا لگے گا۔

2۔ جو موجودہ رجحان ہے اس کو پیش نظر رکھیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ پانچ سال پہلے چمک دمک والے میک اپ کا زور تھا مگر اب چہرے پر چمک دمک کم سے کم رکھیں اور جس قدر ممکن ہو چہرے کو نیوٹرل رکھیں۔

3۔ میک اپ یہ نہیں کہ چہرے کو ہر رنگ سے سجا لیا جائے بلکہ میک اپ یہ ہے کہ آپ میک اپ کرنے میں اعتدال پسندی کا مظاہرہ کریں اور میک اپ کرنے کے بعد آپ کے چہرے سے تازگی کا احساس ملے۔

4۔ وہ وقت گیا جب دلہن کسی بڑے سے سجے سجائے کیک کی مانند نظر آتی تھیں۔ آپ انفرادیت کو اپنائیے اور وہی کچھ پہنیے جو آپ پر سوٹ کرتا ہے۔ اگر لباس پرپل ہے تو ضروری نہیں کہ آنکھوں کا میک اپ بھی پرپل ہو اس کے علاوہ بھی شیڈز ہیں' تجربات کرکے دیکھیں جو سوٹ کرے اسے لگائیں۔

5۔ کوشش کرکے آپ اپنا میک اپ خود کرنے کی کوشش کریں اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بیوٹیشن سے کہیں کہ وہ آپ کی ہدایات کے مطابق عمل کرے۔ میک اپ کو نیوٹرل رکھیں اور بہت سارے رنگوں کے استعمال سے گریز کریں۔

6۔ اکثر دلہنیں فیشل کروانے سے بھاگتی ہیں' ساتھ میں گوری رنگت کو تھوڑا سانولا پن بھی دیتی ہیں اور دانتوں کو بھی چمکاتی ہیں اور یہ سب وہ ایک ہفتہ قبل کرتی ہیں مگر وہ یہ بھول جاتی ہیں کہ عین شادی والے دن جلد اکھڑ سکتی ہے۔ مسوڑے سرخ ہوسکتے ہیں اور سانولا پن کسی وال پیپر کی طرح الگ ہوسکتا ہے۔ آپ اپنے روٹین کو محض اس وجہ سے نہ چھوڑیں کہ آپ کی شادی ہورہی ہے' اپنے روٹین پر چلتی رہیں۔ باقاعدہ اسکن کیئر پر توجہ دیں' کھانا معمول کے مطابق کھائیں۔ ورزش کریں' ڈھیر سارا پانی پئیں' گہری نیند لیں اور کافی اور چائے سے دور رہیں۔

7۔ ماہرین حسن اگر یہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا میک اپ کردیں گے کہ پھر آپ کو پارٹی کے دوران ٹچنگ کی ضرورت ہی نہیں رہے گی تو آپ سمجھ لیں کہ وہ خواب فروخت کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ آپ کو بلوٹنگ پیپر اور ٹشو پیپر کی ضرورت رہے گی تاکہ آپ چہرے کی چمک پر قابو پاسکیں اور ایسا فوٹو بنوانے سے قبل ضرور کریں۔ لب اسٹک کو بھی ٹچنگ کی ضرورت رہتی ہے' رونے دھونے کے دوران آئی لائنر اور آئی شیڈ اور پھر مسکارا بھی ٹچ کرنے کی ضرورت لازمی پیش آتی ہے۔

8۔ اکثر لڑکیاں میگزین سے تصاویر الگ کرکے ایسے لک کی درخواست کرتی ہیں جو اُن پر قطعی سوٹ نہیں کرتا۔ آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے لک کو موقع کی مناسبت سے ہم آہنگ کریں اور وہی کچھ کریں جو آپ کے چہرے پر سوٹ کرتا ہے۔

9۔ ہر دلہن کو ایسے گال چاہئیں جن میں چمک ہو مگر ان کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس حالت میں جب فوٹوز بنتے ہیں تو چہرہ ایسا لگتا ہے جیسے اس پر گریس مل دیا گیا ہو۔ آنکھوں اور گالوں پر ہلکا میک اپ کریں' بے شک دوسرے حصے پر چمک لگالیں۔

10۔ ہونٹوں پر گلوسنگ نہ کریں کیونکہ شادی کے موقع پر بھاری لباس اور برقی قمقموں میں گرمی بہت لگتی ہے اور حرارت کی وجہ سے لپ اسٹک اور گلوسنگ پگھلنے لگتی ہے' اس لیے ٹیالے رنگ کے گلوس ٹھیک رہیں گے۔

غزل

آج ہمیں یہ بات سمجھ میں آئی ہے
تم موسم ہو اور موسم ہرجائی ہے
تو نے کیسے موڑ پہ چھوڑ دیا مجھ کو
دل کی بات چھپاؤں تو رسوائی ہے
تیرے بعد بچا ہی کیا ہے جیون میں
میں ہوں، بھیگی شام ہے اور تنہائی ہے
آج مری آنکھوں میں ساون اترے گا
آج بہت دن بعد تری یاد آئی ہے
جانے میں کیا سوچ کے چپ ہوں گم صم ہوں
جانے وہ کیا سوچ کے واپس آئی ہے

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: کائنات جعفری..... جلال پور سیداں

غزل

اب میرا زخم جگر اچھا ہے
ان کا انداز نظر اچھا ہے
ہر کڑی دھوپ میں جو دے سایہ
راستے کا وہ شجر اچھا ہے
توڑ دیتے ہو تم آئینوں کو
تم سے تو آئینہ اچھا ہے
بے ہنر ہو تو نہ پوچھے گا کوئی
جس میں ہو کوئی ہنر اچھا ہے
ہو جو بے فیض وہ انساں ہی نہیں
کام آئے جو بشر اچھا ہے
ہو نہ لذت تو خریدے اسے کون
ذائقہ ہو تو ثمر اچھا ہے
میں سمجھتا ہوں پہلے سے جمال
اب میرا زاد سفر اچھا ہے

شاعرہ: سمیع جمال

انتخاب: کوثر خالد..... جڑانوالہ فیصل آباد

غزل

عجب اک قحط لا حق ہے
کہ لوگوں کے سمندر میں
بہت دن ہوگئے میں نے
کوئی چہرہ نہیں دیکھا
جو دل کے جلتے صحرا پر
برس جائے گھٹا بن کر
کسی کے بھی لبوں پر
لفظ وہ ٹھہرا نہیں دیکھا
بہت دن ہوگئے میں نے
کوئی سپنا نہیں دیکھا
کوئی اپنا نہیں دیکھا

شاعر: روش ترمذی

انتخاب: ریما نور رضوان..... کراچی

غزل

سلگتی آنکھوں میں اک سمندر مرے عزیزو
میں کیا بتاؤں میرا مقدر، مرے عزیزو
ہر ایک لحظہ اتر رہی ہے جس کی یادیں
ہیں خواہشوں کے عجیب نشتر، مرے عزیزو
مجھے وہ نفرت بھری نظر سے جو دیکھتے ہیں
ہے ان کے سینے میں ایک پتھر مرے عزیزو
کبھی تو میرے اداس کمرے میں لوٹ آؤ
ہے وحشتوں کا عجیب منظر، مرے عزیزو
تمام دن کی تھکی اداسی کی فائلیں ہیں
ہے میرے دل میں غموں کا دفتر، مرے عزیزو
میں بھول جاؤں تو کس طرح سے بتاؤ راشد
سہانی شاموں کا وہ دسمبر، مرے عزیزو

شاعر: راشد ترین

انتخاب: صائمہ سکندر سومرو..... حیدرآباد، سندھ

غزل

کیا خبر کدھر کو جانا تھا
جانے والوں کو مگر جانا تھا

کس تعلق کی امیدیں تھیں ہمیں
ہجرتوں کو بھی ثمر جانا تھا
یہ اجڑنا تو اک سبب سے ہے
ورنہ ہم کو بھی سنور جانا تھا
وہ تو چہرہ تھا کسی کا جس کو
شب گزیدوں نے سحر جانا تھا
ہم نے آوارہ مزاجی کو ظریف
زندگی بھر کا ہنر جانا تھا
شاعر: ظریف احسن

انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... گجرات

راجدھانی

اسے اک سلطنت، اک راجدھانی چاہیے تھی
محبت میں بھی اس کو حکمرانی چاہیے تھی
بچھڑنے کا وہ پہلے سے تہیہ کر چکا تھا
اسے میری طرف سے بدگمانی چاہیے تھی
تو پھر سے امتحاں پر امتحاں لینے لگا ہے
ہمیں اس عمر میں کچھ مہربانی چاہیے تھی
ادا مجھ کو فقط تھا سرسری کردار کرنا
اسے شہرت کی خاطر اک کہانی چاہیے تھی
شاعر: سلیم سیال

انتخاب: طلعت نظامی...... کراچی

کاوشیں

کاوشوں سے امان ملے نہ ملے
پھر ترا آستاں ملے نہ ملے
اب قفس ہی کو آشیاں کہیے
راحت آشیاں ملے نہ ملے
دل سے رہتے ہیں مشورے دن رات
ہم سخن ہم زباں ملے نہ ملے
محو فریاد ہم ہیں آج کہ پھر
فرصت ایک فغاں ملے نہ ملے
علم آہ سر بلند ہے آج
کل ہمارا نشاں ملے نہ ملے
تو تو بے تاب ہے مگر اے دل
ہو کے وہ مہرباں ملے نہ ملے
یہ غزل جوش کو سنا محروم
پھر کوئی نکتہ داں ملے نہ ملے
شاعر: تلوک چند محروم

انتخاب: سدرہ شاہین...... پیر ووال

قربتیں

ہماری قربتوں میں فاصلہ نہ رہ جائے
قدم سے لپٹا ہوا راستہ نہ رہ جائے
ہوائے وحشت دل تیز چل رہی ہے بہت
ردائے ہجر مرا سر کھلا نہ رہ جائے
یہ لوگ کس لیے اپنے طواف میں ہیں مگن
صنم کدے میں مصلیٰ بچھا نہ رہ جائے
طنابیں کاٹ رہا ہے وہ خواہشوں کی مری
کہیں پہ دشت میں خیمہ لگا نہ رہ جائے
یہ لحہ لحہ جو ہم جام ہجر پی رہے ہیں
تو تشنگی کا سلیقہ دھرا نہ رہ جائے
مجاوران ادب اک نظر عنایت کی
غزل کی شکل میں کتبہ لگا نہ رہ جائے
شاعرہ: تسنیم عابدی

انتخاب: ارم صابرہ...... کراچی

وہ ساحل شب پہ سوگئی تھی

نیلے سایوں کی رات تھی وہ
وہ ساحل شب پہ سوگئی تھی
وہ نیلے سائے
ہوا کے چہرے پہ اور بدن پہ
اور اس کی آنکھوں میں سو رہے تھے
اور اس کے ہونٹوں پہ
سرخ خوش بو کی دھوپ
اس شب چمک رہی تھی
وہ ساحل شب وہ نیلے پانی
وہ آسمانوں سے سرخ پتوں کی تیز بارش
وہ تیز بارش بدن پہ پاس کے
گلاب موسم کے ان دنوں میں

وہ ساحل شب پہ سوگئی تھی
وہ سرخ خوش بو کی تیز دھوپوں میں
کھوگئی تھی

شاعر: کاشمیری

انتخاب: آسیہ اشرف...... شیخوپورہ

غزل

مہ وہ انجم نے قبا کی تو تمہارے لیے کی
چاند چہروں پہ ردا کی تو تمہارے لیے کی
وہ بھی تھا موج میں یہ دل بھی بہکنے ہی کو تھا
اپنے ہاتھوں نے حیا کی تو تمہارے لیے کی
کوہ و صحرا میں بھٹکتے سر ساحل پھرتے
میں نے ہر گام صدا کی تو تمہارے لیے کی
دل کے اس تپتے ہوئے تند بیاباں کے بیچ
میں نے اک نہر بند کی تو تمہارے لیے کی
مجھ سے تھا برسر کیں ربط نہاں تم سے تھا
دل نے گر تم سے وفا کی تو تمہارے لیے کی
رات مواج تھی جب ہاتھ اٹھے اس کے حضور
سب سے پہلے جو دعا کی تو تمہارے لیے کی
میں کہاں اور کہاں شاعری میں نے تو فقط
مجلس شعر بپا کی تو تمہارے لیے کی

شاعر: تحسین فراقی

انتخاب: رخسانہ اقبال...... خوشاب

نقاب رخ

یوں نقاب رخ مقابل سے اٹھی
چشم صد نظارہ مشکل سے اٹھی
بازگشت شور غرقابی سہی
کوئی تو آواز ساحل سے اٹھی
قافلے ہیں کتنے درماندہ خرام
گرد راہوں سے نہ منزل سے اٹھی
تھام کر دل کیا اٹھے ارباب درد
اک قیامت تیری محفل سے اٹھی
سر سے بھی گزری ہے طوفاں کی طرح
جب بھی کوئی موج خوں دل سے اٹھی

چشم نظارہ سے مانند حجاب
تہمت نظارہ مشکل سے اٹھی

شاعر: تابش دہلوی

انتخاب: صباء عیشل...... بھاگووال

غزل

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تری یاد تھی اب یاد آیا
آج مشکل تھا سنبھلنا اے دوست
تو مصیبت میں عجب یاد آیا
دن گزارا تھا بڑی مشکل سے
پھر ترا وعدہ شب یاد آیا
تیرا بھولا ہوا پیمان وفا
مر رہیں گے اگر اب یاد آیا
پھر کئی لوگ نظر سے گزرے
پھر کوئی شہر طرب یاد آیا
حال دل ہم بھی سناتے لیکن
جب وہ رخصت ہوا تب یاد آیا
بیٹھ کر سایہ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

شاعر: ناصر کاظمی

انتخاب: حنا اشرف...... کوٹ ادو

خالی مکان

بادل سا جیسے اڑتا ہوا یک صدا سنی
آواز دے کے چھپ گیا اک سایہ سا کوئی
جب لالٹین بجھ گئی کوئی ہوا نہ تھی
سردی تھی کچھ عجیب سی ٹھنڈے مزار سی
بیمار سی مہک تھی کسی خشک ہار کی
پھوٹی کرن کہیں سے نگاہوں کے زہر کی
باہر گلی میں چپ تھی کسی اجڑے شہر کی

شاعر: منیر نیازی

انتخاب: خوباریہ ساحر...... مظفر گڑھ

غزل

تجھ سے دامن کشاں نہیں ہوں میں

اے زمیں! آسماں نہیں ہوں میں
کارواں میرے بعد آئے گا
گرد ہوں، کارواں نہیں ہوں میں
پھیل سکتا ہوں چھا نہیں سکتا
روشنی ہوں دھواں نہیں ہوں میں
ناز ہے مجھ پہ میرے صانع کو
زحمت رائیگاں نہیں ہوں میں
جزو ہوں ایک جاوداں کل کا
ہاں اگر جاوداں نہیں ہوں میں
اپنی تقدیر پر یقین نہیں
آپ سے بدگماں نہیں ہوں میں
در و بست چمن کو کیا جانوں
پھول ہوں باغباں نہیں ہوں میں
زندگی پر بہار ہے مجھ سے
زندگی کی خزاں نہیں ہوں میں
یا نگاہ طلب ہوں یا جلوہ
پردہ درمیاں نہیں ہوں میں
سوچتے دیکھیے مآل وفا
آپ سے سرگراں نہیں ہوں میں
موت سے چھیڑ چھاڑ جاری ہے
زیست کا نوحہ خواں نہیں ہوں میں
آشیاں کیا بناؤں گلشن میں
قابل آشیاں نہیں ہوں میں
اے غم صبر آزما سن لے
قابل امتحاں نہیں ہوں میں
یوسفوں کا ہے کارواں مرے ساتھ
یوسف کارواں نہیں ہوں میں
میں صبا آہ بھی نہیں کرتا
آشنائے فغاں نہیں ہوں میں

شاعر: صبا اکبرآبادی

انتخاب: جویریہ ضیاء..... کراچی

غزل

ان بلا کی آندھیوں میں اک شجر باقی رہے
فاختاؤں کے لیے کوئی تو گھر باقی رہے
ایک تارہ ایک دیپک ایک جگنو ہی سہی
رات کی دیوار میں کوئی تو در باقی رہے
چاند کی کشتی تہ دریا ہوئی تھی جس جگہ
کچھ نشاں باقی رہے کوئی بھنور باقی رہے
جانے والے کو کبھی لوٹ کر آنا نہیں
لوٹ آنے کی بہر صورت خبر باقی رہے
سرد موسم میں اٹھا کر ہاتھ یہ مانگیں دعا
تن میں جاں باقی رہے جاں میں شرر باقی رہے
راہ میں تھک کر کہیں پر بیٹھ مت جانا شفیق
گھر کی جانب واپسی کا اک سفر باقی رہے

شاعر: شفیق سلیمی

انتخاب: فضاء احمد..... حیدرآباد

مہک اٹھا ہے آنگن اس خبر سے
وہ خوشبو لوٹ آئی ہے سفر سے
جدائی نے اُسے دیکھا سرِبام
دریچے پر شفق کے رنگ برسے
میں اس دیوار پر چڑھ تو گیا تھا
اُتارے کون اب دیوار پر سے
گلہ ہے ایک گلی سے شہرِ دل کی
میں لڑتا پھر رہا ہوں شہر بھر سے
اسے دیکھے زمانے بھر کا یہ چاند
ہماری چاندنی سائے کو ترسے
میرے مانند گذرا کر میری جان
کبھی تو خود بھی اپنی رہ گزر سے

شاعر: جون ایلیا

انتخاب: راور فاقت علی

alam@aanchal.com.p

شوخیٔ تحریر

ہما ذوالفقار

تین سوال.....ایک جواب

ایک کافر نے ایک بزرگ سے سوال کیا۔

"اگر تم میرے تین سوالوں کا جواب دے دو تو میں مسلمان ہوجاؤں گا۔

1۔ جب ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے تو تم لوگ انسان کو کیوں ذمہ دار ٹھہراتے ہو؟

2۔ جب شیطان آگ کا بنا ہوا ہے تو اس پر آگ کیسے اثر کرے گی؟

3۔ جب تمہیں اللہ تعالیٰ نظر نہیں آتا تو اسے مانتے کیوں ہو؟

بزرگ نے اس کے جواب میں پاس پڑا ہوا مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر اس کو مارا۔

اس کافر کو بہت غصہ آیا اور اس نے قاضی کی عدالت میں بزرگ کے خلاف مقدمہ دائر کردیا۔ قاضی نے بزرگ کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ "تم نے کافر کے سوالوں کے جواب میں اسے مٹی کا ڈھیلا کیوں مارا۔"

بزرگ نے کہا کہ "یہ اس کے تینوں سوالوں کا جواب ہے۔"

قاضی نے پوچھا۔ "وہ کیسے؟"

بزرگ نے کہا۔

1۔ اس کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے یہ ڈھیلا اللہ کی مرضی سے اسے مارا ہے تو پھر یہ اس کا ذمہ دار مجھے کیوں ٹھہراتا ہے۔

2۔ اس کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان تو مٹی کا بنا ہوا ہے پھر اس پر مٹی کے ڈھیلے نے کیسے اثر کیا۔

3۔ اس کے تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اسے درد نظر نہیں آتا تو اسے محسوس کیوں ہوتا ہے۔

اپنے سوالوں کے جواب سن کر کافر فوراً مسلمان ہوگیا' سبحان اللہ۔

اقصیٰ کشش.....محمد پور دیوان' پنجاب

چار چیزیں

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے "کیا اچھا ہوتا اگر چار چیزیں ہوتیں اور چار نہ ہوتیں۔"

زندگی ہوتی.....موت نہ ہوتی۔

جنت ہوتی.....دوزخ نہ ہوتی۔

امیری ہوتی.....غریبی نہ ہوتی۔

تندرستی ہوتی.....بیماری نہ ہوتی۔

تو غیب سے آواز آئی۔

اگر زندگی ہوتی اور موت نہ ہوتی تو میرا دیدار کون کرتا۔

اگر جنت ہوتی دوزخ نہ ہوتی تو میرے عذاب سے کون ڈرتا۔

اگر امیری ہوتی اور غریبی نہ ہوتی تو میرا شکر ادا کون کرتا۔

اگر تندرستی ہوتی بیماری نہ ہوتی تو مجھے یاد کون کرتا۔

یہ باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنیں تو کہا "بے شک میرے پروردگار تیرے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے۔"

تانیہ جہاں.....سیالکوٹ' ڈسکہ

موت کے بعد

تیسرے دن.....ناخن گر جاتے ہیں۔

چار دن بعد.....بال گل سڑ جاتے ہیں۔

پانچ دن بعد.....دماغ ختم ہوجاتا ہے۔

چھ دن بعد.....معدہ اور دیگر اجزاء باہر نکل آتے ہیں۔

دو مہینے بعد.....ہڈیوں کے سوا سب کچھ ختم ہوجاتا ہے۔

غرور' تکبر' نفرت' دولت کی ہوس' دلوں میں بغض' دشمنی' رنجشیں' کینہ' حسد' شہرت' عزت کہاں جاتا ہے یہ سب کچھ۔

ذرا سوچیے۔

سمیرا سواتی.....بھیر کنڈ

بدلہ

لڑکیاں زندگی کے ہر موڑ پر ڈرتی ہیں۔
☆ اکیلی ہو تو سنسان راہوں کا ڈر۔
☆ بھیڑ میں ہو تو لوگوں کا ڈر۔
☆ کوئی دیکھ رہا ہو تو اس کا ڈر۔
☆ بچپن میں والدین کا ڈر۔
☆ جوان ہو تو بھائیوں کا ڈر۔
وہ ڈرتی ہیں اور تب تک ڈرتی رہتی ہیں جب تک انہیں کوئی جیون ساتھی نہیں مل جاتا پھر......
وہی شخص ہوتا ہے جس سے وہ سب کا بدلہ لیتی ہیں۔

ماریہ کنول ماہی...... گوجرانوالہ

انمول باتیں

❖ انسان مایوس اور پریشان اس وقت ہوتا ہے جب اپنے رب کو راضی کرنے کے بجائے لوگوں کو راضی کرنے میں لگ جاتا ہے۔
☆ دنیا تماشا' فریب ہے اور لوگ فریب کے جال میں پھنسے ہوئے تماشائی۔
☆ اگر کوئی محبت کرنے والا شخص آپ پر غصہ کرنا چھوڑ دے تو سمجھ جاؤ تم اپنی اہمیت اس کی نظر میں کھو چکے ہو۔
☆ دنیا کا سب سے خوب صورت پودا محبت کا ہوتا ہے جو زمین پر نہیں بلکہ دلوں میں اُگتا ہے۔
☆ معاشرے پر تمہارا اس سے بڑا احسان اور کوئی نہیں ہوگا کہ تم خود سنور جاؤ۔
☆ تعجب ہے لوگ ڈاکٹر کے کہنے پر حلال چھوڑ دیتے ہیں مگر اللہ کے کہنے پر حرام نہیں چھوڑتے۔

حور خان...... چکوال

اچھی اچھی باتیں

❖ جو ایمان تمہیں بستر سے اٹھا کر مسجد یا مصلیٰ تک نہیں لے جا سکتا وہ قبر سے جنت تک کیسے لے جائے گا۔
❖ تیرا بہترین دوست وہ ہے جو تیرے عیب جان کر بھی تیرا رہے اور وہ تیرے پروردگار کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔

❖ نہ محبت نہ دوستی ہمیں کچھ راس نہیں' سب بدل جاتے ہیں ہمارے دل میں جگہ بنانے کے بعد۔
❖ اگر تم اپنے والدین کی باتوں پر توجہ دو گے تو لوہے اور پتھر کی چٹان بھی تمہارے ہاتھوں میں آ کر موم ہو جائے گی۔
❖ محبت کی کشتی میں سب سے پہلا سوراخ شک کا ہوتا ہے۔
❖ لوگ اونچے پہاڑوں سے ہی نہیں اکثر کنکروں سے بھی پھسل جاتے ہیں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

مہکتی کلیاں

❖ انا کا مضبوط ترین خول ہمیشہ محبت توڑتی ہے۔
❖ صاف گوئی میں نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہوتا ہے۔
❖ لوگ کہتے ہیں کہ کسی ایک کے چلے جانے سے زندگی نہیں رک جاتی لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ لاکھوں کے مل جانے سے بھی اس ایک کی کمی پوری نہیں ہوتی۔
❖ آنسو اس وقت زیادہ تکلیف دیتے ہیں جب کوئی اپنا دکھ دے۔

فیاض اسحاق مہانہ...... سلانوالی

لیبرز ڈے (یکم مئی)

کیسی کسی غریب کی اس کو لگی تھی آہ
شہر امیر کا گلشن لمحوں میں تھا فنا
جب لخت جگر سامنے آنکھوں کے تم زیر
اک ماں کا آنسو چیر گیا عرش کا سینہ
اور اے غریبوں کر لو کواڑوں کو بند اب
کہیں رہزنی ہوا سے بھسم ہو نہ آشیاں
مظلومو ہوشیار جاؤ جائے ستم کر
دولت کے بل پر چل دیئے ظالم کے رہنما
جا اب سنبھال دل کی یہ مسکان خراشیں
بینائی سب کی جا چکی جانے کہاں کہاں

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ' ڈسکہ

انا

کسی دوسرے کو دکھ اور تکلیف دینے سے پہلے اگر انسان صرف ایک بار یہ سوچ لے کہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے تو وہ کبھی کسی کا برانہ چاہے۔ دنیا نے مجھے حقیر سمجھا تو کیا ہوا میں دنیا میں بے قیمت ہوگئی تو کیا ہوا۔ مجھے یہ سوچنا ہے کہ میرے اللہ کی نظر میں میری کیا قیمت ہے؟ کیا میں اس کے دربار میں سرخرو ہونے کے قابل ہوں سوچیے مجھیے جانیے اور اپنا آپ پا کر مطمئن ہوجایئے۔

سیدہ جیا عباس کاظمی...... مرالی تلہ گنگ

لوری

محبت کی دھنک لیے
جذبوں کی دولت لیے
وفا کی مشعل لیے
جفا کو مات دیئے
احساس کا مشک لیے
سچے اور کھرے جذبات لیے
میں نکلی تھی تلاش انساں میں
افسوس نہ مل سکا مجھے کوئی ایسا
جس میں نظر آئے یہ سب
پھر سلادیا جذبات کو
ایک میٹھی سی پیاری سی لوری دے کر
الابذکر اللہ تطمئن القلوب......

شازیہ ہاشم صواتی...... کھڈیاں خاص قصور

چٹکلے

مریض: ڈاکٹر صاحب مجھے دور کا نظر نہیں آتا۔"
ڈاکٹر: "آسمان پر دیکھو وہ کیا ہے؟"
مریض: "چاند۔"
ڈاکٹر: "اب اس سے آگے کیا فرشتے دیکھے گا؟"

پاکیزہ علی...... جتوئی

آزمایا جاتا ہے

بہادر...... مقابلے کے وقت۔
مستقل مزاج...... مصیبت کے وقت۔
امانت دار...... مفلسی کے وقت۔
عورت کی محبت...... فاقہ کے وقت۔
دوست...... ضرورت کے وقت۔
بردبار...... غصہ کے وقت۔
شریف...... معاملہ ٹوٹنے کے وقت۔

عائشہ رحمٰن ہنی...... ریالی مری

اُجرت

پٹنہ میں علامہ اقبال کے ایک دوست بیرسٹری آر داس کے پاس کسی نواب صاحب کا ایک مقدمہ آیا۔ اس مقدمہ میں نواب صاحب کی جن دستاویزات کو عدالت میں پیش کرنا تھا۔ وہ فارسی میں تھیں ان کا ترجمہ انگریزی میں ہونا تھا بیرسٹری آر داس نے فارسی سے انگریزی ترجمہ کرنے کے لیے علامہ اقبال سے کہا اور ایک ہزار روزانہ فیس طے کرکے انہیں پٹنہ بلوایا۔ علامہ نے رات کو فارسی دستاویزات دیکھیں اور رات کو ہی ان کا ترجمہ انگریزی میں مکمل کردیا اور صبح سی آر داس کو دے دیا' سی آر داس نے انگریزی ترجمہ دیکھنے کے بعد کہا۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ کو تو یہ کام کئی دن میں مکمل کرنا چاہیے تھا کیونکہ آپ کو ایک ہزار روزانہ فیس پر بلایا گیا تھا۔" علامہ اقبال نے اپنے دوست کی باتیں اطمینان سے سنیں اور بولے۔

"میرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر ایسی اُجرت حرام قرار دی ہے جو کہ مختصر کام کو طول دے کر حاصل کی جائے۔"

عروسہ شہوار رفیع...... کالا گوجراں، جہلم

اقوال زریں

○ حیثیت اور آمدنی کے مطابق زندگی بسر کرو کیونکہ اسی میں تمہاری حقیقی خوشی ہے۔
○ دوسروں سے ہمدردی رکھو کیونکہ کل تمہیں خود بھی دوسروں کی ہمدردی کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔
○ دوسروں کے سامنے محفل میں بیٹھ کر اپنی خامیاں مت گنو کیونکہ تمہارے جانے کے بعد یہ کام باآسانی

ہوجائے گا۔

منزہ ارشد قاضی......چکوال

کون کم بخت

میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کی نوعیت جاننے کے لیے ان کے بزرگ نے بیوی سے پوچھا۔

''آخر تمہیں اپنے خاوند سے کیا شکایت ہے؟''

''یہ بات بات پر گالیاں دیتے ہیں اور کنجوس اتنے ہیں کہ گزارا کرنا بہت مشکل ہے۔'' بیوی نے شکایت کی تو خاوند تلملا کر بولا۔

''کون کم بخت اس بدذات عورت کو گالیاں دیتا ہے' بکواس کرتی ہے اور سارے پیسے اس کو دیتا ہوں خواہ جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہ ہو۔''

ارم کمال......فیصل آباد

زندگی

زندگی ایک کھلونا ہے آخر اس کو ٹوٹ ہی جانا ہے کیوں نہ اچھا ہو کہ یہ کھلونا کسی کے کام آ کر ہی ٹوٹ جائے۔ اپنی زندگی کے ہر لمحے کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق گزاریں جو کہ کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے صرف دنیا میں ہی نہیں آخرت کو بھی کامیاب ترین کردے گا۔ زندگی میں کبھی کسی کو دکھ نہ دیں' کبھی کسی پر بہتان نہ لگائیں' منافقت اختیار نہ کریں' دوسروں کا مذاق نہ بنائیں صرف اس بات کو سامنے رکھیں کہ زندگی پانی کا بلبلہ ہے جو پانی کی سطح پر کچھ دیر کے لیے ہی ابھرتا ہے۔ زندگی بھی ایسے ہی ہے نہ جانے کب بجھ جائے اس لیے اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگیوں کو بھی شاد کریں' خود بھی خوش رہیں دوسروں کو بھی خوش رکھیں۔

لاریب انشال......اوکاڑہ

مسکراہٹ کے پھول

ایک شخص نے مکان کے دروازے پر دستک دی' اندر سے کسی بچی نے پوچھا۔

''کون؟''

''جی میں ہوں آپ کا پڑوسی' آپ کی بلی میری کار کے نیچے آ کر کچلی گئی ہے' میں آپ کا نقصان کیسے پورا کرسکتا ہوں بھلا؟''

بچی نے کہا۔''شکریہ! اگر آپ کو چوہے کھانے کا تجربہ ہے تو کبھی کبھار یہاں آ کر بلی کی ڈیوٹی انجام دے جایا کریں۔''

نمرہ آزاد......خیرپور ٹامیوالی

نم آنکھیں

یاد ہے......
ایک بار تم نے کہا تھا کہ
تمہاری آنکھیں ہر وقت نم
کیوں رہتی ہیں' ہم تمہیں کیا
بتائیں جاناں
ایک تم ہی تو میری ہستی کا
ساماں ہو تو تمہارے کھو جانے
کے ڈر سے ہی تو رہتی ہیں میری
نم آنکھیں......

طاہرہ منور......

لکھنے والے نے کیا خوب لکھا ہے......

اپنے کردار کو ایک باغ کی طرح مت بناؤ جہاں ہر کوئی چہل قدمی کرے بلکہ اس کو آسمان کی طرح بناؤ کہ ہر کوئی اس کو چھونے کا تمنائی ہو۔

بچپن میں ہم پنسل کا استعمال کرتے تھے مگر اب پنسل نہیں پین استعمال کرتے ہیں پتا ہے کیوں؟

کیونکہ بچپن میں غلطیاں مٹ سکتی تھیں پر اب نہیں

''زندگی جب مایوس ہوتی ہے زندگی تب ہی محسوس ہوتی ہے۔''

عروشہ تصور......چیلیچی

shukhi@aanchal.com.pk

جوہی احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو خالق کونین اور مالک ارض وسماں ہے۔ آپ بہنیں جس طرح حجاب کو سجانے سنوارنے میں ہماری مدد کررہی ہیں اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔امید ہے اس بار بھی حجاب آپ کے ذوق پر پورا اترے گا۔کوشش کیا کریں کہ نگارشات پندرہ تاریخ تک ارسال کردیا کریں‘ اب بڑھتے ہیں حسن خیال کی جانب جہاں آپ کے خیالات مصنفین کی تحریروں کو حسن بخش رہے ہیں۔

موناشاہ قریشی ...... ای میل۔ آداب! آغاز گفتگو سلام ادب سے کرتے ہیں پورے اسٹاف اور قارئین پہ رب کی سلامتی ہو، نیلے رنگ کا حجاب اوڑھے اپریل کے حجاب ٹائٹل کی ماڈل پہ سرسری سی نگاہ ڈالنے کے بعد ”بات چیت“ کے صفحہ کو عین چشم کے سامنے کیا اور مدیرہ کے حرف حرف کو سرہلا کرتابع فرماں طلبہ کی طرح سمجھ داری کا عندیہ دیا۔حمد کا لفظ لفظ قلب پہ کندہ ہوگیا اور نعت نے بھی اسی مسند پہ نشست سنبھال لی۔”ذکر اس پری وش کا“ میں تمام تعارف دلچسپی کی لپیٹ میں تھے آفیہ نور آفرین ہے جناب آپ پہ بتا پڑھے سب کچھ پڑھ لیتی ہیں یعنی جذبہ ادب بدرجہ اتم موجود ہے آپ میں، قابل ستائش عمل۔”آغوش مادر“ ہمیشہ کی طرح دل مٹھی میں کرجاتا ہے لالہ اسلم کا ماں کے لیے خوب صورت اظہار بے حد پسند آیا اگر دنیا کے تمام لفظ بھی مل جائیں تو ماں کے رتبہ کا مقابلہ نہ کرپائیں۔”رخ سخن“ میں سرعرفان راے سے ملاقات خوب رہی ادبی لوگوں سے مل کر یا ادب پڑھ کر ایک عجب سی خوشی‘ سرور اور آسودگی سی محسوس ہوتی ہے۔اس سرور کی کیفیت سے نکل کر جو ذرا آگے سرکے تو نگاہ ٹھہر گئی اور بے ساختہ لب ہائے ایک نامحسوس آواز سنائی دی کہ ریحانہ آفتاب کا ناولٹ نام ہی کافی ہے۔دل کی آواز پہ مسکراتے ہوئے ”کج مینو مرن دا شوق وی سی“ سے لطف اندوز ہونے کے لیے تیار ہوگئی‘ منفرد نام کی حامل ہیروئن المیر اواہ واہ بھئی (ہائیں یہ میری حسن پرستی) روایتی خاندانی چپقلش میں زندگی کو سکتے دیکھ کر دل ہول گیا موت در موت کے قہر سے ہر صفحہ آبدیدہ تھا، عائشے گل کی موت وجود میں سوئیاں پیوست کرگئی، المیر اکا جھوٹ بہت کھلا مگر فہم کا ثبوت دیتے ہوئے اس نے کمال مہارت سے رشتوں کا توازن قائم رکھ کر میرا تو دل جیت لیا بعد میں معلوم ہوا محترم عائز صاحب کو بھی اپنے پلو سے اول روز ہی باندھ چکی تھیں محترمہ، ریحانہ بجو اللہ آپ کے قلم کی چھاپ مزید گہری کرے۔”کڑوا سچ“ از سلمٰی فہیم گل‘ اس ناولٹ میں جھوٹ کی تشہیر اس انداز میں کی گئی کہ میں لب بھینچے کافی دیر تک آنکھوں کی نمی ضبط کرتی رہی۔احسن اور ایمان بلکہ احسن کی محبت اور ایمان کی شائستگی نے کہانی کو گھیرے رکھا آخر میں وہی بات کہ ”ایک بار کا جھوٹا سو بار کا جھوٹا“ کاش احسن نے بھی اس حوالے سے جھوٹ نہ گھڑا ہوتا تو شاید اس میں زندگی کی رمق باقی رہ جاتی۔اپنے نام کے مثل تحریر تلخ حقائق لیے ہوئے تھی زبردست سلمٰی فہیم۔خدیجہ جلال کا افسانہ ’وہ ایک خطا“ معاشرے کے ایک اور خراب پہلو کی جانب اشارہ تھا‘ دوسروں کی ٹوہ اور جلاپے میں سڑتے لوگ دوسری طرف عدم اعتماد اور تیسری طرف انا کی سربلندی تحریر کا خاصہ تھیں۔میڈم جیسے لوگ عنقا ہوتے ہیں جو بہت کم دستیاب ہوتے ہیں منجھی سنجیدہ تحریر کے لیے بہت ہی داد خدیجہ صاحبہ۔”توبہ یہ اپریل فول“ حیا بخاری کا شگفتہ انداز، جھوٹ کے نقصان کو بہتر طور سمجھایا نوک جھونک طنز میں لپٹی تحریر سوا دے گئی ہائے ”ادھوری سوچ“ افسانہ کی مصنفہ حوزا مبارک باد تو قبول کریں پہلے۔ماورا طلحہ میں نے پہلی بار آپ کو پڑھا ہے اور اچھا لگا سادگی اور روانی سے آپ نے اپنی تحریر میں جو مثبت پیغام دیا‘ پرفیکشن سراب ہے جو اس کے پیچھے بھاگتا ہے وہ فریب کھاتا ہے میں نے عریشہ سہیل کی بات پہ بالکل عمل نہیں کیا بلکہ جو سچ تھا وہ بیان کیا بھئی اچھی چیز داد کی مستحق ہوتی ہے نا۔”رویا من تنہا تنہا“ از سعدیہ عابد بہت نام سنا مگر کبھی پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔حجاب میں پہلی بار آپ کو پڑھا اور آپ کی قلم کی طاقت کی میں قائل ہوگئی، محبت کو جس خوب صورتی سے آپ نے بیان کیا واہ واہ۔محبت تو بڑے بڑے سورماؤں کو قابو کرلیتی ہے پھر حیدر عباس کیا شے ہے حسن کے لوازمات گھائل کرسکتے ہیں مائل بھی کرسکتے ہیں مگر بقول جون ایلیا ”حسن اتنی بڑی دلیل نہیں“ کے مصداق ایک عام صورت نے حسن کو ہرادیا‘ خوب است۔”من مسیحا“ از بشریٰ ماہا‘ گھر گھر کی کہانی کو جو آپ احاطہ قلم میں لائیں بہت خوب کیا۔یہی وطیرہ اپنایا ہوا ہے لوگوں نے، آنا کھانا اور جانا، ستر فیصد مائیں اس روش سے پریشان ہیں۔عیب جوئی کرکے خواتین چلتی بنتی ہیں کوئی لحاظ مروت ہی نہیں رہی۔اسد اور اس کی فیملی جیسے مسیحا لوگ بہت خال خال پائے جاتے ہیں حمنہ کے نصیب بھی اسی مسیحائی میں جاگ گئے۔”کچھ کھونے سے پہلے“ مدیحہ کنول نے سادہ سی تحریر میں مندرجہ بالا اپریل فول والے موضوع کے ساتھ انصاف کیا۔”نشاط کار“ کی مصنفہ حنا کامران بھی اصلاحی پہلو لیے جلوہ افروز تھیں۔کوئی کسی کے دکھ میں شریک نہیں ہوتا اپنا درد صرف اپنا ہوتا ہے اس لیے کیا کہیں گے لوگ والے مقولہ کو پس پشت ڈال کر انسان کو وہی کرنا چاہیے جس میں اسے اپنے اور اپنے سے جڑے لوگوں کی خیر خواہی شامل ہو‘ عمدہ تحریر۔”مائے نی میں کنوں آکھاں“ ملیام اعوان نے افلاس سے یوجھل غربا کی مجبوریوں کو بیان کیا جو کہ حقیقت پہ مبنی ہے آرزوؤں کو جلا کر راکھ کردیتی ہے غریبی ایسی آگ ہے۔”یہ راہ مشکل نہیں“ از مریم مرتضیٰ۔کبھی بھی کسی کو کمتر نہیں جاننا چاہیے‘ دوسروں کے عیب کو منہ بھر بھر کر بیان کرنا کوئی قابل ستائش عمل نہیں بلکہ قابل گرفت ہے اس لیے صرف اپنے احتساب پہ دھیان خاص رکھنا چاہیے‘ زبردست تحریر۔رفعت آپا کے حوالے سے صبا جراں کا آرٹیکل ملال اور دکھ سے ہم کنار کرگیا‘ یہ خبر سن کر جو چیخ میں لپٹی سسکی میرے منہ سے نکلی تھی اس کا درد بیان سے باہر ہے۔میں یقین نہیں کرنا چاہتی کہ آپا ہم میں نہیں ہیں‘ میری دعاؤں میں ان کی مغفرت کی دعا سب سے پہلے ہوتی ہے۔سلسلہ وار ناول ”شب آرزو تیری چاہ میں“ نائلہ بجو یقین کریں سب سے پہلے یہ ناول پڑھتی ہوں پھر کوئی اور‘ بہت عمدگی سے کہانی آگے بڑھ رہی ہے‘ ایک ایک کردار لاجواب ہے‘ زرکاش، دراج‘ حازق‘ عرش۔رجاب کی تشویش ناک حالت فکر میں مبتلا کررہی ہے‘ دراج کے ارادے بہت خطرناک پلس تجسس سے لبریز ہیں۔کھاگ شکاریوں جیسے اس کے انداز بعض اوقات مسکرانے پہ مجبور کردیتے ہیں، رزکاش بھائی صاحب تج

جائیں ذرا اور شدید ہوگا کھاؤ بڑا گھبرا آئے گا۔ ''دل کے دریچے'' میں صدف آپی آپ کی تعریف میں کیا تحریر کروں جس انداز میں آپ محبتوں کو قلم کے موتیوں سے سجا رہی ہیں وہ لائق تحسین ہے۔ فائز کی لاتعلقی نے سفینہ جیسے گلاب کو مرجھا دیا ہے ایک بندہ مجھے بہت برا لگتا ہے وہ ہے نبیل۔ لفروں والی حرکات دسکنات پہ محبت کا لیبل چسپاں کیے گھومتا ہے جو میسر ہوا اس پہ ہاتھ صاف کر لو یہ محبت نہیں ہوتی' کہانی دلکشی سے رواں دواں ہے۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' نادیہ آپی تسی وی کمال کردے او۔ دلچسپ سی کہانی میری توجہ کی پٹاری میں ہے ہر کردار پر تجسس ہے ڈاکٹرز کے ماضی کا راز کیا ہے انتظار رہے گا۔ مونس جیسے خراب الحال بندوں کے ساتھ بہت برا ہونا چاہیے مگر ایسے لوگ جب تک کسی کے ساتھ برا نہ کریں انہیں ٹھنڈ نہیں پڑتی۔ علینہ کے ساتھ کیا ہونے والا ہے یہ تو اگلی قسط ہی بتائے گی' شاندار آغاز۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' نادیہ فاطمہ کی تحریر میں ایک چیز جو میں نے نوٹ کی ہے وہ ہے منظر نگاری اور جزئیات نگاری بہت خوب کرتی ہیں۔ کس رنگ کا سوٹ زیب تن کیا ہے یہ بات وہ لازمی بتاتی ہیں اور مجھے پڑھ کر مزا آتا ہے' سونیا کی بےہودگی نے جو چاند چڑھایا ہے اب اللہ ہی اسے ٹھکانے پہ لاسکتا ہے اور ایک دن لائے گا مگر تب تک فراز کو بے جرم سزا کاٹنی پڑے گی۔ ''جیسا میں نے دیکھا'' میں پروین شاکر کی زیست کا احوال ملول کر جاتا ہے۔ مجھے ان کے نصف بہتر کا کھنچا ہوا رویہ سمجھ نہیں آیا آگے دیکھتے ہیں کہ واضح وجہ کیا ہوگی۔ ''شوخیٔ تحریر'' میں اردو ادب کی معلومات در حقیقت معلومات میں خوشگوار اضافہ کر گئیں۔ ''بزم سخن'' کے اشعار سے فیض یابی کے بعد کچن کا رُخ پہ دھرنا دیا اور صبا عیشل آپی کی ریسپی مسور پلاؤ بنانے کا تہیہ کیا۔ ''آرائش حسن'' سے نظر بچا کر آگے کو سر کے بھئی اتنے جتن نہیں ہوتے نا جیسے ہیں ویسے ٹھیک ہیں۔ ''عالم میں انتخاب'' اعلیٰ پایہ شاعروں سے بھرا تھا مگر صبا مرزا کا انتخاب یعنی جون ایلیا کی شاعری کھٹ سے دل میں جا لگی۔ ''شرمندگی ہے ہم کو بہت ہم ملے تمہیں'' واہ واہ شوخیٔ تحریر میں اردو ادب کی معلومات پسندیدگی کی سند لے اڑیں۔ ''حسن خیال'' میں اول تبصرہ پہ ہماری حرا قریشی کو مبارک باد، دوئم اور سوئم آنے والے تبصروں کو بھی مبارک ''شوبز کی دنیا'' میں رتی برابر بھی دلچسپی نہیں سو آگے پھلانگ گئی اور ٹوٹکوں سے مستفید ہونے کے بعد حجاب کو بند کر کے سکون سے آنکھیں موند لیں۔ ادارے کے تمام اراکین اور سربراہان کی محنت کا منہ بولتا ثبوت آنچل و حجاب ہیں۔ مشفق مہربان مثبت رویے ہی کسی بھی ادارے کو کامیاب کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ آنچل کے تمام اسٹاف کو یوں ہی عروج کی وسعتیں عطا کرتا رہے آمین' فی امان اللہ۔

☆ ڈیئر مونا! فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے پر ڈھیروں مبارک باد۔

ماورا طلحہ...... وزیر آباد۔ السلام علیکم! ذرا پھولوں کی پتیاں بچھا دیں کیونکہ ہم بھی ایک عدد تبصرے کے ساتھ حاضر ہیں۔ حجاب پڑھنے والوں کو تہہ دل سے سلام عرض کرتے ہیں اور ان کی خیریت مطلوب چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے تو میں طاہر بھائی اور سعیدہ آپا کی مشکور ہوں جنہوں نے میری کاوش کو حجاب کا حصہ بنایا۔ ڈائجسٹ کھولتے ہی سب سے پہلے اپنا افسانہ دیکھا (بھئی نام دیکھنے کی خوشی تھی) سب گھر والوں کو دکھایا اور اس کے بعد ڈائجسٹ ضبط کر لیا۔ ''بات چیت'' اور ''اس ماہ کے ستارے'' پہ سب سے پہلے نظر دوڑائی اور اس کے بعد حمد اور نعت سے دل کو منور کیا۔ ''ذکر اس پری وش کا'' میں سب کا خوب صورت تعارف پڑھا۔ کبھی ہم بھی حاضر ہوں گے بچیوں کو ڈرانے کے لیے۔ ''رخ سخن'' میں عرفان رامے سے ملاقات اچھی رہی اور ان کے بارے میں ڈھیر ساری معلومات حاصل ہوئی۔ ''آغوش مادر'' کے بارے میں کچھ کہنا مطلب سورج کو چراغ دکھانا، ماں کے بارے میں جتنا بھی لکھو کم ہے۔ سب سے پہلے جس تحریر کی تعریف کروں گی وہ ہے'' کج میںوں مرن دا شوق وی سی''

کج انج وی راہ واں اوکھیاں سن
کج گل وچ غم دا طوق وی سی
کج شہر دے لوک وی ظالم سن
کج میںوں مرن دا شوق وی سی

واہ ریحانہ آفتاب آپی! کیا کہانی لکھی، ایسی کہانیاں ہمیشہ سے ہی میری پسندیدہ رہی ہیں اور دوسرا بہت عرصے بعد اس سٹائل کی تحریر آئی، المیر اور فائز کی جوڑی زبردست تھی مگر عائشے گل اداس کر گئی۔ آپ کا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے کہانی میں سبق بھی دیا۔ دشمنی صرف زندگی کا زیاں اور انسانیت کا قتل ہے۔ ایسے ہی اچھا اچھا لکھتی رہیں۔ ''کڑوا سچ'' آغاز سے ہلکی پھلکی محبت کے رنگوں سے بھری تحریر لگی مگر انجام پہ آنکھیں بھر آئیں۔ سلمیٰ فہیم گل نے ''اپریل فول'' کے حوالے سے اچھا سبق دینے کی کوشش کی۔ ''وہ ایک خطا'' معاشرتی کہانی، خدیجہ جلال نے معاشرتی برائی کے بارے میں بہت اچھے سے لکھا۔ صدف آصف آپی کا ناول آغاز سے نہیں پڑھا مگر اس ماہ کی قسط پڑھ کر کہانی کا تھوڑا بہت اندازہ ہوا ہے، صدف آپی تو لکھتی ہی کمال ہیں اور امید واثق ہے یہ ناول بھی شاہکار ہوگا۔ اس ناول کے لیے بہت سی دعائیں صدف آپی۔ افسانے سارے ہی بہت خوب صورت تھے۔ سب نے اچھے موضوعات کا چناؤ کیا۔ مجھے جو افسانہ بہترین اور دل کو چھوتا ہوا لگا وہ سعدیہ عابد کا ''رویا من تنہا تنہا'' تھا افسانہ سادہ الفاظ سے بھرپور تھا مگر دل میں محبت کی قندیل روشن کر گیا۔ اس ماہ کے سب ستاروں کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اور اچھا لکھنے کے لیے بہت ساری مبارک باد' اگلے ماہ کے لیے اجازت دیں زندگی رہی تو ضرور حاضری دیں گے۔

☆ ڈیئر ماورا طلحہ! دوسری پوزیشن حاصل کرنے پر ڈھیروں مبارک باد۔

سعدیہ عابد...... کراچی۔ حجاب 24 اپریل کو موصول ہوا جس کے لیے ادارہ حجاب کے ممنون ہیں' یہ حجاب پہ باقاعدہ پہلا تبصرہ ہے۔ مدیرہ کی ''بات چیت'' سے سفر کا باقاعدہ آغاز ہوا ''حمد و نعت'' سے ذہن و دل کو منور کرتے پری وش کے ذکر تک پہنچے تمام بہنوں نے اپنا احوال و تفصیلی تعارف بہت عمدگی سے کروایا (فائزہ، آفیہ، فرحانہ اور انیلا آپ سب کے بارے میں جان کر بے حد اچھا لگا)۔ سباس گل کی محفل ''رخ سخن'' میں عرفان راے کا انٹرویو بہت زبردست رہا اور آغوش مادر میں ملالہ اسلم کے اپنی والدہ کے بارے میں جذبات پڑھ کر دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ یہ مائیں ہوتی ہی اتنی پیاری ہیں کہ زندگی ان کے دم سے ہی ہے اور ان کے ساتھ میں ہی بھلی لگتی ہے ویری ویلڈن ملالہ۔ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے سلسلے وار ناول سے باقاعدہ ڈائجسٹ پڑھنے کا آغاز ہوا چاروں سلسلے وار ناول بے حد عمدگی سے آگے بڑھ رہے ہیں ''میرے خواب زندہ ہیں'' (ماریہ پہ کیا بیتے گی۔ فراز

اور احمر کا اگلا قدم کیا ہوگا) ”دل کے دریچے“ (فائز اور سفینہ کی زندگی میں آگے کیا کچھ ہونے والا ہے سفینہ کی شادی ہو جائے گی) ”شب آرزو تیری چاہ میں“ (ابھی تو کہانی کا آغاز ہے کردار ابھی کھلنے کے مرحلے میں داخل ہیں) ”ڈھل گیا ہجر کا دن“ (نادیہ کی ایک عمدہ کاوش جو امید ہے آگے جا کر ایک نیا موڑ لے گی بہترین لکھنے پہ داد و تحسین) ہر سلسلے وار ناول اپنے اندر ایک کشش رکھے ہوئے ہیں۔ سلسلے وار ناول پڑھنے کا بھی اپنا مزہ ہے اگلی قسط میں کیا ہوگا یہ خیال قسط کو اس کے کرداروں کے ساتھ ذہن میں تازہ رکھتا ہے سلسلے وار سے یکدم چھلانگ لگائی اور سب سے پہلے جو ناول پڑھا وہ ریحانہ آفتاب کا تھا۔ یہ ریحانہ کی پہلی تحریر ہے جو پڑھی ریحانہ آپ نے بہت ہی عمدہ تحریر قلمبند کی آپ کے قلم میں روانی اور لفظوں میں سادگی کی جھلک تھی رسم و رواج کی پابندی میں جکڑی یہ کہانی اپنے اندر بہت سے رنگ لیے ہوئے تھی دشمنی اور محبت کے رنگوں سے سجا ”کج مینوں مرن دا شوق وی سی“ ایک بہترین ناول تھا۔ سلمیٰ فہیم گل کڑوا سچ کے ساتھ حجاب میں جلوہ افروز تھیں آپ کی کہانی پر گرفت بے حد مضبوط تھی آپ نے بے حد خوب صورت ناولٹ لکھا احسن اور ایمان کی نوک جھونک بہت اچھی لگی۔ آپ نے ”اپریل فول“ کے حوالے سے ایک اچھی تحریر سے لوگوں کو مذاق و حقیقت کا فرق سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم انسان مذاق مذاق میں زندگی سے کھیل جاتے ہیں اور پھر پچھتاوے مقدر بن جاتے ہیں۔ اپریل فول کے حوالے سے مدیحہ کنول (کچھ کھونے سے پہلے) اور حیاء بخاری ”توبہ یہ اپریل فول“ نے بھی اچھا لکھا۔ افسانوں میں خدیجہ جلال وہ ایک خطا کے ساتھ بہت خوب صورتی سے جلوہ افروز تھیں آپ کی تحریر ایک سبق آموز تحریر ہمارے معاشرے کا المیہ ہی بن گیا ہے کہ بڑے بڑے گناہ گاروں کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور کسی کی ایک معمولی سی خطا کو زندگی بھر کا روگ بنا دیتے ہیں۔ ”من مسیحا“ بشریٰ ماہا کی۔ ”یہ راہ مشکل نہیں“ مریم مرتضیٰ کی بہترین کاوش لگی جبکہ ماوری طلحہ کی تحریر بھی اچھی تھی صورت و حسن پہ مرنے والی شرمین ٹکرا سے وقت سے قبل کرنے سے پہلے عقل آجاتی ہے باقی سب افسانے بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے حنا کامران اور تمثیلہ لطیف نے بھی خوب رنگ جمایا داد و تحسین۔ مابدولت نے بھی اچھا لکھا ”رویا من تنہا تنہا“ بے حد پسند آئی (اسی کو کہتے ہیں اپنے منہ میاں مٹھو بننا)۔ حجاب کے باقی سلسلے بھی خوب رہے ”کچن کارنر“ کی طرف آنکھ اٹھا کر کبھی نہیں دیکھا کہ کھانا پکانے سے چنداں دلچسپی نہیں۔ اشعار، شوخی تحریر، شوبز کی دنیا ہر سلسلہ اپنے مخصوص انداز میں بے حد معلومات لیے بھلا لگا۔ صبا جرال کا رفعت خان مرحومہ کے حوالے سے آرٹیکل بے حد جاندار اور مرحومہ سے جذباتی لگاؤ کا آئینہ دار محسوس ہوا تمام لکھاری بہنوں کو ایک بار پھر دلی مبارکباد اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

☆ ڈیئر سعدیہ! سیکنڈ پوزیشن حاصل کرنے پر مبارک باد۔

حرا قریشی...... ملتان۔ میری صحت گزشتہ دنوں سے کچھ بہتر ہوئی تو سوچا غذا میں پرہیز اپنی جگہ مگر محبوب من حجاب پر تبصرے سے پرہیز کیونکر بھئی (بالکل ٹھیک سوچا ہے) لکھنے پڑھنے کے شغف میں تخفیف ضرور ہوئی مگر آنچل و حجاب کی تو ہر تحریر گویا دل میں دھڑکن کی طرح رہتی ہے جس کے خانوں پر صرف اور صرف محبت موجود ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ جب بھی دست نازک اس کے بطن پر رقم طرازی کے لیے حرکت میں آتے ہیں تو اس کے بالکل قریب آ کر خواہ وہ مختصر ہو یا طویل سب کہہ دیتے ہیں ہاں اپنے متعلق آڑھا ترچھا کچھ کھینچنے کی بجائے خاموش رہتے ہیں اور پھر یہ ایک ایسی نصف ملاقات ہوتی ہے جو حجاب اور حرا کو ہنوز مکمل کر دیتی ہے۔ کوئی بھی قاری جب بھی یاد کرتا ہے مجھے اس کا محبت نامہ پڑھ کر بے حد مسرت ہوتی ہے۔ محترمہ کوثر خالد جناب من جب سے ”حوض کوثر“ اپنی دسترس میں آئی ہے یقین جانیے آپ کی گردن کے گرد ہار اور کلائیوں میں نور کے کنگن پہنانے کو جی چاہتا ہے۔ یہ نایاب کتابچہ میرے لیے بحر نور ہے جہاں عشق رسول لہر در لہر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا ہے سو دعا ہے رب سوہنا سدا آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہماری محبت کو ثبات عطا کرے آمین۔ حجاب کا اپریل کا شمارہ ملا تو حیا بخاری، سعدیہ عابد، ریحانہ آفتاب و دیگر کو دیکھ کر یہ محسوس ہونے لگا کہ جلد ہی اس جریدے کا حسن و جمال بہت سے شماروں پر بازی لے جائے گا۔ صدف آصف، نادیہ فاطمہ رضوی اور نائلہ طارق کے ساتھ نادیہ احمد تو پہلے سے اس کی رونق بڑھائے ہوئے ہیں اور پھر نو خیز کلیوں (نئے لکھاری) کو جیسے یہ سامنے لا رہا ہے وہ امر بھی قابل تعریف ہے۔ مدیحہ، ماہ یام، ماورا، خدیجہ، بشریٰ، حنا اور مریم غالباً ان سب لکھاریوں نے پہلی بار قدم رنجا فرمائے ہیں سو بھرپور خوش آمدید، جی آیاں نو۔ مدیرہ سے بات چیت ہوئی تو دھیمے دھیمے اسلوب میں الفاظ کا چناؤ، جذبات کا رچاؤ اور آنچل کی سالگرہ پر شکر گزاری کا اظہار بے حد اچھا لگا۔ آغاز میں حمد و نعت کا حسن جریدے کو جیسے پھر سے اچھوتے انداز میں زندہ کر دیتا ہے اور نعت تو بس وہی تحریر کر سکتے ہیں جن کی ذات میں خود علم، ایمان اور محبت کے عناصر موجود ہوں ننھی منی ہر پری وش کے معمولات طور اطوار، پسندیدگی، ناپسندیدگی جان کر لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ انیلا طالب سے کہوں گی غصہ کم کیا کرو اور عافیہ چھوٹے بہن بھائیوں کی پٹائی قطعی نہ کیا کرو کہ جو کام پیار سے ہو جائے ادھر مار کا کیا جواز......؟ محترم عرفان رامے سے سوشل میڈیا پر ہی شناسائی ہوئی یعنی فیس بک پر ہی ان کا نام دیکھا اور پڑھا۔ ان کے نام اور کام کی طرح انٹرویو میں بھی لطافت کا عنصر نظر آیا اور پھر ایک قلم کار کی اس سے بڑی کیا خوبی ہوگی کہ وہ اپنی تحریر کے آغاز اور اختتام سے بخوبی واقف ہو۔ آخر میں نصیحت بھی آزمودہ کی جناب نے ’آغوش مادر‘ میں ملالہ کی آمد سرسوں کے کھیت سی سرسبز بھلی بھلی لگی۔ بلاشبہ اولاد کی خاطر ماں ہر صعوبت جھیلتی ہے اس ہستی پر ہزاروں سلام۔ آہا ”کج مینوں مرن دا شوق وی سی“ ریحانہ جی کا اسم خاص نظر سے کیا گزرا قلبی غنچوں میں موسم بہار آ گیا اور محبت کے جھیلے یتے دور تک بکھر گئے۔ وڈیروں، جاگیرداروں کی تاریخ میں باہم دشمنی کا عنصر سدا سے چلتا آیا ہے جو یہاں بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ نسل کیسے محبت کی آبیاری کر سکتی ہے جہاں انسانی جانوں سے زیادہ گھوڑے اہم ہوں۔ المیر اکے ڈر، معصومیت اور خدشات نے تحریر کی دلکشی کو چہار گنا کیا۔ عائزنے المیر اکی خاطر کیا خوب حکمت عملی اپنائی جہاں عائشے گل کی بے چینیوں پر جی بھر کر ترس آیا وہیں المیر اکی بے بسی اور اس کے اپنوں کے سنگ دلانہ رویوں پر جی بھر کر رونا آیا۔ ایسا اپنے کیا اپنے جو غیروں سے بھی بدتر سلوک کریں۔ شاعری کا طلسم قاری کی توجہ کے ارتکاز پر برق رفتاری کی دبیز چادر ڈالتا رہا۔ عائشے گل کا آگ لگانا اور خودکشی کرنا انتہائی شدت پسند عناصر تھے ایسے لوگ خوش گوار زندگی کے اہل بمشکل ثابت ہوتے ہیں۔ یمیر کی آمد عداوت کا خاتمہ اور پھر دو محبتوں کا ایک ہو جانا آفرین ریحانہ جی بہت بہت خوب! ”وہ ایک خطا“ ایک عورت کی ہمت و ریاضت سے پنپتی مختصر مگر جامع تحریر، ویری ویل خدیجہ۔ ”میرے خواب زندہ ہیں“ ماریہ کی بوکھلاہٹ، زرتاشہ کی پریشانی، کامیش، سونیا کی باہمی چپقلش، وسیم کی بے چینیاں، لالہ رخ کی آمادگی، مہوش کی بے ہوشی مع دیگر واقعات تحریر میں دلچسپ نکات ابھار رہے ہیں۔ توجہ کی سیڑھی پر قدم رکھیں تو اترنے کا دل ہی نہیں چاہتا، خوب تر نادیہ جی، ہمارا معاشرہ کئی ایسی تلخ صداقتوں سے مزین ہے جیسا ایک ”کڑوا سچ“ سلمیٰ جی منظر عام

پڑھ لے کرآئیں کہ اپریل فول کے نام پرایک لغومزاح کتنے لوگوں کے لیے آزمائش کے دہانے کھول دیتا ہے۔ ”توبہ یہ اپریل فول“ سادہ سے انداز میں ایک گدگداتی تحریر، صد شکر کہ ثانیہ کسی بھی بڑے نقصان سے بچ گئی۔ ”دل کے دریچے“ جب وا ہو تو بھلا کون قدم رکھنے سے انکاری ہو۔ لاعلمی واقعی نعمت ہے اور بدگمانیاں رشتوں کی جڑوں کو اکھاڑ دینے والا گہرا جال تو اس ماہ کی قسط کچھ ایسے ہی حقائق پر روشنی ڈال رہی تھی کیا کہنے پیاری صدف آپی آپ کے ویسے بات سفینہ کی ہو فائز کی یا موحل کا ہر کردار ہی اپنی سی کشش لیے ہوئے ہے۔ ماورا کی ادھوری سوچ میں ایک کامل سبق پنہاں تھا بانسبت ظاہر کے باطن کو اولیت دینی چاہیے پر یہ ہر کوئی سمجھتا کہاں ہے؟ ویری گڈ ماورا! سعدی کا بالکل ویسا ہی کھرا اور کھرا انداز۔ انہیں زیادہ آن لائن پڑھا ہے بہت اچھا لکھتی ہیں، زبیدہ شہریار کی خودکشی حیدر عباس کے گناہوں کی تلافی تھی۔ بہت اچھے سعدی! ”شب آرزو تیری چاہ میں“ جانے کیوں سستی ہونے لگتی ہے تھکن حاوی ہوتی ہے تو بھی رابعہ کے کیک بنانے پر نیند آنے لگتی ہے تو کبھی عرش، زرق کی گفت و شنید پر پوری آنکھیں کھول جاتی ہیں۔ ”من مسیحا“ کی صورت بشریٰ نے بھی ایک پراثر تحریر پیش کی، صبر سے بہترین کوئی انعام نہیں بلاشبہ! آخر میں سبق معیاری دیا رنگت کالی بیشک ہو بس نصیب اجلے ہونے چاہئیں۔ کچھ کھونے سے پہلے بس سوچ لو۔ ”ڈھل گیا ہجر کا دن“ کی اب کی قسط پچھلی پر سبقت لئے ہوئے تھی۔ کمال نادیہ آپی جی! انشاط کارحنا کی عمدہ کاوش تھی ہائے نی......! ملیام جی دوہرا معیار منافقت ہر جگہ منتشر ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کوئی بتلائیں کہ ہم بتلائیں کیا؟ مریم کی بھی بس پڑھ ہی لی رفاقت کی چھوٹی سی آپ بیتی، رفعت خان پر رقم کرکے صباحی نے دل دکھ سے بھر دیا۔ سوگواری یکدم عود کرآئی رب سوہنا اس عظیم شخصیت کو سدا اپنے الوہی نور کی چھاؤں میں رکھے کہ انہیں ہم سب سدا یاد کرتے رہیں گے۔ رفاقت جاوید واہ جی ہم بھی مرحبا پروین کہہ رہے ہیں، بزم سخن کو اب کے ففٹی ففٹی مارکس دیئے۔ کچن کارنر میں کیا جھانکیں کہ جب ایسا کچھ کھانا ہی نہیں، انتخاب اس دفعہ بھی رنگ رنگیلے نسیم سحری خوشبو چرائے ہوئے تھے، بھرپور داد زہت آپی! شوخئ تحریر میں ”شہدا کی فضیلت“ نہایت عمدہ تھا پیاری ملالہ کا۔ باقی سب کا بھی اچھا تھا حسن خیال میں اب کے ملالہ کوثر خالد سمیت سب کے تبصرے کمال دھمال تھے۔ پیاری جوہی کے جواب پر بے انتہا پیار آتا ہے۔ (اور ہمیں آپ کے اس پیار پر بے ساختہ پیار آیا) ”ہومیو کارنر“ ہر دفعہ کچھ نہ کچھ مفید گوشوارے ذہن کے مرکز پر رکھ دیتا ہے، جس کا سہرا طلعت جی کے سرجاتا ہے۔ ”شوبز کی دنیا“ میں ہم نے کبھی کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔ ”ٹوٹکے“ معیاری رہے، جس محبت، عقیدت، رغبت سے محترم طاہر قریشی، پیاری قیصر آراء و دیگر اس جریدے کی اشاعت کا نیک فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ رب سوہنا اس کے اجر دونوں جہاں میں انہیں بخشے آمین۔

☆ ڈیئر حرا! آپ کے لیے یہی کہیں گے۔

”اس دلکشی پہ کون نہ مرجائے اے خدا“

آپ کے خوب صورت انداز بیان کے لیے شاعر سے معذرت کے ساتھ۔

کوثر ناز...... حیدر آباد۔ کافی عرصے بعد تبصرے کے ساتھ حاضر ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان چار پانچ ماہ کے دوران تبصرہ لکھنے کی بالکل کوشش نہیں کی گئی لیکن اپنی بری عادت کی وجہ سے عین آخری لمحات میں لکھنے بیٹھے اور لکھ کر فارغ ہوئے تو ہمارا اسد اکا بے وفا لیپ ٹاپ داغ مفارقت کچھ لمحوں کی ہی سہی لیکن دے گیا اور ہم پھر اگلے ماہ تک کے لیے خاموش ہوجاتے اور اگلے ماہ پھر کوئی معروفیت (بھئی پڑھنے لکھنے والوں کی سو مصروفیات ہوتی ہیں)۔ ہم تو حجاب کیمپس سے واپسی پر لیتے آئے اور بیگ میں ٹھونسنے سے پہلے ایک گہری نگاہ ٹائٹل کور پر ڈالنا ضروری خیال کیا۔ ماڈل بس ٹھیک تھی البتہ سر پر موجود آنچل اپنے رنگ سمیت پسند آیا۔ گھر آکر فرصت کے لمحات میں اپنے کمرے کا رخ کیا اور حجاب کا جائزہ لینے بیٹھ گئے۔ فہرست پر نگاہ ڈالنے کے بعد قابل قدر مدیرہ کی ”بات چیت“ پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔ ”حمد و نعت“ سے فیض یاب ہوتے ہوئے۔ ”ذکر اس پری وش کا“ کی حسیناؤں سے ملاقات کی اور پھر ”رخ سخن“ میں عرفان راے کی پرکشش شخصیت کا دیدار۔ ”آغوش مادر“ میں ملالہ اسلم کو پڑھ کر ہم بس یہی سوچتے رہے کہ کاش ہم بھی اپنی مما کے لیے لکھ سکتے لیکن ہائے...... وہ ایک ایسی ہستی ہیں جن پر ہم چاہیں تو بھی مکمل نہیں لکھ سکتے اور ادھورا ہم لکھنا نہیں چاہتے بہرحال آگے بڑھے ریحانہ آفتاب تک جا پہنچے ”کج مینوں مرن دا شوق وی سی“ ریحانہ آفتاب میرا من پسند لکھتی ہیں یا یوں کہہ لیں کہ دلچسپ لکھتی ہیں۔ اچھے کرداروں کے ساتھ نفرت سے محبت کی جانب سفر کرتی ایک اچھی کہانی۔ ”ڈھل گیا ہجر کا دن“ میری حسینہ کا کہہ لیں (نادیہ احمد) پہلی اور دوسری قسط ساتھ پڑھی۔ بلاشبہ نادیہ لفظوں کو خوب صورتی سے کہانی کی صورت دینے کا فن بخوبی جانتی ہیں۔ ابھی تو سمیر کا کردار اچھا لگا ہے فارس بھی اچھا ہے۔ اگلے ماہ تک کے لیے منتظر رہیں پورا تبصرہ کروں گی ان شاء اللہ۔ ”شب آرزو“ ناولہ کو جب بھی پڑھا ہے بہترین پایا ہے شب آرزو لکھ کر اپنی بہترین تحاریر میں اضافہ کررہی ہیں دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے کہ ابھی تو شروعات ہے۔ سلمیٰ فہیم گل ”کڑوا سچ“ کے ساتھ نظر آئیں اور اپریل فول منانے والوں کے ساتھ جھوٹ کو معمولی سمجھنے والوں کے لیے بھی سبق دے گئیں، ایک اچھی تحریر کے لیے مصنفہ کو داد۔ ”دل کے دریچے“ کو صدف آپی اور ”میرے خواب زندہ ہیں“ کو فاطمہ رضوی خوب صورتی سے لے کر آگے بڑھ رہی ہیں۔ ”وہ ایک خطا“ خدیجہ جلال کی معاشرتی کہانی اچھی رہی، سبق ملا معاشرے کا المیہ یہی ہے، معاشرہ کسی بھی ایک غلطی کو پکڑ لے تو تادیر یاد رکھتا ہے۔ ”ادھوری سوچ“ ماورا نے بھی خوب لکھا۔ ”رویا من تنہا تنہا“ سعدیہ عابد کا طرز تحریر بہترین ہے جو اس میں بھی واضح رہا۔ محبت کے دیپ دلوں میں روشن کرتی خوب صورت تحریر ”کچھ کھونے سے پہلے“ اپریل فول کے حوالے سے یہ کاوش بھی پسند آئی۔ ”توبہ یہ اپریل فول“ حیا بخاری کی تحریر بھی اچھی رہی۔ ”من مسیحا“ بشریٰ اچھا لکھا، لکھتی رہیے۔ مریم مرتضیٰ ”یہ راہ مشکل نہیں“ کے ساتھ موجود تھی۔ صبا جرال کا رفعت خان کے حوالے سے سچے لگاؤ اور محبت و جذبات سے پر آرٹیکل پڑھا تو غم پھر سے تازہ ہوگیا آہ! ان کے بارے میں تو کچھ بھی کہنا مشکل ہے جن کے آپ خود قریب رہے ہوں ان کی جدائی پر کچھ کہنا بہت مشکل کام ہے۔ باقی بھی سبھی کاوشیں اچھی تھی۔ کچن کارنر و آرائش حسن کو چھوڑ کر ہم عالم میں انتخاب، شوخئ تحریر، حسن خیال سے لطف اندوز ہوتے تو آخر میں شوبز کی دنیا کو بھی دیکھتے چلے۔ ماہ اپریل میں شامل تمام لکھاریوں کو ایک بار پھر مبارک باد۔ ایسے ہی اچھا اچھا لکھتی رہیں آخر میں ادارے کے لیے ڈھیروں دعائیں کہ آپ ہمارے لیے رسالے کو سجاتے ہیں۔

☆ ڈیئر کوثر! کافی عرصے کی غیر حاضری کے بعد آپ کے بھرپور تبصرے نے محفل کو سجا دیا ہے۔ خوش رہیں اور آئندہ بھی شامل محفل رہیں۔

گل مینا خان...... مانسہرہ۔ اس مرتبہ سردیوں نے فضا، خوشبو، درختوں کے ساتھ ہمارے جذبات کو بھی برف کردیا تھا جو نہی گرمیوں کی

رونقیں بحال ہوئیں ہمارے دل کی سرزمین بھی کھل اٹھی۔ حجاب نے جہاں دن کی چمکیلی روشنی میں دیدار کروایا وہیں نگاہیں ٹائٹل سے ہٹنے سے انکاری ہوگئیں اپنے دست مبارک سے حجاب کو چھوا تو دل میں انوکھی سی محبت محسوس ہوئی۔ ڈیئر حجاب یہ کیسی محبت کہ تجھے دیکھنے سے تجھے چھونے سے دل الگ ہی لے پر دھڑکنا شروع ہوجاتا ہے۔ تیرے آنے پر جو مسرت ہوتی ہے شاید ہی کوئی محبت کرنے والا جانتا ہو۔ سب سے پہلے کمال کی حساس اور کمال کی نرم گداز جذبوں سے لبریز دل کی مالک قیصرآ نٹی سے بات چیت کی ان کی خیر خیریت پتا کرنے کے بعد ان کی دعاؤں کا گلدستہ تھامے بے شاہانہ انداز سے چلتے حسن خیال کی عالیشان بزم میں تشریف آوری کی لوجی ہم چاند بن کر آئے تھے آپ کی بزم کو چاندنی میں رنگنے کے لیے مگر واہ رے سرکار یہاں تو بہت سے ستاروں نے اپنی جگمگاہٹ سے محفل کو حسین سے حسین تر بنایا ہوا ہے خیر کسی کونے میں گل مینا کے تبصرے کو بھی جگہ مل ہی جائے گی آ خر کو ایک محبت نے محبت کے نام اتنی محبت سے لکھا ہے۔ حرا قریشی کا تبصرہ نگاہوں میں آیا تو دل پر چھا گیا حرا قریشی آپ کا انداز ”اس حرا کو دعاؤں میں یاد رکھیے“ بے ساختہ مجھے کسی کی دعا یاد آئی تو مسکراہٹ قلب کے آر پار بکھر گئی ابھی کل کی ہی بات ہے میں چھوٹے بھائی کو ہوم ورک کروا رہی تھی کہ باہر کوئی بڑے خشوع وخضوع سے دعا مانگ رہا ہے۔ یاالٰہی یہ کون نیک اور عاجز بندہ اتنی عاجزی وانکساری سے کسی کو دعاؤں سے نواز رہا ہے۔ بندی کی زبان مبارک پر جو کلمات جاری تھے ان کا خلاصہ کچھ یوں ہے ”یااللہ اس لڑکی کو ہمیشہ خوش رکھنا اس لڑکی کو دنیا وآ خرت کی کامیابیاں عطا فرما یااللہ اس لڑکی حسینہ پر اپنا فضل وکرم کرنا۔ لوجی یہ تو محترمہ حسینہ میڈم ہیں جو خود کو دعاؤں سے نواز رہی ہیں اور ہم سوچ رہے تھے یہ رحمت برسات کس کے لیے ہے۔ ”ڈھل گیا ہجر کا دن“ نادیہ احمد آپ کے اس ناول کی تعریف کرنا میرے بے ہنر قلم کے بس میں نہیں یہ آپ کی بھرپور تحقیق اور وسیع تر مطالعے کا نچوڑ ہے جو کہ ہماری بھرپور توجہ اور یکسوئی کا متقاضی رہا۔ اس ملک میں مونس جیسے لوگوں کی بہتات ہے جبکہ سمیر اور اس کی فیملی کے لوگ بھی بستے ہیں جن کی سوچ پر فخر محسوس ہوتا ہے۔ عورت کو مارنے پیٹنے والے اس پر تشدد کرنے والے اور عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھنے والے شہباز جیسے لوگوں پر بے حد غصہ آیا عورت اگر جوتی ہے تو مرد بھی اس کے سہارے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ریئلی اٹس امیزنگ ”کج میتوں مرن داشوق وی سی“ ریحانہ آفتاب کا شاہکار ناول تھا کرداروں کے جذبات واحساسات کو زیر قلم لانے میں ریحانہ آفتاب اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ ”کڑوا سچ“ اور ”کچھ ہونے سے پہلے“ اپریل فول کے حوالے سے سبق آموز تحریریں تھیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جھوٹے پر لعنت بھیجی ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا پھر بھی ہم مسلمان کتنے دھڑلے سے جھوٹ بولتے ہیں اور مغربی تہوار کے اس فضول دن کو مناتے ہیں۔ ”من مسیحا“ میں حمنہ نے لڑکے والوں کو خوب جواب دیا مزہ آیا۔ حمنہ کے صبر پر اللہ نے اس کو اسد کی صورت بہترین انعام سے نوازا ویری گڈ بشریٰ ماہا۔ ”دل کے دریچے“ میں صدف آپی نے اپنے جوڑ توڑ میں خوب الجھایا ہوا ہے اللہ مزید کامیابی عطا فرمائے آمین۔ ”شب آرزو تیری چاہ میں“ اس ناول کو پڑھ کر کون نائلہ طارق کا مداح نہ ہوا ہوگا۔ نائلہ طارق یہ ناول عجیب مقناطیسی کشش لیے اپنی طرف کھینچتا ہے سچ میں مجھے بڑے بڑے لفظوں کے پل تعمیر کرنے نہیں آتے لیکن ان چند سادہ الفاظ میں میری محبت والفت کا گہرا اظہار پوشیدہ ہے۔ ملالہ اسلم کے ماں کے بارے میں خیالات بڑے اچھے لگے ملالہ اسلم بہت زبردست لکھا آپ نے۔ ”ذکر اس پری وش کا“ سب کی تشریف آوری اچھی لگی شوخئ تحریر عالم میں انتخاب لوجی ہم تو ہر سلسلے سے ہی غائب تھے چلیں سلسلوں میں اگر ہمارا عکس نہیں تو آپ کے دل پر تو ہمارا حق ہے نا (کیا خیال ہے) تبصرہ بہت لمبا ہوگیا ہے بندی کے جانے کا وقت ہوا چاہتا ہے دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

اقرا جٹ...... منچن آباد۔ اس پیاری سی کڑی کا پیار بھرا سلام قبول کریں اہل پاکستان! 8 اپریل کو حجاب ہمارے گھر تشریف فرما ہوا اس دفعہ ٹائٹل بہت سندر تھا۔ حسن خیال میں سب کے تبصرے اچھے تھے آپی حرا صائمہ اینڈ طیبہ شیریں آپ کو مبارک ہو آپی جو ہی ہمارا تبصرہ شریک محفل نہیں تھا ردی کی ٹوکری بہت بھوکی ہے بہرکیف ہم نے پھر سے تبصرہ کرنے کا سوچ لیا۔ ٹوٹکے بھی اچھے تھے۔ شوخئ تحریر عاصمہ عاشق شبنم کنول جازبہ عباسی کنول مدیحہ نورانی اسٹار ثانیہ کرن زہرہ صفیہ سحر وفا ثانیہ آپی پروین فوزیہ ملالہ اسلم صائمہ اینڈ مسز نفیس سب نے بہت اچھی اچھی باتیں بتائیں ہوئی تھیں۔ واقفیت عامہ میں تھوڑا متاثر ہوگیا جی عالم انتخاب بھی عروج پر تھا آرائش حسن ایک جھلک دیکھا تھا۔ کچن کارنر دہی بڑا کباب پڑھتے ہی منہ میں پانی سا بھر گیا۔ بزم سخن میں آپی فریدہ فری کے اشعار ونڈرفل تھے۔ پروین آپی ملالہ انیلہ صائمہ اینڈ بشریٰ آپ کے اشعار کچھ اور ہی اچھے لگے آنچل کسی ایک کے چلے جانے سے کبھی کبھی دنیا خالی لگنے لگتی ہے۔ بات چیت حمد ونعت سے دل کو مستفید کیا۔ ”ذکر اس پری وش کا“ تعارف اچھے تھے میں بھی ایڈونچر ہوں مشکل کام پسند ہیں۔ فائزہ بلال اقرا آپ کی طرح رخ سخن میں انکل عرفان کا انٹرویو بیسٹ لگا۔ آغوش مادر ملالہ اسلم واقعی ماں بہت انمول چیز ہے۔ سلسلہ وار ناول ”میرے خواب زندہ ہیں“ سونیا نے بہت برا کیا فراز کے ساتھ سکون تو اب بھی سونیا کو نہیں آئے گا۔ باسل اینڈ تاشو کا اشیر چلے گا آئی تھنک اور لالہ رخ اور باسل بہن بھائی ہی لگتے ہیں شاید؟ ”دل کے دریچے“ بہت دکھ ہوا مگر محبت کیسے جدا ہوسکتی ہے البتہ آزمائش ضرور آتی ہے بہرحال زبردست جارہا ہے۔ ”شب آرزو تیری چاہ میں“ زبردست ناول ہے سارے کردار ہی اچھے جارہے ہیں دراج کیا سچ میں محبت کرتی ہے زرکاش سے یا وہ بدلہ لینا چاہ رہی ہے؟ چلیں جی دیکھتے ہیں آگے آگے ہوتا ہے کیا ”کج میتوں مرن داشوق وی سی“ ریحانہ آفتاب ونڈرفل بہت اچھی تحریر۔ تعلیم سے ہی دشمنی کی رسموں کو توڑا جاسکتا ہے بہت خوب لکھا۔ ”ڈھل گیا ہجر کا دن“ بہت جارہا ہے ایک سسپنس کری ایٹ ہوچکا ہے ڈاکٹر نور کیا سوچ سوچ کر پریشان رہتی ہیں؟ ”کڑوا سچ“ ناولٹ میں بہت زبردست تحریر تھی اپریل فول جیسی بے ہودہ باتوں کو اپنانے سے بہتر ہے بندہ مرجائے۔ ہم دوسروں کو بے وقوف بنا کہ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں مگر خدا کی لاٹھی بے آواز ہے ہمیں نتائج ملنے پر بہت پچھتاوا ہوتا ہے۔ افسانے تمام ہی زبردست تھے ”تو۔ یہ اپریل فول“ مہنگا پڑ گیا بے چاروں کو وایک خطا اچھی تحریر تھی۔ ”ادھوری سوچ“ اچھا پوائنٹ اٹھایا ہے اب مجھے دیں اجازت زندگی رہی تو پھر حاضر ہوں گے تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

فریدہ فری یوسفزئی...... لاہور۔ السلام علیکم پیاری جوہی! اپریل کا حجاب اپنے دلکش ٹائٹل کے ساتھ ملا جب ہمیں آنچل سے پیار ہے تو حجاب بھی ہمیں اتنا ہی عزیز ہے۔ اس کے افسانے ناولٹ بہترین ہوتے ہیں اور اس میں میری پیاری بھابی پروین نے جو میرے متعلق لکھا اللہ تعالیٰ اس کو پیارے سے بے بی سے نوازے آمین۔ کوثر خالد کو بے حد سلام اور دعا اور ان کی کتاب بھی ہمیں مل گئی شکریہ ڈیئر جی۔ کچن کارنر میں ہمیں نرگسی کوفتے بے حد اچھے لگے اور خوب کھائے۔ عرفان رائے صاحب میرے بہت ہی فیورٹ لکھاری ہیں۔ رخ سخن پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی خوش رہو عرفان جی۔ فائزہ بلال

آفرین انور فرحانہ اور انیلا کے انٹرویو پسند آئے۔ "کڑوا سچ" "توبہ اپریل فول وہ ایک خطا" کچھ کھونے سے پہلے رویا من تنہا تنہا ماۓ فی میں کیوں آئے "کہاں" حرا قریشی فاطمہ ندا کوثر خالد پروین افضل صدف آصف نزہت جبیں ضیا اور سب کو بے حد سلام اور دعا۔ ہم سے زیادہ نہیں لکھا جاتا بہت بیمار ہیں اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر فریدہ! اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ پیاری جوہی پیارے حجاب!

جب تک سیپ کے اندر تھا بے تاج رہا
باہر نکلا عزتوں کا تاج مل گیا

السلام علیکم ورحمتہ اللہ! آج بازار جارہی ہوں بڑی مشکل سے فارغ ہوکر جلدی میں خط لکھ رہی ہوں پورا حجاب بھی پڑھ نہیں پائی جو تبصرہ لکھ پاؤں جتنا تبصرہ رسالہ پر لکھا ہے وہ بھی دیکھنے کی فرصت نہیں لہٰذا زبانی سن لیں۔ حمد تو ہماری رسائی سے بالا اور نعت تو ہمارے حسب حال۔ انٹرویوز سارے دل میں اتر گئے شاعری تو ساری کی ساری ایسی ہضم ہوتی ہے کہ ہمارے دکھ درد سب بہالے جاتی ہے چاہے وہ حسب حال ہو یا حسب غیر ہو۔ ملالہ سے یہ کہنا ہے کہ اتنا حسین خط تحریر کرنے والی ماں نا سے میں اتنی اداس اللہ آپ کی اور سب کی ماں کو سلامت تا قیامت رکھے خوش باش تحریر لکھا کرو۔ حوض کوثر بھیج چکی ہوں ملے تو فون پر اطلاع دو۔ مقدس فاطمہ کو بھیجی ملنے پر رسالہ میں اطلاع دیا کریں فون میرے کانوں سے پرے پڑا رہتا ہے فون کرتا ہے جسے تو صرف رات کو کریں۔ آج جویریہ دمی اور فریدہ فری کو حوض کوثر روانہ کرنے جارہی ہوں بمعہ آٹو نظم دعائیہ نظم اور جویریہ کو پنجابی نعتیں بھی دونوں کی فرمائش پر ان کی آٹو دعا کا ایک شعر قارئین بھی ملاحظہ کریں اگر پوری شائع کروانا ہوتو وہ لوگ خود مرسلے کے طور پر کروائیں تو سنو۔

جویریہ دمی اے پیاری بیٹی ساری دعائیں تیرے لیے ہیں
بہاروں کا موسم خوشیوں کا گلشن ساری شفائیں تیرے لیے ہیں

فریدہ فری......!

چلو کوثر دعا مانگیں فریدہ پر کرامت ہو
سدا تسبیح کے دانوں پر شفائیں رقص کرتی ہیں

ملالہ تمہاری نظم تو تم تک پہنچ چکی اب تم ہی حجاب آنچل کو چاہو تو متعارف کروادینا۔ میں اس وقت صحن میں ہوں تمہاری نظم اندر کسی پھول رسالے کے اشتہار میں پرا جان اور ہم اندر جانے سے معذور بھئی جلدی بازار جانے کی وجہ سے ابھی نہانا بھی ہے اور جمعہ بھی ہے۔ بیٹی کے آتے ہی ڈاک خانہ دوڑنا ہے داری کو آج چکرآ رہے ہیں اور جسم کانپ رہا ہے تو اسے روٹی رات کی رکھی دے دوں۔ باقی بازار سے آکر نماز تسبیحات بھی پڑھنی ہیں اور بچوں کو پڑھانا ہے تو اللہ حافظ۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ اس بار اپریل کا حجاب حیا بخاری کے دلکش سرورق سے سجا 12 اپریل کو ملا۔ سرورق دیکھتے ہی یہ شعر ہونٹوں پر مچلنے لگا۔

جس کے سارے رنگ میری آنکھوں کو ازبر ہیں عامر
آؤ دل کی دیواروں پر وہ صورت تحریر کریں

بات چیت میں آپ ہمیں شکریہ کہہ رہی تھیں کہ سالگرہ مبارک کے پیغامات بھیجے ہماری دعا ہے کہ ایسی ہزاروں سالگرہ حجاب منائے آمین۔ حمد و نعت پڑھ کر ایمان کو تازہ کرکے آگے بڑھی رخ سخن میں صبا گل نے ہمارے ہر دل عزیز عرفان رامے کا انٹرویو بہت ہی خوب صورتی سے کیا ان کے سوال اور رامے صاحب کے جوابات پڑھ کر ان کے بارے میں کچھ جاننے کا موقع ملا۔ "ڈھل گیا ہجر کا دن" خوب جارہی ہے اس کے علاوہ افسانوں میں "توبہ یہ اپریل فول" "وہ ایک خطا" "کچھ کھونے سے پہلے" "دل کے دریچے" "شب آرزو تیری چاہ میں" پسند آئے۔ بزم سخن میں میری نند فریدہ جاوید فری مدیحہ نورین مہک شبنم کنول بشریٰ کنول سرور فوزیہ سحر۔ عالم میں انتخاب میں صائمہ سکندر سومرو شائستہ جٹ۔ شوخئ تحریر میں جازبہ عباسی ملالہ اسلم۔ حسن خیال میں حرا قریشی صائمہ سکندر سومرو سدرہ مرتضیٰ ملالہ اسلم چھائے رہے۔ میری نگارشات پسند فرمانے کا بہت بہت شکریہ۔ میری پیاری نند یعنی فریدہ جاوید فری کے لیے مجھ ناچیز کے دل سے ہمیشہ دعائیں نکلتی ہیں کہ وہ ہمیشہ خوش و خرم رہیں اور بیماریاں ان سے اتنی دور چلی جائیں جتنی دور زمین سے آسمان ہے۔ آپی جوہی احمد آپ کے لیے اور آپی فریدہ کے لیے کہوں گی......

وقت کے ایک ایک پل میں یاد آتے ہو تم
سانس کی ایک ایک لے کو چھو جاتے ہو تم
جب ہوتی ہے رات تو نکلتے ستارے
چاند میں مسکراتے نظر آتے ہو تم

سحر حسین...... ڈنگہ۔ السلام علیکم! آنچل و حجاب ٹیم امید کرتی ہوں سب لوگ خیریت سے ہی ہوں گے تو جناب آتی ہوں تبصرہ کی طرف۔ سرورق پر حیا بخاری نے استقبال کیا سرورق پسند آیا جس کی وجہ تھی کہ سر پر دوپٹہ تھا۔ نادیہ احمد "ڈھل گیا ہجر کا دن" پہلی قسط پزل تھی اور دوسری بھی لاجواب۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" نائلہ طارق باقی دو کی طرح یہ بھی اچھی تھی پلیز تھوڑے زیادہ صفحات کی کردیں۔ اس کے بعد "دل کے دریچے" صدف آصف آپ ہماری پسندیدہ رائٹر ہیں۔ افسانے تو سارے اچھے تھے ناولٹ صرف ایک تھا کم از کم دو ہونے چاہئیں۔ "ذکر اس پری وش کا" یہ سلسلہ اچھا ہے کیونکہ ہر ماہ کسی نہ کسی بہن کے بارے میں جاننے کو ملتا ہے اگر کوئی ہمارے بارے میں جاننا چاہے تو حاضر ہیں۔ مستقل سلسلے سارے ہی اچھے تھے سب میں کچھ نہ کچھ کام کی بات ہوتی ہے چلئے اگلے ماہ تک اللہ حافظ کیسا لگا تبصرہ ضرور بتائیے گا جواب کی منتظر رہوں گی شکریہ۔

☆ پیاری سحر! ذکراس پری وش میں آپ بھی شامل ہوسکتی ہیں۔

دلکش مریم...... چنیوٹ۔ آنچل وحجاب فیملی کو میری طرف سے سلام ودعا۔ سستی کو بھگاتے ہوئے اس بار حجاب مکمل پڑھا ہے اور اب تبصرہ حاضر ہے اس سے پہلے کہ آپ سوچیں دلکش بس آنچل ہی پڑھتی ہیں حجاب نہیں پڑھتی اس لیے حجاب میں تبصرہ نہیں کرتی تو ایسی بات نہیں ہے میں آنچل وحجاب دونوں ہی پڑھتی ہوں اور دونوں ہی میرے پسندیدہ ترین ڈائجسٹ ہیں۔ ڈھکے سر کے ساتھ ماڈل گرل سرورق پسند آیا۔ "بات چیت" سنی ما شاء اللہ لکھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ بہت سے نئے نام سامنے آرہے ہیں اور کچھ کے نام ابھی انتظار کی فہرست میں ہیں۔ میں آپ سب کے لیے دعا گو ہوں کہ جلد ہی آپ کا نام آنچل وحجاب میں چمکے آمین۔ "حمد ونعت" سے دل کو منور کیا اور پڑھا "ذکراس پری وش کا" سبھی پریوں سے مل کر بہت اچھا لگا۔ رخ سخن میں عرفان رامے سے ملاقات خوب رہی خوب صورت شخصیت کے مالک ہردلعزیز انسان خدا آپ کو سلامت رکھے آمین۔ آغوش مادر ملالہ اسلم تعریف کے لیے الفاظ نہیں کہ ماں ایسی ہستی ہے جس کے لیے جتنا لکھا جائے کم ہے۔ سلسلہ وار ناولز میں "میرے خواب زندہ ہیں" خوب صورت ترین ناول ہے۔ ماریہ کی بے بسی پر دل کڑھتا ہے تو سونیا کا گلا دبا دینے کو دل کرتا ہے آخر فراز سے بدلہ لے ہی لیا اس نے۔ فراز کے لیے لالہ رخ بیسٹ ہے انہیں جلدی سے ملا دیجیے۔ صدف آصف "دل کے دریچے" میں اب پھول کھلا ہی دیں بس کریں فائز اور سفینہ کو آزمانا اب دونوں کو ایک کر ہی دیں۔ نائلہ طارق کا "شب آرزو" ٹاپ آف دی لسٹ ناول ہے۔ جس کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ "ڈھل گیا ہجر کا دن" ماضی وحال کو لے کر چلتا نادیہ احمد کا ناول لاجواب ہے سبھی کردار ایک سے بڑھ کر ہیں ویل ڈن۔ مکمل ناول "کج مینوں مرن دا شوق وی سی" ریحانہ آفتاب کی یاد رہ جانے والی تحریر۔ ناولٹ "کڑوا سچ" سلمٰی فہیم گل کی اپریل فول پر لکھی تحریر واقعی ایسا سچ ہے جسے کوئی نظر انداز نہیں کرسکتا البتہ احسن کی موت دکھی کرگئی مگر وہی بات سچائی کڑوی ہوتی ہے اللہ سب کو ہدایت دے اور ان فضول کے تہواروں کو منانے سے گریز کریں۔ افسانے بھی بہترین تھے مگر حیا بخاری، ماورا طلحہ، سعدیہ عابد، بشریٰ ماہا، مایام اعوان اور مریم مرتضیٰ کے افسانے بہت ہی زبردست تھے۔ آرٹیکل رفعت خان کی وفات کا پڑھ کر دل آبدیدہ ہوگیا' دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام دے آمین۔ "جیسا میں نے دیکھا" پروین شاکر کی ذات کے کئی پہلو دکھائی دیے اور ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ مستقل سلسلوں میں فریدہ فری، پروین افضل، انیلا طالب، صائمہ سکندر سومرو، حنا اشرف، سحر گل، حرا قریشی، طیبہ شیریں اور کوثر کی نگارشات پسند آئیں۔ دعا ہے آنچل کی طرح حجاب بھی بہت ترقی کرے اور اپنا نام روشن کرے آمین۔

راؤ رفاقت علی...... دنیاپور۔ السلام علیکم آنچل وحجاب۔ خصوصاً آپی قیصر آرا بھائی طاہر اور سعیدہ آپی اللہ پاک آپ سب کو سدا خوش رکھے آمین۔ اس بار 24 تاریخ کو آنچل وحجاب ہمارے ہاتھ لگ گئے تو گویا اپنی عید ہوگئی۔ حجاب کا ٹائٹل دل کو بھا گیا۔ ماڈل کا سر پہ دوپٹا لینا بہت ہی معزز انداز۔ قیصر آپا کا یہ کہنا کہ سب کی تحریریں باری آنے پر لگیں گی، لکھنے والوں کے لیے حوصلہ مند بات ہے کیوں کہ ان کے لیے کوئی لکھاری نئی یا پرانی نہیں۔ سب کے لیے ان پرچوں میں جگہ ہے بس کہانی کا معیاری ہونا شرط ہے۔ "حمد ونعت" سے فیض اٹھانے کے بعد "ذکراس پری وش کا" میں سب کے تعارف پسند آئے۔ رخ سخن میں عرفان رامے جی کی دانشمندانہ باتیں مزہ دے گئیں۔ آغوش مادر پڑھ کر دل بھر آیا بے شک ماں جیسی ہستی کوئی دوسری نہیں۔ اس کے بعد باری آئی ریحانہ آفتاب کی "کج مینوں مرن دا شوق وی سی" واہ واہ کیا شاندار لکھا۔ واقعی دشمنی شروع ہونے کے بعد بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ "میرے خواب زندہ" نادیہ فاطمہ کے ناول کی کہانی اچھی ہے۔ مجھے لالہ رخ کا کردار بہت اچھا لگتا ہے۔ سونیا جیسے منفی کرداروں سے چڑ ہے مگر یہ نہ ہوں تو اسٹوری میں ٹوئسٹ کہاں سے آئے گا۔ سلمٰی فہیم گل کا "کڑوا سچ" خود ایک حقیقت ہے۔ سچ ہمیشہ کڑوا ہی ہوتا ہے۔ سلمٰی نے ایک اچھی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہم بلاوجہ جھوٹ بول دیتے ہیں۔ یہ جانے بنا کہ اس سے کسی کو کیا نقصان پہنچتا ہے ویسے بھی اپریل فول کی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو مسلمانوں کو اس میں بے وقوف بنایا گیا تھا جس کی تقلید بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔ حیا بخاری اور مدیحہ کنول نے بھی بہترین لکھا مصنفات تک تعریف پہنچا دی جائے، ان دونوں کے موضوع بھی خاصے سبق آموز تھے۔ اس کے بعد باری آئی ہے میرے سب سے پسندیدہ ناول دل کے دریچے کی۔ صدف آصف نام ہی کافی ہے جو کسی تعریف کا محتاج نہیں۔ صدف آصف کہانی کو بڑی عمدگی سے لے کر چل رہی ہیں۔ فائز اور سفینہ کے کردار دل کو چھو گئے ہیں۔ لگتا ہے سفینہ کی شادی آفاق سے نہیں ہو پائے گی فائز کی ماں سارا بیگم کا کردار کچھ اچھا نہیں لگتا۔ آفاق کی بہن روشنی معصوم سی لگتی ہے مگر آفاق شاہ کا بیچ میں آنا دل کو ڈرا رہا ہے۔ ہاں روشنی کالڑکا بن کر بولنا بہت مزہ دیتا ہے۔ ویل ڈن صدف آصف۔ نائلہ طارق کو پہلے ردا میں پڑھا، حجاب میں ان کا یہ پہلا ناول "شب آرزو تیری چاہ میں" پڑھا جو کہ پسند آیا نائلہ جی سارے کردار انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ ہیں، نادیہ احمد جی! "ڈھل گیا ہجر کا دن" ایک اچھی تحریر جس کو پڑھ کر مزہ آتا ہے۔ علینہ اور سمیر کا کردار بہت اچھا ہے فارس بھی اچھا لگتا ہے۔ گڈ جاب۔ بشریٰ ماہا، مایام اعوان کے افسانے اچھے ہیں۔ ماورا طلحہ نے تو اس بار کمال ہی کردیا "ادھوری سوچ" بہت زبردست تھا۔ ماورا نے حقیقت پر مبنی لکھا واقعی زرمین جیسی بے شمار لڑکیاں بالکل ایسا ہی ہوکرتی ہیں زرمین کی سوچ بہت چھوٹی تھی۔ ماورا طلحہ اتنا اچھا لکھنے پر بہت بہت مبارک باد یونہی اپنے قلم سے موتی بکھیرتی رہیں۔ زیادہ تعریف اس لیے کہ تھوڑی پرروتا بڑے نچ میں بہت ہی زبردست لکھا ہے ویلڈن۔ ایک انتہائی خوب صورت تحریر اللہ زور قلم پیدا کرے۔ رفعت خان کی وفات کے حوالے سے مضمون پڑھ کر دل دکھی ہوگیا۔ اللہ جی انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دیں۔ رفاقت جاوید جیسا میں نے پڑھا ویسا ہی میں نے پایا۔ کچن کارنر کے پاس سے گزرتے ہوئے منہ میں پانی بھر آیا۔ انتخاب میں صبا ایشل نے بازی ماری ہے۔ شوبز میں ساحر لودھی کی موجودگی نے دل باغ باغ کردیا۔ تبصرہ کچھ زیادہ ہی طویل ہوگیا ہے آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنچل وحجاب کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔

ریما نور رضوان...... کراچی۔ السلام علیکم! ڈیئر حجاب ڈائجسٹ' دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ منفرد ہوتے ہوئے منفرد لفظوں کے ساتھ حجاب ریڈرز، حجاب رائٹرز، حجاب اسٹاف، حجاب ایڈیٹر، حجاب ڈائجسٹ سے جڑے ہر فرد واحد کو میرا ریما نور رضوان کا پیار و خلوص بھرا السلام علیکم! کیسے ہیں جی کیسے مزاج ہیں۔ امید کرتی ہوں کہ سبھی بخیر وعافیت سے ہوں گے' آپ سبھی کی ذہنی وقلبی سکون وراحت، صحت، سلامتی، خوشگوار، پرسکون زندگی کے لیے دعا گو ہوں۔ اپریل کا شمارہ لیٹ ملا۔ خوشگوار موسم میں سرشام چھت پر ڈھلتی سورج کی روشنی میں حجاب ڈائجسٹ کو کھولا فہرست میں خوب

صورت لکھاری بہنوں کے نام جگمگاتے دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ مدیرہ کی محفل میں گئی اور بات چیت کے سہانے ماحول میں کھوگئی۔ حمد و نعت نے اپنے سحر میں گرفتار کرلیا' سبحان اللہ۔ ذکر اس پری وش کا' سبھی حسیناؤں سے خوب صورت ملاقات رہی۔ میرا پسندیدہ مستقل سلسلہ آغوش مادر واقعی ماں کا نعم البدل نہیں۔ ملالہ نے اپنے جذبات کو لفظوں کے خوب صورت و دلکش پیرہن پہنا کر دل موہ لیا' بہترین۔ "دل کے دریچے" قلم کار صدف آصف فائز صاحب کا رویہ درست کیجیے۔ سفینہ بے چاری افسردہ سی اچھی نہیں لگ رہی۔ "ڈھل گیا ہجر کا دن" قلم کار نادیہ احمد' نادیہ آپی بلاشبہ بہت باکمال مصنفہ ہے' اتنا سسپنس پھیلا ہوا ہے' تیسری قسط کا انتظار ہے۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" قلم کار نائلہ طارق تمہیں تو رواں میں اکثر و بیشتر پڑھتی ہی رہتی تھی۔ یہ ناول بہت عمدگی سے بنا ہے۔ محبت و نفرت کے رنگوں سے مزین دلکش تحریر' موضوع وہی انداز نیا' بہت خوب' ماشاءاللہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔ "میرے خواب زندہ ہیں" قلم کار نادیہ فاطمہ رضوی' ہیں...... یہ سونیا کو کیا ہوگیا یہ ایسی تو نہ تھی۔ اس ناول کی منظر نگاری مجھے اٹریکٹ فل لگتی ہے۔ زبردست اگلی قسط دیکھیں کن رازوں کو افشاں کرتی ہے۔ غرض یہ کہ سلسلے وار تمام ناولز سپرہٹ جا رہے ہیں۔ "رویا من تنہا تنہا" ڈیئر سعدیہ حجاب میں شرکت مبارکاں مبارکاں تمہاری تحریریں اکثر پڑھتی رہتی ہوں لیکن یہ تحریر متاثر کن رہی نہایت خوب صورت اسلوب اپنایا گیا۔ محبت کے مختلف رنگوں سے سجی تحریر بہت خوب۔ "من مسیحا" قلم کار بشریٰ ملہا! واہ جی واہ ڈیئر زبردست ہمارے گھروں میں ہونے والی عام سی بات کو خوب صورت پیرائے میں بیان کیا۔ "کچھ کھونے سے پہلے" قلم کار مدیحہ کنول سبق آموز تحریر بہت خوب۔ رفعت آپی ایک خوب صورت یاد بن کر ہمارے دلوں میں سدا رہیں گی۔ صبا نے دلسوز لکھا' آنکھیں نم کر گئی۔ "یہ راہ مشکل نہیں" قلم کار مریم مرتضیٰ' دوسروں کو کمتر و حقیر سمجھنے والوں کی سوچ بدلنے والی تحریر بہت بہترین۔ "وہ ایک خطا" سنجیدہ و خوب صورت بامعنی لفظوں میں مقید تحریر ہمارے بگڑے معاشرے کی اصلاح کرتی۔ باقی ڈائجسٹ زیر مطالعہ ہے۔ اچھا جی اب اجازت چاہوں گی' اپنا اور اپنے سے جڑے ہر فرد کا بے حد خیال رکھئے گا۔ سدا ہنستے مسکراتے رہیے۔ مجھے دعاؤں میں یاد رکھئے گا آپ کی دعاؤں کی طلبگار۔

آمنہ رحمن مانی...... ریالی' مری۔ ڈیئر حجاب ڈائٹرز ریڈرز اور حجاب اسٹاف کو مانی کی طرف سے محبتوں' چاہتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ جی ٹھیک سمجھیں' میں فرسٹ ٹائم حسن خیال میں انٹری مار رہی ہوں' باقی سلسلوں میں گاہے بگاہے شرکت کرتی رہتی ہوں یعنی کہ حجاب ہمارے ہاتھوں میں پلا ہے بلکہ پل رہا ہے۔ حجاب کے سبھی سلسلے بیسٹ لگتے ہیں۔ حسن خیال' عالم انتخاب' شوخی تحریر' کچن کارنر' آرائش حسن یا شوبز کی دنیا ہو (آل دی بیسٹ)۔ حجاب میں زیادہ شوخی تحریر' عالم انتخابات میں تین چار بار شرکت کرچکی ہوں' کیسا لگا اب کی بار میرا آنا ہاں؟ جی جو کوئی دوستی کرنا چاہتے ویلکم۔ زندگی نے وفا کی تو پھر انٹری دوں گی تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

☆ڈیئر آمنہ! آپ کی آمد بہار کی مانند لگی' آئندہ مصنفین کی تحریر پر بھی تبصرہ کیجیے گا۔

عائشہ رحمن ھنی...... ریالی' مری۔ السلام علیکم حجاب! ہاؤ آر یو' اوہو نہیں پہچانا میں آئی بھی تو پہلی بار ہوں نا' تمہاری حیرت بجا ہے وہ کیا ہے ناں کہ کبھی ادھر کا رخ نہیں ہوا' ذرا آنچل سے ملاقات ہوگئی تو کافی ٹائم گزر گیا اب اتنی لمبی چوڑی وضاحت کے باوجود اگر تم مجھ سے خفا ہو تو تمہاری مرضی' ایکسکیوز کر تو رہی ہوں' تم پر مرتی ہوں حجاب تو کیا مار ہی ڈالو گے۔ اوہو بابا آج تو آگئی ناں' مان کے ہی نہیں دے رہے' تم' میں چلی گئی تو کبھی واپس نہیں آؤں گی۔ اوکے ناں...... پھر روؤ گے مگر فائدہ کوئی نہیں ہوگا۔ میں بلیک میل نہیں کر رہی یار' انفارم کر رہی ہوں' یار مان گئے ناں' اوکے شکریہ پیارے شکریہ' تم بہت اچھے ہو بالکل اپنے بھائی آنچل کی طرح رنگیلے۔ تمہارے سبھی سلسلے بیسٹ ہیں' گاہے بگاہے شمولیت ہوتی رہتی ہے میری مگر حسن خیال میں پہلی بار آئی ہوں۔ شوخی تحریر میں مزے مزے کی باتیں پڑھنے کو ملتی ہی ہیں' رہی "عالم میں انتخاب" کی بات تو مختلف لوگوں کے مختلف شاعروں کے مختلف انتخابات کو پڑھ کر وجود پر چھائی کسلمندی پل بھر میں نو دو گیارہ ہوجاتی ہے۔ سچی مچی جھوٹ نہیں بول رہی' یقین کرلو ناں۔ "آرائش حسن" ہائے اوہ ربا! کیا کریں جی سجنے سنورنے سے خاص لگاؤ نہیں' ہاں اتنی دلچسپی ہے بس منہ دھونے کی حد تک۔ (نظر آ رہا ہے...... کاش میک اپ کرلیتی' بھئی مصنفین کی تحریروں پر) کچن کارنر شوق بہت ہے کوکنگ کا مگر اشیا کی کمی کے باعث دل نہیں کرتا سو معذرت۔ بزم سخن مزہ آجاتا ہے پڑھ کر کیونکہ ماہ دولت کے اشعار بھی گاہے بگاہے شامل ہوتے رہتے ہیں۔ "جیسا میں نے دیکھا" ویسا کسی نے نہیں دیکھا واقعی اللہ جھوٹ نہ بلوائے اور پھر رنگ برنگے افسانے' سلسلہ وار ناول' ناولٹ' مکمل ناول' آل از گڈ۔ "شوبز کی دنیا" کی معلومات ملتی ہیں گڈ۔ سب سے بیسٹ سلسلہ ہے "آغوش مادر" تسکین مل جاتی ہے پڑھ کے' ماں تو بس ماں ہوتی ہے چاہے کسی کی بھی ہو کیا خیال ہے' کافی وقت لے لیا حجاب تمہارا ٹائم دینے کے لیے شکریہ دوست! پھر آؤں گی تفصیلی ملاقات کے لیے فی الوقت رب راکھا۔

☆اب اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ اللہ تعالیٰ وطن عزیز کو ہر مشکل و آفات سے محفوظ رکھے آمین۔

ناقابل اشاعت:

بونی' اپریل فول' مجھے لے چل اپنے دیس' ہیرو' اعتبار' ہائے ری قسمت' لاڈلی' اہل' ساس' فساد' امید اب بھی باقی ہے' بھروسہ' محبت' بددعا' آسیب زدہ' نوال' زندگی تم ہو' نیا سال مبارک ہو۔

قابل اشاعت:

جیا نہ لگے' دشت سراب' حسن کائنات' صدائے بہار' پیاسنگ عید' محبت جیت جاتی ہے' تجدید وفا' چاندنی کی جنت' تھوڑی سی وفا چاہیے' گول گلی' مسیحائی۔

husan@aanchal.com.pk

باؤگولہ (Hystreia)

ہسٹریا (Hystreia) یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی بچہ دانی (Uterus) یہ ایک ایسا اعصابی مرض ہے جس کی وجہ نفسیاتی ہوتی ہے۔ اس بیماری سے یہ ضروری نہیں کہ نظام جسم میں بذات خود کوئی تکلیف پیدا ہو۔ ہسٹریا کا آلات تولید کے نظام عصبی سے گہرا تعلق ہے اس مرض میں نوے فی صد عورتیں اور دس فی صد مرد مبتلا ہوتے ہیں۔

یہ مرض عصبی ہے اور نظام عصبی کے افعال میں فتور واقع ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ مرض صرف عورتوں تک ہی نہیں کیونکہ یہ محض رحم کی خرابی سے پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ مردوں میں بھی یہ مرض دیکھنے کو آتا ہے۔

اسے باؤ گولہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ جب اس مرض کا دورہ شروع ہوتا ہے تو مریضہ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پیٹ سے ایک گولہ اٹھ کر اوپر کو جا کر اس کے حلق میں اٹک گیا ہے۔

پرانے طبیب اس مرض کو صرف عورتوں کی بیماری سمجھا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ مرض رحم کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے لیکن اب جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ مرض ان عورتوں کو بھی ہوتا ہے جن کے رحم میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ عصبی مزاج کے مردوں کو بھی یہ مرض دیکھنے میں آتا ہے اس مرض میں کسی عضو میں کوئی خاص نقص نہیں ہوا کرتا بلکہ نظام عصبی کے فعل میں عارضی نقص واقع ہو کر اس مرض کا دورہ ہوا کرتا ہے۔

جو خواتین اس مرض میں مبتلا ہو جائیں اپنے آپ کو مختلف امراض میں گھرا محسوس کرتی ہیں' کوئی اپنے آپ کو فالج میں مبتلا سمجھتی ہیں کوئی عام جسمانی تکلیف بیان کرتی ہیں' کوئی لنگڑا کر' کوئی پاؤں گھسیٹ کر چلتی ہیں۔ کوئی نچلے دھڑ کے فالج میں خود کو مبتلا سمجھتی ہے لیکن جب کھڑا کیا جائے تو کھڑی ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ وہمی طور پر بیمار ہوتی ہیں بعض کو گرانی سر کی شکایت ہوتی ہے بعض کو اختلاج قلب۔

بعض عورتیں حواس خمسہ ظاہری کی حس کو بہت تیز پاتی ہیں یعنی معمولی تیز روشنی کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتیں' معمولی آواز کو تیز' ہلکی کو بہت زیادہ محسوس کرتی ہیں بعض خواتین پیٹ کے درد کی شکایت کرتی ہیں بعض گلے میں ورم بتاتی ہیں' کچھ امراض سل میں خود کو مبتلا پاتی ہیں۔

لیکن چونکہ وہ واقعی طور پر ان امراض میں اپنے آپ کو مبتلا سمجھتی ہیں اس لیے بالآ خر رفتہ رفتہ فکر و تخیل کے زیادہ اثر کر لینے کی وجہ سے وہ واقعی ان امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

علامات کے لحاظ سے ہسٹریا کی دو قسمیں ہیں

☆ خفیف ہسٹریا

☆ شدید ہسٹریا

خفیف ہسٹریا

مریضہ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیٹ سے ایک گولہ اٹھ کر اوپر کو جاتا ہے اور گلے میں اٹک گیا ہو' وہ اس کو نگلنے کی کوشش کرتی ہے اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ یہ تکالیف جلد ہی دور ہو جاتی ہے' مریضہ کو تھوڑا سر اور گردن میں سختی محسوس ہوتی ہے' ڈکار آتے ہیں' شکم پھول جاتا ہے' دل دھڑکتا ہے' پیشاب پتلا اور بکثرت خارج ہوتا ہے' چہرے پر سرخی نمایاں ہوتی ہے۔

شدید ہسٹریا

یکا یک مریضہ چیخ مار کر رونے لگتی ہے یا زور سے ہنسنے لگتی ہے۔ سر میں تکلیف محسوس کرتی ہے' پیٹ سے گولا اٹھ کر اوپر کو جاتا محسوس ہوتا ہے اور وہ آہستہ

آہستہ زمین پر گر پڑتی ہے بظاہر وہ بے ہوش ہوتی ہے لیکن آس پاس کی آوازوں کو بخوبی سنتی ہے ہاتھ اور پیروں میں تشنج ہوتا ہے۔ مرض کا دورہ لوگوں کی موجودگی میں پڑتا ہے یہ دورہ چند منٹ سے چند گھنٹوں یا دنوں میں محیط ہوتا ہے۔ ایک دورے کے بعد دوسرا دورہ فوراً پڑسکتا ہے سوتے میں دورہ نہیں پڑتا' جب مرض کا حملہ دور ہوجاتا ہے تو مریضہ کو بہت نقاہت محسوس ہوتی ہے۔

ہسٹریا کی یہ نمود آگے بڑھ کر ارادی اور غیر ارادی عضلات (Voluntary and Involuntary) کو متاثر کرتی ہے تو شدید قسم کے تشنجی دورے پیدا ہوسکتے ہیں۔

یہ دورے محض لرزہ کی کیفیت سے لے کر شدید تشنجی بدوضع دوروں تک ہوسکتے ہیں' ایک ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ ہسٹریا کے دوروں میں' دانتوں کا بجنا' منہ کا ٹیڑھا ہونا' آنکھوں کا اوپر کی طرف چڑھ جانا' مسلسل ڈھیلوں کا آنکھوں کے حلقوں میں گھومتے رہنا۔ ہاتھوں اور پیروں میں کھنچاوٹ کا پیدا ہوجانا' مٹھیوں کا بند ہوجانا' جسم کا اکڑ جانا دیکھا جاتا ہے۔ یہ کیفیت چند منٹ سے کئی گھنٹوں تک رہ سکتی ہے اور اس کے بعد یکا یک آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اور یہ تشنجی کیفیت اپنے آپ رفع ہوکر دورہ ختم ہوجاتا ہے۔

اسباب مرض

یہ مرض موروثی ہوتا ہے جن والدین کو مرگی یا ہسٹریا کا عارضہ ہو ان کے بچوں کو یہ مرض ہوجاتا ہے۔ اس مرض میں عموماً بارہ سے چالیس سال تک کی عمر کی عورتیں مبتلا ہوتی ہیں۔ عورتوں میں حیض کی خرابی یا حیض کا بند ہونا' شہوانی خیالات کا غلبہ' عیش وعشرت کی زندگی گزارنا' رنج وفکر' غصہ وخوف' عشق میں ناکامی و بدنامی' دائمی قبض' مردوں میں بکثرت دماغی محنت وعشقیہ خیالات۔ مقامی اور طبعی اثرات ہسٹریا کے پیدا کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

ادویات

ہسٹریا کے دورے کے دوران کپڑے ڈھیلے پہنا دینے چاہئیں اور مریضہ کو چت لٹا دینا چاہیے۔ ٹھنڈے پانی کے زوردار چھینٹے چہرے پر دینے سے اکثر یہ دورہ رک جاتا ہے' مریضہ کے جذبات کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے معالج کو برداشت اور ہمت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

مندرجہ ذیل ادویات ہسٹریا کی تمام علامات کو سامنے رکھ کر منتخب کی گئی ہیں۔

چڑچڑاپن اور بے صبری

جلسی میم' پلساٹیلا' پسپا' نکس وامیکا' کوکلس' سائی پریڈیم۔

بے حد اعصابی کمزوری

پلاٹینا' فاسفورک ایسڈ' اٹرس فاری نوسا' مسلسل ایک ہی خیال کے تاریک پہلو کو سوچے۔ اگنشیا' نکس وامیکا' جلسی میم۔

حد سے زیادہ خوف

اکونائیٹ' پلاٹینا' پلساٹیلا۔

توھمات:۔ بے خوابی

سمی سی فیوگا' ویلیریانہ' سائی پریڈیم' ہیڈاوما۔

دل میں کمزوری

ہائیڈروسیانک ایسڈ' فاسفورس۔

دعا فاطمہ

مہوش حیات

آئٹم سانگز سے شہرت حاصل کرنے والی ماڈل،

فنکارہ مہوش حیات نے کہا ہے کہ مجھے بھارتی فلموں میں کام کرنے کا لالچ نہیں (افف آفر ہی نہیں) مجھے نامعلوم افراد کے بعد کئی بار ممبئی سے آفرز آچکی ہیں سچ میں لیکن میں نے انہیں مسترد کردیا ہے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میں اپنے ملک کی فلموں ڈراموں کے لیے وقت دیتی ہوں (کیسے وضاحت بھی کردیں) انہوں نے کہا کہ پاکستانی اداکار شہرت حاصل کرنے کے لیے بھارت جاتے ہیں لیکن بھارتی فلمسازوں نے پاکستانی فنکاروں کو سی کلاس سے اگلے درجے پر رکھا ہوا ہے (اس بات سے ہم بھی متفق ہیں) لیکن اس کے باوجود ہمارے فنکار وہاں کرداروں کی بھیک کے لیے فلمسازوں کے آگے پیچھے چکر کاٹتے رہتے ہیں (اپنا بھی حال سنادیں) انہوں نے کہا کہ پاکستانی فلمی صنعت اب ترقی کی جانب رواں دواں ہے اور اب کراچی لاہور میں معیاری فلمیں بننا شروع ہوچکی ہیں بس اب ضرورت اس بات کی ہے کہ فلمساز اچھے موضوعات کو تلاش کرکے فلمیں بنائیں۔

گائیکی کی دنیا

ملک کی معروف اداکارہ وینا ملک نے گائیکی کے میدان میں قدم رکھ دیا، (ان کی کسر رہ گئی تھی بے سروں میں) پہلے ملی نغمے اے دشمن وطن کی باقاعدہ افتتاحی تقریب گزشتہ روز آرٹس کونسل میں منعقد کی جس میں انہوں نے کہا کہ اپنے ملی نغمے کے ذریعے ملک کو کچھ دینے کی کوشش کی ہے (خاموش رہتی تو بہت احسان ہوتا)، مزید ملی نغمے ریلیز کروں گی، فلمی گائیکی کے حوالے سے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی، ملی نغمے کی شاعری لیفٹیننٹ کرنل (ر) کاظم حسین شاہ کی ہے جبکہ کمپوزنگ عرفان سلیم ملی اور ماسٹر عمران خلیل نے کی ہے، میوزک پروڈیوسر سہیل عباس ہیں، انہوں نے کہا کہ پاکستان کی تہذیب و ثقافت کو اجاگر کرنا میرا مشن ہے، موسیقی اور شاعری اپنے جذبات لوگوں تک پہنچانے کا بہترین ذریعے ہیں، ملی نغمے ''اے

دشمن وطن'' میں ہمت اور جذبے سے آگے بڑھنے کا پیغام ہے، دنیا بھر میں ملک کے سوفٹ امیج کو اجاگر کیا جائے گا، پاکستان ایک امن پسند ملک ہے جس کی بہادر افواج نے بے پناہ قربانیاں دے کر ملکی حرمت وسلامتی کو یقینی بنایا ہے

،انہوں نے کہا کہ اے دشمنان وطن صرف ایک ترانہ ہی نہیں بلکہ کسی فنکارہ کی طرف سے دنیا میں اپنے ملک کا جھنڈا بلند کرنے کی ایک خوب صورت کوشش ہے، اس موقع پر لیفٹیننٹ کرنل (ر) تمغہ امتیاز (ملٹری) کاظم حسین شاہ، کمانڈر آصف، ارم، دیگر موجود تھے، ملی نغمہ سوشل میڈیا میں پسند کیا جارہا ہے۔ (رشتے داروں میں) افتتاحی تقریب کی کمپیئرنگ کے فرائض معروف کمپیئر و اداکار علی سلیم نے انجام دیئے۔

مغربی و مشرقی موسیقی

پاکستانی نژاد برطانوی گلوکارہ سائرہ پیٹر نے آرٹس کونسل میں منعقدہ لائیو کنسرٹ میں عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کا کلام مغربی اوپرا موسیقی میں پیش کر کے ممبران آرٹس کونسل کے دل جیت لئے۔ گلوکارہ نے مغربی و مشرقی موسیقی کا حسین امتزاج پیش کیا۔ اس موقع پر میوزک کمیٹی آرٹس کونسل کی جانب سے گلوکارہ کو تعریفی شیلڈ بھی پیش کی گئی۔ لائیو کانسرٹ میں شوبزنس کے مشہور فنکاروں سمیت سول سوسائٹی کی اہم شخصیات نے بھی شرکت کی۔ جن میں نامور گلوکار محمد علی شیخی، سنیئر گائیک ایس بی جون، گلوکار عارف انصاری، اسماء لتا، ایس ایس پی روبن یامین، چیئر مین میوزک کمیٹی کاشف گرامی، پریس اینڈ پبلی کیشن کمیٹی کے چیئر مین بشیر سدوزئی اور دیگر نے خصوصی شرکت کی۔ اس موقع پر گلوکارہ سائرہ پیٹر کا کہنا تھا کہ آرٹس کونسل کراچی کی جانب سے ملنے والی پذیرائی نا قابل فراموش ہے۔ صدر آرٹس کونسل محمد احمد شاہ اور ان کی ٹیم کی بے حد مشکور ہوں۔ میں لندن میں رہ کر بھی پاکستان کی محبت میں کھینچی چلی آتی ہوں۔ ساری دنیا میں کانسرٹ کرتی ہوں پاکستان جیسا رسپانس کہیں نہیں ملتا۔ پاکستان کی مٹی کی خوشبو میری آواز، موسیقی اور سروں میں سمائی ہوئی ہے میں موسیقی سے عشق کرتی ہوں صوفیاء کرام کا کلام اوپرا میں پیش کر کے روحانی سکون ملتا ہے۔ لائیو کانسرٹ کے کمپیئرنگ کے فرائض معروف اینکر رافیہ رفیق نے خوب صورتی کے ساتھ انجام دیئے۔

ناکامی

ٹی وی اینکر اور اداکار ساحر لودھی کی بطور ہدایتکار پہلی فلم ''راستہ'' باکس آفس پر بری طرح ناکام ہوگئی اور شہر بھر کے سینماؤں نے ریلیز ہونے کے تین اور چار روز کے دوران اتارنا شروع کردی، معلوم ہوا ہے کہ سینماؤں کے کے بجلی کے بل بھی پورے نہیں ہوسکے (ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے) فلمبینوں نے فلم راستہ کو ایک تیسرے درجے کا ٹی وی ڈرامہ قرار دیا اور کہا کہ اتنے منجھے ہوئے فنکار کو ایک معیاری فلم بنانا چاہیے تھی۔

مولا جٹ ۲

ہدایتکار بلال لاشاری نے بالآخر ماہرہ خان کو اپنی نئی فلم مولا جٹ ۲ کے مرکزی کردار کے لیے راضی کرلیا دو ترکی سے واپسی پر فلم کے شیڈول کے مطابق شوٹنگ میں حصہ لیں گی ماہرہ خان جنہوں نے شعیب منصور کی فلم ورنہ اور ہدایتکار قربانی کی فلم کے باعث بلال لاشاری کی فلم

چھوڑ دیا تھا لیکن بلال لاشاری نے ماہرہ خان کو یقین دلایا ہے کہ وہ ان دونوں فلموں کے شیڈول کو ڈسٹرب کیے بغیر اپنی فلم مکمل کروائیں گے دوسری طرف ماہرہ خان نے بھی بلال لاشاری کے ساتھ فلم کے معاہدے کی تصدیق کردی (پھر یہ بیان کس کے لیے)۔

بیچاری مہرالنساء کے لیے

ٹی وی کی معروف فنکارہ عیشا نور نے کہا کہ میں نے اپنے سینئرز سے دس سالوں میں بہت کچھ سیکھا (بہت کم وقت لیا آپ نے) ہے اپنے معیاری کام کے ذریعے اپنی منفرد شناخت حاصل کی کام کا معیار ہی ہمیشہ سے میری اولین ترجیح رہا ہے کیونکہ ایک فنکار کی اصل شناخت اس کا معیاری کام بنتا ہے کام میں معیار نہیں ہوگا تو کامیابیاں بھی نہیں ملیں گی اور اس کے ساتھ ہی کردار میں حقیقت کا عکس نظر آنا بھی بہت ضروری ہوتا ہے تاکہ دیکھنے والے بھی متاثر ہوسکیں۔ ان خیالات اظہار کیا انہوں نے اپنے انٹرویو میں کیا۔ عیشا نور کا کہنا تھا کہ ساحر لودھی ٹیلنٹڈ اور تعاون کرنے والے انسان ہیں۔ (اس بات سے ہی آپ کی قابلیت کا اندازہ ہوجاتا ہے) ان کی فلم راستہ میں جرنلسٹ کا کردار ادا کرچکی ہوں اس میں میرے کردار کو بہت پسند کیا جارہا ہے فلموں سے آفرز تو بہت ہوتی ہیں پر مجھے فلمز سے اچھے اسکرپٹ پر مبنی اپنے کردار کی آفرز کا انتظار ہے جس میں خود کو میں فٹ محسوس کرسکوں اور اسکرپٹ کی ادائیگی اور ڈائریکٹر کی ڈائریکشن کو صحیح کیچ کرکے یادگار کردار ادا کرسکوں ان دنوں میرا ڈرامہ بیچاری مہرالنسا آن ایئر ہے جس میں سوتن کا کردار ادا کررہی ہوں یہ بہت پسند کیا جارہا ہے اللہ پاک کی شکر گزار ہوں اب تک جتنا بھی کام کیا وہ سب معیاری ہی رہا ہے۔

محنت پہ یقین

اداکارہ صائمہ نے کہا ہے میں نے ہمیشہ میرٹ پر فلمیں سائن کی ہیں اور اسی لیے آج میرا انڈسٹری میں منفرد مقام ہے اپنے ایک انٹرویو میں صائمہ نے کہا کہ میری کوشش ہے کہ میں اسی طرح محنت سے کام کرتی رہوں جس فلم میں بھی اداکاری کروں وہ شائقین کو پسند آئے محنت پر یقین رکھتی ہوں اداکاری کا جنون کی حد تک شوق ہے اور کچھ ایسا کرنا چاہتی ہوں جسے شائقین ہمیشہ یاد رکھیں میری آنے والی فلم شائقین کو ضرور پسند آئے گی۔

میں ناکام اداکارہ

فلم اسٹار میرا نے کہا ہے کہ میں ناکام اداکارہ نہیں ہوں (کاش نہیں کہنا بھول جاتی) بلکہ اس وقت بھی فلموں میں اداکاری کررہی ہوں میرے مخالفین میرے خلاف جو پروپیگنڈہ کررہے ہیں میں اس سے ان کو کچھ نہیں ملے گا، اپنے ایک انٹرویو میں میرا نے کہا کہ میں ایسے لوگوں کی باتوں پر کان نہیں دھرتی بلکہ اپنے کام سے کام رکھتی ہوں میری آنے والی فلمیں ہمیشہ کی طرح شائقین کو ضرور پسند آئیں گی میں محنت پر یقین رکھتی ہوں اور میری کوشش ہے کہ میں جب تک اداکاری کروں میرے کام کو اسی طرح پسند کیا جائے آنے والی فلموں میں کردار بہت اہمیت کے حامل ہیں میں ہمیشہ بہت سوچ سمجھ کر فلمیں سائن کرتی ہوں۔

میری کہانی سنو

فلم اسٹار نرگس عوام کے دلوں پر بجلی گرانے آرہی ہیں۔ (ملک میں لوڈشیڈنگ اتنی ہورہی ہے اور یہ محترمہ دلوں پر بجلی گرائیں گی) عیدالفطر کے دن سے صرف الحمرا ہال میں اس ڈرامہ کا آغاز ہوگا جس کے پروڈیوسر خالد بجر ہیں اور اس ڈرامہ کی رائٹر و ڈائریکٹر اداکارہ نرگس ہیں اس ڈرامہ کی کہانی نرگس کی اپنی زندگی کی کہانی ہے نرگس کا کہنا ہے کہ کافی عرصہ سے میں اپنی زندگی کی کہانی عوام کے سامنے لانا چاہتی تھی تو قلم کا سہارا لیتی لیکن......) میری زندگی کی کہانی میری ہی زبانی مداحوں تک پہنچے گی۔ عید کے اس بڑے ڈرامہ کے لیے پروڈیوسر خالد بجر نے ایک نیا اور جدید سیٹ بھی بنوایا ہے خالد بجر نے عید پر فلمسٹار کو الحمرا ہال میں خوش آمدید کہا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ڈرامہ شائقین کو فلمسٹار نرگس نئے اسٹائل اور نئے ڈانس آئٹمز کے ساتھ نظر آئیں گے۔

ہندی میڈیم

بالی ووڈ میں ہدایتکار ساکیت چوہدری کی فلم "ہندی میڈیم" سے فنی کیریئر کا آغاز کرنے والی پاکستانی اداکارہ صبا قمر کی تشہیری مہم میں حصہ لینے کے لیے بھارت جائیں گی ہندو انتہا پسندوں کی پاکستانی فنکاروں کو دھمکیوں اور بھارت میں داخلے پر پابندی کے بعد فواد خان اور ماہرہ خان اپنی فلموں کی تشہیر کے لیے بھارت نہیں جاسکے جبکہ ماہرہ خان نے شاہ رخ خان کے ساتھ فلم کی تشہیر کا موقع نہ ملنے پر افسردگی کا بھی اظہار کیا تھا لیکن اب بالی ووڈ میں قدم رکھنے والی پاکستانی اداکارہ صبا قمر کے بھارت جانے کا امکان ظاہر کیا گیا ہے۔ بھارتی میڈیا رپورٹس کے مطابق پاکستانی اداکارہ صبا قمر کی پہلی بالی ووڈ فلم ہندی میڈیم کی تشہیر کے لیے بھارت نہ جانے کی خبریں سامنے آئی تھیں جن کی تصدیق خود فلم پروڈیوسر نے کی تھی لیکن اب بھارتی میڈیا نے دعویٰ کیا ہے کہ پاکستانی اداکارہ اپنی فلم کی تشہیر کے لیے جلد ہی بھارت آئیں گی جہاں وہ ساتھی اداکار عرفان خان اور ہدایتکار ساکیت چوہدری کے ہمراہ فلم کی تشہیری مہم میں حصہ لیں گی دوسری جانب فلم کی ٹیم کے مطابق صبا قمر بھارت میں فلم کی تشہیر کے لیے آنے کی خواہشمند ہیں اور نہ ہی کسی قسم کے دباؤ کا شکار ہیں لیکن ان کی آمد کا انحصار ویزا جاری ہونے پر ہے۔

انار کلی

اداکارہ پروڈیوسر و ڈائریکٹر زیبا بختیار نے طویل عرصے کے بعد ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں مصروف ہونے کا فیصلہ کرلیا۔(بیکار بیٹھنے سے کوئی کام اچھا) زیبا بختیار نے ماضی میں بطور اداکارہ اور پروڈیوسر فلمیں بنائی ہیں ان کا کہنا ہے کہ آج کل پھر معیاری فلمیں بن رہی ہیں، اچھی فلموں اور ڈراموں سے فلم اور ڈرامے کی صنعت کو فروغ ملے گا زیبا بختیار نے پی ٹی وی کراچی کے ڈرامہ "انار کلی" سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا ان کو بھارتی فلم حنا میں کام کرنے کی وجہ سے لازوال شہرت حاصل ہوئی۔

اچھے کام کو ترجیح

اداکار معمر رانا نے کہا ہے کہ نئے نئے کردار ادا کرنے کا شوق ہے اور میری کوشش ہوتی ہے کہ میں ہر کردار میں شائقین کے دل جیت سکوں (مگر کوشش ناکام ہوجاتی) اپنے ایک انٹرویو میں معمر رانا نے کہا کہ اس وقت میں دو فلموں کی شوٹنگ میں مصروف ہوں جس میں میرے کردار بہت اہمیت کے حامل ہیں اور امید ہے کہ جس طرح اس سے قبل میرے کام کو پسند کیا گیا اب بھی ضرور پسند کیا جائے گا میں پیسوں کے بجائے معیاری کام کو ترجیح دیتا ہوں (سفید جھوٹ) اور مستقبل میں بھی میری یہی کوشش ہوگی کہ میں صرف اور صرف اچھے کام کو ہی ترجیح دوں۔

حسینہ عاشق تیری

اداکارہ ندا چوہدری گوجرانوالہ کے راکسی تھیٹر میں اسٹیج ڈرامہ "حسینہ عاشق تیری" میں اپنے فن کے جلوے دکھائیں گی، ان کو ڈرامہ پروڈیوسر نجم زیدی نے اپنے اسٹیج ڈرامہ کے لیے خصوصی طور پر کاسٹ کیا ہے ندا چوہدری طویل عرصے کے بعد گوجرانوالہ میں ہونے والے اسٹیج ڈرامے میں پرفارم کریں گی ڈرامے کے لیے ندا چوہدری نے خصوصی آئٹم تیار کیا ہے۔

اسٹیج ڈرامہ

اسٹیج کی مالکہ صائمہ خان اور کامیڈین کنگ نسیم وکی اور دیگر شوبز فنکار لندن روانہ ہوگئے جہاں وہ اسٹیج ڈرامہ پرفارم کریں گے، صائمہ خان اور کامیڈین کنگ نسیم وکی نیہا بلوچ، ناصر چنیوٹی، ہنی البیلا، مہر النساء، مظفر ڈوگر سمیت فنکار بھی شامل ہوں گے اس حوالے سے لندن روانگی سے قبل خصوصی گفتگو میں نسیم وکی نے بتایا کہ بیرون ممالک ڈرامہ کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے مگر ہمیں اپنے پرستاروں کے پیار میں بیرون ملک جاکر بھی ڈرامہ کرنا پڑتا ہے۔

سر کے درد کی وجوہات

بعض لوگ اکثر سر درد دور کرنے کے لیے اسپرین، پیناڈول اور پونستان کے علاوہ دیگر دوائیں بھی اپنے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں اور اگر ان سے بھی افاقہ نہ ہوتو پھر ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں۔ سر درد کے پوشیدہ اسباب کی تشخیص اور پھر اس کا علاج کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سر میں درد کی بے شمار وجوہات ہوسکتی ہیں جن میں سے ایک سبب سر درد کی شدت کو کم کرنے یا روکنے کے لیے دواؤں کا اندھا دھند استعمال بھی ہے۔ سر درد کی مناسب تشخیص اور علاج کے لیے کسی ایسے تربیت یافتہ اور ماہر معالج سے رجوع کرنا چاہیے جسے پرانے قسم کے اور مسلسل سر درد کی تشخیص اور علاج کا وسیع تجربہ حاصل ہو۔

اگرچہ زیادہ تر سر درد کی شکایتیں عارضی نوعیت کی اور زیادہ خطرناک نہیں ہوتی ہیں لیکن ان کی وجہ سے روزمرہ زندگی کے معمولات بری طرح متاثر ہوتے ہیں اور زندگی کا معیار گھٹ سکتا ہے۔

سر درد دور کرنے کے لیے اگر آزمودہ گولیوں سے افاقہ نہ ہوتو پھر مجبوراً جب مریض ڈاکٹر کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں سر درد کی اصل وجہ کا سراغ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر حضرات مرض کی تہہ تک پہنچنے کے لیے جب مریض سے مختلف سوالات کرتے ہیں۔ مریض کو چاہیے کہ وہ کم از کم دو ہفتوں کے دوران سر درد کی شکایتوں کی تفصیل سے اپنے معالج کو آگاہ کرے اس ضمن میں جو سوالات پوچھے جاسکتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

❖ سر کا درد کتنی دیر تک برقرار رہتا ہے؟ (منٹ، گھنٹے دن) اور کیا روزانہ سر میں درد ہوتا ہے یا ہفتے کے بیشتر دنوں میں یہ شکایت ہوتی ہے؟

❖ کیا کسی چیز سے سر درد کو تحریک ملتی ہے؟ (مثلاً نمکین غذا، مخصوص خوشبو یا مہک، نیند کی کمی، ذہنی دباؤ)

❖ کس چیز سے آرام ملتا ہے؟ (نیند، تاریک کمرا، دوائیں، ذہنی دباؤ میں کمی یا اور کوئی دوسری چیز)

❖ جب سر میں درد ہوتا ہے تو کیا اس وقت یا اس سے پہلے نظر میں کوئی تبدیلی محسوس ہوتی ہے مثلاً مناظر دھندلے نظر آتے ہیں یا ایک کی جگہ دو شکلیں نظر آتی ہیں یا الٹی یا متلی محسوس ہوتی ہے یا روشنی اچھی نہیں لگتی؟

❖ کیا سر کا درد سر کے ایک حصے میں یا دونوں حصوں میں محسوس ہوتا ہے؟

❖ جب سر میں درد ہوتا ہے تو کیا اس وقت آپ کے جسم کے کسی حصے میں جھنجھلاہٹ ہوتی ہے یا وہ سن ہوجاتا ہے؟

❖ کیا آپ کو پہلے بخار تھا یا اس وقت ہے؟

❖ سر درد کی شکایت کس عمر میں شروع ہوئی اور کیا موجودہ درد سابقہ تجربات سے مختلف لگتا ہے؟

❖ کیا آپ کے خاندان میں کسی اور کو بھی آدھے سر کے درد یا ٹینشن کی وجہ سے سر درد کی شکایت ہوتی ہے؟

❖ دن بھر میں آپ کتنی کیفین لیتے ہیں (چائے کافی پیتے ہیں)

❖ پسندیدہ غذائیں کون سی ہیں اور نیند کس طرح کی آتی ہے؟ (نیند میں خراٹے لیتے ہیں یا نیند پوری نہ ہونے سے تھکاوٹ محسوس کرتے ہیں)

❖ کیا رات کو نیند میں آپ دانت پیستے ہیں یا کھانا چباتے ہوئے سر میں درد محسوس کرتے ہیں۔

❖ کیا کبھی آپ کی گردن یا سر پر چوٹ لگی تھی؟

❖ جب آپ کھڑے ہوتے یا لیٹتے ہیں تو کیا اس وقت سر کا درد بڑھ جاتا ہے؟

❖ اگر آپ خاتون ہیں تو کیا ایام کے دوران یا اس کے بعد سر میں درد ہوتا ہے؟

سر درد کے عمومی اسباب

اگر سر کا درد طویل عرصے تک برقرار رہے تو یقیناً یہ

ایک قابل تشویش بات ہے اگرچہ ایسا کم ہوتا ہے لیکن بعض اوقات سر کا درد سنگین طبی مسائل کی نشاندہی کرسکتا ہے۔ معالجین عموماً اس قسم کے درد کو درج ذیل دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

ابتدائی...... آدھے سر کا درد شقیقہ ایک آنکھ سمیت سر کا درد ذہنی دباؤ سے ہونے والا درد یا کسی اور وجہ سے ہونے والا درد۔

ثانوی سر درد وہ ہوتا ہے جس میں کسی دیگر عارضے یا طبی خرابی کی وجہ سے درد محسوس ہو مثلاً کسی انفیکشن (گردن توڑ بخار) یا رسولی یا دماغ کے اندر خون کے رساؤ، سر میں چوٹ لگنے، کنپٹی کے اندر واقع شریانوں کی سوزش جو عموماً پچاس سال یا اس سے زیادہ عمر کی لوگوں میں ہوتی ہے۔ بے قابو ہائی بلڈ پریشر کی خرابیوں، دانتوں کی تکلیف اور اعصابی نقائص کی وجہ سے بھی سر میں درد محسوس ہوسکتا ہے۔

سر میں درد کی شکایت کرنے والے مریضوں سے ان کے معالجین یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ وہ اس درد کو دور کرنے کے لیے عموماً کس قسم کی دوائیں کتنی مقدار میں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ یہ جاننا اس لیے ضروری ہے کہ بعض اوقات ان دواؤں کے زیادہ استعمال سے بھی سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ علاج شروع کرنے سے پہلے ڈاکٹر مریض کا مکمل جسمانی معائنہ کرسکتا ہے خاص طور پر دوران خون اور اعصابی نظام کے کام کرنے پر خصوصی توجہ دی جاسکتی ہے۔ بلڈ ٹیسٹ یہ جاننے کے لیے کیا جاسکتا ہے کہ مریض کسی انفیکشن یا بیماری میں مبتلا تو نہیں ہے۔ علاوہ ازیں سر کی سی ٹی اسکیننگ یا ایم آر آئی بھی کروائی جاسکتی ہے۔ اگر کنپٹی کی شریانوں میں کسی نقص کا اندیشہ ہو تو اس کی بایوپسی کروائی جاسکتی ہے اگر سر درد کی وجہ گردن توڑ بخار محسوس ہو تو حقیقت حال جاننے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی رطوبت بھی جانچی جاسکتی ہے۔ تشخیص مکمل ہونے کے بعد سر درد کی شدت اور اس کے لوٹ کر دوبارہ آنے سے بچانے کے لیے علاج تجویز کیا جاسکتا ہے۔

ماہم نعیم...... ملتان

حسن کی نگہداشت

حسن کی نگہداشت کے لیے آلو بے حد مفید ہے۔ کھانے میں تو ہفتے میں ایک دوبار اس کا استعمال ہو ہی جاتا ہے۔ چہرے کے داغ دھبوں کے لیے بھی اس کا استعمال مفید ہے۔ آلو یا آلو کا رس چہرے پر ملنے سے یہ دھبے دور ہو جاتے ہیں اور رنگت بھی نکھرتی ہے۔ اگر آلو کے قتلے کاٹ کر آنکھوں پر لگا کر چند منٹ لیٹ جائیں تو اس سے آنکھوں کے گرد حلقے دور ہوجاتے ہیں اور تھکن بھی دور ہوتی ہے۔ چہرے کی صفائی کے لئے ایک آلو کدوکش کر کے لیموں کا رس، جو کے آٹے اور دودھ میں ملا کر چہرے پر لگائیں یہ ایک بہترین فیس ماسک ہے۔ اس سے چہرے پر تازگی پیدا ہوگی اور صفائی کے بعد چہرہ بھی نکھر جائے گا۔

پودینہ بھی حیرت انگیز فوائد کا حامل ہے۔ یہ نظام ہاضمہ کے لیے بہت مفید ہے۔ اکثر نظام ہاضمہ کی خرابی سے چہرے پر دانوں اور مہاسوں کی شکایت ہو تو پودینے کو کھانے پینے کی اشیاء میں زیادہ سے زیادہ استعمال کریں یہ شکایت نہیں رہے گی۔ تازہ پودینے کا پیسٹ بنا کر روزانہ رات کو چہرے پر استعمال کرنے سے دانے اور خشکی دور ہو جاتی ہے نیز پودینے کے رس کو ایگزیما سے متاثرہ جلد پر لگانے سے بھی حیرت انگیز نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

گاجر میں وٹامن اے موجود ہوتا ہے جو جلد اور بالوں کے لیے بہترین وٹامن ہے اس لیے سردیوں میں عام مشروبات کے برعکس گاجر کا جوس زیادہ سے زیادہ استعمال کریں اس سے خون بھی صاف بنتا ہے اور آنکھیں بھی چمک دار ہوتی ہیں ساتھ ہی بینائی بھی تیز ہوتی ہے۔ گاجر کا عرق چہرے پر لگانے سے چہرہ صاف اور چمک دار ہو جاتا ہے۔ چہرے کی تازگی کے لیے گاجر کو کدوکش کر کے ایک چھوٹا چمچہ شہد روغن بادام کے چند قطرے اور تھوڑا سا گندم کا آٹا ملا کر مساج کریں۔ دس سے پندرہ منٹ بعد نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں۔ چہرہ شاداب ہوجائے گا۔

روبینہ زکریا...... چک کھاٹاں